واضح البیان

فی

تفسیر ام القرآن

★

حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

★

ادارہ ترجمان السنہ

۷۔ ایبک روڈ ، لاہور

Marfat.com

واضح البیان

فی

تفسیر اُمّ القرآن

تالیف
امام العصر حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
ادارہ ترجمان السنۃ ایبک روڈ انارکلی لاہور

Marfat.com

DATA ENTERED

۲۹۷۰۱۶
۲۸۵۴ و
۱۷۸۷۵

ناشر ———— ادارہ ترجمان السنہ لاہور

طابع ———— اشرف پریس لاہور

تعداد اشاعت ———— ایک ہزار

تاریخ اشاعت ———— فروری ۱۹۷۲ء

طبع ———— دوم

قیمت ———— سولہ روپے پچاس پیسے

ملنے کا پتہ ———— ادارہ ترجمان السنہ ایبک روڈ لاہور

جامعہ ابراہیمیہ میانہ پورہ سیالکوٹ

Marfat.com

فہرست مضامین واضح البیان فی تفسیر اُمّ القرآن!

مضمون	نمبر صفحہ
الخطب الجليلة العربية	۱۷
اما بعد فی تحریک التفسیر	۲۱
مقدمہ فی اصول التفسیر	۲۶
دیباچہ تفسیر (اردو)	۳۳
شکایت زمانۂ حال۔	۳۵
خوش اعتقاد احباب کا تقاضا۔	"
التماس ضروری۔	۳۸
عام ناظرین سے گذارش۔	
تفسیر بالرائے کیا ہے؟	
معذرت وعرض حال۔	۴۱
علم اسرارِ دین۔	۴۲
طرزِ تحریر وطریق بیان۔	۴۵
ذکر لطائف کا نمونہ۔	۴۶
اصول تفسیر ہذا (اردو)	۴۹
تفسیر قرآن بزبان قرآن۔	۵۰
ردِ مخالفین۔	۵۳
تفسیر بالآیات۔	۵۴
تفسیر بالاحادیث۔	"
تفسیر باقوال صحابہ۔	۵۵
جمع منقول ومعقول۔	۵۶
اسمائے سورت فاتحہ۔	۵۸

مضمون	نمبر صفحہ
امام بخاری رد کی طرف سے جواب۔	
جائے نزول۔	۶۴
بحث اوّلیتِ نزول۔	"
فضائل سورت فاتحہ۔	"
سورت فاتحہ کا دم موجب شفاء۔	
تفسیر بسم اللہ شریف!	۶۷
بِسْمِ	"
بسم اللہ کا رسم الخط۔	"
اللہ تعالےٰ کا اسم بھی بابرکت ہے۔	
نقشہ فہرست اسمائے حسنےٰ۔	۶۹
اسم اعظم۔	۷۰
دعا مانگنے کا طریق۔	۷۱
آنحضرت ﷺ کی بعض دعائیں۔	۷۲
یحیٰ نبی کی دعا۔	"
ہر مصیبت کی دعا اور اسم اعظم۔	۷۳
حضرت ایوبؑ کی دعا۔	۷۳
غم واندوہ کی دعا۔	"
آگ جلنے کے لیے دعا۔	"
بیمار کے لیے حضرت علی رضؓ سے	۷۴
منقول دُعا۔	"
حضرت نوحؑ کی دعا۔	"

Marfat.com

مضمون	صفحہ
ازالہ شبہ۔	۷۴
التسمیہ۔	۷۵
رسم الخط۔	〃
معانی بلحاظ اشتقاق۔	۷۷
حکمت۔	۷۸
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	۷۹
رحمت کا اطلاق بنی آدم کے لیے اور ذات باری کے لیے۔	
اسم الرحمٰن کی خصوصیت۔	
تنبیہہ۔	
وجہ تقدیم الرحمٰن۔	۸۲
تتمہ اسم الرحمٰن۔	〃
نکتہ عجیبہ۔	۸۳
مسائل وسنن متعلق بسم اللہ۔	۸۴
ہر اہم کام کے ابتدا میں بسم اللہ۔	〃
میاں بیوی کے خاص تعلق کے وقت بسم اللہ۔	۸۴
وضو کے ابتدا میں بسم اللہ۔	〃
جائے ضرورت میں جانے پر بسم اللہ۔	۸۵
کھانے پینے کے وقت بسم اللہ۔	۸۸
سونے کے وقت بسم اللہ۔	〃
سواری کے وقت بسم اللہ۔	۸۹
سورت توبہ کے سوا سب سورتوں کا ابتدا	۹۰

مضمون	صفحہ
بسم اللہ سے ہے۔	۹۰
جہری نماز میں بسم اللہ بھی بالجہر پڑھے۔	۹۲
صحابہ قائلین جہر بسم اللہ۔	۹۵
تابعین وتبع تابعین۔	۹۶
امام ابوحنیفہ اور بسم اللہ۔	〃
ترک واخفائے بسم اللہ کی روایات اور فیصلہ۔	۱۰۰
تفسیر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ	
الحمد۔	۱۰۹
حمد، مدح اور شکر میں فرق۔	
لِلّٰہِ	۱۱۱
نکات اربعہ وفائدہ۔	۱۱۳
قرآن میں الحمد للہ کی تعداد۔	
قرآن میں مواقع حمد۔	
فضائل الحمد للہ از احادیث۔	۱۱۹
آنحضرت ﷺ احمد اور آپ کی امت حمادون۔	
بائبل کا حوالہ۔	
نیند سے بیداری پر حمد۔	۱۲۱
نئے لباس پر الحمد للہ۔	۱۲۳
نئے چاند پر الحمد۔	〃
سفر سے واپس آنے پر الحمد للہ۔	〃

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
قبولیت دعا اور شفا پر الحمد۔	۱۲۳	میں حضرت موسیٰؑ نے خدا کو	۱۴۳
چھینک آنے پر الحمد۔	//	رب العالمین کہا۔	
مبتلائے مصیبت کو دیکھ کر الحمد للہ کہنا	//	حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا	//
فرزند کی موت پر الحمد للہ۔	//	مکالمہ۔	
بچے کی زبان کھلنے پر پہلا سبق۔	//	اسم رب سے اثبات نبوت۔	
سواری پر بیٹھے تو الحمد للہ۔	۱۲۴	اسم رب سے اثبات معاد۔	۱۵۵
خوش خبری پانے پر حمد۔	//	مضمون جزا سزا کے عنوانات۔	۱۵۵
دشمن کے بھاگ جانے پر حمد۔	//	ان سب عنوانوں میں اسم رب۔	
روز قیامت اور لوائے حمد۔	۱۲۵	حمد وربوبیت کا باہم یکجا ذکر۔	۱۵۷
مقام محمود اور حمد۔	//	نکتہ معرفت۔	۱۵۷
		تتمہ تفسیر الحمد للہ رب العالمین۔	۱۶۹
رَبِّ الْعَالَمِيْنَ	۱۲۵		
		الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	۱۶۰
ترکیب نحوی وحل لغات۔	//		
نکتہ ارتباط عجیبہ۔	۱۲۸	ربوبیت ورحمت میں مناسبت۔	//
لطائف نادرہ۔	//	رحمت عامہ وخاصہ۔	
قرآن میں اسم رب کتنی دفعہ آیا	۱۲۹	اسم رحمٰن اور رحیم باہم یکجا۔	۱۶۴
ہے۔	//	قرآن مجید کا نزول رحمت ہے۔	
توحید خالقیت وربوبیت کی		اسم اللہ کے بعد اسمائے رحمٰن ورحیم	//
آیات۔	۱۳۰	کی مناسبت۔	
انبیاء کی دعائیں اور اسم رب۔	۱۳۵	اسمائے رحمٰن ورحیم اور مجرب ومسنون	
ان مواقع سے اسم رب کی مناسبت۔		دعا۔	۱۶۸
اسم رب سے خدا کی ہستی کا		رحمت ومحبت میں فرق۔	//
ثبوت۔	۱۴۰	رحمانیت ورحیمیت کا تعلق آیت سابقہ	
فرعون انا ربکم الاعلیٰ کہتا تھا اس کے مقابلہ		ولاحقہ سے۔	۱۷۰

Marfat.com

مضمون	صفحہ
مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ	١٧١
مالکیتِ جزا کی مناسبت حمد سے۔	//
مطیع اور عاصی میں امتیاز۔	١٧٢
ذاتِ حق ہر دو جہان میں لائق حمد ہے۔	١٧٣
لطیفہ عجیبہ متعلق تفسیر مرزائے قادیانی۔	١٧۴
رجوع بمطلب۔	
ملکیت اور حمد۔	
الرحمٰن الرحیم اور مالک یوم الدین میں ربط۔	
نکتہ در اضافت مالک یوم الدین۔	
فاتحہ میں بھی اور خاتمہ قرآن میں بھی ملکیت۔	
یوم الدین کی تخصیص۔	
قراءت مالک و ملک	١٨٠
رسم الخط عثمانی میں کمال۔	//
ملک اور مالک کے معنے۔	//
تنبیہ متعلق مولوی محمد علی صاحب لاہوری۔	١٨١
یوم کے معنے۔	
دین کے مختلف معانی۔	١٨٢
مرکب یوم الدین سے مراد یوم قیامت۔	١٨٣
تفسیر	
روز قیامت کے مختلف نام اور ان کی وجوہات۔	//

مضمون	صفحہ
تنبیہ حکیم نور الدین صاحب قادیانی اور مولوی محمد علی صاحب لاہوری۔	١٨۴
روز قیامت کے دیگر نام۔	١٨٥
اعمال پر جزا سزا کا ترتیب۔	١٨٦
برے اعمال پر بری جزا۔	١٨٩
ختم، طبع وغیرہ امور سے مراد۔	١٩١
دنیا میں جزوی اور عاقبت میں	١٩٣
کلی جزا۔	//
فائدہ عجیبہ وغریبہ در صورتِ ہلاکت امم سابقہ۔	١٩٨
قومی تقلب و ملکی انقلاب۔	١٩٩
ایرانیوں اور رومیوں کا زوال اور فتوحات	٢٠٠
فاروقیہ۔	//
سکرات کے وقت جزوی جزا سزا۔	٢٠١
عالم برزخ (قبر) میں بھی جزوی عذاب ثواب۔	٢٠٣
ایک شبہ کا ازالہ کہ جو دفن نہیں کیے جاتے ان کو کس طرح عذابِ قبر ہوتا ہے۔	٢٠۴
روح اور بدن کا تعلق پانچ طرح پر ہے۔	٢٠٦
اوّل عالم مثال و خواب۔	٢٠٧
تجسّد معانی کی رو سے بعض کاملین کو عیاناً بھی ہو جاتی ہے۔	٢٠٨

Marfat.com

مضمون	صفحہ
مؤلف تفسیر کا اپنا واقعہ ۔	۲۰۹
دوسری اور تیسری صورت ۔	۲۱۰
امام غزالی اور عذاب قبر ۔	؍؍
تتمہ بحث عالم برزخ ۔	۲۱۱
کلی فیصلہ قیامت کو ہوگا ۔	۲۱۳
فیصلہ کے لیے تقرر تاریخ ۔	۲۱۵
اس کے وجوہات ۔	
قیامت کے یوم الجمع ہونے کی آیات ۔	؍؍
میعاد کا تقرر خدا کے اختیار میں ہے ۔	۲۱۶
صوبہ بہار کی تازہ بربادی ۔	۲۱۸
فنائے عالم کی بعض آیات ۔	؍؍
عمل و خلل کے تین مرتبے ۔	
وزن اعمال	۲۱۹
غیر جسمانی امر اور وزن ۔	۲۲۰
حافظ ابن حزم رد اور وزن اعمال ۔	۲۲۳
تردد و شک کی دو صورتیں ۔	۲۲۴
امام غزالی اور وزن ۔	۲۲۵
امام رازی اور وزن ۔	۲۲۶
قرآن اور اعمال نامہ ۔	؍؍
دو پیارے ہلکے اور بھاری ۔	۲۲۷

مضمون	صفحہ
حساب کے بعد جنت یا دوزخ ۔	۲۲۸
قرآن کا مذہب جسمانی جنت و دوزخ کا ہے ۔	۲۲۹
فہرست نعمائے جنت و تکالیف دوزخ ۔	۲۳۰
ردِّ شبہات و اعتراضات ۔	۲۳۲
ایک منکر اسلام اور ایک قائل اسلام کے اقوال کا مقابلہ اور ان کے جوابات تحقیقی جواب ۔	۲۳۳
امورِ جنت و دوزخ اور حجت استقرائی ۔	۲۳۷
شیخ بو علی سینا کی نصیحت ۔	۲۳۸
حضرت ابن عباس رض اور نعمائے جنت کے نام ۔	۲۴۱
یہ دنیا اور اس کی نعمتیں ۔	؍؍
آریہ اور جنت پر اعتراض ۔	۲۴۲
امکانِ حشر اجساد ۔	۲۴۳
ردِّ تناسخ	۲۴۷
دلائل تناسخ کے جواب ۔	۲۵۲
کشفِ حقیقت ۔	۲۵۴
تتمہ بحث تناسخ ۔	۲۵۶
سورت فاتحہ اور مسئلہ ذات وصفات باری تعالےٰ ۔	۲۵۷

Marfat.com

مضمون	صفحہ
ان چار صفات کی ترتیب ۔	۲۶۴
ہدایت دربارۂ نکتۂ معرفت ۔	۲۶۵
تفسیر آیت اِیَّاكَ نَعْبُدُ	۲۶۶
ارتباط بما قبل ۔	//
صنعتِ التفات میں نکتہ ۔	
شرک کی ابتدا وہم پرستی ہے ۔	۲۶۷
قرآن نے وہم پرستی دور کی ۔	۲۶۸
نماز کی ہیئات ترکیبی ۔	//
آنحضرت کا سب سے بڑا کمال ۔	۲۶۸
ایاک نعبد میں کافِ ضمیر کو کیوں مقدم کیا ۔	۲۶۹
لفظ ایا کی مختلف لغات ۔	//
عبادت صرف خدا کا حق ہے ۔	۲۷۰
آدمی کے حالات تین زمانوں میں ۔	۲۷۱
لفظ عبادت کے معنے ۔	۲۷۲
اقسام عبادت ۔	//
وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ	۲۷۳
صیغۂ خطاب کا مکرر لانا ۔	//
عبادت کے بعد استعانت کا ذکر ۔	//
دعا بھی ایک قسم کی عبادت ہے ۔	۲۷۴
تبتل الی اللہ ۔	//
رسوم شرکیہ اور مذہب حنفی ۔	۲۷۵

مضمون	صفحہ
ازالۂ شبہات ۔	۲۷۵
نکتۂ غریبہ متعلق واسطہ و وسیلہ ۔	۲۷۷
انبیاء و صلحا کی قبروں کو مساجد بنانے کی ممانعت ۔	۲۷۸
عناصر پرستی اور شرک میں ترقی ۔	۲۷۹
فائدہ ۔ سب کاملین کے کمال خدا کی داد ہیں ۔	۲۸۰
نماز کے سب اذکار اور حرکات شرک کی تردید کرتے ہیں ۔	۲۸۲
فائدہ ۔ دربارہ درود شریف ۔	۲۸۳
تقرر درود شریف میں شرک کی تردید ۔	//
کلمۂ شہادت میں عبدہ و رسولہ کی تقدیم سے شرک کی تردید ۔	//
اپنے خرید کردہ غلام کو بھی عبدی نہ کہو ۔	۲۸۵
سیاسی نکتہ دماغ کو روشن کرنے والا ۔	۲۸۵
آیت ایاک نعبد الخ شان الوہیت اور مقام عبودیت کی جامع ہے ۔	۲۸۶
ایاک نعبد الخ کے شرح معنے ۔	//
فائدہ ۔ اسلام کا امتیازی کمال توحید خالص ہے ۔	۲۸۷

Marfat.com

مضمون	صفحہ
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ	۲۸۸
ارتباط بما قبل	//
حل لغات - ہدایت	۲۸۹
صراط مستقیم	//
تفسیر شہادت آیات اور اقسام ہدایت	۲۹۰
استقامت کیا ہے؟	۲۹۳
اصحاب استقامت کی قدر -	۲۹۶
صراط مستقیم کیا ہے؟	//
اس کی توضیح -	۲۹۷
ہدایت ضروری متعلق خرچ مال و برداشت قرض -	۳۰۰
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ	۳۰۲
ترکیب نحوی - ارتباط و لطائف ادبیہ -	//
تبصرہ - متعلق اضافت صراط -	۳۰۴
توضیح اقسام انعامات -	۳۰۵
انعمت کے بعد غیر المغضوب	۳۰۶
صراط مستقیم والے اور انعام والے چار گروہ ہیں -	۳۰۷
توضیح مقامات اربعہ نبوت -	//
سب انبیاء و رسل پر ایمان واجب ہے	۳۰۹
توضیح متعلق اقسام کفر -	۳۱۱

مضمون	صفحہ
مسلمان ہوتے ہیں ایمانی ترقی -	۳۱۵
تفہیم متعلق اہل قرآن -	۳۱۶
مسئلہ سیادت آنحضرتؐ	۳۱۷
آیات و وجوہات فضیلت آنحضرتؐ	۳۱۷
سب انبیاءؑ کے اسم پر لفظ یا اور آنحضرتؐ کے عہدے پر یایا -	۳۱۹
منادے معرف باللام کی خصوصیت -	۳۲۰
رجوع بمطلب -	۳۲۱
نتیجہ تفصیل -	//
ہر دو آیات عسیٰ ان یبعثک اور ولسوف یعطیک میں ہر مرتبہ شفاعت کا وعدہ ہے -	۳۲۲
آیت ورفعنا لک ذکرک	۳۲۴
تنبیہ و رجوع بمطلب -	۳۲۵
چوتھی قسم کے کفار درمیانی روش والے خطرناک ہیں -	۳۲۶
ازالہ شبہ دربارہ تعیین	۳۲۸
مذہب -	//
آیت ان الذین امنوا والذین ہادوا	//
الخ اور بعض لوگوں کے شبہات -	//
قرآن اور ایجاز و اطناب -	
اس آیت کے اندرونی کلمات مثبت نبوت ہیں -	۳۲۹
یہودی نصرانی صابی سب نبوت کا	

Marfat.com

مضمون	صفحہ
اقرار کرتے ہیں۔	۳۳۱
شہادت پر دیگر آیات۔	۳۳۲
تنبیہات نمبر۱ و نمبر۲۔	۳۳۳
سورۂ بقر کے پہلے اور دوسرے رکوع	۳۳۴
کی بعض آیات۔	//
چوتھا قرینہ۔ ذکر قیامت سے ثبوتِ نبوّت۔	۳۴۲
پانچواں قرینہ اعمال صالحہ سے ثبوت نبوّت۔	//
صبغۃ اللہ، یعنے خدائی رنگ کے لیے نبی کی ضرورت۔	۳۴۲
چھٹا قرینہ وعدہ اجر سے ثبوتِ نبوّت۔	۳۴۳
پیغمبر خدا کی اطاعت و ادب۔	۳۴۴
مولانا آزاد صاحب اور صراط مستقیم	۳۴۹
مولانا کی خدمت میں اس عاجز کا خط۔	//
تتمہ بحث اور مولانا کی بعض تصریحات	۳۵۸
آیت ولقد کتبنا فی الزبور اور حوالجات بائیبل۔	۳۶۸
	//
مرتبہ صدیقیت۔	۳۷۴
حضرت صدیق اکبر کا مرتبہ۔	۳۷۵
نکتہ سینے کو ٹھنڈا کرنے والا۔	۳۷۸
خلافت راشدہ۔	۳۸۰

مضمون	صفحہ
مرتبہ شہادت۔	۳۸۴
ایمان شہودی استدلالی و تقلیدی میں فرق۔	
مرتبہ صلاحیت۔	۳۹۰
صلاحیت کے دو مقام۔	۳۹۱
پہلا مقام ولایت۔	۲۸۹
دوسرا مقام نبوّت۔	//
نکتہ۔ آفتاب ظاہری و باطنی۔	۳۹۴
محدّثین اور خلافتِ معنوی۔	
غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ	۳۹۷
ارتباط بما قبل۔	//
ترکیب نحوی۔	//
تنبیہات و نکات۔	۳۹۸
حقیقتِ غضب۔	۴۰۰
اسباب غضب۔	۴۰۱
حقیقتِ ضلالت۔	۴۰۲
بدعت ضلالت ہے۔	۴۰۴
نکات۔	۴۰۵
طریقِ اعتدال۔	۴۰۸
تنبیہات ثلاثہ۔	//
تمت۔	۴۱۰
الاجمال بعد التفصیل	۴۱۰
ساتوں آیتوں میں ربط باہمی۔	۴۱۱

Marfat.com

مضمون	صفحہ
آیات فاتحہ اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ثبوت ۔	۴۱۳
التماسِ مکرر ۔	۴۱۴
فہرست خاتمۂ تفسیر	۴۱۵
فصل اوّل ۔	″
در ختمِ نبوت ۔	″
وجوہ اجرائے نبوّت ۔	″
دوسری وجہ ہر قوم میں الگ نبی ۔	″
لطیفہ متعلق مرزائے قادیانی ۔	۴۲۱
حفاظتِ قرآن وحدیث کے اسباب ۔	۴۲۳
ختم نبوّت کے خاص دلائل ۔	۴۲۶
آیت ختم نبوّت کا شانِ نزول ۔	۴۲۶
خاتم کے معنے ۔	۴۲۸
احادیثِ ختم نبوّت ۔	۴۳۲
آنحضرت ﷺ کے بعد کا مدعیِ نبوّت کاذب ہے ۔	۴۳۳
تصریحات مرزائے قادیانی ۔	۴۳۴
بحث چہارم ۔ ردّ شبہات ۔	۴۳۸
شبہ اوّل آیت صراط الذین انعمت علیہم کے متعلق ۔	۴۳۹
شبہ دوم ختم کے معنے میں تبدیلی ۔	۴۴۲
فصل دوم ۔	۴۴۹
آمین بالجہر ۔	″
لفظ آمین کا اصل اور معنے ۔	″
آمین کا رواج ۔	″
سورت فاتحہ اور آمین ۔	۴۵۰
اسرار و فضائل آمین ۔	۴۵۱
امام، مقتدی اور منفرد ہر ایک آمین کہے ۔	۴۵۲
اونچی قراءت میں اونچی آمین ۔	۴۵۳
اسمائے صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین وعلماء وشراح حدیث قائلین آمین بالجہر ۔	۴۶۱
حدیث دان حنفی علماء	۴۶۱
صوفیائے کرام قائلین بالجہر ۔	۴۶۵
آمین بالجہر کی حکمت ۔	۴۶۸
فصل سوم ۔	۴۷۱
در حکمِ سورتِ فاتحہ در نماز ۔	″
نماز کی صورت اور حقیقت ۔	″
نماز اور سورتِ فاتحہ میں مناسبت	″
حدیث قدسی میں فاتحہ کا نام الصلوٰۃ کیوں رکھا ۔	۴۷۲

Marfat.com

مضمون	صفحہ
قراءت قرآن اور نماز ۔	۴۷۲
مطلق قراءت سب کو مسلم ہے ۔	״
مقدمہ	۴۷۳
در شناخت ارکان ۔	״
رکنیت فاتحہ کے مفصل دلائل ۔	۴۷۶
پہلی دلیل ۔ لا صلوٰۃ الخ	״
دوسری دلیل ۔ قسمت الصلوٰۃ الخ	۴۷۹
تیسری دلیل ۔ سبعًا من المثانی	۴۸۲
(حاشیہ) سبعًا من المثانی	۴۸۴
قراءت فاتحہ خلف الامام کے خاص دلائل ۔	۴۸۷
امام المغازی محمد بن اسحاق کی روایت فاتحہ خلف الامام ۔	۴۹۶
قراءت فاتحہ اور حضرات حنفیہ ۔	۴۹۸
عذر اول آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن	۴۹۹
تنبیہ ۔ اس کا جواب ۔	۵۰۰
اس کا دوسرا جواب ۔	۵۰۲
حضرات حنفیہ کی دوسری دلیل حدیث مسیئ الصلوٰۃ مع جواب ۔	۵۰۹
زیادت فصاعدًا اور اس کا جواب ۔	״ / ۵۱۶

مضمون	صفحہ
حضرات حنفیہ کی تیسری دلیل آیت	۵۱۶
اذا قرئ القرآن الخ	״
اس کا جواب ۔	۵۱۷
تحقیقی جواب ۔	۵۱۹
امام بخاری اور آیت فاستمعوا ۔	۵۲۶
حضرات حنفیہ کی چوتھی دلیل حدیث ۔	۵۲۹
من کان لہ امام	۵۳۰
تنبیہ ضروری اجمالی طور پر ۔	۵۳۴
سب روایات کا جواب ۔	״
حضرت امام ابوحنیفہ رح اور بعض محققین حنفیہ رد ۔	۵۳۵
حضرات صوفیہ قائلین قراءت خلف الامام ۔	۵۴۱
مسئلہ ادراک رکوع ۔	۵۴۲
نماز جنازہ اور سورۃ فاتحہ ۔	۵۵۲
اختتام کتاب ۔	۵۵۸
قرآن کی تفسیر کے پانچ طریقے ۔	
شکر و دعا بدرگاہ خدا ۔	۵۵۸
عام ناظرین سے گذارش ۔	
معذرت ۔	

بندۂ ضعیف

محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

۲۹ رجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۵ء

Marfat.com

تعارف

ہر چند واضح البیان کے مصنّف امام العصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ، پاک و ہند کے علمی حلقوں کے لیے بالعموم اور اہل حدیث کے لیے بالخصوص، اگرچہ تعارف کے محتاج نہیں، تاہم نئی نسل کی واقفیت و آگاہی کے لیے ان کا مختصر تذکرہ پیشِ خدمت ہے۔

حضرت مرحوم و مغفور اپنے وقت میں ہندوستانی مسلمانوں کے اس قافلہ کے سرخیل تھے کہ جن کی منزل مدینہ منورہ، جس کی حدی قال اللہ و قال الرسول (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور جس کے حدی خواں شاہ اسمٰعیل شہید رح، نواب صدیق حسن خاں رح اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رح تھے۔ وہ مبارک قافلہ جس کا زادِ راہ اور اوڑھنا بچھونا تاجدارِ مدینہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی سنتِ مطہرہ اور ربّ العزت کے کلام پاک کے سوا کچھ نہیں، اور جو تمام ائمہ دین کی پوری عزت و احترام کے ساتھ ساتھ اپنی رہنمائی کے لیے کتاب و سنت کے صافی چشموں ہی سے فیض پانے کو زیست کی کامیابی کا ضامن تصور کرتا ہے۔

حضرت موصوف اپریل ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے سیالکوٹ کے ایک معزز گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ بچپن ہی میں سکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ سیالکوٹ کے معروف عالم اور اہل اللہ بزرگ مولانا ابو عبداللہ عبیداللہ غلام حسن رح سے پڑھتے رہے۔ میٹرک پاس کر کے کالج میں داخل ہونے تک قرآن مجید اور دینی علوم سے شغف اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ کالج کی تعلیم چھوڑ کر ہمہ تن علوم عربیہ و اسلامیہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ جودت و ذہانت اور قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ صرف ایک ماہ کی مدت میں سارا قرآن مجید حفظ کر لیا۔ قرآن کی محققانہ تفسیر اور علمِ حدیث کے درس و مطالعہ سے خاص رغبت تھی اور تفسیرِ قرآن و تحقیقِ حدیث پر بڑا عبور رکھتے تھے۔

علمِ حدیث کی تحصیل کے لیے شیخ الکل سید نذیر حسین رح کے مایۂ ناز شاگرد

Marfat.com

حافظ عبدالمنان رح وزیر آبادی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ پھر حضرت شیخ الکل سے براہ راست بھی سماع حدیث کیا۔ اور کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہے۔ بعد میں کچھ عرصہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں پڑھاتے بھی رہے۔ پھر اپنے مولد سیالکوٹ میں ایک دینی مدرسہ جاری کیا، جہاں منتہی طلباء و علماء کو تفسیر و حدیث پڑھانے پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ متعدد نامور علمائے اہل حدیث اس چشمہ فیض سے بہرہ یاب ہوئے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے سابق امیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رح بھی ان تلامذہ میں شامل تھے۔

تقریر اور مناظرہ کے میدان کے شہسوار تھے۔ اس سلسلہ میں کشمیر سے مدراس تک اور پشاور سے رنگون تک متحدہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کے متعدد تبلیغی دورے، اور عیسائیوں، آریوں، مرزائیوں اور منکرین حدیث سے کامیاب مناظرے کئے۔ ان میں سے بعض مناظرے حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رح کی معیت میں تھے۔ جن سے آپ کے بہترین دوستانہ تعلقات تھے۔ یہ دونوں بزرگ دین حنیف کی نصرت و دفاع میں ایک دوسرے کے دست و بازو تھے۔ کہ باطل جن سے تھرّاتا اور اعدائے اسلام ان سے پناہ مانگتے تھے۔

مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی اسّی تصانیف حضرت کی یادگار ہیں ان میں "شہادت القرآن" (حیات مسیح و رد مرزائیت کے باب میں) اور "واضح البیان" (تفسیر سورۃ الفاتحہ جو آپ کے ہاتھ میں ہے) کو ملک گیر شہرت حاصل ہوئی۔ "تاریخ اہل حدیث" بھی آپ کی محققانہ و ضخیم تصنیف ہے۔ "سیرت المصطفٰی" (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے سیرت نبوی ﷺ پر ایک محققانہ کتاب دو جلدوں میں سپرد قلم کی ہے[1]

علاوہ ازیں پہلے تین پاروں کی عالمانہ تفسیر اور بعض متفرق سورتوں کے تفسیری مجموعے اور فرق باطلہ کی تردید میں متعدد رسائل تصنیف کئے۔

---

[1] دوسرا ایڈیشن زیر طبع ہے۔

Marfat.com

جن میں سے عیسائی پادریوں کے سیرت، قرآن اور اسلام پر اعتراضات کے جواب میں اصلاح عرب، تائید القرآن، اور اعجاز القرآن قابل ذکر ہیں۔ کچھ عرصہ ایک علمی رسالہ "الہادی" بھی سیالکوٹ سے شائع کرتے رہے۔

حضرت مولانا مرحوم نے تحریک پاکستان کے سلسلہ میں مسلم لیگ سے تقریری و تحریری دونوں میدانوں میں بڑا تعاون کیا۔ اور دوسرے قومی و ملّی کاموں میں بھی پیش پیش رہے۔ سیالکوٹ کو بالخصوص اور پنجاب و ہند و بالعموم اپنی تقریر و تحریر، فجر کے بعد روزانہ درس قرآن اور سیالکوٹ میں ایک دینی مدرسہ کے اجراء کے ذریعہ کتاب و سنّت کے حیات آفریں چشموں سے خوب سیراب کیا۔ موحد، متبع سنّت۔ جری، بے باک اور حق گو عالم تھے۔ غنائے خانگی کے باعث تبلیغ و تلقین کو پیشہ نہیں بنایا اور فی سبیل اللہ دین حنیف کی خدمت کرتے رہے۔ ۱۲ر جنوری ۱۹۵۶ء کو وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالٰے وجعل الجنۃ مثواہ۔

واضح البیان

سورۃ فاتحہ کی یہ تفسیر آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے اس کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ ویسے بھی "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید"

مختصراً اتنا عرض کرنا کافی ہوگا کہ یہ تفسیر اس نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے کہ سورت فاتحہ تمام قرآن کے مضامین کی جامع اور ان کی بنیاد ہے۔ اور ایک ایسا معجزانہ کلام جس کا لفظ لفظ اور ہر ہر آیت حکمتوں اور لطائف سے بھرپور ہے۔ فاتحہ کے ہر لفظ اور تمام الفاظ و آیات کے آپس کے ربط اور جوڑ میں پوشیدہ ان لطائف کی نقاب کشائی اس تفسیر کا مقصد ہے اس کے ساتھ ہی فاتحہ کے بعض انتہائی اہم متعلقات مثلاً جہر و اخفائے بسملہ و آمین اور قراءت فاتحہ خلف الامام کے مسائل پر اس کتاب میں ایسی مفصل، مدلل اور بے نظیر علمی بحثیں ہیں۔ جنہیں ان موضوعات پر حرف آخر

Marfat.com

کہنا بے جا نہ ہوگا۔

یہ علمی خزانہ طبع اول (نومبر ۱۹۳۳ء) کے بعد بوجوہ منصۂ شہود پر نہ آ سکا۔ حالانکہ شائقین کا اصرار پیہم اور مسلسل تھا۔ اب ہم اسے دوبارہ چھپوانے کی سعادت حاصل کر رہے ہے۔ اس ایڈیشن میں مصنّف مرحوم و مغفور کی طبع اوّل کی تصحیح شدہ آفس کاپی سے مدد لی گئی ہے۔

اللہ رب العزّت اس کوشش کو قبول فرماتے ہوئے اسے ہمارے مصنّف علام کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور ہمیں ان کے دیگر علمی جواہر پاروں کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ساجد میر ایم۔ اے نبیرۂ مصنّف مرحوم و مغفور

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

الخطب الجليلة

على الوجه مراعية براعة الاستهلال في محامد الله ذي الجلال ومدائح كلامه المعجز في الاتصال ونعوت نبيه وصفيه حبيبه الجاري ومناقب آله وأصحابه أهل الكمال

الخطبة الأولى الغير المنقوطة في محامد الله تعالى

لا إله إلا الله محمد رسول الله

أوّل الأمور والأوامر حمد الله الأوّل الأحد، الواحد الملك العادل الصمد، الحكم الواسع الودود، المصوّر السلام المحمود هو الله لا إله إلا هو، ولا مالك ولا مولى لما سواه، سامع العود والهود والدعاء، وسامع الكلام والآراء، علّم آدم الأسماء كلها، وحمل أولاده السهل والطود والماء، أعلى سمك السماء، وسطح المهاد وأسرّ الماء، له الحول والعلاء، وله الطول والعطاء، مصحّح الآراء ومحوّل الهموم واللأواء، أرحم الرحماء، وأكرم الكرماء، علّام الأسرار وحكّام للمعاد والأصدار، ممطر الأمطار

Marfat.com

وَمُسْتَقِلُّ الْاَوْطَارِ مُكَوِّرُاللّٰهِ هُوَ، وَمُصْلِحُ الْاُمُوْرِ، رَكَّنَ الْمِهَادَ وَطَوَّدَ الْاَطْوَادَ اَحْمَدُهٗ حَمْدًا لَاحَدَّ وَلَا اَمَدَ لَهٗ، وَاَمْدَحُهٗ مَدْحًا لَا عَدَّ لَهٗ وَلَا كَدَّ مَعَهٗ، حَامِدُهٗ كُلُّ مَا سُوِّيَ، وَسَائِلُهٗ كُلُّ عَاسُوْرٍ، وَالسَّلَامُ الْاَكْمَلُ الْاَعَمُّ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْاَكْرَمِ وَمُرْسَلِهِ الْمُكَرَّمِ (مُحَمَّدٍ) مَوْدُوْدِ كُلِّ صَالِحٍ وَمَحْسُوْدِ كُلِّ طَالِحٍ، اَرْسَلَهُ اللّٰهُ الْعَلَّامُ، مُسَدِّدَ الْعَمَائِدِ الْاِسْلَامِ، وَمُمَهِّدًا لِمَسَالِكِ صَوَالِحِ الْاَحْكَامِ، وَمُعَدِّدًا الْحُدُوْدَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ، وَمُبَدِّدًا الْاَعْدَاءَ الْاِسْلَامِ، اَعْطَاهُ اللّٰهُ صُرُوْعَ الْاٰلَاءِ وَاَصْعَدَهٗ مَصَاعِدَ السَّمَاءِ حَصَّلَ لَهُ الْمَرَامُ وَكَمَّلَ عَلَاهُ الْاِكْرَامُ، وَعَدَهُ اللّٰهُ الْوُدُوْدُ، الْحَوْضَ الْاَطْهَرَ، وَالْمَحَلَّ الْمَحْمُوْدَ، وَلِوَاءَ الْحَمْدِ وَالْعَطَاءَ الْمَوْعُوْدَ الْمَعْهُوْدَ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اِمَامِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ، وَاَوْلَادِهِ الْاَطْهَارِ الْكِرَامِ وَرَهْطِهِ الْاَحْرَارِ اُولِي الْاَحْلَامِ وَسَائِرِ رُسُلِ اللّٰهِ وَاَمْلَاكِهٖ اُولِي الْعَلَاءِ وَالْاِكْرَامِ۔

اَلْخُطْبَةُ الثَّانِيَةُ فِيْ اَوْصَافِ الْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْاَكْرَمِ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ اِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ عَرَبِهِمْ وَعَجَمِهِمْ وَاَوْحٰى اِلَيْهِ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِهٖ فَجَعَلَهٗ نُوْرًا يُسْتَضَاءُ بِهٖ فِي الظُّلَمِ، وَدَوَاءً يُسْتَشْفٰى بِهٖ مِنَ السَّقَمِ، وَخِطَابًا مُّعْجِزًا اَعْجَزَ فُصَحَاءَ الْاُدَبَاءِ وَبُلَغَاءَ الْخُطَبَاءِ وَنُجَبَاءَ الشُّعَرَاءِ مِنَ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ،

Marfat.com

عَنِ الْإِتْيَانِ بِمِثْلِهِ فَأَفْحَمَ وَأَبْكَمَ وَلَمْ يَنْهَضْ نَاهِضٌ مِّنْ زُعَمَائِهِمْ لِلْإِتْيَانِ بِمَا يُمَاثِلُهُ أَوْ يُسَاوِيهِ، وَلَمْ يَنْبِضْ لِأَحَدٍ مِّنْ زُعَمَائِهِمْ عِرْقُ الْعَصَبِيَّةِ لِلْمُعَارَضَةِ بِمَا يُوَازِيهِ أَوْ يُدَانِيهِ فِي الْهِدَايَةِ وَجَمْعِ الْكَلِمِ، مَعَ اشْتِهَارِهِمْ وَتَفَاخُرِهِمْ فِي الصَّنَاعَةِ وَالرِّقَّةِ، قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ، بِأَظْهَرِ بَيِّنَاتٍ وَأَبْهَرِ حُجَجٍ لِإِظْهَارِ الْحَقِّ الْحَقِيقِ وَإِزْهَاقِ الْبَاطِلِ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ، وَإِدْحَاضِ الْمُيُونِ الْعَوَاطِلِ فِي قَعْرٍ عَمِيقٍ، أَمَرَ فِيهِ وَأَزْجَرَ وَبَشَّرَ وَأَنْذَرَ، وَوَعَظَ وَذَكَّرَ، قَصَّ عَنِ الْأُمَمِ السَّالِفَةِ لِمَنِ اعْتَبَرَ وَتَذَكَّرَ وَضَرَبَ الْأَمْثَالَ لِمَنِ اتَّعَظَ وَتَفَكَّرَ، شَهِدَ الضَّمَائِرُ بِوُجُودِهِ، وَاعْتَرَفَتِ الْقُلُوبُ بِنَوَالِهِ وَجُودِهِ، نَصَبَ دَلَائِلَ تَوْحِيدِهِ لِمَنْ نَظَرَ فِي عَجَائِبِ مَصْنُوعَاتِهِ وَبَيَّنَ بَرَاهِينَ صِدْقِ رَسُولِهِ لِمَنْ تَفَكَّرَ فِي مُحْكَمِ آيَاتِهِ، فَأَوْضَحَ الْمَحَجَّةَ وَلَمْ يَدَعْ لِأَحَدٍ نِ الْحُجَّةَ، جَمَعَ فِيهِ أَنْوَاعَ الْعُلُومِ، مَا يَقْصُرُ عَنِ الْإِحَاطَةِ بِهَا الْفُهُومُ، لَا تَنْتَهِي عَجَائِبُهُ بِانْتِهَاءِ الدُّهُورِ، وَلَا تَنْقَضِي غَرَائِبُهُ بِانْقِضَاءِ الْعُصُورِ، جَعَلَهُ دُونَ كُلِّ مُعْجِزَةٍ بَاقِيًا عَلَى الْأَعْصَارِ، وَدَائِرًا مِّنْ بَيْنِ الْكُتُبِ فِي الْأَمْصَارِ، لَا يَغْلِبُهُ حُجَّةٌ وَّلَا يَلْحَقُهُ عَارٌ، بَلْ يَكَادُ زَيْتُهُ يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ، مُصَدِّقًا لِمَا سَلِمَ مِنَ الْكُتُبِ السَّالِفَةِ مِنَ التَّحْرِيفِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ مِنَ التَّزْيِيفِ، مُخْبِرًا عَنِ الْوَقَائِعِ الْآتِيَةِ وَالْأُمُورِ الْغَائِبَةِ

Marfat.com

وَمُطَّلِعًا عَلَى الْفِتَنِ الْهَائِلَةِ وَالْحَوَادِثِ النَّائِبَةِ، نَوَّ اللهِ الَّذِي بِأَمْرِهِ قَامَتِ الْأَرْضُ وَالسَّمٰوَاتُ، وَتَلَوَّنَتْ مِنْ رَشَحَاتِ فَيْضِهِ الْخُضْرَاوَاتُ، وَوُضِعَتْ دُونَ سُدَّةِ حَضْرَتِهِ نَوَاصِي الذُّلِّ وَالْاِبْتِهَالِ، وَبُسِطَتْ إِلَى بَابِ رَحْمَتِهِ أَيْدِي التَّضَرُّعِ وَالسُّؤَالِ إِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ، تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ وَصَلَّى اللهُ عَلَى نَبِيِّهِ الْأُمِّيِّ سَيِّدِ الْكَائِنَاتِ نَاسِخِ الْإِنْجِيلِ وَالتَّوْرَاتِ، الْمَأْذُونِ بِالشَّفَاعَةِ الْكُبْرَى فِي الْعَرَصَاتِ، وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَرْبَابِ الْفَضَائِلِ وَالسَّعَادَاتِ مَا تَدُومُ الْأَرْضُ وَتَقُومُ السَّمٰوَاتُ ؞

اَلْخُطْبَةُ الثَّالِثَةُ

فِي نُعُوتِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمَنَاقِبِ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْكِرَامِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَحْمُودِ بِكُلِّ لُغَىً، الْمَعْبُودِ بِالْحَقِّ لِمَنْ أَطَاعَ أَوْ طَغَى، لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى، أَنْزَلَ الْقُرْاٰنَ بِأَفْصَحِ اللُّغَى وَأَبْلَغِ الْحِجَى، هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى، وَجَعَلَهُ نُورًا يَسْتَضِيءُ بِهِ فِي الدُّجَى مَنْ سَلَكَ مَسَالِكَ التُّقَى وَتَجَنَّبَ مَهَالِكَ الرَّدَى، فَتَشَيَّدَ مَبَانِيهِ غَايَةَ التَّشْيِيدِ

Marfat.com

وَ اَرْسٰی، وَ اَکَّدَ مَعَانِیَهٗ نِهَایَةَ التَّاکِیْدِ فَمَا اَجْلٰی وَمَا اَحْلٰی
وَ فَصَّلَهٗ عَلٰی عِلْمٍ وَّلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا، فَلَا مَانِعَ لِمَا اَمَرَ وَلَا نَاقِضَ
لِمَا قَضٰی، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْمُجْتَبٰی وَ نَبِیِّهِ
الْمُرْتَضٰی وَ اَمِیْنِهِ الْمُصْطَفٰی مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ بِالْحُجَجِ
بِعَدَدِ الْحَصٰی، صَاحِبِ اللِّوَاءِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَالشَّفَاعَةِ الْکُبْرٰی،
سَیِّدِ مَنْ وَطِئَ الْاَرْضَ وَالْحَصٰی، وَسَنَدِ مَنِ اسْتَنَدَّ لِاَمْرٍ وَّ
تَاَسّٰی، نَصَبَ مَعَالِمَ الدِّیْنِ لِلْوَرٰی، بَعْدَ مَا کَانَتْ اَبْعَدَ مِنَ
الثُّرَیَّا، بَلْ اَقَلَّ مِنْ لَا، وَ اَغْضٰی لِلّٰهِ عَلَی الْقَضٰی، وَ اَمَاطَ الْاَذٰی
عَنِ الطَّرِیْقَةِ الْمُثْلٰی، وَعَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اُولِی الْمَکَارِمِ وَالنُّهٰی
الْمُعَارِضِیْنَ بِالْحَقِّ لِمَنْ تَصَدّٰی لِمَجْهُوْدٍ اَوْ طَغٰی، اٰیَةً مَّنْ
رَکِبَ الْفَرَسَ، وَمَطِیَّ یَوْمِ الْوَغٰی وَسَادَةِ مَنْ صَارَ فِیْ نُصْرَةِ الدِّیْنِ
وَسَعٰی، فَیَا بُشْرٰی لِمَنِ احْتَذٰی حَذْوَهُمْ وَ اقْتَدٰی، وَطُوْبٰی
لِمَنِ اهْتَدٰی بِهَدْیِهِمْ وَاقْتَفٰی، صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَدَدَ مَا لَا یُحْصٰی

اَمَّا بَعْدُ:-

فَیَقُوْلُ الْعَبْدُ الضَّعِیْفُ سَمِیُّ خَلِیْلِ اللّٰهِ الْحَنِیْفِ مُحَمَّدٌ
اِبْرَاهِیْمُ مِیْرُ الْکَاشْمِیْرِیُّ اَصْلًا وَمَعْتِدًا وَّالسِّیَالْکُوْتِیُّ
وَطَنًا وَّمَوْلِدًا طَالَمَا کَانَ الْاَحِبَّةُ یُلِحُّوْنَ عَلَیَّ وَیُظْهِرُوْنَ الْفَقْرَ
لَدَیَّ وَ اِلَیَّ اَنْ اُفَسِّرَ لَهُمُ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ بِلِسَانِهِمُ
الْهِنْدِیِّ، اَوْ اُتَرْجِمَهٗ وَاُعَلِّقَ عَلَیْهِ الْحَوَاشِیَ تَکْشِفُ عَنْ
وُجُوْهِ لَطَائِفِهِ الْغَوَاشِیَ، فَکُنْتُ اَطْوِیْ عَنْ ذٰلِكَ کَشْحًا

Marfat.com

اَضْرِبُ صَفْحًا، وَاَعْتَذِرُ اِلَيْهِمْ قِلَّةَ بِضَاعَتِيْ وَضُعْفَ
صِنَاعَتِيْ، وَفُقْدَانَ مَنْ اَرْجِعُ اِلَيْهِ فِيْ حَلِّ الْمُشْكِلَاتِ وَكَشْفِ
الْمُعْضَلَاتِ، وَاَنْتَهِيْ اِلَيْهِ فِيْ فَتْحِ الْمُغْلَقَاتِ، وَفَهْمِ دَقَائِقِ
الْاِشَارَاتِ، وَاَخْذِ حَقَائِقِ الْعِبَارَاتِ، وَعَدَمَ وِجْدَانِيْ مَنْ اَثِقُ
بِهٖ فِيْ مَزَالِّ الْاَقْدَامِ وَاَعْتَمِدُ عَلَيْهِ فِيْ تَقْرِيْرِ الْمَرَامِ، لِاَنَّ
الْعِلْمَ قَدْ ضَعُفَ نَشَاءُهٗ، وَذَهَبَ رُوَاءُهٗ وَبَهَاءُهٗ وَتَضَامَاءَهٗ
وَرَتَقَ اَرْضَهٗ وَسَمَاءَهٗ، كَيْفَ لَا وَقَدْ اَخْبَرَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ
بِاَنَّهٗ يَقِلُّ الْعِلْمُ وَيَكْثُرُ الْجَهْلُ (البخاری) وَقَالَ اَيْضًا اِنَّ اللّٰهَ لَا
يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَّنْتَزِعُهٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ
بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ (ق۔ بخاری) فَالْعُلَمَاءُ الْحُذَّاقُ قَدِ ارْتَحَلُوْا اِلَى
الْقُبُوْرِ، وَمَنْ خَلَفَهُمْ اقْتَصَرُوْا دُوْنَ اللُّبِّ عَلَى الْقُشُوْرِ، فَوَقَعَ
مَا قَالَ النَّبِيُّ الْمَعْصُوْمُ "حَتّٰى اِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ اِتَّخَذَ
النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا
(ق، البخاری) فَيَا لَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَلَمْ اَرَ هٰذَا الزَّمَانَ
الْمَشْئُوْمَ وَعَلٰى ذٰلِكَ كَانَ يَمْنَعُنِيْ كَثْرَةُ الْاَشْغَالِ، وَيُعَوِّقُنِيْ
تَقَلُّبُ الْاَحْوَالِ، فَاَعْتَذَرْتُ اِلَى الْاَحِبَّةِ ثَانِيًا عَدَمَ مَقْدِرَتِيْ
فَلَمْ يَسْمَعُوْا مَعْذِرَتِيْ بَلْ شَرَعُوْا فِيْ مُعَاتَبَتِيْ وَسَلَقُوْنِيْ
بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ وَّاَنْذَرُوْنِيْ فِي اللُّجَجِ الشِّدَادِ، ظَنًّا مِّنْهُمْ
اَنِّيْ لَا اَمْنَعُ عَلَيْهِمْ مَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيَّ مِنَ الرَّشَادِ فَخَضَعَتْ
عُنُقِيْ لِجَلَالِ الْكَبِيْرِ الْمُتَعَالِ وَتَذَكَّرْتُ قِيَامِيْ فِيْ حُضُوْرِهٖ
لِحِسَابِ الْاَعْمَالِ، فَتَرَكْتُ اَشْغَالِيْ وَشَمَّرْتُ لِاِنْجَاحِ

Marfat.com

اِلْتِمَاسِهِمْ اٰذْیَالِیْ، فَهَرَبْتُ مِنَ الْحَضَارَةِ اِلَى الْجَبَلِ الْعَالِیْ
کَیْ اُصِلَ فِی التَّجَرُّدِ اٰمَالِیْ، وَاخْتَرْتُ الزَّاوِیَةَ فِی الْبَوَادِیْ وَتَجَنَّبْتُ
الْمَحَافِلَ وَالنَّوَادِیْ، فَاَقَمْتُ هُنَا شَهْرًا اِلَّا یَوْمًا اَوْ یَوْمَیْنِ فَشَرَعْتُ
فِیْ تَحْرِیْرِ مُسَوَّدَةِ تَفْسِیْرِ الْفَاتِحَةِ وَجَمَعْتُ فِیْهَا اَشْیَاءَ
کَثِیْرَةً مِّنْ فَوَائِدَ لَطِیْفَةٍ وَّنُکَتٍ عَجِیْبَةٍ فِیْ اُسْبُوْعَیْنِ
بِفَضْلِ اللّٰهِ رَبِّ الْخَافِقَیْنِ ۞

ثُمَّ خَطَرَ بِبَالِی الْفَاتِرِ اَنَّ اللّٰهَ سَمّٰى الْفَاتِحَةَ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ
وَقَالَ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا اُمُّ الْقُرْاٰنِ وَاَسَاسُهٗ فَوَاجِبٌ
اَنْ اُفَسِّرَهَا عَلٰی نَمَطٍ بَدِیْعٍ حَیْثُ اُجْرِیْ فِیْ ذَیْلِ کَلِمَاتِهَا اٰیَاتِ
الْقُرْاٰنِ مُرَاعِیًا وَحْدَةَ الْمَرَامِ فِیْ کُلِّ مَقَامٍ، لِیَدُلَّ عَلٰی اَنَّهَا
مَتْنٌ مَّتِیْنٌ وَّالْقُرْاٰنُ کُلُّهٗ شَرْحُهَا الْمُبِیْنُ، کَیْفَ لَا وَیَقُوْلُ
مُنَزِّلُهٗ الٓرٰ قف کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ
حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ (هود)، فَاَرَدْتُ اَنْ اَجْعَلَ تَفْسِیْرَهَا جُزْءًا مُّفْرَدًا
مِّنْ تَفْسِیْرِ الْکَبِیْرِ الْمُسَمّٰى بِتَبْصِیْرِ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْ قَصَدْتُّ
تَحْرِیْرَهٗ وَنَوَیْتُ تَحْبِیْرَهٗ بِحَوْلِ اللّٰهِ الْقَدِیْرِ، وَاُسَمِّیَهٗ
وَاضِحَ الْبَیَانِ فِیْ تَفْسِیْرِ اُمِّ الْقُرْاٰنِ۔ فَکَرَّرْتُ النَّظَرَ
فِی الْبَیَاضِ وَاَخَذْتُ اَقْتَنِصُ الْاَوَابِدَ مِنَ الْغِیَاضِ، وَاَجْمَعُ
مُتَفَرِّقَاتِ الْفُضَاضِ، وَشَرْحَ الْمَعَاقِدِ لِلْاِمْتِحَاضِ، فَجَاءَ
بِحَمْدِ اللّٰهِ کَمَا تَرَاهُ مَا یَرُوْقُ النَّوَاظِرَ وَیَسُرُّ الْخَوَاطِرَ
وَیُزِیْحُ وَسَاوِسَ الصُّدُوْرِ، وَیُزِیْلُ دَسَائِسَ اَهْلِ الْفُتُوْرِ،
فَوَاللّٰهِ الَّذِیْ خَضَعَتْ لِجَلَالِ عِزَّتِهٖ وُجُوْهُ الْاَبْطَالِ، وَعَجَزَتْ

Marfat.com

عَنْ اِدْرَاكِ حِكْمَتِهٖ عُقُوْلُ اَهْلِ الْكَمَالِ اِنَّ الْفَاتِحَةَ لَشَامِلَةٌ عَلٰى جَمِيْعِ مَقَاصِدِ الْقُرْاٰنِ، حَافِلَةٌ لِمُهِمَّاتِ اَرْكَانِ الْاِيْمَانِ وَهٰذَا التَّفْسِيْرُ الْمُسَمّٰى بِوَاضِحِ الْبَيَانِ فِيْهِ حَلُّ رُمُوْزِهَا الْمَهْجُوْرَةِ، وَكَشْفُ كُنُوْزِهَا الْمَسْتُوْرَةِ لَمْ يَاْتِ مِنَ الْاَقْرَانِ (فِيْمَا اَعْلَمُ) اَحَدٌ بِمِثَالِهٖ وَلَمْ يَنْسِجْ نَاسِجٌ عَلٰى مِنْوَالِهٖ، فَهُوَ حَرِيٌّ بِاَنْ يَرْغَبَ فِيْهِ الْعَوَامُّ وَالْخَوَاصُّ وَيَصْرِفُوْا نَفَائِسَ اَوْقَاتِهِمْ فِيْ مُطَالَعَتِهٖ كَالْخَصَّاصِ[1] وَيَبْذُلُوْا كَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ فِيْ تَحْصِيْلِهٖ بِكَمَالِ الْاِخْلَاصِ، مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَمْرٌ لَا مَحِيْصَ عَنْهُ وَلَا مَنَاصَ۔

هٰذَا وَلَا اَفْتَخِرُ بِهٖ لِاَنَّ الْفَخْرَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُوْهٌ مَذْمُوْمٌ، وَالْمُفْتَخِرُ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ مَحْرُوْمٌ۔ وَلَمْ اَفْعَلْ فِيْ ذٰلِكَ شَيْئًا غَيْرَ اَنِّيْ اَرَزْتُ اِلَى الْفَاتِحَةِ مَا كَانَ فِي الْقُرْاٰنِ مُتَفَرِّقًا فِيْ بَابِهَا، وَاَبْرَزْتُ (بتقديم الجملة ۱۲) مَا كَانَ كَامِنًا فِيْ خِطَابِهَا، فَتَضَمَّنَتْ بِمَضْمُوْنِ الْقُرْاٰنِ اِمْنًا وَّاحْتَرَزْتُ كُلَّ الْاِحْتِرَازِ اَنْ اَخْرُجَ عَنْ دَائِرَتِهٖ بَائِنًا، وَهٰذَا سَهْلٌ عَلٰى مَنْ رَزَقَهُ اللّٰهُ حِفْظَ كِتَابِهٖ وَمَنَحَ عَلَيْهِ فَهْمَ خِطَابِهٖ وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ، وَلَمْ اَقُلْ فِيْهِ شَيْئًا مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِيْ حَذَرًا اَنْ يَّمْتَلِيَ نَارًا رَمْسِيْ لِاَنَّ التَّفْسِيْرَ بِالرَّاْيِ مِنْ غَيْرِ مُسْتَنَدٍ حَرَامٌ وَصَاحِبُهٗ فِي الدَّارَيْنِ مُلَامٌ وَهَا اَنَا اَبْرَأُ اِلَى اللّٰهِ

---

[1] كَانَ فَقِيْهًا بَارِعًا مولعا بمطالعة الكتب مات رحمه الله ۱۳۳۰ھ ۱۲ منه۔

وَاَسْتَغْفِرُہٗ مِنْ کُلِّ کَلِمَۃٍ تُخَالِفُ مُرَادَ اللّٰہِ
اَوْ لَا تُطَابِقُ بَیَانَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَوْ تُغَایِرُ تَفْسِیْرَ
جَمَاعَۃِ الصَّحَابَۃِ اَوْ لَا تُوَافِقُ اَسَالِیْبَ
الْفَصَاحَۃِ وَالْبَلَاغَۃِ فَبِاللّٰہِ اِسْتِنَادِیْ وَ
عَلَیْہِ اعْتِمَادِیْ فِیْ ھٰذِہٖ وَ
یَوْمَ التَّنَادِیْ ؕ

Marfat.com

مُقَدِّمَةٌ

فِی

اُصُوْلِ التَّفْسِیْرِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَثْبَتَ اُصُوْلَ دِیْنِہٖ وَاَعْلٰی فُرُوْعَہٗ فِی السَّمَآءِ، وَشَیَّدَ مَبَانِیَہٗ بِاَحْسَنِ خِطَابِہٖ وَاَحْکَمَ اَسَاسَہٗ بِمُحْکَمِ کِتَابِہٖ فَمَا اَتْقَنَ الْبِنَآءَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ بُعِثَ بِالْحَنِیْفِیَّۃِ الْبَیْضَآءِ، وَاُرْسِلَ بِالْحُجَجِ الْقَوَاطِعِ وَالْحِکَمِ الْبَوَالِغِ فَاَعْجَمَ بِہَا عَرَبَ الْعَرْبَآءِ، وَاُوْتِیَ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ فَاَبْکَمَ مَصَاقِعَ الْخُطَبَآءِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ شَمَّرُوْا لِتَبْلِیْغِ دِیْنِہٖ فِی الْعُمْرَانِ وَالْبَیْدَآءِ،

ؔ قال الزمخشری رحمہ اللہ فی الفائق المقدمۃ الجماعۃ التی تتقدم الجیش من قدم بمعنی تقدم وقد استعیرت لاول کل شیٔ فقیل منہ مقدمۃ الکتاب ومقدمۃ الکلام وفتح الدال خلف ۱۲ (ص۳۰) وتبعہ التفتازانی فی المطول حیث اقتصر علی الکسر وقال المقدمۃ من قدم بمعنی تقدم (ملا جلال ص۳۷)۔

Marfat.com

وَسَعَوْا فِی اِحْیَاءِ اٰثَارِہٖ عَلٰی رَغْمِ اُنُوْفِ الْاَعْدَاءِ وَعَلٰی تَابِعِیْهِمْ
بِاِحْسَانٍ الْبَاذِلِیْنَ جُهْدَهُمْ فِی اِشَاعَةِ اَمْرِهٖ وَاِذَاعَةِ هِدَايَتِهٖ
فِی بُيُوْتِ الْمَدَرِ وَالْاَخْبِيَاءِ اَمَّا بَعْدُ فَاعْلَمْ (اَرْشَدَكَ اللّٰهُ
وَاِيَّایَ اِلٰی سَبِيْلِ الرَّشَادِ وَهَدَانَا اِلٰی طَرِيْقِ السَّدَادِ) اَنَّ
اَحْسَنَ الطُّرُقِ اِلٰی تَفْسِيْرِ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ وَاَسْلَمَ الْمَنَاهِجِ
اِلٰی فَهْمِ كَلَامِ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ وَاَقْرَبَ الْمَوَارِدِ اِلٰی شَرْحِ
مَقَاصِدِهٖ وَاَقْوَمَ السُّبُلِ اِلٰی حَلِّ مَعَاقِدِهٖ وَضَبْطِ شَوَارِدِهٖ هُوَ
التَّفْسِيْرُ بِاٰيَاتِهِ الْبَيِّنٰتِ لِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ مُنَجَّمًا
لِفَصْلِ الْخِطَابِ. وَتَحْقِيْقِ الصَّوَابِ (كَمَا قَالَ عَزَّ بُرْهَانُهٗ)
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ
كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ وَلَا يَاْتُوْنَكَ
بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا (الفرقان پ۱۹) (وَقَالَ
تَعَالٰی شَانُهٗ) وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰی مُكْثٍ وَّ
نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل پ۱۵) (وَقَالَ سُبْحَانَهٗ) الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ
اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (هود پ۱۱) فَمَا
اُجْمِلَ فِیْ مَوْضِعٍ فَاِنَّهٗ قَدْ فُصِّلَ فِیْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ فَلِذٰلِكَ سُمِّیَ الْقُرْاٰنُ مُتَشَابِهًا مَثَانِیَ (حَيْثُ
قَالَ تَعَالٰی) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ (زمر پ۲۳)
قَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَثَانِیَ قَالَ الْقُرْاٰنُ يُشْبِهُ بَعْضُهٗ
بَعْضًا وَّيَرُدُّ بَعْضُهٗ عَلٰی بَعْضٍ[1] وَقَالَ فِیْ مَجْمَعِ بِحَارِ الْاَنْوَارِ، وَ
الْمُتَشَابِهَاتُ يُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا[2] ۱۲۔

---

[1] ابن کثیر جلد ۹ صفحہ ۲۰ ۱۲ منہ [2] مجمع البحار ج ۲ صفحہ ۲۲۱ ۱۲ منہ

Marfat.com

ثُمَّ التَّفْسِيرُ بِالْأَحَادِيثِ النَّبَوِيَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالتَّحِيَّةُ
لِأَنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاهُ لِلرِّسَالَةِ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ كِتَابَهُ لِأَدَاءِ الْأَمَانَةِ
وَعَلَّمَهُ بَيَانَهُ مُبَيِّنًا لِمَا أَرَادَ مِنْ خِطَابِهِ حَيْثُ قَالَ تَعَالٰى ثُمَّ
إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (القيامة ج ۲۹) (وَقَالَ أَيْضًا) وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا
لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ (النحل ج ۱۴) فَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
وَسَلَّمَ كَمَا ذُكِرَ أَمِينُهُ فِي خِطَابِهِ وَمُبَيِّنُ مُرَادِهِ مِنْ كِتَابِهِ)
ثُمَّ التَّفْسِيرُ بِلِسَانِ الْقُرْآنِ مُرَاعِيًا أَسَالِيبَ الْعَرَبِ وَتَرَاكِيبَ
الْأَدَبِ مِنْ غَيْرِ تَحْرِيفٍ وَتَسْوِيلٍ مِنْ قَلْبٍ زَائِغٍ وَلَا الْعِنَادِ وَلَا
تَأْوِيلٍ غَيْرِ سَائِغٍ (كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى) إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُونَ (یوسف ج ۱۲) (وَقَالَ) فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُونَ (دخان ج ۲۵) (وَقَالَ) قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ
يَتَّقُونَ (زمر ج ۲۳) (وَقَالَ) فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ
مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ (آل عمران ج ۳) وَتِلْكَ
الْأُمُورُ الثَّلٰثُ كَانَتْ مَدَارَ السَّلَفِ مِنَ الصَّحَابَةِ الَّذِينَ أَخَذُوا
الْقُرْآنَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُشَافَهَةً مِنْ غَيْرِ
وَاسِطَةٍ أُنْظُرْ فِي تَفْسِيرِ حَبْرِ الْأُمَّةِ وَقُدْوَةِ الْأَئِمَّةِ عَبْدِ اللّٰهِ
بْنِ عَبَّاسٍ تَجِدْهُ مُبْنِيًّا عَلٰى هٰذَا الْأَسَاسِ قَالَ الْحَافِظُ عِمَادُ
الْمِلَّةِ وَالدِّينِ ابْنُ كَثِيرٍ رح مَا نَصُّهُ فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ فَمَا أَحْسَنُ
طُرُقِ التَّفْسِيرِ فَالْجَوَابُ أَنَّ أَصَحَّ الطَّرِيقِ فِي ذٰلِكَ أَنْ يُفَسَّرَ
الْقُرْآنُ بِالْقُرْآنِ فَمَا أُجْمِلَ فِي مَكَانٍ فَإِنَّهُ قَدْ بُسِطَ فِي مَوْضِعٍ
آخَرَ فَإِنْ أَعْيَاكَ ذٰلِكَ فَعَلَيْكَ بِالسُّنَّةِ فَإِنَّهَا شَارِحَةٌ

Marfat.com

لِلْقُرْاٰنِ مُوْضِحَةٌ لَّهٗ اھ وَاَيْضًا قَالَ۔

(۲) وَالْغَرَضُ اَنَّكَ تَطْلُبُ تَفْسِيْرَ الْقُرْاٰنِ مِنْهُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْهُ فَمِنَ السُّنَّةِ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذٍ حِيْنَ بَعَثَهٗ اِلَى الْيَمَنِ فَبِمَ تَحْكُمُ قَالَ بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ قَالَ اَجْتَهِدُ بِرَأْيِيْ فَقَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَدْرِهٖ، وَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لِمَا يَرْضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ فِي الْمُسْنَدِ وَالسُّنَنِ بِاِسْنَادٍ جَيِّدٍ كَمَا هُوَ مُقَرَّرٌ فِيْ مَوْضِعِهٖ، وَحِيْنَئِذٍ اِذَا لَمْ نَجِدِ التَّفْسِيْرَ فِي الْقُرْاٰنِ وَلَا فِي السُّنَّةِ رَجَعْنَا فِيْ ذٰلِكَ اِلٰى اَقْوَالِ الصَّحَابَةِ فَاِنَّهُمْ اَدْرٰى بِذٰلِكَ مِمَّا شَاهَدُوْا مِنَ الْقَرَائِنِ وَالْاَحْوَالِ الَّتِيْ اخْتُصُّوْا بِهَا وَلِمَا لَهُمْ مِنَ الْفَهْمِ التَّامِّ وَالْعِلْمِ الصَّحِيْحِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ لَا سِيَّمَا عُلَمَاءُهُمْ وَكُبَرَاءُهُمْ كَالْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ، وَالْاَئِمَّةِ الْمُهْتَدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ وَقَالَ الْاِمَامُ السُّيُوْطِيُّ فِي الْاِتْقَانِ نَاقِلًا عَنْ بُرْهَانِ الزَّرْكَشِيِّ، مَا مُلَخَّصُهٗ۔ لِلنَّاظِرِ فِي الْقُرْاٰنِ بِطَلَبِ التَّفْسِيْرِ مَاٰخِذُ كَثِيْرَةٌ اُمَّهَاتُهَا اَرْبَعَةٌ (الْاَوَّلُ) اَلنَّقْلُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا هُوَ الطِّرَازُ الْمُعْلَمُ وَلٰكِنْ يَجِبُ الْحَذَرُ مِنَ الضَّعِيْفِ مِنْهُ وَالْمَوْضُوْعِ فَاِنَّهٗ كَثِيْرٌ اھ (وَالثَّانِيْ) اَلْاَخْذُ بِقَوْلِ الصَّحَابِيِّ اھ (الثَّالِثُ) اَلْاَخْذُ بِمُطْلَقِ اللُّغَةِ فَاِنَّ الْقُرْاٰنَ نَزَلَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ وَهٰذَا قَدْ ذَكَرَهٗ جَمَاعَةٌ

لہ ابن کثیر جلد ا۔ صفحہ ۵ ۱۲منہ۔

Marfat.com

وَنَصَّ عَلَيْهِ اَحْمَدُ فِي مَوَاضِعَ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي الشُّعَبِ عَنْ مَالِكٍ قَالَ لَا اُوْتِي بِرَجُلٍ غَيْرِ عَالِمٍ بِلُغَاتِ الْعَرَبِ يُفَسِّرُ كِتَابَ اللّٰهِ اِلَّا جَعَلْتُهُ نَكَالًا (اَلرَّابِعُ) اَلتَّفْسِيْرُ بِالْمُقْتَضٰى مِنْ مَعْنَى الْكَلَامِ وَالْمُقْتَضَبِ مِنْ قُوَّةِ الشَّرْعِ وَهٰذَا هُوَ الَّذِيْ دَعَا بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِابْنِ عَبَّاسٍ حَيْثُ قَالَ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ وَالَّذِيْ عَنَاهُ عَلِيٌّ بِقَوْلِهٖ اِلَّا فَهْمًا يُؤْتَاهُ الرَّجُلُ فِي الْقُرْاٰنِ وَمِنْ هُنَا اخْتَلَفَ الصَّحَابَةُ فِيْ مَعْنَى الْاٰيَةِ فَاَخَذَ كُلٌّ بِرَاْيِهٖ عَلٰى مُنْتَهٰى نَظَرِهٖ وَلَا يَجُوْزُ تَفْسِيْرُ الْقُرْاٰنِ بِمُجَرَّدِ الرَّاْيِ وَالْاِجْتِهَادِ مِنْ غَيْرِ اَصْلٍ قَالَ اللّٰهُ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ وَقَالَ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ[1]۔

اَلتَّنْبِيْهُ: (فَاِنْ قُلْتَ) اِذَا كَانَ الْقُرْاٰنُ بِنَفْسِهٖ كِتَابًا مُّفَصَّلًا وَّبَيَانًا وَّاضِحًا وَّلَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ فِيْهِ رَيْبًا وَّلَا عِوَجًا وَعَلٰى ذٰلِكَ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا، وَاَيْضًا بَيَّنَهُ النَّبِيُّ صلعم بِعَمَلِهٖ وَاِرْشَادِهٖ بَيَانًا شَافِيًا، فَمَا الْحَاجَةُ اِلٰى تَفْسِيْرِهٖ ثَانِيًا وَّكَيْفَ وَقَعَ الْاِخْتِلَافُ فِيْ مَطَاوِي التَّفْسِيْرِ وَمَجَارِي التَّعْبِيْرِ۔

(قُلْتُ) اَلْقُرْاٰنُ كَلَامٌ بَدِيْعُ النَّظْمِ، لَطِيْفُ الْفَهْمِ جَمَعَ الْمَعَانِي الرَّشِيْقَةَ وَالْاَسْرَارَ الدَّقِيْقَةَ فِي الْاَلْفَاظِ الْعَدِيْدَةِ، وَطَوَى النِّكَاتَ اللَّطِيْفَةَ، فِيْ مَطَاوِي الْعِبَارَاتِ الْوَجِيْزَةِ وَحَوَى الْمَطَالِبَ الْعَالِيَةَ وَالْمَقَاصِدَ الْبَاسِقَةَ الَّتِيْ لَا يُعَرَّجُ عَلٰى اَكْثَرِهَا اِلَّا الْجَهَابِذَةُ وَلَا يَطَّلِعُ عَلٰى اَوْفَرِهَا اِلَّا الْمَهَرَةُ الْكَمَلَةُ فَنَاسَبَ بَلْ وَجَبَ اَنْ يُّبْرَزَ

---

[1] تفسیر اتقان جلد ثانی ص ۱۷۹، ۱۲ منہ۔

Marfat.com

أسرارُه ويكشف أستارُه لأنّ التفسير تفعيل من الفسر وهو
البيان والكشف ويقال هو مقلوب السفر تقول أسفر الصبح إذا
أضاء، وقيل مأخوذ من التفسرة وهي اسم لما يعرف به
الطبيب المرض[1] وأمّا الاختلاف فلم يكن في الصحابة إلا قليلا
جدا وكذا في تلامذتهم أي التابعين لهم بالإحسان الذين
أخذوا القرآن عنهم بالإتقان وأمّا من بعدهم من أئمة السنة
فغالب اختلافهم في الاستنباطات والمصاديق والمحامل وهذا هو
اختلاف التنوّع لا اختلاف التضادّ وذلك لأسباب (منها) سعة
كلام العرب، قال الشافعيؒ، لسان العرب أوسع الألسنة مذهبا
وأكثرها ألفاظا ولا نعلمه يحيط بجميع علمه إنسان غير نبي[2]
(ومنها) شيوع علوم الحكمة اليونانية (ومنها) تنوّع أذواق الطبائع
وتفنّن المناهج والمسالك (ومنها) تفاوت مدارج العلم وتفاوت
معارج الفهم والقرآن جامع للجنة، حاوٍ على جملة المسالك
المهمّة، أصوله لا تتناقض وفروعه لا تتعارض (فالفقيه) مثلا
ينظر في آية لاستنباط الأحكام العمليّة، أو يحمل النظير يطابق
بين الجزئيات الفقهية (والمتكلّم) يلاحظ فيها تطابق المعقول و
المنقول وإقامة الحجة وإلزام الخصوم (والأديب) يتغوّص
في بحار الأدب مراعيا أساليب العرب (والزاهد) يرى الحق سبحانه
باقيا وما سواه فانيا فيفسر حقائق العبارات بدقائق الإشارات.
(فكلٌّ) يفسر بحسب رجحان قلبه وميلان طبعه، وأنت خبير

---

[1] اتقان للسیوطی، جلد ۲ ص ۱۷۲ ۱۲ منہ [2] الرسالة الاصولية ص ۱ المضمومة بكتاب الام ۱۲ منہ

Marfat.com

بِاَنَّ هٰذَا لَيْسَ بِاخْتِلَافٍ مَّعِيْبٍ فِي الْحَقِيْقَةِ بَلْ مَنْشَأُهٗ اِخْتِلَافُ طَبَائِعِ الْخَلِيْقَةِ وَمَالُوْ فَاتِهِمُ الْاَنِيْقَةِ، فَالْعَيْنُ وَاحِدَةٌ وَّالْمَشَارِبُ مُتَشَعِّبَةٌ، وَالْقِبْلَةُ وَاحِدَةٌ وَّالْجِهَاتُ مُتَفَرِّقَةٌ، فَاَخَذَ كُلٌّ مَّشْرَبَهٗ وَذَهَبَ مَذْهَبَهٗ، وَهٰذَا اَمْرٌ لَّا يَتَعَجَّبُ مِنْهُ الْفُحُوْلُ، وَلَا يَرْتَابُ فِيْهِ اَرْبَابُ الْعُقُوْلِ، لِاَنَّ الْكَلَامَ الَّذِيْ لَيْسَ لَهٗ مَعْنًى ثَانٍ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ السَّاقِطِ عَنْ دَرَجَةِ الْاِعْتِبَارِ عِنْدَ الْبُلَغَاءِ بَلْ هُوَ حَرِيٌّ بِاَنْ يُّعَدَّ مِنْ اَصْوَاتِ الْبَهَائِمِ الْعَجْمَاءِ وَاَمَّا اخْتِلَافُ اَهْلِ الزَّيْغِ وَالْاِلْحَادِ فَلَا يَعْبَأُ بِهٖ عَاقِلٌ، فَضْلًا عَنْ عَالِمٍ حَافِلٍ اَوْ فَاضِلٍ نَاضِلٍ فَهَا اَنَا اَشْرَعُ فِي الْمَقْصُوْدِ بِحَوْلِ اللّٰهِ الْمَعْبُوْدِ، وَالْاِلْتِمَاسُ مِنَ الْكُمَّلِ اَنْ يَّعْفُوا الزَّلَلَ وَيَسُدُّوا الْخَلَلَ لِاَنَّ جُهْدَ الْمُقِلِّ مَشْكُوْرٌ وَّبَاذِلُ الْوُسْعِ مَعْذُوْرٌ فَاِنْ اَصَبْتُ فَمِنَ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ وَاِنْ اَخْطَاْتُ فَمِنْ نَفْسِيَ اللَّئِيْمِ وَاللّٰهَ اَسْئَلُ اَنْ يَّعْصِمَنِيْ مِنَ الْخَطَلِ وَيَحْفَظَنِيْ مِنَ الْخَبَلِ۔

وَاَنَا عَبْدُهُ النَّاسُوْتِيْ

مُحَمَّدٌ اِبْرَاهِيْمُ مِيْر السِّيَالْكُوْتِيْ

لہ سطول بحث تنقید ۱۲ منہ ٭ ۲ ذکر النفس لکونہا بمعنی الروح، والروح یذکر و یؤنث۔ (صراح) ص ۱۲ منہ ٭

Marfat.com

دیباچہ تفسیر

واضح البیان

فی

تفسیر اُمّ القرآن!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اَلحمدُ للہِ مُنزِّلِ القُراٰنِ ؕ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الھُدٰی وَالفُرقَانِ ؕ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِہٖ مُحَمَّدِنِ المَبعُوثِ بِوَاضِحِ البَیَانِ وَ اَوضَحِ البُرھَانِ ؕ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ المُبَلِّغِینَ عَنہُ بِرُسُوخِ العِلمِ وَ وُثُوقِ الاِذعَانِ ؕ مَادَامَ القَمَرَانِ وَدَارَ الدَّوَرَانُ ؕ

اَمَّا بَعدُ پس بندہ حقیر محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نکتہ رس اور دقیقہ شناس اصحاب کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ قرآن مجید ایک بحر ناپیدا کنار ہے ۔ کیونکہ وہ کلام خالق جبّار ہے ۔ ہزار برس سے زائد عرصہ گذر گیا کہ بڑے بڑے نامی علماء جو اپنے زمانے میں آسمان علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب ہوئے ہیں ۔ کیا محدّثین مثلاً امام ابو جعفر طبری اور حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ اور کیا متکلمین مثلاً امام فخر الدین رازیؒ اور قاضی بیضاویؒ اور کیا زبان عرب کے کامل اُستاد و ادیب مثلاً جار اللہ زمخشریؒ اور کیا اصحاب اشارات و دقیقہ مثلاً محی الدین ابن عربیؒ سب نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق قرآن شریف کی تفسیریں لکھیں ۔ اور اپنے علم و فہم کی رسائی بھر حلِّ مطالب ۔ استنباط مسائل ۔ کشف لطائف اور بیانِ نکات میں پوری کوشش کی (خدا تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا کرے) لیکن قرآن مجید ابھی تک اسی طرح ہے ۔ کہ اس کو کسی نے چھوا تک نہیں ۔ کیوں نہ ہو ، عالم الغیب حکیم وخبیر کا کلام ہے ۔ جس کے کام یعنی خلق کے اسرار ابھی تک محصور نہیں ہو سکے ۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے علمائے مادّیات گھبرا کر پکار اٹھے NATURE UNSUBDUED یعنی قدرت کے کام کسی کے احاطہ میں نہیں آسکتے تو اس کے آمر و کلام کے اسرار و حِکَم کس طرح ختم ہو سکیں؟

چنانچہ امام اسی معنی میں فرمایا :-

Marfat.com

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ (کہف ۱۶ پ)

(اے پیغمبر!) ان سے کہدو کہ اگر میرے رب کے کلمات کے لیے سمندر سیاہی بن جائے۔ تو البتہ سمندر ختم ہو جائیگا پیشتر اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں۔ اگرچہ ہم اس کی مثل اور مدد لائیں۔

انسانی حوائج و تعلقات اور اپنے زمانے کی ضروریات پر نظر رکھنے والے علماء نے قرآن مجید میں سے صراحتہً یا رمزاً و اشارۃً ضروریات کو پورا کیا۔ لیکن انقلابِ زمانہ میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں کی ذہنیت ہر زمانہ میں بدلتی رہتی ہے اور اسی کی متابعت میں ان کی طبیعتیں اثر پذیر ہوتی ہیں۔ بعض امور ایک زمانہ میں بطور مسلّمات و مبادی کے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اور ان پر کسی دلیل کی حاجت نہیں ہوتی۔ بلکہ دلیل کا مطالبہ قابلِ ملامت و موجبِ تحقیر سمجھا جاتا ہے لیکن دوسرے زمانے میں وہی امور محتاجِ دلیل بلکہ محلِ انکار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کے نصوصِ متعلقہ اور شواہدِ قدرت سے اعراض کرنا موجبِ فخر و علم و دانش سمجھا جاتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ ؕ

دیگر یہ کہ کسی دعوے کے بیان کرنے یا دعوے اور دلیل میں مطابقت کے واضح کرنے یا اس کی تائید میں نظائر کے پیش کرنے یا کسی حکم کی علّت کے قرار دینے اور اُس سے اس کے نظائر میں دائر کرنے اور مخالفین کی شہادت و اعتراضات کے جواب دینے میں ہر ایک عالم کا مذاقِ طبع اور طرزِ استدلال اور طریقِ بیان جدا ہوتا ہے۔ اور ہر ایک کے علم کی وسعت اور انتقالِ ذہن اور دماغ کی رسائی کے مدارج بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے ہر عالم کا فرض ہے کہ اپنی تحریر و تقریر اور تدریس میں اپنے مذاقِ طبع اور ذوقِ علمی کے ساتھ اپنے زمانے کی ذہنیت اور روش کا بھی لحاظ رکھے تاکہ ابنائے زمان اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

تحدیثاً بنعمۃ اللہ کہتا ہوں نہ فخراً کہ خدائے ذوالجلال کا احسان ہے کہ اس نے اس ہیمدان کو مذاقِ جامع کے ساتھ اپنے زمانے کی ذہنیت و روش کی سمجھ بھی بخشی اور تحریر و تقریر و تدریس میں اس کو ملحوظ رکھنا بھی سمجھایا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ احسان ہے۔ کہ سب مذاقات و مراعات کو قرآن و حدیث کی تصریحات اور خدا و رسول کی منشاء کے ماتحت رکھنے کی توفیق بخشی ہے۔ اور معقول و منقول کی موافقت و مطابقت میں سردار کو سردار اور خادم کو خادم رکھنے کی قوت بھی عطا کی ہے۔ ان ہر دو طریق کی جامعیت ہر زمانے میں نہایت کم رہی اور ایسے علماء ہر زمانے میں نخال نخال رہے ہیں ؎

درکفے جامِ شریعت در دگر سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن!

Marfat.com

شکایتِ زمانۂ حال

پہلے زمانوں میں اتنی خیر تھی کہ مخالفین سے مناظرہ کرنے والے مسائلِ دینیہ میں تصنیف کرنے والے قرآن شریف کا درس دینے والے۔ اور اس کا ترجمہ و تفسیر لکھنے والے علماءِ اہلِ کمال ہوا کرتے تھے اور کمالِ علمی کے علاوہ جمالِ عملی سے بھی مزیّن ہوتے تھے وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں تو یہ آفت ہے۔ کہ یہ سب کام یعنے مناظرہ و وعظ گوئی، تصنیف و تالیف، درسِ قرآنی اور تفسیر نویسی پیشہ ہو گئے ہیں۔ کہ ان کو وجہِ معاش کے طور پر اختیار کیا جا رہا ہے۔ اور ہر کس و ناکس نہایت جرأت و دلیری سے ان میں قدم انداز ہو رہا ہے۔

بعض اردو یا انگریزی خوان جن کی قابلیت کا مدار محض اردو یا انگریزی تراجم ہیں۔ یا کسی عالم کی صحبت کی وجہ سے مذہبی مذاق رکھتے ہیں۔ اور خود براہِ راست علوم متعلقہ قرآن و حدیث اور دیگر فنونِ عقلیہ سے ناواقف ہیں اور اس تہی دستی اور کم مائگی کے علاوہ کج فہمی۔ فسادِ اعتقاد اور زیغِ قلبی کے آفت زدہ بھی ہیں۔ اور ا...... ہم باوجود تمام اسبابِ علم و فہم سے خالی ہونے کے ان کے دماغ پر ہمہ دانی کا جنّ بھی سوار ہے۔ وہ بھی علامہ تفتازانی بن کر قرآن شریف کا درس دینے بیٹھ جاتے ہیں۔ یا مخالفین کے مقابلے میں ڈٹ جاتے ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض نہایت جرأت کر کے قرآن شریف کی تفسیر بھی لکھ ڈالتے ہیں۔ وہ درس میں، مناظرہ میں، عام تصنیف میں تفسیرِ قرآن میں (اجتہادی امور میں نہیں۔ بلکہ اعتقادی اور بنیادی اصول میں) نصوصِ قرآن حدیث کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور بالکل بے فکر ہو کر سلف صالحین اور قواعدِ علمیہ اور بڑے بڑے ائمہ کی تصریحات کے خلاف بے جا و باطل تاویلیں بلکہ تحریفیں کرتے جاتے ہیں۔ ایسے مدرس، ایسے مناظر ایسے مفسر بجائے اس کے کہ قرآن کے مطالب بیان کریں۔ اور اس کی تفسیر بتائیں۔ اگر اعتقاداً اور قولاً نہیں تو عملاً تو ضرور قرآن مجید کی ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ پھر غضب یہ کہ شرک و بدعت۔ کفر و ضلالت تاویلِ باطل و تحریف کا نام حقائق و معارف اور نکات و لطائف رکھا جاتا ہے۔ اور اس پر لوگوں کی بد ذوقی کا یہ عالم ہے کہ ان اباطیل کو جھوم جھوم کر اور سبحان اللہ! سبحان اللہ! کہہ کر ماننے کے لیے تیار ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔ یہ سب کچھ قلتِ علم اور ذمہ داری کو نہ سمجھنے کی آفت سے ہے۔ والعیاذ باللہ ؎

خوش اعتقاد احباب کا تقاضا

زمانے کے حالات سے متاثر ہو کر اور اس کی ضرورت کو سمجھ کر بعض خوش اعتقاد احباب مخلص اپنے

Marfat.com

حسنِ ظن سے سالہا سال سے میرے گرد ہو رہے تھے اور باوجود میرے انکار پر انکار کرنے کے وہ لگاتار اصرار پر اصرار کر رہے تھے۔ (اور بعض تو بار ہا ناراضی کا اظہار بھی کر چکے ہیں) کہ میں اردو زبان میں قرآن شریف کی ایک تفسیر لکھوں۔ جس میں قرآن و حدیث کی تصریحات کی ماتحتی میں مذاق و ضروریاتِ زمانہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن شریف کے لطائف اور تعلیم قرآن کے اسرار و حکم ظاہر کروں یا کم از کم اردو ترجمہ اور حاشیہ پر فوائدِ مفیدہ متضمنِ لطائف و نکات لکھوں۔ جن میں منکرین کے شبہات و اعتراضات کے جواب اور ملحدین کے الحاد کی تردید، اور بعض کم علم و کج اعتقاد مترجمین و مفسرینِ زمانہ کی غلط فہمی و مغالطہ دہی اور کجروی کو بھی طشت از بام کر دوں ؂

ہر چند کہ ان دوستوں کا سوال و اصرار ضرورت کے لحاظ سے بالکل بجا تھا۔ اور ان کی یہ خواہش و آرزو نہایت نیک اور مقصد بہت پاک تھا۔ لیکن میں اس خدمت کے پورا کرنے سے بچند وجوہ قاصر رہا۔

اوّل۔ اس وجہ سے کہ تفسیر قرآن کے لیے جو علمی و عملی قابلیت درکار ہے۔ وہ مجھ میں نہیں ہے۔ اور جو صاحب مجھے اس قابل جانتے ہیں وہ حسن ظنی سے کہتے ہیں ورنہ "من آنم کہ من دانم" ؂

دوم یہ کہ خدائی توفیق کے بعد اس عظیم الشان خدمت کے انجام دینے کے لیے جن اسباب و آلات کی ضرورت ہے۔ وہ مجھے میسر نہیں۔ اور جو کچھ کتب خانہ لوگوں کی نظر میں میرے پاس موجود ہے وہ اس خدمت کے لیے میرے نزدیک کافی نہیں۔ کسی کام کے باحسن صورت انجام دینے کے لیے جن اسباب کی ضرورت کاریگر کے ذہن میں ہوتی ہے دوسرے لوگ اسے نہیں سمجھ سکتے۔

سوم یہ کہ یہ زمانہ قلتِ علم اور قحط الرجال کا ہے۔ حلِ مشکلات کے لیے میرے نزدیک جیسے علماء کی طرف رجوع ضروری ہے وہ زمانۂ حال میں (حضرات علمائے عصر معاف رکھیں) بفحوائے "ان الکرام قلیل" بہت کم ہیں۔

اور اگر شامتِ اعمال سے کسی سے کچھ دریافت کرنے کی بیوقوفی کر بھی لے جائے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ فضیحت و رسوائی کا ٹیکا اپنے ہاتھوں سے اپنی پیشانی پر لگا لیا۔ اعاذنا اللہ منہا ؂

چہارم یہ کہ اگر ان سب مراتب ثلثہ گانہ سے تجاوز بھی کر لیا جائے اور جو کچھ بھی خدا نے سمجھ بخشی ہے اور جو اسباب و آلات اس نے اپنے فضل سے عطا کئے ہیں۔ بغیر کسی کی طرف رجوع کرنے کے صرف انہی سے کام لیا جائے تو ان دنیوی اشغال و فرائض کو بجا لاتے ہوئے جو میرے گلے پڑ چکے تھے روزانہ ایک آیت بھی نہیں لکھ سکتا تھا بسا اوقات احباب کے تقاضے سے متاثر ہو کر کچھ لکھنا شروع بھی کیا۔ تو دو چار

Marfat.com

روز کے بعد پھر رہ گیا۔ کیونکہ جملہ امور جو کسی آیت کے متعلق خدا تعالےٰ نے محض اپنے کرم سے مجھے سمجھائے یا دیگر بزرگوں کی تفسیر سے حاصل کرائے ہیں۔ ان سب کے بیان کرنے میں خوف طوالت دامنگیر ہو جاتا اور اختصار و انتخاب سے اپنی طبیعت نہ بھرتی۔ بلکہ انتخاب میں تردد واقع ہو جاتا کہ کس بات کو چھوڑوں۔ اور کس کو لکھوں۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ طبیعت اکتا کر رہ جاتی۔ اور تفسیر و تحشیہ کا کام ترک کر دینا پڑتا۔

دنیوی اشتغال (انتظام زمینداری اور تعلقات میونسپلٹی) نے میرے اوقات کو ایسا گھیرا کہ عملاً علمی خدمت تو درکنار وہ دماغی توجہ میں بھی کمی ہو گئی۔ اسی ادھیڑبن میں کئی سال گذر گئے۔ اور میں بنی اسرائیل کی طرح اسی حیرت و تردد کے بیابان میں وہیں کا وہیں رہ گیا۔ آخر دنیوی اشتغال و تفکرات دن بدن بڑھتے گئے۔ بدنی و دماغی قوی مضمحل ہونے لگے۔ اور علمی حظوظ میں بھی کمی آنے لگی۔ تو مجھے اپنی حالت پر تاسف ہوا۔ اور میں نے اپنی اس نہج افتاد میں تبدیلی اور انقلاب ضروری سمجھا۔ لیکن پیش افتادہ معاملات و تعلقات کو چھوڑنا اور شہر اور ملک کے لوگوں سے منہ موڑنا آسان نہیں تھا۔ ادھر خدا تعالےٰ نے میرے دل میں افسوس پیدا کیا۔ اور ادھر ایک عزیز[1] نے جسے مجھ سے واقعیت سے زیادہ حسن ظن ہے مجھے اس مضمون کا خط لکھا کہ

"آپ کی عمر کا گرانمایہ حصہ رائگاں جا رہا ہے۔ صحت دن بدن خراب۔ اور قوت روز بروز کم ہو رہی ہے "جب قوی بالکل مضمحل ہو جائیں گے۔ اور دل میں خدمت قرآن کا ولولہ جوش مارے گا۔ لیکن ضعف و ناتوانی "کے سبب کچھ نہ ہو سکے گا۔ تو جو افسوس و حسرت اس وقت ہو گی اس کا تصور اس وقت کر کے "ترجمہ یا تفسیر قرآن کا کام شروع کر دیجئے۔ اور فہم قرآن کی جو نعمت خدا تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے اس سے لطائف "و نکات قرآنیہ کے تشنہ لبوں کو سیراب و خوش کام کیجئے۔" (ملخصاً)

میں عزیز مذکور کی اس تحریر سے بہت متاثر ہوا۔ دو رکعت نماز توبہ کی نیت باندھی۔ گناہوں کی معافی اور اس نیک کام یعنی تفسیر قرآن کے لیے خدا تعالےٰ سے مدد طلب کی:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِیْرِیْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ!

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَسَاوِسِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْاَمْرِ

نماز اور دعا سے فارغ ہو کر قلم دوات لے کر لکھنے بیٹھ گیا۔ کچھ مدت بعد خدا کی قدرت کا ظہور یوں ہونے لگا کہ میرے بدنی اور دماغی قوی دن بدن مضمحل ہونے لگے۔ اور اب میں اپنی گذشتہ غفلت و کوتاہی

---

[1] عزیزی مولوی ظفر اقبال صاحب سلمہ اللہ ایم اے بی ٹی۔

Marfat.com

اور موجودہ ضعف و ناتوانی پر کمال تاسف کرتا ہوں کہ اب سے پیشتر جو محنت آسانی و خوشی سے برداشت کر لیتا تھا۔ اب بمشکل بھی اس کا متحمل نہیں ہو سکتا ہ

صَرَفْتُ الْعُمْرَ فِیْ لَغْوٍ وَّ لَہْوٍ ؛ فَہَاہَا ثُمَّ ہَاہَا ؛ ثُمَّ ہَاہَا !!

گذشتہ رائیگاں گئے وقت کی تلافی تو نہیں ہو سکتی۔ لیکن موجودہ حالت کو بھی غنیمت نہ سمجھوں اور خدا کی دی ہوئی بخشش کو اس کے بندوں میں تقسیم نہ کروں تو مجھ سے زیادہ نادان کون ہوگا؟

لہذا اب سب طرف سے منہ موڑ کر اور خدا کی کتاب کو ہاتھ میں لے کر بیٹھ گیا ہوں۔ اب خدا کا کام ہے کہ اُسے پورا کرائے۔ صحت و فراغت نصیب کرے۔ اور جملہ مسائل اپنی منشا کے مطابق اور اپنے رسول مقبول ﷺ کی سنت کے موافق سمجھائے۔ میرے قصوروں اور میری لغزشوں سے درگذر کرے۔ اور میری اس ناچیز خدمت کو اپنے فضل عمیم سے قبول فرمائے۔ اور اسے دین و دنیا میں میرے لیے بھی اور دیگر مسلمانوں کے لیے بھی نافع و مفید بنائے۔ آمین یا رب العٰلمین ؛

التماس ضروری

انسان ہو کر میں نہیں کہہ سکتا کہ غلطی سے پاک ہوں۔ اور وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ o (یوسف پ ۱۳) قرآن شریف میں پڑھ کر دعوے نہیں کر سکتا۔ کہ دیگر علمائے عصر سے بڑھ کر ہوں۔

لہذا ان علماء کی خدمت میں جو علم کو ایک خداداد اور اجتہادی قوت سمجھتے ہیں اور اس نعمتِ عظمےٰ سے بہرہ اندوز ہیں اور تفاسیر متقدمین پر نظرِ بالغ رکھتے ہیں (اور میں ان کی علمی قابلیت اور خلوصِ دینی کا بدل قائل و معترف ہوں ؛

التماس ہے کہ میں نے خدا کے فضل سے اُن اسباب علم سے جو تفسیر قرآن کے لیے درکار ہیں اپنی طاقت بھر پورے غور و خوض سے کام لیا ہے۔ جیسا کہ مطالعہ سے آپ پر روشن ہو جائے گا۔ پھر بھی مانتا ہوں کہ میرے کام میں (نہ خدا کے کلام میں) آپ کو کئی ایک خامیاں نظر آئیں گی۔ سو بفحوائے حدیث نبوی اَلدِّیْنُ النُّصْحُ (مسلم) امید ہے کہ آپ بجائے اس کے کہ دوسروں کے پاس زبان شکایت و ملامت کھولیں مجھے اطلاع دے کر ممنون فرمائیں گے کیونکہ مجھے اطلاع دینے میں تو اصلاح کی امید ہو سکتی ہے۔ اور دوسروں کے پاس شکایت کرنے میں دروِ فتنہ کھلنے کا اندیشہ ہے۔ جو آپ کو بھی پسند نہیں ہوگا۔ میں خدا کے فضل سے اس پر اپنے فہم کی رسائی بھر غور کروں گا۔ اور سمجھ آ جانے پر شکریے کے ساتھ قبول کروں گا۔ اور اگر کوئی معمولی لغزش یا اختلاف رائے ہو تو امید ہے کہ اس سے آپ بھی درگذر کریں گے ؛

Marfat.com

عام ناظرین سے گذارش ہے کہ شاید آپ کو تفسیر میں کوئی ایسی بات بھی نظر آئے جو آپ کے ذاتی خیال یا اختیار کردہ مذہب یا عوام کی روش ورواج کے خلاف ہو سو آپ اُسے صرف اسی خیال سے درجہ قبولیت سے نہ گرا دیں۔ کہ وہ ان چیزوں کے موافق نہیں ہے۔ کیونکہ میں قرآن شریف کی تفسیر کر رہا ہوں نہ کہ اس سے باہر کسی کے خیال یا مذہب یا لوگوں کی رسم ورواج کی ترجمانی۔ نزول قرآن کے وقت نہ آپ تھے نہ میں تھا، نہ یہ مذاہب متفرقہ تھے۔ باقی رہے لوگوں کے رسم ورواج سو قرآن نے ان کی اصلاح کر کے خدا کی شریعت قائم کر دی۔ پس ان باتوں کو تفسیر قرآن کی صحت کا معیار قرار دینا درست نہیں۔

جب کوئی بات اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول پاک صلعم سے ثابت ہو جائے تو ایک مومن کی شان یہ ہے کہ اس کے سامنے سر جھکا دے اور کسی حیل وحجت کی گنجائش نہ رکھے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ۔ (احزاب پ۲۲)	اور کسی ایماندار مرد یا عورت کو شایاں نہیں کہ جب خدا اور اس کا رسول کوئی بات ٹھہرا دے تو اس میں ان کا کوئی اختیار (باقی) رہے۔ اور جو خدا اور اس کے رسول کے حکم سے سرتابی کرے گا وہ تو صریح گمراہی میں پڑ چکا۔

خدا کے فضل سے اس تفسیر میں یہ نہیں ہو گا کہ میں خدا اور اس کے رسول صلعم اور جماعت صحابہؓ کی تصریحات کے خلاف پہلے ایک بات کو اپنے ذہن میں قرار دے لوں اور پھر اس کی تائید کے لیے آیات قرآنیہ کو توڑ موڑ کر اپنے ناقص ذہن کے سانچے میں ڈھالوں اور اسے بیان القرآن قرار دے کر اپنا اعتبار جماؤں۔ میں اس بات کو سراسر حرام مطلق جانتا ہوں۔ میرا ذہن، میری سمجھ، میرا علم، میرا عقیدہ، میرا خیال، غرض سب کچھ قرآن و حدیث کے تابع ہے۔ اور ہونا چاہیئے۔ پس مجھے ان کے سانچے میں ڈھلنا چاہیئے نہ یہ کہ الٹا قرآن و حدیث کو اپنے ذہن اور اپنی سمجھ اور اپنے عقیدے کے تابع کروں کہ یہ عکس موضوع ہے ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست می بُرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

حضرت شیخ علی مہائمی رحہ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں تفسیر بالرائے کی کئی صورتیں لکھی ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے۔

وقيل المذموم جعل الرائے معياراً لما جاء القران فيفسر على وفقه تقريرا له ويترك ظاهر القران والمحمود جعل الرائ تابعًا للدلالة القران (مقدمہ تفسیر رحمانی ص۶)	بعض نے کہا مذموم یہ ہے کہ جو کچھ قرآن لے کر آیا اس کیلئے اپنی رائے کو معیار بنائے پس اپنی رائے کو ثابت رکھنے کیلئے اس کے موافق تفسیر کرے اور ظاہر قرآن کو چھوڑ دے۔ اور محمود یہ ہے کہ اپنی رائے کو ہدایت قرآنی کے تابع کرے۔

Marfat.com

میں خود ایسا کس طرح کر سکتا ہوں جب اس تفسیر کے لکھنے سے میری ایک غرض یہ بھی ہے کہ جو لوگ ایسا کر رہے ہیں ان کی غلط فہمی، مغالطہ دہی اور کجروی کو بھی طشت ازبام کر دوں۔

بس آپ اچھی طرح نوٹ کر لیجئے۔ کہ میں جس امر کو اختیار کروں گا۔ اس میں میری متفردانہ رائے نہیں ہوگی۔ بلکہ صاف صاف آیات قرآنیہ اور حدیث نبویہ میرے سامنے ہوں گی۔ اور ایسے پاک نفوس کی ایک جماعت میرے ساتھ ہوگی۔ جو فرقہ بندیوں سے پیشتر تھے۔ ہذا واللہ الہادی۔

آپ کا صادق محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نزیل جموں
مورخہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ / ۲۱ اپریل ۱۹۳۳ء

Marfat.com

معذرت و عرضِ حال

وہ زبانِ عربی، میری مادری زبان نہیں، بلکہ تعلیمی ہے۔ تعلیمی زبان کو اس زبان کے قواعد و محاورات سے سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ درجہ اصلیت کے برابر نہیں ہوتا۔ تاہم خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے قرآن شریف کی محبت عطا کی ہے اور اسی محبت کی وجہ سے میں نے شروع جوانی ہی میں اپنے خاندانی حالات کو نظر انداز کر کے بجائے کرسی نشینی کے بوریا نشینی اختیار کر لی تھی[۱]۔ الحمد للہ کہ میں اس حالت پر خوش ہوں۔ اور مجھے اس بات کا ہرگز افسوس نہیں ہے کہ میں نے اس تبدیلِ وضع میں کچھ نقصان اٹھایا۔ بلکہ سراسر فائدہ پایا ہے ایسا فائدہ جسے دنیادار نہیں پا سکتے — میں خدا کا ہزار ہزار شکر کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے انگریزی کالج سے نکال کر اپنے دین کی خدمت میں لگا دیا ؎

منّت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منّت بداں ازو کہ بخدمت گذاشتت

اسی محبت قرآنی کی وجہ سے اور قواعدِ زبان و اسلوبِ فصحا کی رعایت سے (کہ یہ بھی میری ذہنیت بلکہ طبیعت ہو گئی ہے) کوئی کار آمد بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ (والحمد للہ علیٰ ذالک[۲])

---

[۱] استاذنا حضرت مولانا سیالکوٹی مصنف تفسیر زاد المجید کے والد ماجد جناب حاجی تو دو بخش صاحب میر مرحوم اپنے وقت میں شہر سیالکوٹ کے نامی رئیس اور امیر کبیر بزرگ تھے۔ سادگی اور تواضع کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اہل علم کی نہایت عزت کرتے تھے۔ مجھ جیسے بھی کمال خلق سے پیش آتے تھے باوجود اس قدر تمول اور وسیع دنیاداری کے شب زندہ دار تھے، جہاں تک مجھے یاد ہے نماز تہجد کبھی بھی فوت نہیں ہوتی ہوگی۔ قوی مضبوط تھے بیمار کم ہوتے تھے۔ ۹ محرم ۱۳۲۲ھ کو چھیاسی[۸۶] سال کی عمر میں وفات پائی۔ (خاکسار محمد الدین کاتب سیالکوٹی)

[۲] استاذ پنجاب محدث کامل حضرت مولانا حافظ عبد المنان صاحب مرحوم وزیر آبادی اپنے اس اجازت نامہ میں جو انہوں نے اس عاجز کو تدریسِ حدیث کے متعلق عنایت کیا تھا فرماتے ہیں: «ان الاخ المکرم المفخم اعنی ابراهیم بن حاج الحرمین الناصر لسنة سيد المرسلين - الخادم لخدام سنة سيد الثقلين، اعنی میر دو بخش السیالکوتی الکاشمیری متعه الله بعمله وعمل اولاده فی العقبی وفی هذه قد قرء علیّ ترجمة القرآن فی مواضع متعددة وصحیحی البخاری ومسلم مثل ذالك واشياء من جامع الترمذی وسنن ابی داؤد وشرح النخبة وغيرها من دواوين السنة واستفاد منی بفوائد عجيبة ومسائل غريبة فی ازمنة متفرقة من علوم مختلفة اصولاً وفروعاً فطلب منی الاجازة فاجزت له بجميع ما قرء علیّ وبجميع ما يشتمل عليه فهرسی

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

Marfat.com

علم اسرارِ دین ولطائفِ قرآن مجید

اس فن شریف کی قدر و منزلت اور اس کی ضرورت و حاجت کی نسبت خاکسار اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ صرف ان بزرگوں کے الفاظ پر اکتفا کرنا چاہتا ہے جن کے فیوض سے اس ہیچمدانِ ہیچمدان کو بہرہ ملا ہے :

۱۔ استاذ السند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کی دقیقہ شناسی اور نکتہ رسی مسلّم حق ہے۔ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

"باید دانست کہ علمِ لطائف و نکاتِ قرآن علمیست کہ نہایت ندارد۔ و ہر روز در تزاید و ترقیست۔ زیرا کہ ہر صاحبِ فن بقدرِ حوصلہ و استعدادِ خود آنچہ متعلق بفنِ خود است ازیں کلام مجید بر می آرد۔ پس استنباطِ ایں علم

(بقیہ حاشیہ) فعلیہ ان یروی عنی جمیع ما اجزت لہ لانہ ذو فہم ثاقب و صاحب فکر صائب بہا یتغوص فی بحار العلوم فیخرج منہا اللؤلؤ والمرجان زادہ اللہ علماً وعملاً ووفقہ وعاملہ بالرحمۃ والرضوان فی سنۃ سید الانس والجان (۱۳۱۲ھ)

(۲) اسی طرح شیخ الکل حضرت میاں صاحب مرحوم سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اجازت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں : ان المولوی ابراھیم بن قادر بخش السیالکوتی الکشمیری قرأ علی طرفا طرفا من الصحاح الستۃ والمشکوٰۃ المصابیح وموطا مالک فعلیہ ان یشتغل باقراء ھذہ الکتب المذکورۃ وتدریسہا لانہ احق بہا واھلہا بسبب الاستعداد الخ (۱۳۱۶ھ)

(۳) اسی طرح حضرت الاستاذ حائز لواء السنن مولانا عبیداللہ غلام حسن صاحب سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ جن کے فیضِ صحبت نے اس گنہگار کے ظاہر و باطن پر پرتو ڈالا۔ اور شریعت و طریقت کے حقائق و معارف کا دروازہ کھولا اور ان کی وفات کے بعد وہ لطف کہیں نہ پایا تحریر فرماتے ہیں :۔

اما بعد علامہ فہیم مولوی حافظ محمد ابراہیم بارک اللہ فی عمرہ آمین از اعزۂ اصحاب و اخص احباب و ارشد اربابِ ارادت کاتب الحروف است۔ وے در علوم عقلیہ و نقلیہ مہارتِ کما ینبغی بہم رسانیدہ و دو اکثرے ازاں بل ہمہ آں نسبت تلمذ بایں ہیچمیرز درست داشتہ۔ و در زمانِ قصیر استفادۂ فنونِ کثیرہ نمودہ۔

معہٰذا الک بکمال ذہن است و بمطالعہ صحیح و فہم سلیم مناسبتِ متین پیدا کردہ۔ طبعِ نکتہ رس دارد و دلِ بیہوس سوا ایں ہمہ بایمانات و مجاہدات و خلوصِ نیت و حسنِ طویت موصوف است۔ و از سعادت در رشد و اہلیت و شرم و حیا نصیبۂ وافی و بہرۂ کافی نصیبِ اوست۔ ھذا ما اعلم واللہ حسیبہٗ) الخ ۱۲ منہ۔

Marfat.com

در دنیا ممکن نیست " (صد ۱۳ تفسیر عزیزی جلد اوّل)

(۲) اور ان کے والد ماجد حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ میں علم حدیث کے متعلق فرماتے ہیں :-

"اس فن کے کئی طبقے ہیں پھر ان سب کا ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک علوم حدیثیہ میں سے سب سے دقیق اور عمیق اور سب سے اعلیٰ وادنیٰ اور ارفع و اعظم علم اسرار دین ہے۔ جس میں احکام الٰہیہ کی حکمتوں اور ان کی لمیات سے بحث ہوتی ہے اور خواص اعمال کے اسرار اور نکات مذکور ہوتے ہیں "

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

"خدا کی قسم یہ علم اس بات کا سب سے زیادہ حقدار ہے کہ جو شخص اس کی طاقت رکھے وہ اپنے عمدہ اوقات اس میں خرچ کرے اور فرض عبادت کے بعد اسے اپنی عاقبت کا ذخیرہ اور توشہ بنائے "

پھر حضرت شاہ صاحب اس علم کی قدر و منزلت کی وجہ سمجھاتے ہیں کہ انسان اس سے امور شرعیہ کا علےٰ وجہ البصیرت عالم ہو جاتا ہے :-

اس کے بعد اس فن کا فائدہ مزید بتاتے ہیں :-

وَبِہٖ یَأْمَنُ اَنْ یَکُوْنَ کَحَاطِبِ لَیْلٍ اَوْ کَغَائِصِ سَیْلٍ اَوْ یَخْبِطُ خَبْطَ الْعَشْوَاءِ اَوْ یَرْکَبُ مَتْنَ الْعَمْیَاءِ۔ (حجۃ اللہ صـ۳)

اور اس علم سے (انسان) اس بات سے بے خوف ہو جاتا ہے کہ رات کے وقت ایندھن اکٹھا کرنے والے کی طرح یا سیلاب میں غوطہ مارنے والے کی طرح ہو۔ یا یہ کہ شبکوری والے کی طرح ٹامک ٹوئے مارے۔ یا یہ کہ اندھے جانور کی پشت پر سوار ہو۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگرچہ ان سب (علوم مذکورہ بالا) کے متعلق علماء نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس فن یعنی علم اسرار دین میں تصنیف بہت کم ہے "

پھر اپنی ذات گرامی کی نسبت ذکر کرتے ہیں :-

وَاِنَّ مِنْ اَعْظَمِ نِعَمِ اللّٰہِ عَلَیَّ اَنْ اٰتَانِیْ مِنْہُ حَظًّا وَجَعَلَ لِیْ مِنْہُ نَصِیْبًا (حجۃ اللہ صـ۳)

مجھ پر خدا تعالےٰ کی ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے مجھے اس علم سے (کافی) حصہ عطا کیا ہے"

اس کے بعد تواضع و انکساری کے طور پر کہتے ہیں :-

وَمَا اَنَا اِلَّا مُعْتَرِفٌ بِتَقْصِیْرِیْ وَاَبُوْءُ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ (حجۃ اللہ صـ۳)

اور میں ہمیشہ اپنی قصور واری کا اعتراف کرتا رہتا ہوں اور اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا بیشک نفس (امارہ) برائی کا حکم زیادہ کرتا ہے۔

Marfat.com

بھر اپنا ایک مراقبہ ذکر کرتے ہیں۔ جس میں ان پر روحِ مقدس آنحضرت صلعم کا ظہور ہوا اور آپ کو اس علم (اسرارِ دین) کے بیان کا القا ہوا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جب میں (بتقریب حج ۱۱۴۳ھ میں) مکہ شریف میں مقیم تھا۔ تو میں نے حضرات حسنین رض کو خواب میں دیکھا گویا کہ انہوں نے (خدا ان سے راضی ہو) مجھے ایک قلم دیا اور فرمایا۔
هٰذَا قَلَمُ جَدِّنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی یہ ہمارے جدِ امجد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قلم ہے۔
اس کے بعد حضرت شاہ صاحب رح نے اپنے مخلص صادق مولانا محمد عاشق صاحب رح کا ذکر کیا ہے۔
جنہوں نے نہایت الحاح و اصرار سے حضرت شاہ صاحب رح سے درخواست کی کہ آپ اسرارِ دین میں کوئی کتاب لکھئے۔

حضرت شاہ صاحب رح فرماتے ہیں کہ ان کے اصرار سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہ صورت ہے جو مجھے الہام کی گئی تھی۔ تو میں نے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کی اور استخارہ کیا اور خدا سے مدد طلب کی۔ وغیرہ وغیرہ۔
خاکسار گنہ گار بھی محض تحدیثاً بنعمۃ اللہ (نہ فخراً) کہتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو بھی اس فن (اسرارِ دین و لطائفِ قرآن مجید) سے کچھ حصہ عطا کیا ہے۔ اور یہ سب کچھ اپنے مشفق استادوں کی کفش برداری اور سابق علماء کی خوشہ چینی خصوصاً اپنے برادر بزرگ مولانا مولوی احمد دین پال صاحب (مصنف الحکمۃ الیمانیہ وغیرہ) کے فیض و برکت سے ہے۔ جنہوں نے یہ فن یکتائے زمانہ جناب مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی سے حاصل کیا۔

اعلی اللہ مقاماتھم

حضرت شاہ صاحب جیسے پاک نفس نے اپنے عجز و تقصیر میں ایسے الفاظ تحریر کئے ہیں۔ تو یہ عاجز اس کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ میں تو سچ مچ گنہ گار بلکہ گناہوں میں لتھڑا ہوا شرمسار ہوں۔
اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجُلَّهٗ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ۔
مراقبہ کی حالت میں فیضانِ الٰہی کا نازل ہونا تو بہت اونچا مقام ہے۔ اور میں کہہ چکا ہوں کہ میں واقعی گنہ گار ہوں اس لیے وہ مقام مجھے کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔ ہاں فیضانِ الٰہی کی دیگر صورتیں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک سچا خواب ہے۔ خدا کا احسان ہے۔ کہ وہ اپنے فضل سے بعض اوقات اس دروازے سے مجھ عاجز پر بھی کچھ فیضان نازل کر دیتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے صرف دو خواب جن کو اس تحریر (تفسیر قرآن) سے مناسبت ہے۔ عرض کر دیتا ہوں۔

(۱) پہلی عمر میں جب میں انگریزی سکول میں پڑھتا تھا۔ خواب میں مولانا عبدالحکیم صاحب مرحوم فاضل سیالکوٹی کی

Marfat.com

زیارت سے مشرف ہوا۔ مولانا مرحوم نے سامنے کے ایک کھیت کی طرف اشارہ کیا میں نے اس میں جا کر انباروں کے انبار کتابوں کے پائے۔ میں نے چادر بچھا کر وہ سب کتابیں اس میں باندھ لیں۔ کتابوں کا گٹھڑ بہت بڑا اور اتنا وزنی ہو گیا کہ میں اکیلا اس کے اٹھانے سے عاجز رہ گیا۔ خدا کی قدرت سے میرے دادا مرحوم (میاں حیات محمدؒ میرا) جو بڑے عابد و پرہیزگار تھے۔ اور کئی سال سے فوت شدہ تھے، وہاں پر نمودار ہو گئے۔ انہوں نے کتابوں کا وہ گٹھڑ مجھے اٹھوایا اور میں گھر کو روانہ ہوا۔ اتنے میں آنکھ کھل گئی۔ جاگتے ہی بغیر تامل کے خدا نے یہ تعبیر سمجھائی کہ خدا تعالےٰ اس عاجز کو مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹیؒ کا علم عطا کرے گا۔

سو خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے انگریزی تعلیم میں کمال حاصل کرنے کی بجائے اپنے دین کے علم کی تحصیل میں لگا دیا۔

۲۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جب میں امتحان انٹرنس سے فارغ ہو کر کالج میں پڑھتا تھا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ جس جگہ میں سویا ہوں۔ وہاں آسمان سے میری چارپائی تک ایک مضبوط رسہ لٹکتا چلا آیا ہے۔ میں نے اس رسے کو خوب مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اور رسہ میرے سمیت اوپر کو چڑھتا گیا۔ میں اس کے ساتھ دور تک اوپر کو چڑھ گیا۔ اور میری آنکھ کھل گئی۔ فوراً خدا تعالےٰ نے دل میں ڈالا کہ وہ مجھے قرآن کریم سے تمسک کرنے کی نعمت عطا کرے گا۔ سو اس کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ اس نے محض اپنے فضل سے باوجود میری گنہگاری کے اسرارِ دین خاص کر قرآن شریف کے لطائف کا دروازہ کھول دیا۔ اور اس کے ساتھ ظاہراً یہ انعام بخشا کہ ایک مہینے کی قلیل مدت میں ایک پارہ روزانہ کے حساب سے تمام قرآن شریف حفظ کرا دیا۔

وَهٰذَا مِنْ نَوَادِرِ نِعَمِ اللّٰهِ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ الضَّعِيْفِ ۱۲

طرزِ تحریر و طریقِ بیان

میرے ایک محترم دوستؒ[1] نے تحریر فرمایا تھا، کہ وہ تفسیر ایسی آسان اور مختصر ہو جسے ہم بھی سمجھ سکیں اور مطالعہ کی فرصت بھی پا سکیں" سو اس کی نسبت کیا عرض کروں؟ مجھے خود خیال ہے کہ یہ دونوں باتیں ضروری ہیں۔ لیکن ان دونوں کا نبھانا مشکل ہے۔ تسہیل میں طوالت ہو جاتی ہے۔ اور اختصار میں کئی ایک مطالب الفاظ کی تہ میں اور اسلوبِ بیان کی لپیٹ میں لپیٹنے پڑتے ہیں۔ جس کی وجہ سے دقتِ نظر کی ضرورت پڑتی ہے۔

---

[1] جناب خانصاحب چودھری محمد امین صاحب بی۔ اے پبلک پراسیکیوٹر شیخوپورہ۔ پنجاب ۱۲ منہ

Marfat.com

اور میرے لیے ایک تیسری مشکل بھی ہے۔ کہ قرآن شریف نے ادائے مقاصد کے لیے زبان میں سے جن الفاظ کو منتخب کیا ہے۔ اور ان کے ہم معنی الفاظ کو ذکر اگرچہ وہ بھی مروج و عام فہم ہیں نہیں لیا۔ یا قرآنی الفاظ ہی میں سے مترادف الفاظ میں سے بعض جگہ ایک کو اور دوسری جگہ دوسرے کو اختیار کیا ہے۔ تو اس موقع پر بلحاظ چستی تلفظ و ترنم و درستی و مناسبت معنی وہی موزوں ہے جسے اختیار کیا ہے۔ مثلاً تقویٰ اور خشیت، فواد اور قلب، اور صدر نیز کسی جگہ خاتمہ آیت پر یَتَفَکَّرُوْنَ فرمایا اور کہیں یَعْقِلُوْنَ، اور کسی جگہ لِاُولِی الْاَبْصَار اور کہیں لِاُولِی النُّهٰی اور کہیں لِاُولِی الْاَلْبَاب نیز کسی جگہ یَسْمَعُوْنَ فرمایا اور کسی جگہ تُبْصِرُوْنَ فرمایا۔ وَهٰكَذَا۔ گو ظاہر میں سب کا حاصل ایک ہی معلوم ہوتا ہے لیکن باریک بین نگاہ میں ان میں نہایت باریک فرق ہے۔ جو انشاء اللہ ان کے اپنے اپنے موقع پر آپ بڑی تفسیر تبصیر الرحمٰن میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اور پھر ان الفاظ کو جس ترتیب میں رکھا ہے۔ اور جو طریق بیان اختیار کیا ہے۔ وہ نفس مضمون (مسائل و مقاصد) کے مقبول ہونے کے علاوہ اتنا دلچسپ ہے کہ میرے سینے سے اس کے متعلق قریباً ہر آیت پر فوارے ابلتے ہیں۔ اور اتنا ہجوم ہو جاتا ہے۔ کہ کوئی بھی بات چھوڑ دینے کو جی نہیں چاہتا۔ اور طوالت کا اندیشہ بھی ساتھ ہی لگا رہتا ہے آخر اسی ادھیڑ بن میں رہ جاتا ہوں۔ کہ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں۔ مثلاً سورہ الحمد ہی میں دیکھئے کہ کل چھوٹی چھوٹی سات آیتیں ہیں۔ لیکن سبحان اللہ! کس اعجازی قوت سے کوزے میں دریا نہیں سمندر بند کیا ہوا ہے۔ اس کی تفسیر میں اختصار کروں تو کیا کروں؟ سنتے جائیے:۔

ذکرِ لطائف کا نمونہ

۱۔ بِسْمِ اللّٰهِ، میں لفظ اسم کیوں ذکر کیا، اور پھر یہ کہ بِاللّٰهِ کیوں نہیں کہا؟

۲۔ پھر یہ کہ اس جگہ متعلق بہ (فعل یا مصدر) کو کیوں ترک کر دیا۔ اور آیت اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ میں کیوں نہیں کیا؟

۳۔ رَحْمٰن و رَحِیْم ہر دو مصدر رَحْمَةٌ سے ماخوذ ہیں۔ دونوں کو اکٹھا کیوں ذکر کیا؟

۴۔ رَحْمٰن کو پہلے اور رَحِیْم کو پیچھے کیوں ذکر کیا؟

۵۔ اَلْحَمْدُ میں مدح۔ شکر اور ثناء الفاظ تعریفی کو ترک کر کے حمد کو کیوں منتخب کیا؟

۶۔ اور نیز یہ کہ اس جگہ الحمد کو لِلّٰهِ خبر پر کیوں مقدم کیا۔ اور فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ (جاثیہ) میں خبر کو الحمد پر کیوں مقدم کیا؟

Marfat.com

۷۔ لِلّٰہِ میں لامِ جارّہ نے کیا فائدہ دیا ؟

۸۔ حمد کے ساتھ دیگر اسمائے الٰہیہ کو چھوڑ کر اسم اَللّٰہُ کو کیوں منتخب کیا ؟

۹۔ جملہ اسمیہ کیوں اختیار کیا۔ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بصورتِ جملہ فعلیہ کیوں نہیں کہا ؟

۱۰۔ اسم اَللّٰہ کے بعد صفات رب العلمین، الرحمن الرحیم اور مالک یوم الدین کیوں ذکر کیں ؟

۱۱۔ ان کو اس ترتیب میں کیوں رکھا ؟

۱۲۔ بِسْمِ اللّٰہِ ، میں بھی رحمن و رحیم مذکور ہو چکے تھے۔ ایک ہی آیت کے فصل سے پھر دوبارہ ان کا کیوں ذکر کیا ؟

۱۳۔ مالکیت کو یوم الدین کے متعلق کیوں کیا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ ہر شے کا ہر وقت مالک ہے۔

۱۴۔ مَلِكِ اور مَالِكِ میں کیا فرق ہے ؟ اور قرآن میں ان متعلقہ آیات کا ذکر۔

۱۵۔ ان صفات کے بعد اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں عبادت کا ذکر کیوں کیا ؟

۱۶۔ اس میں غائبانہ ذکر سے التفات کر کے خطاب کا صیغہ کیوں اختیار کیا ؟

۱۷۔ عبادت کے بعد استعانت کے ذکر میں کیا نکتہ ہے ؟

۱۸۔ اِیَّاكَ کو اس کے عامل نَعْبُدُ پر کیوں مقدم کیا ؟

۱۹۔ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں اِیَّاكَ کو مکرر کیوں لائے ؟

۲۰۔ عبادت و استعانت کے بعد استقامت کی دعا کیوں سکھائی ؟

۲۱۔ صراط کو استقامت سے کیوں موصوف کیا ؟

۲۲۔ صراط کو مکرر کیوں ذکر کیا ؟

۲۳۔ یہاں صراط کو اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی طرف اور آیات وھذا صراط ربك مستقیما وغیرہا میں اپنی ذات کی طرف مضاف کیا اس کی کیا وجہ ہے ؟

۲۴۔ اَنْعَمْتَ بصورت معروف رکھی اور اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ میں مجہولی۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟

۲۵۔ مُنْعَمْ عَلَیْهِمْ کون لوگ ہیں ؟

۲۶۔ منعم علیہم۔ غیر مغضوب علیہم اور غیر ضالین ایک ہی ہیں۔

۲۷۔ ان اوصاف کے ذکر میں کیا خوبی ہے ؟

۲۸۔ اَنْعَمْتَ کو بصیغہ ماضی کیوں ذکر کیا ؟

۲۹۔ مغضوب علیہم اور ضالین کون کون ہیں ؟

Marfat.com

۲۰۔ کسی خاص مذہب اور فرقے کا خاص نام نہیں لیا۔ بلکہ صرف اوصاف ذکر کر دیئے ہیں؟ اس میں کیا خوبی ہے؟

اب میں ان باتوں کو کیسے نظر انداز کر دوں۔ اور ان میں کہاں کہاں اختصار کروں؟

ان سب باتوں کے سمجھ لینے سے صاف کھل جاتا ہے کہ متکلم نے یہ الفاظ اور یہ ترتیب اور یہ اسلوب بیان خاص ارادے سے اختیار کیا ہے۔ یوں ہی بلا ارادہ و بلا حکمت نہیں نکل پڑے۔ چونکہ ان کے بیان سے قرآن مجید کے محاسن و لطائف کھلتے ہیں۔ اس لیے اس عاجز کے نزدیک ان کو چھوڑ دینا تفسیر میں کوتاہی کرنا ہے۔

میں تو ایسی باتوں سے اپنے اندر ہی اندر لوٹ پوٹ ہو جاتا ہوں اور بعض اوقات از خود رفتہ ہو جاتا ہوں لیکن اس کا کیا علاج کہ زمانے میں عربی زبان کا ذوق و شوق نہیں رہا۔ مذہب کی قدر و منزلت عقلی و قلبی ہے جو نظر سے پوشیدہ ہے۔ اور معیشت کی ضرورت بمنزلہ محسوسات کے ہے۔ بلکہ طبعی و اضطراری ہے۔ معیشت کے لیے عربی کی ضرورت نہ رہی[1] تو ذہنوں سے اس کی قدر جاتی رہی۔ علماء کو نہیں رہی تو عوام بیچارے کون؟ پس اندیشہ ہے۔ کہ دوسرے لوگ میری اس طرز کو بوجہ اپنی بد ذوقی یا بے ذوقی کے شاید پسند نہ کریں۔ مجھے نہ تو ملمع سازی کی باتیں آتی ہیں۔ اور نہ تکلف سے چکنی چپڑی باتیں بنا کر اور کچھ ادھر کی اور کچھ ادھر کی ہانک کر لوگوں کو پرچانا اور خوش کرنا آتا ہے۔ جو کچھ ہے طبیعت کی سادگی اور بے تکلف روانی سے حقیقت آگاہی ہے اور بس۔ نفس الامر میں کسی کو پسند آئے یا نہ آئے یہ میرا فرض نہیں ہے۔

میں نہیں چاہتا کہ قرآن کریم کو لوگوں کی بد ذوقی کے تابع کر کے (معاذ اللہ) اس گوہر بے بہا کو غبار آلود کر دوں۔ بلکہ چاہتا ہوں کہ لوگوں کا مذاق اس کے موافق کر کے ان کو اس کی حلاوت سے خوش کام کر دوں۔ اگر ان کے مذاق درست نہ ہوں گے۔ تو قرآن تو درست رہے گا۔ سو مشکل یہ ہے کہ پہلی بات یعنی قرآن کو بگاڑنا گناہ عظیم ہے۔ اور دوسری بات یعنی لوگوں کے مذاق کو سنوارنا اور درست کرنا میرے اختیار میں نہیں۔

---

[1] آہ! ہندوستان سے مسلمانوں کی سلطنت اٹھ گئی تو ان کی مذہبی زبان کی قدر بھی جاتی رہی، جب یہ زبان تحصیل زر و مال کا ذریعہ نہیں ہو سکتی۔ تو کوئی اس کے سیکھنے کی زحمت کیوں اٹھائے۔ اور اس میں کمال حاصل کر کے کیا کرے، باقی رہی عاقبت، سو اس کی فکر اس کو جسے عاقبت بینی کی نظر ملی ہو۔ ظاہر بین اسباب پرست عاقبت کو کیا جانیں؟ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ (روم پ۲۱)

العبد

محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

Marfat.com

خدا نہ کرے کہ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ میرے اپنے افکار اور تفاسیرِ متقدّمین سے میرے انتخابات جو میرے نزدیک دنیا جہان کے جواہراتِ آبدار سے بھی بیش قیمت ہیں، میرے ساتھ ہی قبر میں چلے جائیں۔ اس اندیشہ کا بوجھ بھی طبیعت پر بہت پڑ رہا ہے۔ اور اسی کو ہلکا کرنے کے لیے میں نے اب یہ صورت اختیار کی ہے کہ جو کچھ اور جس طرح پر ہو سکے وہ نہاں خانۂ دل سے نکال کر فرازِ قرطاس پر رکھ دوں، مطالعہ کرنے والے اصحاب اپنے مذاق کے مطابق خود انتخاب کر لیں گے۔ اور کچھ نہ ہو گا۔ تو عمر کا باقی حصّہ جو قریب بیقین گذشتہ سے بہت کم باقی رہ گیا ہے۔ اس نیک شغل یعنے خدمتِ قرآن میں تو گذرے گا[۱]۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ؕ

اصولِ تفسیر ہذا

کسی فصیح کلام کی توضیح کے دو ہی اصول ہیں۔ اوّل اس کی زبان و صورتِ واقعی کی رعایت۔ دوم اس کے متکلّم کی تصریح یا تفویض۔

زبان و صورتِ حال سے ہماری یہ مراد ہے۔ کہ جس زبان میں وہ کلام ہے۔ اس کے قواعد و محاورات کی رعایت رکھّی جائے۔ اور متکلّم نے اپنی مراد و مقصود کی تعیین یا تفہیم کے لیے اپنے کلمات کو جس ترتیب و وضع پر رکھّا ہے۔ اس کے وصل و فصل کو اسلوبِ فُصحا پر سمجھا جائے۔

بعض وقت ایک لفظ کے کئی معنے ہوتے ہیں۔ یا اس کا مفہوم عام ہوتا ہے۔ اور اس کے ضمن میں کئی ایک انواع ہوتی ہیں۔ یا وہ حقیقت و مجاز ہر دو میں مستعمل ہوتا ہے لیکن خاص خاص الفاظ سے مل کر آنے کی صورت میں اور سلسلۂ کلام کے ربط کی وجہ سے اس میں خصوصیت ہو جاتی ہے۔ اگر سلسلۂ کلام کے ربط کو یا اس لفظ کے ساتھ کے جوڑ کو نظر انداز کر دیا جائے تو مفہوم کلام بالکل بدل جائیگا اور ہم متکلّم کی مراد سے بہت دور جا پڑینگے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مفرداتِ زبان کے جان لینے کے بعد اس زبان کے محاورات اور اسلوبِ بیان میں بھی مہارتِ تامّہ حاصل ہو۔ اور پھر اس کے بعد ذوقِ سلیم اور فہمِ صحیح کی نعمت سے بھی حصّہ ملا ہو۔

متکلّم کی اپنی تصریح سے یہ مراد ہے کہ اگر اس نے اپنے کلام کی توضیح کسی دوسرے موقع پر کر دی ہے تو اس کی پیروی واجب ہے۔

متکلّم کی تفویض سے ہماری یہ مراد ہے کہ اگر اس نے اپنے کلام کے لیے کوئی درمیانی واسطہ بنایا ہے اور وہ کلام اس کے ذریعے سے پہنچایا ہے۔ تو وہ بعض وقت کسی خاص امر کی مزید توضیح کے لیے یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ اس کی تفصیل قاصد یا حاملِ ہذا سمجھا دے گا یہ قاصد صاحب ہمارے بڑے اعتباری اور امین

[۱] یہ تحریر ۱۹۲۳ء کی ہے۔ مصنّف علام ۱۲ جنوری ۱۹۵۶ء کو فوت ہوئے (س۔م)

Marfat.com

ہیں۔ کوائف سے واقف اور ہمارے اشاروں کے سمجھنے والے ہیں۔ ہمارے ہاں ان کی خاص عزت ہے ان کی زبان کو ہمارا فرمان سمجھنا۔

پس اس سفیر کی ذاتی قابلیت و امانتداری، متکلم کے نزدیک اس کی قدر و منزلت اور ان سب کے بعد خود متکلم کی تفویض و سپردکاری سب اس بات کی کافی ضمانت ہیں کہ اس کی توضیح و تشریح، تفصیل و تفہیم کا اعتبار دیگر سب سے بڑھ کر کیا جائے اور اس سے سرمو بھی تجاوز نہ کیا جائے۔

اس اصولی تمہید کو زیر نظر رکھتے ہوئے۔ بیانِ ذیل کو مطالعہ فرمایئے:۔

تفسیرِ قرآن بزبانِ قرآن

یہ ایک واقعی اور ثابت شدہ حقیقت ہے کہ قرآن شریف فصیح عربی زبان میں ہے۔ اس کے الفاظ کی چستی، اور موقع و محل پر ان کے معانی کی درستی، اس کے کلام کی نشست اور مقصود سے اس کے محاورات کی مناسبت، زبانِ عربی کا ذوق اور اس میں مہارت رکھنے والوں کے نزدیک محتاجِ ثبوت نہیں۔

قرآن مجید خود کہتا ہے بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ (شعراء پ۱۹) یعنے یہ قرآن واضح و فصیح عربی زبان میں اتارا گیا ہے۔

نیز وہ کہتا ہے قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (پ۲۳ زمر) یعنے "قرآن عربی جس میں کوئی کجی نہیں، تاکہ ان کو تقویٰ حاصل ہو" یعنے چونکہ تحصیلِ تقویٰ اس کتاب کے اہم مقاصد سے ہے۔ اس لیے اس کے مطالب صاف اور واضح زبان میں بیان کئے گئے ہیں، تاکہ لوگ کج فہمی سے فہم مراد سے دور نہ جا پڑیں۔ اسی لیے اس موقع پر اس کی صفت میں غَيْرَ ذِي عِوَجٍ فرمایا گیا۔ کہ اس کے بیان میں کوئی کجی نہیں ہے۔ جب بیان میں کجی نہیں، تو فہم میں کیوں ہو۔

اس کے علاوہ قراءت و سماعت میں اس کی حلاوت و دل نشینی، صاحبِ ذوق کے وجدان میں جو کیفیت پیدا کرتی ہے وہ لفظی بیان سے بالا ہے۔ یہ سب امور قرآن مجید کی زبان کی خوبی اور اس کے مرتبے کی بلندی کے دلائل میں داخل ہیں۔

قُرْآنًا عَرَبِيًّا کے معنے یہ بھی ہیں۔ کہ قرآن شریف فصیح و واضح زبان میں ہے۔ کیونکہ لفظ عربی کے معنے فصیح بھی ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے یہ تَقُولُ رَجُلٌ عَرَبِيُّ اللِّسَانِ إِذَا كَانَ فَصِيحًا۔ یعنے جب کوئی شخص فصیح اللسان ہو۔ تو تو اس کے وصف میں کہے گا "رَجُلٌ عَرَبِيُّ اللِّسَانِ" یعنے "فصیح زبان والا آدمی"۔

Marfat.com

نیز اُسی کتاب میں ہے۔

(۱) رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ الثَّیِّبُ تُعْرِبُ عَنْ نَفْسِھَا اَیْ تُفْصِحُ۔

آنحضرت صلعم سے مروی ہے کہ شوہر دیدہ عورت (دوسرے نکاح کے وقت) اپنی مرضی خود اپنی زبان سے کھول کر بیان کرے۔

(۲) یُقَالُ اَعْرَبَ عَنْہُ لِسَانُہٗ وَعَرَّبَ اَیْ اَبَانَ وَاَفْصَحَ۔

محاورہ "اعرب عنہ لسانہ وعرّبہ" ہر دو کے معنے ہیں اس نے خوب کھول کر اور وضاحت سے بیان کیا۔

(۳) وَاِنَّمَا سُمِّیَ الْاِعْرَابُ اِعْرَابًا لِتَبْیِیْنِہٖ وَاِیْضَاحِہٖ۔

اعرابیہ کو اسی لیے اعراب کہتے ہیں۔ کہ اس سے معنے کی صفائی اور وضاحت ہو جاتی ہے۔

(۴) وَمِنْہُ الْحَدِیْثُ الْاٰخَرُ فَاِنَّمَا کَانَ یُعْرِبُ عَمَّا فِیْ قَلْبِہٖ لِسَانُہٗ۔

اسی (لغت اعرب) سے ایک اور حدیث ہے کہ جو کچھ اس کے دل میں ہے اُسے اس کی زبان صاف بیان کرتی ہے۔

(۵) وَمِنْہُ حَدِیْثُ التَّیْمِیِّ کَانُوْا یَسْتَحِبُّوْنَ اَنْ یُّلَقِّنُوا الصَّبِیَّ حِیْنَ یُعْرِبُ اَنْ یَّقُوْلَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَیْ حِیْنَ یَنْطِقُ وَیَتَکَلَّمُ۔

اور (عرّب بالتشدید کی مثال) تیمی کی حدیث ہے کہ صحابہؓ اس بات کو مستحب جانتے تھے کہ جب بچّہ کی زبان کھلے یعنے وہ کلام کرنا سیکھے تو اُسے سات دفعہ لا الٰہ الا اللّٰہ تلقین کیا جائے یعنی اس کی زبان سے کہلوایا جائے۔

(۶) وَفِیْ حَدِیْثِ السَّقِیْفَۃِ اَعْرَبُھُمْ اَحْسَابًا اَیْ اَبْیَنُھُمْ وَاَوْضَحُھُمْ۔

اور حدیث سقیفہ بنی ساعدہ میں ہے کہ (قریشی) حسب نسب میں سب سے بلند اور روشن ہیں۔

(۷) وَیُقَالُ اَعْرِبْ عَمَّا فِیْ ضَمِیْرِکَ اَیْ اَبِنْ وَمِنْ ھٰذَا یُقَالُ لِلرَّجُلِ الَّذِیْ اَفْصَحَ بِالْکَلَامِ اَعْرَبَ۔

اور محاورہ میں کہا جاتا ہے اَعْرِبْ الخ یعنے جو کچھ تیرے جی میں ہے اُسے کھول کر بیان کر۔ اور اسی سے اس شخص کو جو صفائی سے کلام کرے کہتے ہیں۔ اَعْرَبَ یعنے اس نے صفائی سے بیان کیا۔

(ص ۷۵)

نیز لسان العرب میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا یہ قول مسطور ہے:-

قُرَیْشٌ ھُمْ اَوْسَطُ الْعَرَبِ فِی الْعَرَبِ دَارًا وَّاَحْسَنُہٗ جِوَارًا وَّاَعْرَبُہٗ اَلْسِنَۃً۔

قریشی عربوں میں سب سے اچھے گھرانے کے لوگ ہیں۔ اور ہمسائگی اور پناہ دینے میں بھی سب سے اچھے ہیں۔ اور زبان میں دیگر سب سے زیادہ فصیح ہیں۔

Marfat.com

ان حوالجات سے صاف ظاہر ہے۔ کہ لفظ عربی بمعنے فصیح کثیر الاستعمال ہے۔ لہٰذا جہاں پر قرآن کو عَرَبی مُبِین کہا گیا ہے وہاں اس کے زبانِ عربی میں ہونے کے علاوہ اس کا فصیح ہونا بھی ملحوظ رکھنا ہو گا!

پس میں نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے کہ جہاں تک میری علمی رسائی ہے۔ الفاظِ قرآنی کا مفہوم زبانِ عربی کے قواعدِ صرف (ہیئاتِ لفظی) اور قواعدِ نحو (ہیئاتِ ترکیبی) اور قواعدِ بلاغت (اسلوبِ فصحاء) کے مطابق بیان کروں، بشرطیکہ موقع و محل کے بھی مناسب ہو، محض اپنے خیال کی کھچڑی نہ ہو۔
بس متکلّم کا منشاء اور مقصود انہی امور کی رعایت سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنا مقصود و منشاء الفاظ ہی میں بتاتا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ پہلے ایک بات اپنے جی میں ٹھان لیں اور پھر الفاظ قرآنی کو توڑ مروڑ کر اس کے پیچھے کھینچ لے جائیں۔ کلام کے وصل و فصل کے علم کا دوسرا نام علمِ بلاغت ہے۔ اور بلاغت کی جان مقتضائے حال کی رعایت ہے۔ (مطول وغیرہ)۔
لغوی معنے ہر چند کہ لغت میں متعارف ہوں، لیکن موقع و محل کے مناسب نہ ہوں، تو سب غلط و بیکار ہو نے ہیں۔ مضمون کی صحت کا ذمہ دار خود متکلّم ہے۔ جس نے ہم سے ان الفاظ میں اور اس طریق پر خطاب کیا ہے۔ چونکہ قرآن کا متکلّم نہایت سچا اور لطیف و خبیر اور علیم کل ہے۔ لہٰذا اس کا ان الفاظ میں بیان کردہ مضمون غلط و قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ وہ خود فرماتا ہے:۔

(۱) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ (بقرہ پ۱)	یہ ایسی (کامل صفت) کتاب ہے کہ اس میں کوئی شک (کی بات) نہیں ہے۔
(۲) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ (کہف پ۱۵)	سب تعریف کا مالک وہ خدا ہے جس نے اپنے بندے (محمدؐ پر) یہ کتاب اتاری اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔
(۳) الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (ہود پ۱۱)	الٓرا (یہ وہ) کتاب (ہے) جس کی آیات محکم ہیں۔ پھر (یہ کہا) مفصّل ہیں، حکیم خبیر (خدا) کے پاس سے (اتری ہے)۔
(۴) اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ۔ (طارق پ۳۰)	(بیشک یہ قرآن) فیصلے کی بات ہے کوئی ہنسی مخول نہیں ہے۔
(۵) وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (حٰم سجدہ پ۲۴)	بیشک یہ (قرآن) بڑی زبردست کتاب ہے اس میں باطل کو دخل نہیں ہے نہ اس کے سامنے نہ اس کے پیچھے حکیم و حمید (خدا) کی اتاری ہوئی ہے۔

Marfat.com

لہذا اگر کوئی بات کسی کو درست نظر نہ آئے، تو اس کی اپنی سمجھ کا قصور ہے۔ نہ کہ کلام خدا کا۔ کہ ہم اس میں کھینچ تان کر کے اپنی غلط فہمی کو درست رکھنے کے لیے اسی کی اصلاح و ترمیم شروع کر دیں۔ اور عکس موضوع کے مرتکب ہیں۔ یہی تفسیر بالرائے ہے۔ (ابوداؤد ترمذی) جس سے آنحضرت صلعم نے ڈرایا ہے۔ کہ پہلے اپنے جی میں ایک بات بٹھالی۔ اور اسے جہالت یا زیغِ قلبی سے صحیح سمجھ لیا۔ پھر اس کے لیے قرآن و حدیث کی نصوص کو توڑ مروڑ کر اس کے تابع کرنے کی کوشش کی اور جو جی میں آیا کہدیا۔ نہ قرآن کی نصوص کی پرواہ کی، نہ احادیث نبویہ کا کچھ لحاظ کیا، نہ علمائے صحابہ رضؓ کی تصریحات کو خاطر میں لائے۔ اور زبانِ عرب سے نابلد ہونے پر بھی اجتہاد کے مدعی بن بیٹھے۔ بلکہ ان سب وسائل علم و ہدایت کو اپنی رائے کے سانچے میں ڈھالنے لگ گئے۔ ایسے مفسر پہلے بھی ہوتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی بدعات و ضلالات کی ترویج میں نصوص شرعیہ کو نظر انداز کر دیا۔ اور اب اس زمانے میں تو برسات کی مینڈکوں کی طرح ہر طرف سے ٹرا رہے ہیں۔ جن کے حال میں یہ کہنا نہایت موزون ہے۔ کہ "رکھے نہ پڑھے نام محمدؐ فاضل"

مجھے نہ تو بناوٹی تواضع آتی ہے۔ اور نہ میں اجتہاد کا مدعی بن کر ہمہ دانی کی جھوٹی شیخی بگھارنا چاہتا ہوں۔ مجملاً اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس تفسیر میں خدا کی توفیق سے ہر اس امر سے پرہیز کی ہے۔ جس سے ائمہ سنّت نے اجتناب کرنا لکھا ہے۔ اور جہاں تک میری رسائی ہے وہاں تک وہی کچھ لکھا ہے۔ جو میں نے خدائے پاک کے کلام پاک میں (صراحۃً یا اشارۃً) مذکور پایا۔ یا اس کے رسول پاکؐ نے فرمایا۔ یا زبانِ عرب اور صحابہ رضؓ کی پاک جماعت نے اس کی شہادت دی۔

باقی رہے دیگر علماء سو میں نے اس کشکول کو ان کی دریوزہ گری سے بھی بھرا ہے۔ لیکن اس شرط سے کہ ان کی تائید قولِ خداوندی، یا سنّتِ رسولِ خدا ہو یا کم از کم شہادتِ صحابہ رضؓ اور قواعد علمیہ سے میری سمجھ میں آگئی ہو۔

ھذا واللہ ولی الھدایۃ

ردِّ مخالفین

مخالفین کے شبہات کے متعلق میں نے طریق اختیار کیا ہے۔ اس کی بابت اصولاً معروض ہے۔ کہ صحیح مراد تک پہنچنے کے لیے رستے میں کئی ایک رکاوٹیں آجاتی ہیں اور ہر رکاوٹ کے دفیعے کے لیے ایک ہی ہتھیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی نوعیت کے لحاظ سے الگ الگ ہتھیار ہوتے ہیں۔ پس میں نے

Marfat.com

ہر طور کر اس کے مناسب ہتھیار سے دور کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں قرآن شریف کے اپنے بیان اور اس کے رسول صلعم کی حدیث اور قواعد علمیہ کو پیش نظر رکھا ہے۔ واللہ ولی التوفیق ؁

تفسیر بالآیات

قرآن شریف کے محکم و استوار اسلوب بیان کی بابت ہم جو کچھ سابقاً بیان کر آئے ہیں، اس کے علاوہ قرآن مجید نے اپنے اجمال کی تفصیل اور اپنے اشارات کی توضیح و تصریح خود بھی کی ہے۔ اور منکرین کے جوابات بھی دیئے ہیں۔ چنانچہ یہ امر قرآن مجید میں کثرت سے موجود ہے۔ علاوہ اس کے صراحتہً بھی فرما دیا۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ○

(الفرقان پ ۱۹)

اور نہیں لاتے یہ (منکر) تیرے پاس کوئی بات مگر ہم تیرے پاس بالکل حق اور نہایت درست مشرح (جواب) بھیج دیتے ہیں۔

اسی مضمون میں دوسری جگہ یوں فرمایا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ○

(بقرہ پ ۲)

رمضان کا مہینہ (روزوں کے لیے مقرر ہے) جس میں قرآن کا نزول (شروع) ہوا سب لوگوں کے لیے ہدایت اور ہدایت کے روشن دلائل اور (حق و باطل) میں فرق کرنے والا۔

اس آیت میں قرآن شریف کو ہدایت کے دلائل بیّنہ اور (حق و باطل میں) فرق کرنے والا کہا ہے۔

تفسیر بالاحادیث

(۲) پھر دیکھتا ہوں۔ کہ اس باریک بین متکلّم نے اپنا پاک کلام اوپر سے اینٹ پتھّر کی طرح نہیں پھینک دیا۔ اور اُسے کسی معمولی انسان کے منہ میں بھی نہیں دیا۔ بلکہ اپنی جملہ مخلوقات کے خلاصہ اور بہترین ہستی کے قلب پاک پر اُتار کر اس کی پاک زبان سے نکلوایا ہے جس کی ضمانت میں خود ہی فرمایا۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ (النجم پ ۲۷)

یعنے (ہمارا رسول ؐ) خواہش سے نہیں بولتا۔ (جو بولتا ہے) سو وحی ہوتی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔

پھر یہ کہ اس کے دل و دماغ کو اپنی رضا کے کاموں کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ اور تبلیغ الفاظ

Marfat.com

کے علاوہ عملی کوائف کی تعلیم وتفہیم بھی اسی کے متعلق رکھی ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

(۱) وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۔ (نحل پ ۱۴)

(اے پیغمبر!) ہم نے (خاص) تم پر یہ کتاب صرف اسلیے نازل فرمائی کہ تم ان لوگوں کو وہ (سب) باتیں بالوضاحت بتادو جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

(۲) وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ۔ (نحل پ ۱۴)

(اے پیغمبر!) ہم نے یہ نصیحت نامہ تمہاری طرف اسلیے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کو وہ (سب کچھ) بالوضاحت بتادو جو ان کی طرف اترا، یعنے جس بات کا ان کو حکم ہوا۔

(۳) ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۔ (قیامۃ پ ۲۹)

پھر یہ بھی کہ تم کو اس کا بیان و وضاحت سمجھا دینا بھی ہمارے ذمے ہے۔

علاوہ بریں یہ کہ خدائے حکیم نے اپنے دستور کے مطابق اپنا کلام پاک اس برگزیدہ ہستی کی زبان میں اتارا ہے۔ اور وہ اپنی زبان کا ایسا ماہر کامل ہے اور اس کی زبان اتنی شستہ اور صاف ہے کہ تمام عمر میں ایک بار بھی کوئی لفظ ہیئاتِ لفظی یا ہیئتِ ترکیبی میں یا اسلوبِ بیان میں غلط نو کجا سست اور خلافِ روزمرہ بھی نہیں نکلا۔ اور اس کے دماغ نے فہم کلام میں کبھی بھی خطا نہیں کی۔

پس میں عاجز آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی سیرت وطرزِ عمل سے بھی سرِمو نہیں سرک سکتا بلکہ ہر کیف اور ہر حال میں اپنے فہم اور جملہ جہان کے عقلا کے فہم کو اس کے ماتحت رکھتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جمعہ وغیرہ کے خطبوں میں پڑھا کرتے تھے:-

اِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم)

بتحقیق سب کلاموں سے بہتر اللہ کی کتاب (قرآن شریف) ہے۔ اور سب طریقوں سے بہتر محمد صلعم کا طریقہ ہے۔

ھَدْی کے معنے ہیں سیرت یعنے روش اور دستور العمل، ھَدْی ھَدَایَۃ سے اور سیرت سَیْر سے ماخوذ ہے۔ دونوں کے معنے ہیں روش اور طریق۔

تفسیر باقوال الصحابہ رض

باقی رہی صحابہ رض کی مقدس جماعت سو ان کے علماء زبانِ عربی کی سند ہیں۔ اور وہ سب حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کے بہترین شاہد ہیں اور حضرت پیغمبر صلعم اور بعد کی امت کے درمیان وہی واسطہ ہیں۔ قرآن ان کے سامنے اترا۔ اس میں ان کے واقعات مذکور ہیں۔ وہ اپنی زبان اور اپنے واقعات

Marfat.com

کو دوسروں کی نسبت اچھا جانتے ہیں۔ پس ان کے اجماع یا ان کے جمہور علماء کے اقوال سے انحراف نہیں کر سکتے۔
ہاں ان کے غیر اجماعی مجتہدات، مجتہدین کے نزدیک محل نظر رہے ہیں کیونکہ معصوم سوائے پیغمبر برحق کے کوئی نہیں۔ اور حدیث مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَأیِہٖ الخ کے لفظ مَنْ کے افراد میں وہ بھی شامل و داخل ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس فرمان کے وقت وہی آپ کے سامنے تھے پس وہ اصالتاً مخاطب ہیں۔ اور بعد کی امت تبعاً۔ اگر ایسا نہ ہو تو حضرت صدیق اکبرؓ کیوں فرمائیں۔

اَیُّ سَمَآءٍ تُظِلُّنِیْ وَاَیُّ اَرْضٍ تُقِلُّنِیْ اِنْ قُلْتُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ مَالَا اَعْلَمُ۔[1]

یعنی اگر میں خدا کی کتاب میں ایسی بات کہہ دوں جس کا مجھے علم نہیں۔ تو کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا۔ اور کون سی زمین مجھے قرار دے گی۔

[1] تفسیر فتح البیان سورت عَبَسَ ۱۲ منہ۔

پس میرے پاس خدا کے خطاب کو سمجھنے کے لیے یہی چار ذریعے ہیں۔
اول وہ جو اس نے خود قرآن ہی میں دوسرے موقع پر واضح کر دیا۔
دوم اس بزرگ ہستی کی سیرت اور طریق عمل جس کی معرفت اس نے ہم سے خطاب کیا۔
سوم وہ زبان جس میں اس نے اپنا کلام بھیجا اور اپنے رسول کو پیغام دیا۔
چہارم ان پاک نفوس کی شہادت جن کے سامنے قرآن اترا، قرآن نے ان کو براہ راست خطاب کیا، اور قرآن میں ان کے واقعات جا بجا مذکور ہیں۔ باقی رہی میری اپنی یا کسی اور کی ذاتی رائے سو وہ نہ قابل ذکر ہے نہ لائق اتباع۔

جمع منقول و معقول

اس زمانے کی ایک بڑی مگر مشکل ضرورت منقول و معقول کو جمع کرنا اور ان میں مطابقت و موافقت پیدا کرنا ہے۔ گویا بظاہر آگ پانی کو یکجا کرنا ہے۔ بعض علماء منقولات کو ایسے طریق پر بیان کرتے ہیں کہ باوجود ان کے صحیح اور درست ہونے کے ان کی حقیقت و حقانیت معقولی مذاق والوں کے دماغ میں نہیں اترتی اور بعض واعظ و مصنف روایات کا دریا کچھ ایسی بے تمیزی سے بہاتے ہیں کہ صحیح و سقیم، قوی و ضعیف، ثابت و غیر ثابت، اصلی و جعلی میں مطلقاً تمیز نہیں کرتے۔ اور جو کچھ جی میں آتا ہے۔ یا ان کو یاد ہوتا ہے۔ انٹا سنٹا بلا تحقیق بیان کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تحریر و تقریر کا حق اسی طرح پورا ہو جاتا ہے۔ اور معیار منقولات یہی ہے۔ کہ جو کچھ ان کو یاد ہو اور ان کی بے قابو زبان پر چڑھ جائے یا جو کچھ ان کا بے پناہ قلم لکھ سکے اسے بیان کر دیں یا تحریر میں لے آئیں، اس روش کی وجہ سے کئی لوگ تو منقولات سے بدظن ہو گئے اور کئی

Marfat.com

بلا امتیاز ہر قسم کی واہی تباہی باتوں پر یقین کر کے دین سے گمراہ ہو گئے۔ لوگوں کی جہالت وفریفتگی قلبی کے ساتھ مکر اس روش نے نئے فرقے اور بدعات کے رواج دینے میں ہزرحم کشتی کا کام دیا ہے۔

دوسری طرف بعض لوگ بھی وہ خیالی معقولات کی دلدل میں ایسے پھنس جاتے ہیں کہ ثابت شدہ صحیح منقولات بلکہ متواترات بلکہ آیات قرآنیہ کی صاف صاف تصریحات کو صریحاً نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور بعض تو قلتِ علم یا فسادِ عقیدہ کی وجہ سے ان کا انکار بھی کر دیتے ہیں۔ بڑے بڑے مدعیانِ اصلاح وتجدید اس ظلمت میں ٹامک ٹوئے مار مار کر رہ گئے اور اس سیلابِ ضلالت میں خس وخاشاک کی طرح بہہ گئے۔

ضرورت سے انکار نہیں۔ لیکن اس کا پورا کرنا از بس مشکل اور خطرے سے خالی نہیں۔

اس عاجز نے خدا کے فضل وتوفیق سے اس ضرورت کو پورا کیا ہے کہ قرآن وحدیث صحیح کو تو رکھا ہے۔ سردار، اور دیگر سب علوم وعلماء کو ان کے خدمتگار۔ خدمتگاروں کو سردار کی خدمت پر لگایا جاتا ہے نہ کہ ان کو سر پر چڑھا کر سردار کو بے قدر و سبک کیا جاتا ہے۔ اسی اصول کے مطابق میں نے اس تفسیر میں معقولات سے بھی کام لیا ہے۔ لیکن اثباتِ مسئلہ کے لیے نہیں۔ بلکہ تفہیمِ مسئلہ کے لیے۔ بس میری تعمیر کا مسالا (مصالح) قرآن وحدیث سے ہے اور کارگذاری کے لیے بہتر سے بہتر کارگذاروں اور خدمتگاروں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لایا ہوں۔

واللہ ولی الھدایۃ

خاکسار محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

Marfat.com

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ آيَاتٍ

سورتِ فاتحہ مکہ میں اتری۔ اور اس کی سات آیتیں ہیں۔

اس سورت کا سب سے زیادہ مشہور نام فاتحۃ الکتاب یا الفاتحۃ ہے۔ فاتحہ ابتدا اور شروع کو کہتے ہیں چونکہ یہ سورت ترتیب خطی میں جو خدا کے علم میں پہلے ہی مقدر تھی۔ قرآن مجید کی ابتدا میں ہے۔ اس لیے اس کا نام فاتحہ رکھا گیا۔ چنانچہ مفرداتِ راغب میں ہے :۔

وفاتحة كل شيء مبدءه الذي يفتح به ما بعده وبه سمي فاتحة الكتاب وقيل افتتح فلان كذا اذا ابتدء به وفتح عليه۔

(زیر لفظ فتح ص۳۷۶)

ہر شئے کی فاتحہ اس کے شروع کے مقام کو کہتے ہیں جس سے اس کے مابعد کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور اسی وجہ سے سورتِ فاتحۃ الکتاب کا یہ نام رکھا گیا۔ اور محاورہ "فلاں شخص نے اس طرح افتتاح کیا" اس وقت بولتے ہیں۔ جب وہ اس سے ابتدا کرے۔

نیز اس لیے کہ یہ سورت علوم قرآنی کی مفتاح (چابی) ہے۔ (رحمانی)

اس سورت کا یہ نام احادیث میں آنحضرت (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صحابہؓ کی زبانی بکثرت مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس سورت کی جگہ خود مقرر کر دی تھی کہ شروع قرآن میں رکھی جائے نیز یہ کہ آنحضرت صلعم قرآن شریف کو ایک خاص ترتیب میں (جو اب موجود ہے) یاد رکھتے تھے۔ اور صحابہؓ کو بھی یاد کرواتے اور لکھواتے تھے۔ پس سورتوں کی ترتیب خود آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی مقرر کردہ ہے نہ کہ صحابہؓ کی۔ وللتفصيل مقام آخر۔

اس سورت کے اور بھی کئی ایک نام ہیں۔ اور نیک القاب کی کثرت فضیلت کی دلیل ہوتی ہے۔

(۲/۳) ام الکتاب اور ام القرآن (جامع ترمذی) اس لیے کہ یہ ابتدائے قرآن میں ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے :۔

سميت ام الكتاب لانه يبدء بكتابتها في المصاحف ويبدء بقراءتها في الصلوٰة۔ (بخاری کتاب التفسیر)

سورت فاتحہ کا نام ام الکتاب اس لیے رکھا گیا کہ قرآن شریف کی کتابت اسی سے ہوتی ہے۔ اور نماز میں قرأت بھی اس سے شروع ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] علامہ ابو السعود رح نے امام بخاری کی اس وجہ تسمیہ کی نسبت لکھا ہے :۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

(بقایا حاشیہ صفحہ ۵۸)

ومناط التسمیة ماذکر فی ام القرآن لاما اوردہ الامام البخاری فی صحیحہ من انہ یبداء بقراءتہا فی الصلوٰۃ فانہ مما لا تعلق لہ بالتسمیة کما اشیر الیہ۔ (ص۵۲ برحاشیہ تفسیر کبیر)

اور ام الکتاب نام رکھنے کا مدار وہ ہے جو ام القرآن میں بیان ہو چکا نہ وہ جو امام بخاری رح نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ نماز میں اسی کی قرادت پہلے ہوتی ہے کیونکہ اس وجہ کو نام رکھنے سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ اشارہ کیا گیا۔

شیخ شیخنا حضرت نواب صاحب رح نے فتح البیان میں علامہ ابوالسعود رح کی وجہ تسمیہ جو ہم نے متن میں امام راغب رح کی عبارت کے بعد نقل کی ہے مذکر کے امام بخاری رح کی مذکورہ بالا وجہ تسمیہ بھی نقل کی ہے۔ اس کے بعد علامہ ابوالسعودؒ کی انکاری عبارتِ منقولہ نقل کی ہے۔ لیکن اس کی تائید یا تردید نہیں کی۔

خاکسار کہتا ہے کہ علامہ ابوالسعود رح کی دقیقہ شناسی مسلّم ہے۔ لیکن امام بخاری رح کی نکتہ رسی میں بھی کلام نہیں۔ علامہ ابوالسعود رح نے جو وجہ تسمیہ بیان کی ہے۔ وہ بجا اور درست ہے۔ اس لیے ہم نے اسے بھی نقل کر دیا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے سوا کوئی دیگر خصوصاً امام بخاری رح کی بیان کردہ وجہ تسمیہ درست نہ ہو۔ کیونکہ ایک امر کی متعدد وجوہ ہو سکتی ہیں۔

امام بخاری نے سورتِ فاتحہ کے ام الکتاب ہونے کی دو وجہیں لکھی ہیں۔ اوّل کتابتِ قرآن کے وقت اس کا ابتدائے قرآن میں آنا۔ دوم نماز میں قرأتِ قرآن کی ابتدا اس سے ہونا۔ نظر برد اقعیت یہ دونوں باتیں درست ہیں۔ اور ان دونوں کی بنا ایک ہی جامع امر پر ہے۔ یعنی ابتدا اور یہی فاتحہ کے معنے ہیں۔ اور جس طرح اُم اپنی اس اولاد کا اصل اور مبدء اور منشاء ہوتی ہے جو اس سے پیدا ہوتی ہے اسی طرح اس کا وجود بھی ان سے پہلے ہوتا ہے لان المبدئیة تستلزم الابتداء یعنے مبدء ہونا اس بات کو لازم پکڑتا ہے کہ وہ ابتداء میں ہو۔ پس ایک وجہ کو علامہ ابوالسعود رح نے لیا۔ اور دوسری کو امام بخاری رح نے اور دونوں درست ہیں۔ بلکہ جمع بھی ہو سکتی ہیں۔ لہذا علامہ ابوالسعودؒ کی جرح بجا نہیں۔

علامہ ابوالسعودؒ نے ایک وجہ پر تو جرح کر دی یعنے نماز پر اور دوسری سے مطلقاً تعرض نہیں کیا۔ حالانکہ دونوں میں جامع امر ایک ہی ہے یعنے ابتداء۔

امام بخاریؒ محدّث ہیں۔ انہوں نے قرآن شریف کی کتابت اور نماز میں قراءتِ قرآن کے متعلق آنحضرت صلعم کی سنّتِ مستمرہ پر نظر کی کہ دونوں کا افتتاح سورۂ فاتحہ سے ہے۔

اگرچہ قرادت نماز کا سورتِ فاتحہ سے افتتاح ساری دنیا کے مسلمانوں کے تعامل کے بعد کسی دیگر دلیل کا محتاج نہیں۔ لیکن پھر بھی ہم اس تعامل کی سندی شہادت بھی بیان کر دیتے ہیں کہ لفظ افتتاح جس سے فاتحہ کو لفظاً و معناً مناسبت ہے۔ صحیح بخاری، جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند دارمی وغیرہا کتب حدیث میں حضرت انس رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ کی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

(بقایا حاشیہ صفحہ ۵۹) روایات میں بالتصریح وارد ہے۔ یہ سب روایات امام بخاری رح کی نظر میں تھیں۔ جس سے انہوں نے سورتِ فاتحہ کی نسبت لکھا دیا۔ ویبدء بقراء تہا فی الصلوٰۃ نماز کی قرادت بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔

ان منقولی دلائل کے بعد لغوی دلیل بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اور امام بخاریؒ کی دِقتِ نظر اور وسعتِ معلومات کی داد دیجئے۔ وہ یہ کہ لفظ اُمّ جس طرح جامعیت و شمول پر دلالت کرتا ہے۔ اُسی طرح تقدم پر بھی دلالت کرتا ہے۔ عام اس سے کہ وہ تقدم رتبہ میں ہو یا سبقت میں۔ عربی زبان میں اس لفظ کا استعمال بہت وسیع ہے اور قریبًا ہر اس موقع پر جس میں جامعیت یا تقدم پایا جائے اسے استعمال کرتے ہیں۔

چنانچہ محدث ابن جریرؒ امام بخاری رح کی موافقت کرتے ہوئے فاتحۃ الکتاب اور اُم القرآن کی وجہ تسمیہ میں فرماتے ہیں۔

وسمیت فاتحۃ الکتٰب لانہا یفتتح بکتابتہا المصاحف ویقرأ بہا فی الصلوٰۃ فہی فواتح لما یتلوہا من سور القرآن فی الکتابۃ والقراءۃ وسمیت ام القرآن لتقدمہا علی سائر سور القرآن غیرہا وتاخر ما سواہا خلفہا فی القراءۃ والکتابۃ وذالک من معناہا اشبہ بمعنے فاتحۃ الکتاب وانما قیل لہا لکونہا کذالک ام القرآن تسمیۃ العرب کل جامع امرا او مقدما لامر اذا کانت لہ توابع تتبعہ ہو لہا امام جامع اُمًّا۔

(جلد اول ص۳۵)

اس کا نام فاتحۃ الکتاب اس لیے رکھا گیا کہ اس سے قرآن کی کتابت شروع ہوتی ہے اور نماز کی قراءت میں بھی (پہلے) پڑھی جاتی ہے۔ پس کتابت اور قراءت میں یہ قرآن کی باقی سب سورتوں پر مقدم ہے۔

اور اس کا نام اُم القرآن بھی اسی تقدم کی وجہ سے ہے کہ یہ قرآن کی باقی سب سورتوں سے پہلے ہے۔ اور دیگر سب قراءت اور کتابت میں اس کے پیچھے ہیں۔

اور اس کے یہ معنے فاتحۃ الکتاب کے معنے سے مشابہ ہیں اور اسے ایسا ہونے کی وجہ سے اُم القرآن اسلیے کہا گیا کہ عرب ہر اس کو جو کسی امر کا جامع ہو یا ایسے شخص کو جو کسی امر میں مقدم ہو اور دیگر اس کے پیچھے لگنے والے ہوں۔ جن کا وہ جامع امام ہو اُمّ کہتے ہیں۔

اس کے بعد محدث طبری رح نے چند مثالیں لفظ اُمّ کے استعمال کی بیان کی ہیں۔ جن میں جامعیت و تقدم کے معنے پائے جاتے ہیں۔ لیکن ہم ان کو بخوفِ طوالت نقل نہیں کر سکتے۔

۲۔ اسی طرح علامہ ابن منظور افریقی رح لسان العرب میں فرماتے ہیں:۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

نیز مفرداتِ امام راغب میں ہے :۔

وقیل لفاتحۃ الکتاب ام الکتاب لکونھا مبداءِ الکتاب (ص۲۱)

اور سورتِ فاتحہ کو امّ الکتاب اس لیے کہا گیا۔ کہ یہ قرآن کا مبدء ہے۔ یعنی قرآن اس سے نکلتا یا شروع ہوتا ہے

شروع ہونے کا ذکر اوپر صحیح بخاری سے نقل ہو چکا۔ اب قرآن کے اس سے نکلنے اور پیدا ہونے کی بابت ملاحظہ فرمائیے :۔

علامہ ابوالسعود رح فرماتے ہیں :۔

وتسمّی ام القرآن لکونھا اصلا ومنشأ له امالمبدائیتھا له واما لاشتمالھا علی ما فیه۔ (برحاشیہ تفسیر کبیر)

اِسے امّ القرآن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ قرآن کی اصل اور اس کی پیدائش کی جگہ ہے۔ یا تو اس لحاظ سے کہ وہ اس سے شروع ہوتا ہے اور یا اس نظر سے کہ یہ سورۃ جملہ مقاصدِ قرآن پر مشتمل ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰)

(۱) وام الکتاب فاتحۃ لانہ یبتدأبھا فی کل صلوۃ ......

اور امّ الکتاب قرآن کا شروع ہے کہ اُسے ہر نماز کی ابتدا میں پڑھا جاتا ہے۔

(۲) وجاء فی الحدیث ان ام الکتاب ھی فاتحۃ الکتاب لانھا ھی المقدمۃ امام کل سورۃ فی جمیع الصلوات و ابتدائ بھا فی المصحف فقدامت۔

(جلد ا ص۲۹۷ زیر لفظ امّ)

اور حدیث میں وارد ہے کہ امّ الکتاب ہی فاتحۃ الکتاب ہے کیوں سب نمازوں میں ہر سورت سے پہلے وہی پڑھی جاتی ہے اور قرآن شریف میں اسے ہی پہلے لکھا جاتا ہے۔

اس کے بعد اس کتاب لسان العرب میں بھی اس لفظ کے استعمالات کی ایک لمبی فہرست لکھی ہے جسے ہم نظر بر کفایت نقل کرنا ضروری نہیں جانتے۔

(۳) علامہ بدر الدین عینی رح شرح صحیح بخاری میں امام بخاری رح کی اسی زیرِ بحث وجہ تسمیہ کی تائید میں فرماتے ہیں :۔

وقیل سمیت ام القرآن لانھا تؤم غیرھا کالرجل یؤم غیرہ فیتقدم علیه (عمدۃ القاری جلد ہشتم ص۲۵۸) بعض کا قول ہے کہ امّ القرآن اسلیے نام رکھا گیا کہ یہ دوسری سورتوں سے مقدم ہے جس طرح کہ کوئی شخص دوسروں کا امام ہو تو وہ ان سب کے آگے ہوتا ہے بیانِ بالا سے واضح ہو گیا۔ کہ امام بخاری رح کی توجیہ از روئے احادیث نبویہ اور بلحاظ تحقیقات لغویہ بالکل بجا اور درست ہے۔ ہذا والحمد للہ ملہم الحقائق و مفہم الدقائق ہاہنا الاعتذار میں اپنے ناظرین سے اس طول کلامی کی معافی کا خواستگار ہوں۔ کہ متن سے حاشیہ بڑھ گیا ہے اس پر یہ نہ کہیں کہ ڈاڑھی سے مونچھیں بڑھ گئیں کیونکہ حق کی حمایت اور علمی نکتے کے بیان کے لیے جب خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس عاجز کا شرح صدر کر دیا اور اسکے مواد میسر کرا دیئے تو میں قلم کو روک نہیں سکا! اللھم اجعل القرآن العظیم ربیع قلبی و نور بصری و [illegible]

Marfat.com

وجہ مناسبت یہ ہے کہ اُم (ماں) کا وجود اولاد کے وجود سے پہلے ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ساری اولاد کا مبدا یعنے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ اور ماں کا شکم بالاجمال اس ساری اولاد پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو اس سے پیدا ہو۔ اسی طرح قرآن شریف کے جملہ مقاصد اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ سورت ان سب پر حاوی و مشتمل ہے۔ یا یوں کہئے کہ یہ سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔ یا یوں کہ سارا قرآن اس کی تفسیر ہے۔

اسی لیے اس عاجز نے یہ قصد کیا ہے کہ اپنی اس تفسیر واضح البیان میں سارے قرآن مجید کو بالاختصار سمیٹ کر اور اس سورت کے ذیل میں لا کر واضح کر دوں کہ واقعی یہ سورت اُمّ القرآن ہے۔ اور اصولاً قرآن شریف کے جملہ مضامین اور مقاصد کی جامع ہے۔

علامہ ابوالسعود رح نے عبارت مذکورہ بالا کے بعد بالاجمال وہ سب امر ذکر دیئے ہیں جو اس سورت میں مذکور ہیں۔ اور وہی امور قرآن شریف میں متفرق طور پر جا بجا بالتفصیل مسطور ہیں چنانچہ وہ یہ ہیں:-

من الثناء علی اللہ عزّ وجلّ و التعبّد بامرہ ونهیه و بیان وعدہ و وعیدہ او علی جملۃ معانیه من الحکم النظریۃ والاحکام العملیۃ التی هی سلوک الصراط المستقیم والاطلاع علی معارج السعداء و منازل الاشقیاء۔	یعنی خدا تعالے کی ثناء اور امر و نہی میں اسی کا بندہ بن کر رہنا اور خدا کے وعدے اور وعید (عذاب) کا ذکر یا اس وجہ سے کہ سورت فاتحہ قرآن کریم کے جملہ اہم مقاصد پر مشتمل ہے۔ یعنے حکمت نظری اور احکام عملیہ جن پر کاربند ہونا صراط مستقیم پر چلنا ہے۔ اور نیز سعادتمندوں کے بلند درجوں اور بدبختوں کی نچلی منزلوں کی اطلاع (پر بھی مشتمل ہے)
(ابوالسعود صـ۱۵ (برحاشیہ تفسیر کبیر)	

۴۔ اَلسَّبْعُ الْمَثَانِیْ (حجر پ۱۴ و صحیح البخاری) یعنی ایسی سات آیتیں جو بار بار دہرائی جائیں۔ چونکہ سورت فاتحہ کی سات آیتیں ہیں۔ اور اسے نماز کی ہر رکعت میں دہرایا جاتا ہے اس لیے اسے یہ نام دیا گیا۔ (مزید توضیح الصّلوٰۃ نام کے ضمن میں دیکھئے)

امام رازی نے اس سورت سے دس ہزار مسائل کا استنباط ممکن بتلایا ہے (کبیر صـ۲)

۵۔ اَلْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ (حجر پ۱۴ و صحیح البخاری) اس لیے کہ یہ سورت قرآن شریف کے جملہ مضامین پر شامل ہونے کے علاوہ عظمت و ثواب میں بھی سارے قرآن کے برابر ہے۔

جس طرح کہ سورہ اخلاص (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ) ثلث قرآن کے برابر ہے (مؤطا و بخاری) کیونکہ اسلام کے اعتقادی ارکان تین ہیں۔ توحید، نبوت اور آخرت۔

اور سورہ اخلاص میں ان میں سے صرف ایک یعنے توحید خالص کا بیان ہے۔ لیکن سورت فاتحہ میں

Marfat.com

ان تینوں کا ذکر ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ سے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک توحید و صفاتِ الٰہیہ کا بیان ہے اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں روزِ جزا یعنے آخرت کا ذکر ہے۔ اور الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے ضمن میں انبیاء علیہم السّلام بھی داخل ہیں۔ لقولہ تعالٰے فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ الآیہ (پ۵ النسآء)۔

نیز اس لیے کہ قرآن شریف مجموعہ ہے۔ اعمالِ صالحہ اور صحیح اعتقادوں کا۔ باقی تمام امورِ انہی دو کے فروع اور اظلال ہیں جن کی پابندی چاہیئے۔ یا انہی کی اضداد ہیں۔ جن سے پرہیز لازم ہے۔ قرآن میں انہی کی تفصیل ہے۔ اور سورتِ فاتحہ میں یہ ہر دو (صحیح اعتقاد و اعمالِ صالحہ) بالاجمال موجود ہیں اس لیے اس کا نام القرآن العظیم بھی رکھا گیا۔

۶۔ اَلصَّلٰوۃُ (صحیح مسلم) اس لیے کہ اس کی قراءت نماز کا ایک ضروری رکن ہے۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:۔

فَاِنَّ قِرَاءَتَهَا فَرِيْضَةٌ وَهِيَ رُكْنٌ تَبْطُلُ الصَّلٰوۃُ بِتَرْكِهَا (ص۸۵۳) — (نماز میں) اس کی قراءت فرض ہے۔ اور یہ (اس کا) ایک (ضروری) رکن ہے۔ جس کے ترک سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔"

تمام قرآن میں سے صرف اسی کو نماز میں بطور رکن مقرر کیا گیا۔ اور باقی قراءت کے لیے اختیار دیا گیا کہ جہاں سے چاہو پڑھ لو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پڑھنے میں آسان، مضمون میں جامع اور سارے قرآن کا خلاصہ، اور ثواب میں سارے قرآن کے ختم کے برابر ہے۔ اتنے اوصاف والی کوئی دیگر سورت نہیں ہے[1]

۷۔ اَلْحَمْدُ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (بخاری و دارقطنی) اس لیے کہ اس میں اصولی طور پر خدا تعالٰے کی جملہ محامدِ مہمہ مذکور ہیں جیسا کہ آپ انشاء اللہ اس تفسیر میں آیت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی تفسیر کے بعد صفاتِ الٰہیہ کی تقسیم میں مطالعہ فرمائیں گے۔

۸۔ اَلشِّفَاءُ وَالرُّقْيَةُ اس لیے کہ آنحضرت صلعم کے عہد میں ایک صحابی نے ایک سانپ ڈسے شخص پر اس سورت سے دم کیا تھا۔ تو اُسے شفا ہوگئی تھی (بخاری) اور سننِ دارمی میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ سورتِ فاتحہ میں ہر بیماری کی شفا ہے۔ (ص۴۳)

---

[1] مسئلہ قراءتِ فاتحہ خلف الامام کی توضیح و تشریح بقدرِ ضرورت خاتمۂ فاتحہ پر کی جائے گی، انشاء اللہ ۱۲ منہ۔

Marfat.com

ان مذکورہ بالا ناموں کے علاوہ اور نام بھی ہیں مثلاً الکنز[۱۲] ۔ الاساس[۱۳] ۔ الکافیہ[۱۴] ۔ الشافیہ[۱۵] ۔ الوافیہ[۱۶] ۔ الشکر[۱۷] الدعا[۱۸] ۔ تعلیم المسئلہ[۱۹] ۔ المناجاۃ[۲۰] ۔ التفویض[۲۱] ۔ (ابو السعود ۔ فتح الباری اور رحمانی) ان میں سے بعض نام مرفوعًا ثابت ہیں ۔ بعض موقوف ہیں اور بعض ائمہ کے اقوال سے ہیں ۔ غرض یہ کہ یہ سورت بڑے شان کی ہے ۔

جائے نزول

یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی ، کیونکہ اس کی قراءت نماز میں مقرر ہے ۔ اور نماز بالاتفاق مکہ شریف میں فرض ہوئی ۔ نیز اس لیے کہ سورہ حجر (پ ۱۴) جس میں اسے سبع مثانی کہا گیا ہے ۔ وہ مکی ہے ۔

اس کی بالاتفاق سات آیات ہیں ۔ پہلی آیت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جیسا کہ انشاء اللہ بسم اللہ شریف کی تفسیر میں مدلل بیان ہوگا ۔

بحث اوّلیت نزول

بعض روایتوں میں وارد ہے ۔ کہ سب سے پہلے سورت فاتحہ نازل ہوئی لیکن یہ روایت مرسل[۱] ہے ۔ (اتقان) اور مرسل روایت جمہور محدثین کے نزدیک قابل احتجاج نہیں ، بالخصوص جب کہ وہ صحیح بخاری کی روایت کے معارض ہو جس میں غار حرا کے واقعہ کے ضمن میں منقول ہے کہ اس وقت آنحضرت صلعم کو حضرت جبرئیل نے سورت علق (پ ۳۰) کی (بسم اللہ کے بعد کی) پانچ آیتیں سکھائی تھیں ۔ یہی عطائے نبوت کا وقت تھا ۔ اور یہی سب سے پہلی وحی تھی ۔ اس میں کسی کو کلام نہیں ۔

اور اگر اس مرسل روایت کا اعتبار بھی کیا جائے ۔ تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ سب سے پہلے یکدفعہ مکمل سورت یہی نازل ہوئی ۔ اس سے پہلے جو سورتیں نازل ہوئیں وہ نجمًا نجمًا اترتی رہیں ۔

فضائل

اوّل تو اس کی فضیلت اس کے اسماء سے ظاہر ہے ۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ۔ دیگر یہ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ۔

(۱) اَلْفَاتِحَةُ اَعْظَمُ سُوْرَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ وَهِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ ۔ خ ۔ د ۔ س ۔ ق (حسن) — فاتحہ قرآن میں سے سب سے زیادہ عظمت والی سورت ہے اور یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم بھی ہے ۔

---

[۱] مرسل اس روایت کو کہتے ہیں جسے تابعی بغیر ذکر صحابی کے خود رسول اللہ صلعم کی طرف نسبت کرے ۱۲ منہ

Marfat.com

(۲) اعطیت فاتحۃ من تحت العرش مس (الحصن)

مجھے سورت فاتحہ عرش الٰہی کے نیچے سے ملی ہے۔

(۳) ما انزلت فی التوراۃ ولا فی الانجیل والزبور والقرآن مثلھا یعنی ام القرآن وانھا سبع من المثانی والقرآن العظیم الذی اعطیت (دارمی ص۴۳۰)

کوئی سورت مثل ام القرآن کے نہ توریت میں اتری نہ انجیل میں، نہ زبور میں، اور نہ قرآن میں۔ یہی سبع مثانی بھی ہے، اور قرآن عظیم بھی ہے جو مجھے عطا ہوئی ہے۔

(۴) الحمد للہ ام القرآن وام الکتاب والسبع المثانی (دارمی ص۴۳۰)

سورت الحمد للہ ہی ام القرآن اور ام الکتاب اور سبع المثانی ہے۔

سورت حجر پ۱۴ میں خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کو خطاب کر کے فرمایا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ (حجر پ۱۴)

(اے پیغمبر!) بیشک ہم نے تم کو سات آیتیں عطا کی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور وہ القرآن العظیم بھی ہیں۔

سبع مثانی اور القرآن العظیم سے صرف یہی سورت فاتحہ مراد ہے۔ ان ناموں سے کوئی دیگر سورت موسوم نہیں ہے۔ جیسا کہ احادیث مذکورہ بالا میں گذر چکا، ان کے علاوہ صحیح بخاری کی ایک خاص حدیث ہے۔ جو اس کی خاص فضیلت کی بھی دلیل ہے اور اسی مناسبت سے ہم اُسے عنوانِ فضائل کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

عن ابی سعید بن المعلی قال مر بی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا اصلی فدعانی فلم اٰتہ حتی صلیت ثم اتیت فقال ما منعك ان تاتی فقلت کنت اصلی فقال الم یقل اللہ تعالیٰ یایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول ثم قال الا اعلمك اعظم سورۃ فی القرآن قبل ان یخرج من المسجد فذھب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرتہ فقال الحمد للہ رب العلمین ھی السبع المثانی

حضرت ابو سعید بن معلیٰ رضہ سے مروی ہے کہ (ایک دفعہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے، اور میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے مجھے یاد فرمایا لیکن میں نماز پڑھ کر ہی حاضر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا میرے پاس آنے سے تجھے کس چیز نے روکا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ کیا اللہ تعالےٰ نے نہیں فرمایا کہ اے ایمان والو! جب تمہیں اللہ اور اس کا رسول بلاوے تو اس کے حکم کو (فوراً) قبول کیا کرو۔

پھر آپ نے فرمایا کہ کیا میں تجھ کو مسجد سے نکلنے

Marfat.com

والقرآن العظیم الذی اوتیتہ۔ سے پیشتر وہ سورت نہ سکھاؤں جو قرآن میں سب سے بزرگ ہے۔
(بخاری کتاب التفسیر سورہ حجر)

اس کے بعد جب آپؐ مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے آپ کو یاد دلایا۔ تو آپؐ نے فرمایا:۔
(سورت) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہی اَلسَّبْعُ الْمَثَانِیْ اور الْقُرْاٰنُ الْعَظِیْم ہے۔ جو مجھے عطا ہوئی ہے۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہو گیا۔ کہ آیت سورۃ حجر میں من المثانی کا من بیانیہ ہے اور القرآن العظیم کا المثانی پر عطف من باب عطف الصفۃ علی الصفۃ ہے۔ لہ

سنن ابن ماجہ و مسند احمد و مستدرک حاکم میں حضرت اُبیّ بن کعبؓ سے مروی ہے۔ کہ ایک اعرابی نے آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ حضرت! میرے بیٹے کو تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا کیا ہے؟ اس نے عرض کی اُسے آسیب ہے آپ نے فرمایا اُسے میرے پاس لے آؤ۔ وہ لے آیا۔ تو آپ نے اسے اپنے سامنے بٹھایا۔ اور اس پر سورت فاتحہ اور دیگر آیات سے دم کیا۔ تو وہ لڑکا اٹھ کھڑا ہوا۔ گویا کہ اُسے کوئی بھی تکلیف نہیں تھی۔ (حصن حصین صد ۱۸۱ نیز صد ۱۸۲ حاشیہ نمبر ۲)

لہ۔ مجمع بحار الانوار صد ۱۶۵ جلد اول، ۱۲ منہ

Marfat.com

بسم

(شروع) ساتھ نام

(۱) بِ - سورتوں کے شروع میں جو بھی بِسْمِ اللّٰہ ہے اس کی ترکیب نحوی کی نسبت کہ بِ جارہ کس کے متعلق ہے مفسرین وائمہ نحاۃ کے کئی اقوال ہیں - انسب یہی ہے کہ اَلشُّرُوْعُ یا اَلْاِبْتِدَاءُ مبتدا محذوف کے متعلق ہے کیونکہ قول بِسْمِ اللّٰہِ جب ذات باری کی طرف منسوب ہو تو اَبْتَدِیُٔ یا اَشْرَعُ بصیغہ تکلم موزون نہیں ہے - اور جب غیر خدا کی طرف منسوب ہو تو یہ بھی اور اَسْتَعِیْنُ بھی اور مُسْتَعِیْنًا وغیرہ بھی سب جائز ہیں ، حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط میں جو بِسْمِ اللّٰہِ ہے اور آنحضرتؐ کے مکاتیب میں جو لکھی جاتی تھی ، وہ سب اسی جنس سے ہیں - اور بعض کا یہ کہنا کہ ہر کام کے مناسب صیغہ تکلم کو محذوف ماننا چاہیئے - یعنے پڑھنے کا موقع ہے - تو اَقْرَءُ اور لکھنے کا موقع ہے - تو اَکْتُبُ اور کام کرنے کا ہے تو اَصْنَعُ یا اَفْعَلُ سمجھنا چاہیئے - یہ بھی اسی کی تفصیل و تطویل ہے - جو قولِ مخلوق ہونے کے وقت سب درست ہو سکتے ہیں - اور بعض نے اِقْرَءْ (بصیغہ امر) محذوف مانا ہے ، کیونکہ سورہ علق میں آیا ہے :-

اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّکَ (زینی زادہ) لیکن پھر سورہ علق میں تکرار لازم آئے گا - وَھُوَ کَمَا تَرٰی -

(۲) اِسْمِ - لفظ اسم کے اصل کی نسبت بھی ائمہ صرف کے مختلف اقوال ہیں - بعض کے نزدیک اصل میں سَمْوٌ تھا - یعنے بلندی - کیونکہ یہ اپنے مسمّٰی کے لیے موجب رفعت وبلندی ہوتا ہے - واو بوجہ سے کثرتِ استعمال گر گئی - اور ہمزہ وصل شروع میں بڑھایا گیا ، اسی لیے اس کی جمع اَسْمَاءٌ اور اَسَامِیْ اور فعلِ مزید فیہ سَمّٰی اور سَمَّیْتُ آتے ہیں - امام زمخشری رح اور قاضی بیضاوی رح نے اسی کی تائید کی ہے "

(۳) رسم الخط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی کتابت میں اِسْمِ کا الف نہیں لکھا جاتا اور بِ جارہ اور اسم کے سین کو ملا کر اور سین کے دندانے نکال کر یوں بِسْمِ لکھتے ہیں اس کے علاوہ جس جگہ بِاسْمِ لکھا جائے گا الف کے ساتھ لکھا جائے گا - جیسے اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ (پ۳۰ علق) اور فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ - (واقعہ وحاقہ)

(۴) بِاللّٰہِ نہیں کہا - بِسْمِ اللّٰہِ کہا ہے اور بِاللّٰہِ نہیں کہا - تاکہ معلوم ہو کہ جس ذات کا نام برکت والا ہے خود اس ذات کی عظمت کس قدر ہوگی ! اَللّٰہُ اَکْبَرُ مِنْ کُلِّ کَبِیْرٍ !!

Marfat.com

(۵) نیز اس لیے کہ محاورۂ عرب میں باللہ، یمین (قسم) کے لیے اور بِسْمِ اللّٰہِ الخ تیمن و تبرک کے لیے بولا جاتا ہے۔ پس اس امتیاز کو قائم رکھا گیا۔

(۶) اَللّٰہ تعالیٰ کا اسم بھی بابرکت ہے۔ چنانچہ سورۂ الرحمٰن میں فرمایا:۔

تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ۝ (الرحمٰن پ ۲۷) (اے پیغمبر!) تیرا پروردگار جو بہت بزرگی والا اور جلال والا ہے اس کا اسم بہت برکت والا ہے۔

اسی طرح اللہ (جل جلالہ) کی ذات بھی بہت برکت والی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (سورہ الملک پ ۲۹) بہت برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہے (تمام) بادشاہی اور وہ ہر شئے پر قادر ہے۔

پس جس طرح اس کی ذات عیوب و نقائص سے منزّہ ہے چنانچہ فرمایا:۔

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ۔ (یٰسٓ پ ۲۳) سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی۔

اسی طرح اس کے اسماء حسنےٰ بھی معانی کی برائی اور بے ادبی سے منزّہ ہیں کیونکہ جس کی ذات پاک اس کے اسماء اور صفات بھی پاک۔ چنانچہ تسبیح اسم کے لیے فرمایا: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی (پ ۳۰) یعنی پاکیزگی بول اپنے رب کے اسم کی جو سب سے اعلےٰ (اوپر) ہے۔ نیز فرمایا: بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ۔ (الواقعہ والحاقہ) یعنی پس پاکیزگی بول اپنے رب کے نام کی جو بڑی عظمت و بزرگی والا ہے۔

اور آنحضرت صلعم اس حکم کی تعمیل میں رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی وغیرہ)

اور تسبیح کی نسبت فرمایا:۔

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ (صف پ ۲۸) یعنے اللہ کے لیے پاکیزگی بیان کرتی ہے ہر شئے جو آسمانوں میں ہے۔ اور ہر شئے جو زمین میں ہے۔

اس طرح کی آیات قرآن مجید میں بکثرت ہیں۔

چونکہ ذاتِ برحق اور اس کی جملہ صفاتِ کمال اور اس کے تمام اسمائے حسنیٰ منزّہ اور بابرکت ہیں اس لیے جس طرح ذات کے ذکر کا حکم کیا۔ کہ

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ (النساء پ ۵) یعنی پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے۔

Marfat.com

اور دوسری جگہ فرمایا :-

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ یعنی یاد کرتے رہو اللہ کو بہت بہت تاکہ تم فلاح (نجات وکامیابی) حاصل کرو ۔

(انفال پ ۱۰، جمعہ پ ۲۸)

اسی طرح اپنے اسم کے ذکر کی نسبت بھی فرمایا :-

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ؕ یعنی (اے پیغمبر) یاد کر اپنے رب کا اسم اور چھوٹ کر اسی کی طرف سب سے الگ ہو کر ۔

(مزمل پ ۲۹)

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا :-

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (الدہر پ ۲۹) یعنی یاد کر نام اپنے رب کا صبح وشام ۔

اسی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اِنَّ لِلّٰهِ تسعة وتسعين اسماً مائة الا واحداً من احصاها دخل الجنة ۔ اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو (۹۹) یعنی ننانوے ایسے نام ہیں کہ جو کوئی ان کو حفظ کر لے وہ جنت میں جاوے ۔

(صحیح بخاری کتاب التوحید)

ان ننانوے (۹۹) ناموں کی تفصیل جامع ترمذی کی روایت میں حسب ذیل ہے :-

فہرست اسماء حسنٰے

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ

۲ اَلرَّحْمٰنُ	۳ اَلرَّحِيْمُ	۴ اَلْمَلِكُ	۵ اَلْقُدُّوْسُ	۶ اَلسَّلَامُ	۷ اَلْمُؤْمِنُ	۸ اَلْمُهَيْمِنُ	۹ اَلْعَزِيْزُ
۱۰ اَلْجَبَّارُ	۱۱ اَلْمُتَكَبِّرُ	۱۲ اَلْخَالِقُ	۱۳ اَلْبَارِئُ	۱۴ اَلْمُصَوِّرُ	۱۵ اَلْغَفَّارُ	۱۶ اَلْقَهَّارُ	۱۷ اَلْوَهَّابُ
۱۸ اَلرَّزَّاقُ	۱۹ اَلْفَتَّاحُ	۲۰ اَلْعَلِيْمُ	۲۱ اَلْقَابِضُ	۲۲ اَلْبَاسِطُ	۲۳ اَلْخَافِضُ	۲۴ اَلرَّافِعُ	۲۵ اَلْمُعِزُّ
۲۶ اَلْمُذِلُّ	۲۷ اَلسَّمِيْعُ	۲۸ اَلْبَصِيْرُ	۲۹ اَلْحَكَمُ	۳۰ اَلْعَدْلُ	۳۱ اَللَّطِيْفُ	۳۲ اَلْخَبِيْرُ	۳۳ اَلْحَلِيْمُ
۳۴ اَلْعَظِيْمُ	۳۵ اَلْغَفُوْرُ	۳۶ اَلشَّكُوْرُ	۳۷ اَلْعَلِيُّ	۳۸ اَلْكَبِيْرُ	۳۹ اَلْحَفِيْظُ	۴۰ اَلْمُقِيْتُ	۴۱ اَلْحَسِيْبُ

Marfat.com

يَا ٤٢ اَلْجَلِيْلُ	يَا ٤٣ اَلْكَرِيْمُ	يَا ٤٤ اَلرَّقِيْبُ	يَا ٤٥ اَلْمُجِيْبُ	يَا ٤٦ اَلْوَاسِعُ	يَا ٤٧ اَلْحَكِيْمُ	يَا ٤٨ اَلْوَدُوْدُ	يَا ٤٩ اَلْمَجِيْدُ
يَا ٥٠ اَلشَّهِيْدُ	يَا ٥١ اَلْحَقُّ	يَا ٥٢ اَلْوَكِيْلُ	يَا ٥٣ اَلْقَوِيُّ	يَا ٥٤ اَلْمَتِيْنُ	يَا ٥٥ اَلْوَلِيُّ	يَا ٥٦ اَلْحَمِيْدُ	يَا ٥٧ اَلْمُحْصِيُ
يَا ٥٨ اَلْمُبْدِئُ	يَا ٥٩ اَلْمُعِيْدُ	يَا ٦٠ اَلْمُحْيِي	يَا ٦١ اَلْمُمِيْتُ	يَا ٦٢ اَلْحَيُّ	يَا ٦٣ اَلْقَيُّوْمُ	يَا ٦٤ اَلْوَاجِدُ	يَا ٦٥ اَلْمَاجِدُ
يَا ٦٦ اَلْوَاحِدُ	يَا ٦٧ اَلصَّمَدُ	يَا ٦٨ اَلْقَادِرُ	يَا ٦٩ اَلْمُقْتَدِرُ	يَا ٧٠ اَلْمُقَدِّمُ	يَا ٧١ اَلْمُؤَخِّرُ	يَا ٧٢ اَلْاَوَّلُ	يَا ٧٣ اَلْاٰخِرُ
يَا ٧٤ اَلظَّاهِرُ	يَا ٧٥ اَلْبَاطِنُ	يَا ٧٦ اَلْوَالِي	يَا ٧٧ اَلْمُتَعَالِي	يَا ٧٨ اَلْبَرُّ	يَا ٧٩ اَلتَّوَّابُ	يَا ٨٠ اَلْمُنْعِمُ	يَا ٨١ اَلْمُنْتَقِمُ
يَا ٨٢ اَلْعَفُوُّ	يَا ٨٣ اَلرَّؤُفُ	يَا ٨٤ مَالِكَ الْمُلْكِ	يَا ٨٥ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ	يَا ٨٦ اَلْمُقْسِطُ	يَا ٨٧ اَلْجَامِعُ	يَا ٨٨ اَلْغَنِيُّ	يَا ٨٩ اَلْمُغْنِيُ
يَا ٩٠ اَلْمَانِعُ	يَا ٩١ اَلضَّارُّ	يَا ٩٢ اَلنَّافِعُ	يَا ٩٣ اَلنُّوْرُ	يَا ٩٤ اَلْهَادِي	يَا ٩٥ اَلْبَدِيْعُ	يَا ٩٦ اَلْبَاقِي	يَا ٩٧ اَلْوَارِثُ
				يَا ٩٨ اَلرَّشِيْدُ	يَا ٩٩ اَلصَّبُوْرُ		

اسم اعظم

حدیث میں وارد ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کا ایک اسم اعظم ہے۔ کہ اس سے خدا تعالےٰ کو پکارا جائے تو قبول فرماتا ہے۔ اور کچھ مانگا جائے تو عطا کرتا ہے۔ (الحصن الحصین)

بنا بر روایات و تجربہ بقول اکثر علماء وہ اسم یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ ہے۔

جامع ترمذی میں حضرت معاذ رضؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ایک شخص کو یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ کہتے سنا تو اسے فرمایا (تیری پکار) قبول ہو گئی پس (جو کچھ تجھے مانگنا ہو وہ) مانگ لے" (حصن)

قال العبد الضعیف وقد جربتہ مرارًا وھو من اورادی فی المخاوف والاھوال۔

نیز حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو کہہ رہا تھا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ نے تیری طرف نظر (رحمت) کی ہے۔ پس (جو مانگتا ہو) مانگ" (حصن) قال العبد الاثیم وقد جربتہ عدد ما لا احصیہ وھو ایضا من اورادی فی ھجوم الافکار والاحزان ہ

Marfat.com

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کا ایک فرشتہ اسی بات پر مقرر ہے کہ جو شخص خدا تعالےٰ کو تین دفعہ اس طرح پکارے کہ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ تو وہ فرشتہ اُسے کہتا ہے کہ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ نے تیری طرف توجہ فرمائی ہے پس تو (جو مانگتا چاہے) مانگ لے۔

جس طرح اللہ تعالےٰ کے اسماء کی تسبیح وذکر کا حکم کیا ہے اسی طرح اسماء الٰہیہ سے یعنے اس کے اسماء حسنےٰ سے پکار کر دعا کرنے کا بھی حکم کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا (اعراف پ۹)

یعنے اللہ ہی کے لیے ہیں اسماء حسنےٰ۔ پس تم پکارو اس کو ان (ناموں) سے۔

نیز فرمایا:۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ (بنی اسرائیل پ۱۵)

یعنے (اے پیغمبر) ان سے کہو تم اللہ (کہکر) پکارو یا رحمٰن (کہکر) پکارو۔ کسی (نام) سے پکارو اسی کے ہیں سب اچھے نام۔

دعا مانگنے کا طریق

شیخ اکبر قدس سرہ اسمائے الٰہیہ سے دعا مانگنے کے متعلق زیر آیت:۔

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔

یعنے اللہ ہی کے ہیں سب اچھے نام۔

فرماتے ہیں:۔

قدمران کل اسم ھو الذات مع صفتہ واللہ یدبر کل امر باسم من اسمائہ (فادعوہ) عند الافتقار الی ذالک الاسم بہ اما بلسان الحال کما ان الجاھل اذا طلب العلم یدعوہ باسمہ العلیم والمریض اذا طلب الشفاء یدعوہ باسمہ الشافی والفقیر اذا طلب الغنا یدعوہ باسمہ المغنی، کل بتحصیل الاستعداد الذی

پیشتر گذر چکا ہے کہ ہر اسم ذات مع صفت ہے اور اللہ تعالےٰ ہر امر کی تدبیر اپنے کسی اسم سے کرتا ہے۔ (پس اُسے ان ناموں سے پکارو) یعنے اس اسم کی حاجت کے وقت خدا تعالےٰ کو اس اسم سے پکارو۔ یا تو زبانِ حال سے، جیسے کہ کوئی جاہل جب علم کا طالب ہو تو اسے اس کے اسم علیم سے پکارے اور مریض جب شفا کا خواہاں ہو تو اُسے اسم شافی سے پکارے اور محتاج جب غنا کی طلب رکھے۔ تو اُسے اس کے اسم مغنی سے پکارے، ہر کوئی استعداد حاصل

Marfat.com

استلزم قبوله لتاثير ذالك الاسم واثر تلك الصفة واما بلسان القال كما اذا قال اول یارب یرید به یا علیم لا ختصاص ربوبیته بذالك الاسم والثانی یرید بیا رب یا شافی والثالث یا مغنی (التفسیر الصغیر للشیخ الاکبر المطبوع بمصر ص۱۲۳) (جلد اول سورۂ اعراف)

کرنے سے جو مستلزم قبولیت ہے اس اسم اور صفت کی تاثیر کے لیے اور یا زبانِ قال سے ، جس طرح کہ پہلا یعنی جاہل یا رب کہے تو اس کی مراد ہو یا علیم کیونکہ اس کی ربوبیت اس اسم سے مخصوص ہے اور دوسرا یعنی بیمار یا رب سے یا شافی اور تیسرا یعنی محتاج یا مغنی (مراد رکھے)

آنحضرت صلعم کی بعض دعائیں

بے خوابی کی دعا

جو کچھ حضرت شیخ اکبرؒ نے ذکر کیا۔ وہ انہوں نے قرآن و حدیث سے لیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی دعائیں ایسی ہیں۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضؓ (کاتب وحی) کو آپؐ نے اضطراب کے سبب نیند نہ آنے کے علاج کیلئے یہ دعا سکھلائی تھی:۔

اَللّٰهُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَهَدَأَتِ الْعُيُوْنُ وَاَنْتَ حَيٌّ قَيُّوْمٌ لَّا تَاْخُذُكَ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ يَاحَيُّ يَا قَيُّوْمُ اَهْدِئْ لَيْلِيْ وَاَنِمْ عَيْنِيْ۔

(الحصن الحصین ص۶۵)

یا اللہ! تارے نیچے چلے گئے اور لوگوں کی آنکھیں بھی آرام کر گئیں اور تو حی قیوم ہے۔ تجھے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ اے سدا بذاتِ خود زندہ اللہ قائم خدا! میری رات آسائش و آرام کی بنا دے اور میری آنکھ کو سلا دے۔

ہر مصیبت کی دعا اور اسم اعظم

اسی طرح آپؐ صلعم واقعۂ بدر میں سجدے میں پڑھا کرتے تھے۔

یا حی یا قیوم برحمتك استغیث مس ی ویکرر (جامع) وھو ساجد یا حی یا قیوم مس مس (الحصن الحصین ۲۰)

اے سدا بذاتِ خود زندہ و قائم خدا! میں تیری رحمت کا واسطہ پکڑ کر فریاد کرتا ہوں۔

نیز آنحضرت صلعم سجدے میں پڑھ کر بار بار کہتے تھے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ،

۳۔ اسی طرح یہ ہے کہ ایک شخص کو آپؐ صلعم نے یہ کہتے سنا یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ، تو آپؐ نے فرمایا:۔

قد استجیب لك فسل ت۔

(الحصن ص۳۹)

یعنی تیری دعا قبول ہو گئی، پس (جو مانگنا ہو) مانگ لے۔

Marfat.com

۴۔ اسی طرح روایت ہے کہ آپ صلعم ایک شخص کے پاس سے گذرے اور وہ کہہ رہا تھا۔ یا ارحم الراحمین تو آپ نے فرمایا:۔

سل فقد نظر اللہ الیک۔ یعنی مانگ اللہ (ارحم الراحمین) نے تیری طرف نظرِ عنایت کی ہے۔

(الحصن ص۳۹)

اسم ارحم الراحمین کی نسبت آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے ایک فرشتہ اسم ارحم الراحمین کی کے متعلق مقرر کر رکھا ہے جو شخص اسے اس اسم سے پکارے۔ وہ فرشتہ اس شخص کو کہتا ہے کہ ارحم الراحمین نے تیری طرف عنایت فرمائی ہے۔ پس (جو مانگنا ہو سو) مانگ لے۔"

(حصن حصین یوسفی ص۳۹)

حضرت ایوبؑ کی دُعا

حضرت ایوب علیہ السّلام کی دعا جو قرآن مجید میں وارد ہے کہ انہوں نے اپنی رفع تکلیف کے لیے مانگی تھی۔ وہ اسی اسم ارحم الراحمین سے تھی۔ اور وہ قبول ہوئی۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۚۖ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَکَشَفْنَا مَا بِہٖ مِنْ ضُرٍّ الخ (انبیاء رکوع۶)

اور جب ایوبؑ نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے نہایت درجے کی تکلیف پہنچی ہے۔ اور تو سب رحم والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول فرما کر اس کی تکلیف دور کر دی۔"

۵۔ غم واندوہ کی دُعا

اسی طرح آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فکر و اندوہ کے دور کرنے کے لیے سکھایا:۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبُّ الْاَرْضِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ۔

اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے۔ وہ حلیم و کریم ہے۔ اللہ کے سوا کوئی بھی لائق پرستش نہیں ہے۔ وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی بھی لائق بندگی نہیں ہے۔ وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور عرش کریم کا صاحب ہے۔

خ (الحصن ص۱۴۲)

۶۔ آگ جلے کے لیے دعا

آگ سے جلے ہوئے بیمار کی شفا کے لیے سکھایا۔ کہ اس پر پڑھا جائے:۔

اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شَافِیَ اِلَّا اَنْتَ

اے سب لوگوں کے پروردگار اور مالک اس تکلیف کو دور کر دے اور شفا دے تو ہی شافی ہے۔ تیرے

Marfat.com

سوا کوئی بھی شفا دینے والا نہیں۔ (آ-س ۱۷۳ الحصن ص)

۷۔ حضرت علی رضہ کے پاس ایک شخص آیا۔ اور کہنے لگا کہ فلاں شخص بیمار رہے۔ آپ نے فرمایا، کیا تجھے پسند ہے کہ وہ شفا پا جائے۔ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ (کلمات) کہہ تو وہ شفا پائے گا۔" (الحصن ص۱۷۱)

کلمات یہ ہیں:-

بیمار کے لیے دُعا یَا حَلِیْمُ یَا کَرِیْمُ اشْفِ فُلَانًا[1] (لفظ فلاناً کی بجائے بیمار کا نام لے)۔

الغرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں ایسی مثالیں بکثرت ملیں گی کہ جن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حاجت کے مناسب ذکر کئے گئے ہیں۔

حضرت نوح ؑ کی دُعا حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی نسبت اس طرح عرض کی:-

رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحَاكِمِیْنَ ۝ (ھود پ۱۲)

اے میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو احکم الحاکمین ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے خیال میں آپ کا بیٹا اللہ تعالےٰ کے وعدے میں داخل تھا۔ اس لیے اپنی حاجت کے مناسب اللہ تعالےٰ کو اسم احکم الحاکمین سے یاد کیا، کیونکہ حاکم کی بات پختہ ہونی چاہیئے۔ اور اس کا وعدہ سچا ہونا چاہیئے۔

قرآن مجید میں جو مختلف مقامات پر اللہ تعالےٰ کے مختلف اسماء مذکور ہیں۔ وہ سب مناسبت موقع کے لحاظ سے ہیں۔ چنانچہ آپ انشاءاللہ تفسیر تبصیر الرحمٰن میں ہر موقع پر اس امر کا ملاحظہ فرمائیں گے۔

ازالۂ شبہ صحیح بخاری کی ننانوے (۹۹) ناموں والی روایت اور جامع ترمذی سے ان کی فہرست جو اوپر لکھی گئی ہے اس میں ستائیس نام جو قرآن میں وارد ہیں مذکور نہیں۔ مثلاً رب، قدیر، نصیر، شاکر، غالب وغیرہا پس کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے یہی ننانوے (۹۹)

---

[1] کیا اپنی بیماری اور کیا دوسروں کی بیماری کے لیے مصنف خاکسار کا ہمیشہ ان کلمات سے دعا کرنے کا معمول ہے، اور عموماً خدا کے فضل سے بیمار جلد شفایاب ہو جاتے ہیں۔ صدہا بار تجربہ کیا گیا۔ وللہ الحمد ۱۲ منہ

Marfat.com

نام ہیں؟ اس کا حل اس طرح ہے کہ حدیث کا منشاء یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے صرف یہی ننانوے ۹۹ نام ہیں۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ ان مخصوص ننانوے ۹۹ ناموں کا وظیفہ منجملہ ان اعمال واذکار کے ہے۔ جو موجبِ جنّت ہیں۔" (فتح الباری)

اللّٰہ

لفظ اللہ جو ذاتِ برحق کا عَلَم اور اسم ذات ہے۔ زبان کے رُو سے اصل میں اَلْاِلٰہُ تھا، ہمزہ الٰہ کا حذف کیا گیا۔ اور الف لام اس کے عوض لزوماً شامل رکھا گیا۔ گویا کہ یہ جزوِ کلمہ ہے۔ اسی لیے ندا کے وقت یا اَللّٰہ الگ الگ بولتے ہیں[۱]۔ اور اکثر ندا کے وقت یا کلمہ ندا کو حذف کر کے اس کے عوض اخیر میں میم مشدّد لگا کر کہتے ہیں اَللّٰھُمَّ (لسان) اور اِلٰہ اصل میں وِلَاہٌ تھا۔ واؤ کو ہمزہ سے بدلا اس کی مثالیں زبان میں بہت ہیں۔ جیسے وُقِّتَتْ سے اُقِّتَتْ۔ (مرسلات پ ۲۹) اور وِشَاحٌ سے اِشَاحٌ بمعنے عورتوں کے پہننے کا ہار۔ اور وُجُوْہٌ سے اُجُوْہٌ اور وِجَاحٌ سے اِجَاحٌ بمعنے پردہ (لسان مع الزیادہ)

رسم الخط یہ لفظ کیا بلحاظ رسم الخط[۱] اور کیا بلحاظِ اشتقاق[۲] و معنے[۳] عجیب عجیب خصوصیتیں رکھتا ہے رسم الخط کی رو سے اس طرح کہ اس کی تحریر کا طریق یوں ہے۔ (اَللّٰہ) اگر ہمزہ[۱] کو ابتداء سے گرادیں تو باقی صورت لِلّٰہ رہ جاتی ہے۔ اور یہ لام جارہ داخل کرنے سے لِلّٰہ کی صورت ہے۔ پھر[۲] اگر اس کے پہلے لام کو بھی گرادیں۔ تو صورت لَہٗ کی رہ جاتی ہے۔ یعنے لام جارہ اور ضمیر غائب سے مرکب۔ اور[۳] اگر لام ثانی کو بھی گرادیں۔ تو صرف ہٗ صورت ضمیر غائب کی رہ جاتی ہے۔ اور یہ سب یعنے لِلّٰہِ اور لَہٗ اور ہٗ ذاتِ برحق کے لیے وارد ہیں۔ چنانچہ یہ تینوں ایک ہی آیت میں موجود ہیں۔

---

[۱] سید شریف رحاشیہ کشاف میں فرماتے ہیں۔ اعلم ان العقلا کما تاھوا فی ذات اللہ وصفاتہ لاحتجابھا بانوار العظمۃ واستار الجبروت کذالک تحیروا فی لفظ اللہ کانہ انعکس الیہ من مسماہ اشعۃ من تلک الانوار قھرت اعین المستبصرین عن ادراکہ فاختلفوا سریانی ھو ام عربی، اسم او صفۃ، مشتق ومم اشتقاقہ وما اصلہ او غیر مشتق علم او غیر علم واختار العلامۃ انہ عربی وانہ کان فی الاصل اسم جنس ثم صار علما للذات المعبود بالحق واصلہ الالہ وانہ مشتق من الہ بمعنی تحیر ۱۲ منہ (ھنت)

Marfat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَۃِ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ (سبا پ۲۲)

سب خوبیاں اللہ ہی کے لیے خاص ہیں۔ جس کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اسی کی تعریف ہے آخرت میں بھی۔ اور وہ بڑا با حکمت (اور) ہر چیز سے خبردار ہے۔

لفظ ھُوَ جو اس آیت میں اسم ضمیر ہے۔ اصل میں حرف "ہ" ہی تھا۔ واؤ تلفظ میں سہولت پیدا کرنے کے لیے زیادہ کی گئی ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اس کی جمع و تثنیہ ھُمَا اور ھُمْ ہے۔ اگر واؤ اصلی ہوتی۔ تو تثنیہ اور جمع میں قائم رہتی۔ سبحان اللہ! یہ کیسا مبارک لفظ ہے۔ کہ اس کے حروف مجموعی اور انفرادی ہر دو طرح پر اسی ذات پاک پر دلالت کر سکتے ہیں ؎

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُکَ وَاحِدٌ وَکُلٌّ اِلٰی ذَاکَ الْجَمَالِ یُشِیْرُ

ہماری عبارتیں مختلف ہیں اور تیرا حسن بالکل ایک ہی ہے ہر کوئی اسی جمال (بے مثال) کی طرف اشارہ کر رہا ہے

اشتقاق و معنے[۳] کے لحاظ سے اس طرح کہ بنا بر اشتقاق اس کے کئی ایک معنی ہیں:۔

اَلَہَ (بفتح اللام) اَلَاھَۃً و اُلُوْھَۃً و اُلُوْھِیَّۃً (مصادر) بمعنے عَبَدَ۔ اسی سے ہے تَاَلَّہَ، تَعَبَّدَ، اِسْتَاَلَہَ، اِسْتَعْبَدَ، پس اِلٰہ کے معنے ہوئے "عبادت کے لائق"

اَلِہَ (بکسر اللام) بمعنے تَحَیَّرَ (لسان) پس اِلٰہ کے معنے ہیں۔ ایسی ذات جس کے ادراک و معرفت میں عقل حیران ہو۔ کما قال الشہرستانی المتکلم۔

لَعَمْرِیْ لَقَدْ طُفْتُ الْمَعَاھِدَ کُلَّھَا وَسَیَّرْتُ طَرْفِیْ بَیْنَ تِلْکَ الْمَعَالِمِ

اپنی زندگی کی قسم کہ میں نے سب بڑے بڑے امور کے گرد چکر کاٹے اور ان سب نشانوں میں خوب نظریں دوڑائیں۔

فَلَمْ اَرَ اِلَّا وَاضِعًا کَفَّ حَائِرٍ عَلٰی ذَقْنٍ اَوْ قَارِعًا سِنَّ نَادِمٍ

پس میں نے سوائے اس کے نہ دیکھا کہ کوئی تو حیران ہو کر اپنی ہتھیلی ٹھوڑی پر رکھے ہوئے ہے اور کوئی ندامت کے دانت بجا رہا ہے

اَلِہَ بمعنے فَزِعَ اور اس کے مزید میں اَلَہَہٗ غَیْرُہٗ یعنے کسی دوسرے نے اُسے پناہ دی۔ پس اِلٰہ سے مراد وہ ذات ہے۔ کہ شدائد کے وقت اس کے پاس گڑگڑائیں، اور وہ پناہ دے، اور ظاہر ہے کہ مصائب و شدائد میں اللہ کی طرف التجا کی جاتی ہے۔ اور وہی شدت کے وقت پناہ دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

قُلْ مَنْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْہِ۔

(اے پیغمبرؐ!) ان سے کہو کہ (اللہ کے سوا) وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے۔ اور وہ

Marfat.com

پناہ دیتا ہے اور اس کی گرفت پر کوئی پناہ نہیں ہو سکتا۔

(مؤمنون پ ۱۸)

وقال الامام الشافعی رح ؎

یَا مَنْ اِلَیْہِ الْمُشْتَکیٰ وَالْمَفْزَعُ ۔ اَنْتَ الْمُعَدُّ لِکُلِّ مَا یُتَوَقَّعُ

اے وہ ذات کہ شکوے شکایت اور رونے چلانے کی جگہ وہی ہے تو ہی ہر اس چیز کا مہیا کر دینے والا ہے جس کی توقع ہو۔

اَلِھْتُ اِلٰی فُلَانٍ ای سَکَنْتُ اِلَیْہِ ۔ یعنے اس کے معنے میں سکون و اطمینان بھی ہے۔ پس اللہ وہ ذات ہے۔ جس سے قلوب کو تسکین اور ارواح کو راحت و اطمینان حاصل ہو۔ چنانچہ فرمایا۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ یعنے سن رکھو! دلوں کی تسلی (صرف) اللہ ہی کے ذکر سے ہے۔

(رعد پ ۱۳)

اِلٰہٌ کے معنے یہ بھی ہیں "ایسی ذات جس کی طرف نہایت پیار اور شیفتگی سے رجوع کیا جائے" اور یہ ماخوذ ہے محاورہ اَلِہَ الْفَصِیْلُ اِلٰی اُمِّہٖ سے یعنے رجوع کیا (اونٹنی کے) بچے نے اپنی ماں کی طرف" اور ظاہر ہے۔ کہ ذات برحق کی طرف ہر ایک کا رجوع نہایت شیفتگی و فریفتگی سے ہوتا ہے۔

چنانچہ لسان العرب میں ہے۔

ومعنی وِلَاہٌ ان الخلق یولھون الیہ فی حوائجھم ویضرعون الیہ فیما یصیبھم ویفزعون الیہ فی کل ماینوبھم کما یولہ کل طفل الی امہ۔

وِلہ کے معنے یہ ہیں کہ خلقت اپنی حاجات میں اس کی طرف مضطرب ہوتی ہے۔ اور اپنے مصائب میں اس کے سامنے گڑگڑاتی ہے۔ اور اپنے حوادث میں چلاتی ہے جس طرح کہ بچہ اپنی ماں کی طرف شوق سے رجوع کرتا ہے۔

(ص ۳۶۰ جلد ۱۷)

اسی کے موافق مفردات راغب میں ہے۔

وقیل اصلہ ولاہ فابدل من الواو ھمزۃ وتسمیتہ بذالک لکون کل مخلوق والھا نحوہ۔

بعض کا قول ہے کہ الٰہ کا اصل وِلاہ تھا۔ واو کو ہمزہ سے بدلا اور ذات حق کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا۔ کہ ہر مخلوق اس کی طرف فریفتگی سے رجوع کرتی ہے۔

ص ۲۰

بعض کہتے ہیں کہ اس کا اصل لَاہٌ تھا جو مصدر ہے چنانچہ اس کا باب جَھَرَ دَبَاعَ یَبِیْعُ کے وزن پر یوں ہے۔ لَاہَ یَلِیْہُ لَاھًا وَلَیَھَانًا الخ۔

Marfat.com

قاضی بیضاوی رح نے اس کی شہادت میں یہ شعر لکھا ہے:۔

كَحَلْقَةٍ مِّنْ اَبِىْ رَبَاحٍ يَشْهَدُهَا لَاهُهُ الْكُبَارُ

لَوْہٌ اور لَيْهٌ کے معنے ہیں۔ احتجاب وارتفاع چنانچہ قاموس میں ہے:۔

لَاهَ يَلِيْهُ لَيْهًا تستر وجوز سيبويه اشتقاق الجلالة منها وعلا وارتفع وسميت الشمس اِلٰهَةً لارتفاعها۔ (زیر لفظ لاہ)

لاہ کے معنے ہیں پوشیدہ ہوا۔ اور امام سیبویہ نے اس سے اسم اللہ کا اشتقاق جائز جانا ہے۔ نیز اس کے معنے ہیں بلند ہوا۔ اور آفتاب کو اس کی بلندی کی وجہ سے اِلٰهَةٌ کہتے ہیں۔

چونکہ ذاتِ برحق آنکھوں سے پوشیدہ ہے اور سب سے اُوپر ہے[1] اور وہ ہر اس نسبت سے جو اس کی شان کے لائق نہیں بلند ہے۔ اس لیے اسے اللہ کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ (انعام پ۷)

یہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ اسے ان سب آنکھوں کا ادراک ہے۔ اور وہ بہت باریک بین اور خبردار ہے۔

اسی معنے میں خواجہ حافظ شیرازی رح نے کیا خوب کہا ہے:۔

ز ہجر و وصلِ تو بحیرتم چہ چارہ کنم نہ در برابرِ چشمی نہ غائب از نظری

یعنے ذاتِ برحق چشمِ ظاہر سے تو پوشیدہ ہے۔ لیکن اس کی قدرت کے مظاہر اس کثرت سے ہیں کہ اُسے عیاں بھی عیاں تر کہہ سکتے ہیں۔

اور حدیث میں ایک دعا ہے، جس کا شروع اس طرح ہے:۔

يَامَنْ لَّا تَرَاهُ الْعُيُوْنُ وَلَا تُخَالِطُهُ الظُّنُوْنُ۔ (الحصن ص۲۳۸)

یعنے اے اللہ وہ ذات جسے یہ آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہم و گمان اس تک نہیں پہنچ سکتے۔

حکمت اللہ تعالیٰ کے حواسِ انسانی سے پوشیدہ ہونے میں یہ حکمت ہے۔ کہ جب نظر کسی شے کو محدود کر لیتی ہے اور عقل اس کی حقیقت کو پا لیتی ہے۔ تو اکثر اس کی ہیبت و

---

[1] ذاتِ حق کو اوپر کی طرف ماننا فطری و جبلی امر ہے۔ ہر مضطر بیقراری کے وقت اوپر کو ہاتھ پھیلا کر طالب قبولیت ہوتا ہے۔ ہر دعا کرنے والا خدا کی رحمت کی آس میں بلا تامل اوپر کو دیکھتا ہے۔ آیت قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ (پ۲) میں اسی کا اظہار ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رح نے منہاج السنہ جلد اول ص۲۶۳ میں اسے مفصل ذکر کیا ہے اور نقل کیا ہے کہ قرآن شریف میں کوئی تین ۳۰۰ سو مقامات پر اس علو کا ذکر ہے ۱۲ منہ۔

Marfat.com

عظمت ویسی باقی نہیں رہتی۔ جو اس کے دیکھنے سے پہلے ہوتی ہے۔ اور ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ کہ لفظ اللہ کے معنے بلحاظ اشتقاق یہ بھی ہیں۔ کہ عقل اس کے ادراک سے عاجز ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ نہایت بلند شان والا ہے۔ پس اس کی ذات کے پوشیدہ رہنے اور آثار قدرت کے نمایاں ہونے سے اس کی جلالت و عظمت دل و دماغ میں بہت بیٹھتی ہے ؎

عطا کی عقل جس نے بھلا وہ عقل میں کس طرح آئے
سمجھ بخشی ہے جس نے وہ سمجھ میں کس طرح آئے

یہ کہہ دو فلسفے والے سے سر مغز سے ٹکرائے
حدیثِ علت و معلول سے ناحق نہ سر کھائے

یہاں جو آگے بڑھتا ہے وہ منہ کی کھا کے ہٹتا ہے
جگر فہم و غرور کا عالم حیرت میں پھٹتا ہے

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ

نہایت رحمت والے نہایت مہربان کے

رحمٰن اور رحیم دونوں اسم ہیں اور مصدر رحمت سے مشتق ہیں۔ رحیم اور راحم کے ایک ہی معنے ہیں مثل علیم اور عالم کے (بخاری) ہر دو مبالغے کے صیغے ہیں بمعنے کثیر الرحمۃ،

رحمۃ لغت میں تعطف کو کہتے ہیں۔ لسان العرب میں ہے اَلرَّحْمَۃُ، اَلرِّقَّۃُ وَالتَّعَطُّفُ اور اساس البلاغۃ میں علامہ زمخشری رح لکھتے ہیں۔ اِسْتَرْحَمْتُہٗ اِسْتَعْطَفْتُہٗ وَتَرَاحَمُوْا تَعَاطَفُوْا اسی معنے کے رو سے بچہ دان کا نام رحم ہے کہ وہ بھی اپنے اندر کے بچے پر منعطف ہوتا ہے۔

چونکہ بنی آدم میں یہ تعطف و مہربانی، رقتِ قلب (دل کی نرمی) کے سبب ہوتی ہے۔ اور یہ تاثر (اثر قبول کرنے) کا درجہ ہے۔ اور ذاتِ برحق تاثر و انفعال سے پاک اور برتر ہے۔ اس لیے اہل لغت نے تو یہ فرق بتایا ہے کہ اگر اس کی نسبت بنی آدم کی طرف ہو تو رقتِ قلب ہی مراد ہے۔ کیونکہ بنی آدم کے دل اسی طرح مجبول و مخلوق ہیں۔ اور اگر ذاتِ سبحان کی طرف ہو۔ تو محض تفضل و احسان مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے:۔

والرحمۃ فی بنی آدم عند العرب رقۃ القلب وعطفہ ورحمۃ اللہ عطفہ و احسانہ ورزقہ۔ (جلد ۱۵ صفحہ ۱۲۲)

عربوں کے نزدیک بنی آدم کی رحمت کے معنے ہیں دل کی نرمی اور عطوفت اور خدا کی رحمت کے معنے ہیں۔ اس کی مہربانی اور احسان اور روزی رسانی۔"

Marfat.com

امام راغبؒ نے مفردات القرآن میں اس سے بھی زیادہ صاف لکھا ہے:۔

والرحمة رقة تقتضي الاحسان الى المرحوم وقد تستعمل تارةً في الرقة المجردة وتارة في الاحسان المجرد دون الرقة* وعلى هذا روي ان الرحمة من الله انعام وافضال ومن الآدميين رقة و تعطف وعلى هذا قول النبي صلى الله عليه وسلم ذاكراً عن ربه انه لما خلق الرحم قال له انا الرحمن وانت الرحم شققت اسمك من اسمي فمن وصلك وصلته ومن قطعك بتته فذلك اشارة الى ما تقدم وهو ان الرحمة منطوية على معنيين الرقة والاحسان فركز تعالى في طبائع الناس الرقة وتفرد بالاحسان فصار كما ان لفظ الرحم من الرحمة فمعناه الموجود في الناس من الموجود لله تعالى فتناسب معناهما تناسب لفظيهما۔ (مفردات صفحہ ۱۹۰)

"رحمت، رقّت و نرمی کو کہتے ہیں۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ جس پر رحمت کی جائے۔ اس پر احسان کیا جائے۔ اور کبھی تو یہ لفظ محض رقّت کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے۔ اور کبھی محض احسان کے معنے میں خواہ وہ رقّت سے خالی ہو مثلاً فلاں شخص پر خدا رحم کرے اور جب اسے خدا کی صفت میں بیان کریں۔ تو اس سے سوائے احسان کے جو رقّت کے بغیر ہو اور کچھ مراد نہیں ہوتا۔ اور اسی بنا پر مروی ہے کہ خدا کی رحمت سے مراد انعام و افضال ہے۔ اور آدمیوں کی رحمت رقّت اور تعطّف ہے۔ اور اسی پر مبنی ہے آنحضرت صلعم کا وہ قول جو اپنے ربّ تعالےٰ کے ذکر میں فرماتے ہیں۔ کہ جس وقت خدا نے رحم کو پیدا کیا تو اسے فرمایا میں رحمٰن ہوں اور تو رحم ہے۔ میں نے تیرا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ پس جو کوئی تیرا ملاپ کرے گا۔ یعنے صلہ رحمی کرے گا۔ میں بھی اُس سے ملاپ کروں گا اور جو کوئی تجھ سے قطع کرے گا میں بھی اس سے قطع کروں گا۔

پس یہ بات اسی کی طرف اشارہ ہے۔ جس کا ذکر پہلے ہو چکا اور وہ یہ ہے کہ رحمت کے ضمن میں دو معنے ہیں۔ رقّت اور احسان پس خدائے تعالےٰ نے رقّت لوگوں کی طبائع میں پیدائشی طور پر جاری اور احسان صرف اپنے لیے رکھا پس گویا اس طرح ہو گیا۔ کہ لفظ رحم رحمت سے ہے۔ سو اس کے معنے یہ ہیں کہ جو رحمت لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ اس میں سے ہے۔ جو ذاتِ حق میں موجود ہے پس ان دونوں کے معنے ان دونوں کے الفاظ کی طرح متناسب ہو گئے۔"

لیکن متکلّمین اس عقدہ کو یوں حل کرتے ہیں۔ کہ رحمت، غضب وغیرہ ایسے قسم امور جب ذاتِ حق کی طرف منسوب ہوں۔ تو اُن سے ان کی ابتدا جو انفعال و تاثّر کا درجہ ہے۔ مراد نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کی غایت

* نحو رحم الله فلاناً و اذا وصف به الباري فليس يراد به الا الاحسان المجرد دون الرقة

Marfat.com

مراد ہوتی ہے۔ جود رجۂ فعل ہے۔ (بیضاوی)
حاصل یہ کہ رحمت اور غضب وغیرہ امور کی پیدائش وابتدا تو بیشک قلب پر کسی چیز کا اثر پڑنے سے ہوتی ہے۔ لیکن ان کی غایت وہ ہے۔ جو معقول پر واقع ہوتی ہے۔ مثلاً رحمت کی غایت مرحوم پر احسان ہے اور غضب کی غایت انتقام ہے۔ پس ذات باری تعالےٰ کی نسبت ان امور سے ان کی ابتداء سے قطع نظر کر کے محض ان کی غایت مراد ہوتی ہے۔ اور یہ مفہوم امام راغبؒ کے کلام بالا سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔

اسی کے مطابق حضرت حجۃ اللہ رح فرماتے ہیں :۔

واعلم ان الحق تعالیٰ اجل من ان یقاس بمعقول او محسوس او یحل فیہ صفات کحلول الاعراض فی محالها او تعالیٰ العقول العامیۃ او تتناولہ الالفاظ العرفیۃ ولا بد من تعریفہ الی الناس لیکملوا کما لهم الممکن لهم فوجب ان تستعمل الصفات بمعنی وجود غایاتها لا بمعنی وجود مبادیها فمعنی الرحمۃ افاضۃ النعم لا انعطاف القلب والرقۃ وان تستعار الفاظ تدل علی تسخیر الملک لمدینۃ لتسخیرہ لجمیع الموجودات اذ لا عبارۃ فی هذا المعنی افصح من هذہ وان تستعمل تشبیهات بشرط ان لا یقصد الی انفسها بل الی معان مناسبۃ لها فی العرف فیراد ببسط الید الجود مثلا و بشرط ان لا یوهم المخاطبین ایهاما صریحا فی الذات الجهمیۃ الخ۔

(حجۃ اللہ مصری)

خوب سمجھ لے کہ ذاتِ حق اس سے بہت بلند ہے کہ اُسے کسی معقول یا محسوس شئے پر قیاس کیا جائے۔ یا اس میں صفات اس طرح حلول کر سکیں۔ جس طرح اعراض اپنے محل میں حلول کرتے ہیں۔ یا عام عقول اس تک پہنچ سکیں۔ یا الفاظ عرفیہ اس کا پورا بیان کر سکیں۔ لیکن لوگوں کو اس سے واقف کرنا بھی ضروری ہے۔ تاکہ وہ اس کمال کو پہنچ سکیں۔ جو ان کے لیے ممکن ہے پس لازم ہوا کہ صفات کو وجودِ غایات کے معنوں میں استعمال کیا جائے، نہ کہ وجودِ مبادی میں، پس رحمت کے معنی ہیں۔ نعمتوں کا فیضان، نہ دل کا رجوع اور رقت اور نیز یہ کہ ایسے الفاظ مستعار لیے جائیں، جو کسی بادشاہ کی تسخیر بلاد پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ سب موجودات خدا کے تابع ہے اور اس بارے میں اس سے زیادہ فصیح عبارت کوئی نہیں ہو سکتی۔ نیز یہ کہ (بعض موقع پر) تشبیہات بھی استعمال کی جائیں۔ بشرطیکہ ان کی حقیقت مراد نہ ہو۔ بلکہ وہ معنے مراد ہوں جو عرف عام میں ان کے مناسب مراد ہوتے ہیں ــ مثلاً بسطِ ید سے مراد سخاوت ہے ــ بشرطیکہ مخاطبوں کو بعیت

کی آلودگیوں میں پڑنے کا صریح وہم پیدا نہ ہو۔" (جلد ۱ صفحہ ۶۲)

رحمٰن کے معنے میں رحمت کی زیادتی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے حروف زیادہ ہیں۔ اور زیادتی دو قسم کی ہوتی ہے۔ کمیت میں اور کیفیت میں اسی بنا پر اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ رحمانیت کا اثر دنیا و آخرت ہر دو جہان میں ہے۔ اور وہ مومن و کافر، مطیع و عاصی ہر ایک پر ہے اور رحیمیت کا اثر ایمان و اطاعت سے وابستہ ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ فرمایا وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا (پ۲۲ احزاب)
پس رحمانیت کی نعمتیں کمیت میں بھی اور کیفیت میں بھی زیادہ اہم ہیں۔ اسی لیے صفت الرحمٰن ذات باری کے لیے بمنزلہ علم کے مانا گیا ہے اور اس کا اطلاق سوائے ذات برحق کے کسی دیگر میں نہیں ہے لیکن رحیم کا اطلاق انسان کے لیے بھی وارد ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی نسبت فرمایا:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔ (توبہ پ۱۱)

"(عربی لوگو!) تمہارے پاس تمہاری ذات کا رسول آچکا ہے جو امر تم کو تکلیف دہ ہیں وہ اس پر بھاری ہیں۔ وہ تمہاری بہتری کا نہایت ہی خواہشمند ہے (اور) مومنوں پر نہایت ہی مہربان (واقع ہوا) ہے۔"

اور آنحضرت صلعم کی مقدس جماعت صحابہ رضی کی نسبت فرمایا
رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ (پ۲۶ الفتح) یعنے وہ آپس میں رحم دل ہیں۔

تنبیہہ رحمٰن و رحیم میں بنا بر وحدت اشتقاق ایک جہت و مشترک بھی ہے۔ جس کے رو سے اسم رحیم کا استعمال ان نعمتوں کے متعلق بھی وارد ہوا ہے۔ جن میں مبدء فیاض نے مومن و کافر میں فرق نہیں رکھا۔ چنانچہ سورہ نحل (پ۱۴) کے پہلے رکوع میں جو انعامات ذکر کیے ہیں وہ سب پر عام ہیں۔ اور ان کے بعد فرمایا اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (پ۱۴ النحل) اسی طرح سورۂ حج (پ۱۷) میں بھی عام انعامات کا ذکر کر کے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (حج پ۱۷) اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل (پ۱۵) میں بھی عام نعمت کے ذکر کے بعد فرمایا۔ اِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا (بنی اسرائیل پ۱۵)

۵۔ وجہ تقدیم الرحمٰن رحمٰن کو رحیم پر دیگر آیات کے فواصل کی موافقت کے لحاظ سے مقدم کیا۔ نیز اس لیے کہ رحمٰن ذات کے لیے بمنزلہ علم ہو گیا ہے کہ کسی اور پر اس کا بولنا جائز نہیں، اور اسم اللہ بھی ایسا ہی ہے۔ اس لیے ان دونوں کا متصل ہونا مناسب تھا۔

۶۔ تتمہ اسم رحمٰن کفار مکہ ذات برحق کے لیے اسم رحمٰن کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور بیان کی

Marfat.com

سخت غلطی تھی، کیونکہ رحمٰن کے معنے ہیں وسیع الرحمۃ چنانچہ اساس البلاغۃ میں ہے :۔
ھو الرحمٰن الرحیم الواسع الرحمۃ اور اس نام کا مصداق سوائے ذات باری تعالیٰ کے اور کون ہو سکتا ہے ۔ اور اس صفت سے اور کون موصوف ہو سکتا ہے ؟ چنانچہ فرمایا :۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝ (پ ۱۹ فرقان)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو۔ تو کہتے ہیں (یہ!) رحمٰن کیا ہے ؟ کیا ہم اُسے سجدہ کریں جس کا تو حکم کرتا ہے ؟ اور ان کو اس سے اور نفرت بڑھتی ہے ۔

لسان العرب میں امام زجاج نحوی کا قول نقل کیا ہے ۔ کہ

قال الزجاج الرحمٰن اسم من اسماء اللہ عزوجل مذکور فی الکتب الاول ولم یکونوا یعرفونہ من اسماء اللہ (جلد ۱۵ صـ ۱۲۲) ۔

رحمٰن خدا کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو پہلی کتابوں میں بھی مذکور ہے ۔ اور (عرب کے) لوگ اسے خدا کے ناموں میں سے نہیں جانتے تھے ۔

کفر و جہالت بھی بری بلا ہے کہ ادھر تو خالق و مالک ، رازق و رب العالمین خداوند تعالیٰ کو رحمٰن کر کے نہیں پکارتے تھے اور ادھر دنیا جہان کے جھوٹے مکار اور عیاش مسیلمہ کذاب کو رحمٰن یمامہ کہتے تھے ۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے :۔

وکان مسیلمۃ الکذاب یقال لہ رحمان الیمامۃ (جلد ۱۵ صـ ۱۲۲)

۷ ۔ نکتہ :۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ان تینوں ناموں کے اختیار کرنے کی یہ وجہ ہے ۔ کہ سب کام تین امور پر موقوف ہیں ۔

اوّل اسباب ضروریہ کا جمع کرنا سو یہ بات اسم اللہ سے حاصل ہے ، جو ذات باری کا ذاتی نام ہے اور جمیع صفاتِ کمال پر دلالت کرتا ہے ۔

دوم ۔ اُن اسباب کا ابتدا سے انتہا تک باقی رکھنا سو یہ اسم رحمٰن سے ہے کہ سارے عالم کا بقاء اُسی سے وابستہ ہے ۔

سوم ۔ ان اسباب کو باثمر و نتائج ثابت کرنا سو یہ اسم رحیم سے ہے ، کیونکہ شانِ رحیمی یہ ہے کہ اپنے عاجز بندوں کی سعی کو رائگاں نہ گنوائے ۔ (مستفاد از تفسیر عزیزی)

حاصل مطلب پوری بسم اللہ شریف سے یہ ہوا کہ اللہ کے نام سے شروع جو جامع جلال و جمال ، اور مستجمع جمیع صفاتِ کمال ، مقامِ الوہیت میں متفرد ، وجودِ عالم کی علتِ حقیقی ، نہایت ہی وسیع الرحمۃ

بقائے عالم کا موجب اصلی، بغیر غرض کے احسان کرنے والا۔ اور اپنے عاجز بندوں پر نہایت شفقت والا ہے۔

مسائل و سننِ نبویہ متعلق بسم اللہ

بسم اللہ کے فضائل میں بعض مفسرین رح نے بہت سی ایسی روایات بھی لکھی ہیں جن میں سے اکثر موضوع و بے اصل ہیں اور بعض ضعیف ہیں اور صحیح تو بہت کم ہیں۔ ہم اس مقام پر محض صحاح و حسان پر اکتفا کریں گے۔

کنوز الحقائق میں امام بیہقی رح سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

کل امر ذی بال لم یبدء ببسم اللہ الرحمن الرحیم فھو اقطع (کنوز الحقائق مطبوعہ مصر)	کوئی اہم کام جو بغیر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے شروع کیا جائے۔ وہ بے برکت ہوتا ہے۔

اگرچہ اس حدیث کی اسناد میں محدثین کو کلام ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک میں پایا گیا ہے۔ کہ آپ عموماً جملہ امور کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کی رعایت رکھتے تھے پس روایت کی عارضی کسر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے پوری ہو سکتی ہے۔ جو دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ ہم نمبروار سب مواقع جو ثابت ہو چکے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

۱۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رض سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فلو ان احدکم اذا اتی اھلہ قال بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطان و جنب الشیطان ما رزقتنا فقضی بینھما ولد لم یضرہ۔ (صحیح بخاری کتاب الوضو، جلد اول)	کہ جب کوئی اپنی بیوی کے پاس جاوے اور کہے بسم اللہ یعنے اللہ (جل جلالہ) کے اسم (مبارک) سے۔ اے اللہ ہم (میاں بیوی) سے بھی شیطان کو دور رکھ اور اس سے بھی جو تو ہم کو عطا کرے۔ پس اگر خدا کے حکم سے کوئی بچہ ہوگا۔ تو شیطان اس کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔

نکتہ:۔ بہیمیت کے ایسے انہماک کے وقت اللہ تعالے کا اسم پاک یاد کرنا نہایت مناسب ہے گویا بہیمیت کو روحانیت کے سائے میں لینا ہے۔ تاکہ مولود (بچے) میں اُس کا اثر ہو۔ اس کی تاثیر خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں فرما دی ہے:۔

Marfat.com

لم یضرہ الشیطان ابدا۔ (بخاری کتاب الدعوات و مسلم) — "یعنی شیطان اس بچہ کو کبھی بھی ضرر نہیں پہنچا سکے گا"

اس سے روحانی برکات کا اضافہ ظاہر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالےٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی بشارت کے ساتھ یہ بھی فرما دیا تھا۔

وَاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِ۔ (آلِ عمران پ۳) — اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور تسبیح پڑھ (اس کی) صبح و شام۔

ہماری زبان میں نہایت ہی نیک اور شرافت کے پتلے کی نسبت کہتے ہیں۔ کہ وہ بسم اللہ کا تخم ہے۔ اس سے یہی مراد ہوتی ہے کہ اس کے ماں کے پیٹ میں پڑنے کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی تھی۔"

۲۔ وضو کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق امام ترمذی رح حضرت عمرؓ کے بہنوئی حضرت سعید بن زیدؓ سے روایت کرتے ہیں:۔

قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ وفی الباب عن عائشۃؓ وابی ھریرۃؓ وابی سعیدؓ الخدری وسہلؓ بن سعدؓ وانسؓ قال ابو عیسیٰ قال احمد لا اعلم فی ھذا الباب حدیثا لہ اسناد جید وقال اسحاق ان ترک التسمیۃ عامدا اعاد الوضوء وان کان ناسیہ او متاوّلا اجزاہ قال محمد بن اسمٰعیلؒ احسن شیٔ فی ھذا الباب حدیث رباح بن عبد الرحمٰن۔[1]

حضرت سعید بن زید کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس شخص کا وضو نہیں ہوا جس نے اس پر اللہ تعالےٰ کا اسم ذکر نہیں کیا اور اس بارے میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو سعید خدری اور سہل بن سعدؓ اور حضرت انسؓ سے بھی روایت ہے ابو عیسٰی (امام ترمذی) کہتا ہے کہ امام احمدؒ نے کہا کہ میرے علم میں اس بارے میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے۔ جس کی اسناد جید (عمدہ) ہو اور امام اسحاقؒ نے کہا ہے کہ اگر کسی نے عمداً بسم اللہ چھوڑ دی۔ تو وہ دوبارہ وضو کرے اور اگر نسیان سے یا تاویل سے (بسم اللہ کی بجائے الحمد للہ کہہ کر) چھوڑی ہے تو کافی ہوگا۔ امام بخاریؒ نے کہا کہ اس بارے میں سب سے بہتر حدیث رباح بن عبد الرحمان کی ہے۔ یعنے جو امام ترمذی نے روایت کی

---

[1] جامع ترمذی جلد اوّل ص۹۔ ۱۲ منہ۔

Marfat.com

اسی طرح حصن حصین میں ہے۔ وَإِذَا تَوَضَّأَ فَلْيُسَمِّ اللّٰه (د ت ق) یعنے جس وقت وضو کرنے لگے تو بسم اللہ پڑھے۔

امام شوکانی رح نے بعض دیگر اکابر محدثین کی تحقیقات کا خلاصہ یوں نقل کیا ہے:۔

والظاهر ان مجموع الاحاديث يحدث منها قوة تدل على ان له اصلا، قال ابوبكر بن ابی شيبة ثبت لنا ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قاله وقال ابن سيد الناس فی شرح الترمذی ولا يخلو هذا الباب من حسن صريح وصريح غير صحيح (نیل الاوطار ص۱۳۱ جلد اول)

حافظ ابن حجر رح نے کہا (اس بارے کی) تمام احادیث کی مجموعی قوت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس (حدیث) کا کچھ اصل ضرور ہے۔ ابوبکر بن ابی شیبہ رح (استاذ بخاری رح) نے کہا ہم پر ثابت ہو گیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ضرور کہی ہے۔

. . . .

اور ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں کہا ہے کہ یہ باب (بسم اللہ وضو کے ابتدا میں پڑھنے کا) خالی نہیں ہے۔ حسن صریح سے (یعنے جو صریح ہے وہ حسن ہے) اور صریح غیر صحیح سے۔ یعنے جو صحیح ہے اس میں صریح ذکر نہیں ہے۔

اور حافظ ابن القیم رح زاد المعاد میں فرماتے ہیں:۔

ولم يحفظ عنه انه كان يقول على وضوئه شيئا غير التسمية (ج ۱ ص۵۱)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپ وضو کے وقت بسم اللہ الخ کے سوا کچھ اور بھی پڑھا کرتے تھے۔

اسی وجہ سے امام شافعی رح الام میں فرماتے ہیں۔

واحب للرجل ان يسمى الله عزوجل فی ابتداء وضوئه فان سها سمّى متى ذكر وان كان قبل ان يكمل الوضوء وان ترك التسمية ناسيا او عامدا لم يفسد وضوءه ان شاء الله تعالىٰ۔ (الام جلد اول ص۲۷)

میں آدمی کے لیے اس امر کو مستحب جانتا ہوں کہ وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھے۔ پس اگر سہوا ترک کر دے تو جب اسے یاد آئے بسم اللہ پڑھ لے اگرچہ تکمیل وضو سے پیشتر ہو۔ اور اگر سہوا یا عمدا بسم اللہ ترک کی تو خدا کو منظور ہے تو اس کا وضو فاسد نہیں ہوگا۔

ہدایہ متن ہدایہ میں جو حنفی مذہب کی معتبر کتاب ہے "سنن الطہارۃ" کے ضمن میں کہا ہے:۔

Marfat.com

وتسمیۃ اللہ تعالیٰ فی ابتداء الوضوء یعنے منجملہ وضو کی سنتوں کے وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھی ہے اور ہدایہ میں اس کی شرح میں کہا ہے۔ والاصح انہا مستحبۃ وان سماہا فی الکتاب سنۃ یعنی زیادہ صحیح یہی ہے۔ کہ (وضو کے شروع میں) بسم اللہ پڑھنی مستحب ہے اگرچہ کتاب میں (امام قدوری نے) اسے سُنّت کہا ہے۔

ہماری غرض اس تفصیل سے یہ ہے کہ ائمہ حدیث و فقہ نے بالاتفاق وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنے کو تسلیم کیا ہے۔ کسی نے فرض کہا ہے کسی نے سنّت اور کسی نے مستحب لیکن انکار کسی نے نہیں کیا۔

نکتہ:- وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق جس قدر احادیث مروی ہیں۔ چونکہ ان میں سے کوئی بھی امام بخاری رح کی اس شرط کے مطابق جس کا التزام اُنھوں نے اپنی جامع الصحیح میں کیا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے اُنھوں نے اپنی صحیح میں وضو کے وقت بسم اللہ پڑھنے کے متعلق اس طرح باب باندھا ہے:-

باب التسمیۃ علی کل حال وعند الوقاع یعنی ہر حال میں خصوصاً (اپنی بیوی سے) جماع کرنے کے وقت بھی بسم اللہ پڑھنے کے بیان میں" پھر اس کے نیچے وہ حدیث ذکر کی ہے۔ جو جماع کے وقت بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں ہم نے نمبر اوّل میں درج کی ہے۔

اس باب کی سرخی اور حدیث مندرجہ میں چند باتیں قابلِ لحاظ ہیں۔

اوّل یہ کہ کتاب الوضو میں ایسا باب لائے ہیں۔ جس میں وضو وغیرہ امورِ متعلقہ کا مطلقاً ذکر نہیں اور اسے بظاہر وضو سے کوئی تعلق بھی نہیں۔

دوم یہ کہ پھر اس باب کے ذیل میں جو حدیث ذکر کی ہے اُسے باب کی صرف دوسری جزو سے تعلق ہے لیکن اس دوسری جزو کو کتاب الوضو سے بظاہر کوئی بھی تعلق نہیں۔

سوم یہ کہ حدیث مذکور میں باب کی پہلی جزو کے متعلق مطلقاً کوئی ذکر نہیں۔

پہلی بات کا جواب یہ ہے۔ کہ جب باب کے الفاظ میں علٰی کُلِّ حَالٍ ہے۔ تو وضو بھی اس کل میں داخل ہے۔ اور علٰی کُلِّ حَالٍ امام ممدوح نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عادات پر نظر کرنے سے لیا ہے۔ کہ آپ عام حالات میں بسم اللہ پڑھا کرتے تھے۔ اور وضو بھی ایک مہتم بالشان شرعی امر ہے۔ تو ہو نہیں سکتا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت بسم اللہ نہ پڑھتے ہوں۔ گو وہ روایات جو اس بارے میں بالخصوص وارد ہیں۔ اس درجہ کی صحیح نہیں ہیں۔ جو ان کی صحیح میں مندرج

Marfat.com

ہیں۔ لیکن سب کی سب اس درجہ کی بھی نہیں ہیں کہ قطعًا ناقابلِ اعتبار ہوں۔ چنانچہ امام بخاریؒ کی یہ بات امام ترمذی کی عبارت سے ظاہر ہے۔ جو ان کے بلاواسطہ شاگرد خاص ہیں کہ امام بخاری رح کہتے ہیں۔

احسن شئ فی ھذا الباب حدیث رباح بن عبد الرحمٰن یعنی اس بارے میں جس قدر روایات مروی ہیں، ان سب میں سے نسبتًہ سب سے بہتر وہ حدیث ہے جس کا راوی رباح بن عبد الرحمٰن ہے، جو ہم نے صفحہ ۸۵ پر بروایت امام ترمذیؒ نقل کر دی ہے۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ جماع کو کتاب الوضو سے بظاہر مناسبت نہیں، لیکن مصنّف کے طریقِ استدلال کے رُو سے بہت لطیف مناسبت ہے، وہ یہ کہ جماع نہایت درجہ کی بہیمیت کا کام ہے پس جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کی تعلیم سے ایسے کام کو روحانیت میں رنگ دیا، تو وضو تو پہلے ہی روحانی امر ہے۔ اس میں سے کیسے فراموش کر سکتے تھے۔ پس وضو کے وقت بطریقِ اَولیٰ بسم اللہ پڑھنی چاہیئے۔

تیسری بات کا جواب پہلی بات کے جواب کے ضمن میں آگیا ہے۔ جہاں علی کل حال کا ماخذ بتایا گیا ہے۔ وللہ در الامام الھمام البخاریؒ ما ادق اجتھادہ وما الطف فکرہ۔

۳۔ جائے ضرورت میں جانے کے وقت کی نسبت حضرت علی رضہ سے رفعًا مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ستر ما بین الجن وعورات بنی ادم اذا دخل الکنیف ان یقول بسم اللہ۔

(ابن ماجہ کتاب الطہارۃ صـــ۲۶)

جنوں سے بنی آدم کی شرمگاہوں کا پردہ یہ ہے کہ جس وقت بیت الخلاء میں داخل ہو، کہے، بسم اللہ۔

(۲)۔ نیز حصن حصین میں ہے:۔

(۲) واذا قام لتھجد فان دخل الخلاء فلیقل بسم اللہ (مص ی) (حصن حصین صــ۶۲)

جب کوئی تہجد کی نماز کے لیے اٹھے تو اگر بیت الخلاء میں جا رہے تو چاہیئے کہ کہے بسم اللہ۔

۴۔ کھانے پینے کے وقت بسم اللہ پڑھنے کی احادیث کثرت سے ہیں ہم ان میں سے بعض نقل کرتے ہیں۔

عن عمر بن ابی سلمۃ قال کنت غلاما فی حجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت یدی تطیش فی الصحفۃ فقال لی رسول اللہ

عمر بن ابی سلمہ رضہ کہتے ہیں۔ کہ میں چھوٹا لڑکا تھا اور رسول اللہ صلعم کی پرورش میں تھا۔ کھانے کے وقت میرا ہاتھ رکابی میں بے تحاشا پڑتا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلعم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کل بسم اللہ وکل بیمینک وکل مما یلیک۔ (مشکوٰۃ)

نے مجھے فرمایا: بسم اللہ پڑھا کر اور اپنے دائیں ہاتھ سے اور اپنے آگے سے کھایا کر۔

وعن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تشربوا واحدا کشرب البعیر ولکن اشربوا مثنیٰ وثلاث وسموا اذا انتم شربتم واحمدوا اذا انتم فعلتم (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اونٹ کی طرح ایک ہی دم میں نہ پیا کرو۔ بلکہ دو دو یا تین تین سانسوں میں پیا کرو۔ اور جب پینے لگو تو خدا کا نام لیکر یعنے بسم اللہ پڑھا کرو۔ اور جب (پی کر منہ) ہٹالو تو خدا کی حمد کیا کرو یعنی الحمد للہ پڑھا کرو۔

وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اکل احدکم فنسی ان یذکر اللہ علی طعامہ فلیقل بسم اللہ اولہ واٰخرہ رواہ الترمذی وابوداؤد (مشکوٰۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی کھانے لگے اور خدا کا نام لینا کرنا بھول جائے تو چاہیے کہ بعد ازاں یوں کہے: بسم اللہ اولہ واٰخرہ - یعنے میں نے اوّل میں بھی اور آخر میں بھی خدا کے نام سے کھایا۔

۵۔ سونے کے وقت بسم اللہ پڑھنے کی احادیث بھی بہت ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) عن حذیفۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اخذ مضجعہ من اللیل وضع یدہ تحت خدہ ثم یقول اللھم باسمک اموت واحییٰ۔ (الحدیث رواہ البخاری) (مشکوٰۃ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت اپنے بستر پر لیٹتے تو اپنا (دایاں) ہاتھ اپنے رخسارے کے نیچے رکھتے پھر کہتے اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى۔ یعنی خداوندا! میں تیرے ہی نام سے مرتا ہوں۔ اور (تیرے ہی نام سے) جیؤں گا۔

اس بارے میں ایک اور دعا بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کردہ ہے۔ اور بحمدہٖ تعالےٰ اس پر فقیر کا دائمی عمل ہے اور وہ یہ ہے:

(۲) باسمک ربی وضعت جنبی وبک ارفعہ ان امسکت نفسی فارحمھا وان ارسلتھا فاحفظھا بما تحفظ بہ عبادک الصالحین

اے میرے مالک و پروردگار تیرے ہی نام سے میں نے اپنا پہلو رکھا اور تیرے ہی نام سے اُسے (صبح) اٹھاؤں گا اگر تو میری جان (نیند میں) قبض کر لے۔ تو اس پر رحمت کرنا اور اگر صبح کو واپس بھیجے تو اس کی اُن

Marfat.com

(متفق علیہ) اسباب سے حفاظت کرنا۔ جن سے تو اپنے صالحین

(مشکوٰۃ) بندوں کی حفاظت کیا کرتا ہے"۔

۶۔ سواری کے وقت جب آپ اپنا قدم مبارک رکاب میں رکھتے تو کہتے بسم اللہ اور جب برابر بیٹھ جاتے تو کہتے الحمد للہ۔ (مشکوٰۃ ص۲۶ بروایت احمد و ترمذی و ابی داؤد عن علی رض)

۷۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رض فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم جب گھر سے باہر نکلتے تو کہتے بسم اللہ توکلت علی اللہ یعنے میں خدا کے نام سے گھر سے باہر جاتا ہوں۔ اور میرا بھروسا صرف خدا ہی پر ہے۔ (مشکوٰۃ ص۲۰۷)

۸۔ بازار میں (کچھ خریدنے کے لیے) جاتے تو کہتے بسم اللہ، اللھم انی اسئلک خیر ھذہ السوق وخیر ما فیھا۔ الحدیث (مشکوٰۃ) یعنے خدا کے نام سے بازار میں آیا ہوں بار خدا میں تجھ سے اس بازار کی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں۔

ان تفصیلات سے صاف واضح ہو گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت تھی کہ ہر ہر کام کو اللہ تعالےٰ کے اسم پاک سے شروع کرتے تھے۔ کیونکہ انسان حرکتِ نفس اور عزم قوی سے کام کے شروع کرنے، اور اختتام تک اس پر قائم رہنے اور جملہ اسباب کے حاصل کرنے اور انجام کار مراد کے مطابق کامیاب ہونے میں اللہ تعالےٰ کی مدد و توفیق کا ہر دم محتاج ہے۔

یہ ہے مقامِ عبودیت اور شانِ الوہیت کی معرفت۔ جو آنحضرت صلعم کے جملہ حالات میں نمایاں ہے۔ لیکن ظاہر بین، بے دین اور اسباب پرست دنیادار اس سے ناواقف و بے خبر ہیں۔ اللھم صل علی محمد اشرف الخلائق بک۔

سورتِ توبہ کے سوا سب سورتیں بسم اللہ سے شروع ہوتی ہیں

ہمارے نزدیک اس کی سب سے زبردست دلیل وہ ہے جو قاضی بیضاوی رح نے بضمن دیگر دلائل بیان کی ہے۔

والاجماع ان ما بین دفتین کلام اللہ سبحانہ وتعالی والوفاق علی اثباتھا فی المصاحف مع المبالغۃ فی تجرید القرآن حتی لم تکتب

کہ اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ دو مقووں کے درمیان جو کچھ بھی مکتوب ہے وہ سب اللہ سبحانہ و تعالےٰ کا کلام ہے نیز اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بسم اللہ جملہ مصاحف میں برابر مکتوب چلی آئی ہے حالانکہ

Marfat.com

آمین۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بعض الفاظِ قرآن کے لکھتے ہیں یہاں تک مبالغہ کیا جاتا تھا۔ کہ آمین بھی نہ لکھی گئی۔

(بیضاوی مصری ص۹)

اسی طرح امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں :۔

واعتمد اصحابنا ومن قال بانها اٰية من الفاتحة انها كتبت فى المصحف بخط المصحف وكان هذا باتفاق الصحابة رض واجماعهم على ان لايثبتوا فيه بخط القراٰن غير القراٰن واجمع بعدهم المسلمون كل الاعصار الى يومنا واجمعوا انها ليست فى اول براءة وانها لا تكتب فيها وهذا يؤكد ما قلناه۔

(جلد ۱ ص۱۷۲)

اور ہمارے اصحاب نے اور اس نے جس کا یہ قول ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کی جزو ہے۔ اس پر اعتماد کیا کہ وہ نسخۂ قرآن میں باقی قرآن کے خط میں لکھی گئی۔ اور یہ بات صحابہؓ کے اتفاق سے تھی۔ اور ان کا اسباب پر اجماع تھا، کہ مصحف میں قرآن کے خط میں سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھیں اور ان کے بعد تمام زمانوں میں اس وقت تک تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کہ بسم اللہ سورت برأت (توبہ) میں نہیں ہے نیز یہ کہ وہ اس میں نہ لکھی جائے۔ پس یہ دلیل ہماری اس بات کو پختہ کرتی ہے۔ جو ہم نے کہی (کہ بسم اللہ فاتحہ کی جزو ہے)

اس کی توضیح یوں ہے کہ اس میں کسی کو کلام نہیں کہ آنحضرت صلعم نے اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں تمام قرآن مجید لکھوا دیا تھا۔ لیکن وہ مختلف اشیاء پر مکتوب تھا ایک جگہ جلد نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرتؓ ابوبکرؓ کے عہد میں انہی اجزا سے ایک جگہ کاغذ پر نقل کیا گیا۔ پھر عہدِ عثمانیؓ میں اسی کی نقلیں کروا کر ممالکِ اسلامیہ میں اس کی اشاعت کی گئی۔ دنیا جہان کی روایتوں کی پڑتال سے ایک روایت بھی نہیں ملے گی۔ کہ ان تین زمانوں میں سے کوئی ایسا بھی زمانہ تھا۔ جس میں سورتوں کے ابتدا میں سورتِ توبہ کی طرح بسم اللہ مکتوب نہیں تھی۔ یا یہ کہ آنحضرت صلعم کے بعد فلاں زمانہ میں اس کا رواج شروع ہوا تھا اور ان تینوں زمانوں میں قرآن مجید کو مجرّد و خالص رکھنے کے لیے یہاں تک التزام کیا گیا تھا۔ کہ ابتداء میں نہ سورتوں کے نام لکھے گئے، اور نہ فاتحہ کے خاتمے پر آمین ہی لکھی گئی۔ حالانکہ آمین وہ کلمہ ہے۔ جسے آنحضرت صلعم اونچی قرادت کے وقت فاتحہ کے خاتمے پر باوازِ بلند پکارا کرتے تھے۔ اور آپ کے ساتھ صدہا نفوسِ قدسیہ بھی اسی طرح باوازِ بلند آمین پکارتے تھے (ترمذی و بخاری) اس اہتمام و حفاظت سے صاف ثابت ہے۔ کہ یہ ہر سورت کی ابتدائی آیت ہے۔ بجز سورت توبہ کے کہ آنحضرت صلعم نے اس میں نہیں لکھوائی۔ تو صحابہ رضؓ نے بھی نہیں لکھی، یعنے نہ اصل میں آنحضرت صلعم نے لکھوائی اور نہ اس کی

Marfat.com

نقل کے وقت صحابہ نے اُسے وہاں لکھا۔

الغرض اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ جو قرآن ہم سینوں میں محفوظ کھتے ہیں، وہی ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھوا گئے تھے۔ اور جو آپ کے اور دیگر حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھا۔ اور زبانوں سے پڑھا جاتا تھا۔ آنحضرت صلعم کے وقت سے اس وقت تک جتنے نسخے لکھے گئے، سب میں ہر سورت کے شروع میں بجز سورتِ توبہ کے بسم اللہ شریف مکتوب تھی اور ہے پس بجز سورتِ توبہ کے یہ ہر سورت کی پہلی آیت ہے جیسا کہ امام شافعی رح کا مذہب ہے۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یعرف فصل السورۃ حتی تنزل علیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ (سنن ابی داؤد باب من جهر ببسم اللہ الرحمن الرحیم)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سورت سے دوسری سورت کی علیحدگی کو نہ پہچانتے تھے۔ حتےٰ کہ آپ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم اُترتی۔"

نیز یہ کہ صحیح مسلم میں سورۂ کوثر کے نزول کی نسبت حضرت انس رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

(۲) انزلت علی انفا سورۃ فقرا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ)

مجھ پر ابھی ابھی ایک سورت اتری ہے پھر آپ نے سورت کو پڑھی یعنے شروع اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے (اے پیغمبر!) ہم نے تجھے (حوض) کوثر عطا کیا ہے پس تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھا کر، اور قربانی دیا کر بیشک تیرا دشمن ہی ہر طرح کی بھلائی سے محروم و بدنصیب رہے گا۔

ان روایتوں میں صریحاً سورت کے ساتھ بسم اللہ شریف کا نزول بھی مذکور ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلعم کے عمل سے بھی اس کا ثبوت ہوسکتا ہے۔ کہ بسم اللہ پہلی آیت ہے سورت الحمد وغیرہا کی۔

چنانچہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم سورتِ فاتحہ اونچی آواز سے پڑھنے کے وقت بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ مثلاً

عن قتادۃ قال سئل انس رض کیف

حضرت قتادہ تابعی کہتے ہیں۔ کہ حضرت انس رض صحابی

Marfat.com

كانت قراءة النبي صلى الله عليه وسلم فقال كانت مدا ثم قرأ بسم الله الرحمن الرحيم يمد بسم الله ويمد بالرحمن ويمد بالرحيم۔

(رواه البخاری)

سے پوچھا گیا کہ نبی کریم صلعم کی قراءت کس طرح ہوتی تھی تو انہوں نے کہا کہ کھینچ کر (مد سے) ہوتی تھی۔ پھر انہوں نے پڑھا بسم اللہ الرحمن الرحیم اسطرح کہ بسم اللہ کو الرحمن کو اور الرحیم کو کھینچکر کھینچکر (مد سے) پڑھا۔

(٢) روى ابن جريج عن عبد الله ابن ابي مليكة عن ام سلمة رض انها سئلت عن قراءة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت كان يقطع قراءته اية اية بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ (رواه احمد، ابوداؤد، ترمذی)

عبد اللہ بن ابی ملیکہ تابعی کہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رض سے آنحضرت صلعم کی قراءت کی بابت دریافت ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ہر آیت کو الگ الگ کر کے پڑھتے تھے۔ (پھر پڑھ کر سنایا) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

ان کے علاوہ دیگر روایات بھی ہیں۔ جو حافظ دارقطنی رح نے اپنی سنن میں بیان کی ہیں۔ مصنف علام نے ان میں سے بعض کی اسناد کی تصحیح اور ان کے راویوں کی توثیق کی ہے، جن سے اصل مسئلہ بخوبی ثابت ہو سکتا ہے کہ بسم اللہ شریف کا جہری نماز میں باآواز بلند پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ سنن نسائی میں ہے:۔

(٣) عن نعيم المجمر قال صليت وراء ابي هريرة رض فقرأ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثم قرء بام القران حتى اذا بلغ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فقال امين فقال الناس امين ويقول كلما سجد الله اكبر واذا قام من جلوس الاثنتين قال الله اكبر واذا سلم قال والذي نفسي بيده اني لاشبهكم صلوة برسول الله صلى الله عليه وسلم (نسائی ص ۱۵۱)

یعنی نعیم مجمر رض کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رض کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھی پھر (باقی) سورت فاتحہ پڑھی حتےٰ کہ جب آپ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھ چکے تو کہا آمین اور (مقتدی) لوگوں نے بھی کہا آمین اور جب سجدہ میں جاتے کہتے اللہ اکبر اور جب دو رکعتوں کے بعد جلسۂ تشہد سے اٹھتے تو بھی کہا اللہ اکبر اور جب سلام پھیرا تو کہا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم سب سے میری نماز رسول اللہ صلعم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہے۔

Marfat.com

اس حدیث کو امام دار قطنی رح نے مو باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلوۃ والجھر بہا ، میں اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور پھر کہا ہے۔ ھذا صحیح ورواتہ کلہ ثقات (دار قطنی ص۱۱۵)۔

یعنے یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے راوی سب کے سب ثقہ (اور معتبر) ہیں "

اسی طرح سنن دار قطنی میں حضرت انس رض سے بھی مروی ہے۔

عن انس بن مالک قال صلی معاویۃ بالمدینۃ صلوۃ فجھر فیھا بالقراءۃ فلم یقرء بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لام القران ولم یقرءھا للسورۃ التی بعدھا ولم یکبر حین یھوی حتی قضی تلک الصلوۃ فلما اسلم ناداہ من سمع ذالک من المھاجرین والانصار من کل مکان یا معاویۃ اسرقت الصلوۃ ام نسیت قال فلم یصل بعد ذالک الا قرء بسم اللہ الرحمن الرحیم لام القران وللسورۃ التی بعدھا وکبر حین یھوی ساجدا کلھم ثقات۔

(دار قطنی ص۱۱۷)

حضرت انس رض کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رض نے مدینہ طیبہ میں ایک جہری نماز پڑھائی۔ اور اس میں سورت فاتحہ والی بسم اللہ اور اس کے بعد کی سورت کی بسم اللہ (اونچی) نہ پڑھی، اور سجدہ میں جاتے وقت تکبیر بھی نہ کہی تھی کہ نماز ختم کر کے جب سلام پھیرا تو مہاجرین رض والانصار رض میں سے ہر طرف سے جس جس نے یہ امر سنا اس نے آواز دی کہ اے معاویہ رض! تم نے نماز میں (جان بوجھ کر) چوری کی یا تم بھول گئے اور آپ حضرت انس رض کہتے ہیں، کہ اس کے بعد امیر معاویہ رض نے جو نماز پڑھائی، اس میں سورت فاتحہ اور نیز اس کے بعد کی سورت کی بسم اللہ برابر (اونچی آواز میں) پڑھتے رہے، اور سجدے میں جاتے وقت اللہ اکبر بھی کہتے رہے۔ (امام دار قطنی رح کہتے ہیں کہ اس کے راوی سب ثقہ (معتبر و پختہ) ہیں "

حضرت معاویہ رض امیر المومنین اور خلیفۂ وقت تھے۔ امیر کی فروگذاشت پر ایسی جراٴت سے سب مہاجرین و انصار جو نماز میں حاضر تھے، بالاتفاق معترض نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ ان کے پاس بسم اللہ کے اونچی پڑھنے کی قوی دلیل اور خاص کر آنحضرت صلعم کی عملی سنت نہ ہو۔ پھر یہ کہ حضرت معاویہ رض نے ان کی بات تسلیم بھی کر لی اور آیندہ کے لیے بسم اللہ اونچی پڑھنی شروع کر دی۔

امام شوکانی رح نے نیل الاوطار میں ذکر کیا۔ کہ اس حدیث کو امام شافعی رح نے بھی اپنی اسناد سے اور امام حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے صحیح علی شرط مسلم یعنے یہ روایت

Marfat.com

امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

ناظرین کی سہولت کے لیے ہم ذیل کے نقشہ میں ان صحابہ رض اور تابعین اور ان کے بعد کے بزرگانِ دین کے اسماء ذکر کرتے ہیں جو بسم اللہ شریف کے اونچی پڑھنے کے قائل ہیں:۔

صحابہ رض

١ حضرت ابوبکر رض	٢ حضرت عثمان رض	٣ عبداللہ بن عمر رض	٤ عبداللہ بن عباس رض	٥ عبداللہ بن زبیر رض	٦ حضرت علی رض	٧ سمرہ بن جندب رض
٨ بریدہ بن حصیب رض	٩ ابوہریرہ رض	١٠ ابی بن کعب رض	١١ ابوقتادہ رض	١٢ ابوسعید رض	١٣ انس بن مالک رض	١٤ عبداللہ بن ابی اوفیٰ رض
١٥ عمار بن یاسر رض	١٦ جابر رض	١٧ شداد بن اوس رض	١٨ عبداللہ بن جعفر رض	١٩ حسین بن علی رض	٢٠ معاویہ رض	٢١ ام المومنین ام سلمہ رض
٢٢ نعمان بن بشیر رض	٢٣ حکم بن عمیر رض	٢٤ حضرت طلحہ رض	٢٥ مجالد بن ثور رض	٢٦ بشیر بن معاویہ رض	٢٧ حسین بن عرفطہ رض	٢٨ ابوموسیٰ اشعری رض

تابعین اور ان کے بعد کے بزرگ

ان کی بابت امام شوکانی رح امام خطیب رح سے نقل کرتے ہیں:۔ کہ

اما التابعون ومن بعدھم ممن قال بالجھر بھا فھم اکثر من ان یذکروا واوسع ان یحصروا۔ (نیل جلد ٢ صفحہ ٩١)

تابعین اور ان کے بعد کے بزرگ جو بسم اللہ اونچی پڑھنے کے قائل ہیں، ان کی تعداد ذکر سے زیادہ ہے اور حصر سے باہر ہے۔

اس کے بعد تابعین کے اسماء کی حسب ذیل فہرست دی ہے:۔

١ سعید بن مسیب رح	٢ طاؤس رح	٣ عطا رح	٤ مجاہد رح	٥ ابو وائل رح	٦ سعید بن جبیر رح	٧ محمد بن سیرین رح
٨ عکرمہ رح	٩ امام زین العابدین رح	١٠ امام باقر رح	١١ سالم بن عبداللہ بن عمر رض	١٢ محمد بن منکدر رح	١٣ ابوبکر بن حزم رح	١٤ محمد بن کعب قرظی رح
١٥ نافع مولیٰ ابن عمر رض	١٦ ابوالشعثاء رح	١٧ عمر بن عبدالعزیز رح	١٨ مکحول رح	١٩ حبیب بن ابی ثابت رح	٢٠ امام زہری رح	٢١ ابوقلابہ رح
٢٢ علی بن عبداللہ بن عباس رض	٢٣ ابن علی بن عبداللہ	٢٤ ارزق بن قیس رح	٢٥ عبداللہ بن معقل بن مقرن رح	٢٦ عبداللہ بن صفوان رح	٢٧ محمد بن حنفیہ رح	٢٨ سلیمان تیمی رح

Marfat.com

تبع تابعین وغیرہم

عبداللہ العمری رح	حسن بن زید رح	زید بن علی زین العابدین رح	محمد بن عمر بن علی رح	ابن ابی ذئب رح	لیث بن سعد رح	محمد بن حنفیہ رح	معتمر بن سلیمان رح

اس کے بعد امام شوکانی رح نے امام بیہقی رح کے حوالے سے لکھا ہے:۔

اجتمع آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الجھر بیسم اللہ الرحمن الرحیم (ص۹۱)

ائمہ اہل بیت کا بسم اللہ اونچی پڑھنے پر اجماع ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رح اور مسئلہ بسم اللہ

باقی رہا حضرت امام ابو حنیفہ رح کا مذہب سو اُسے ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ہدایہ باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے: ویقرء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھکذا[1] نقل فی المشاھیر[2] اس کے تھوڑا آگے کہا ہے۔

[1] مولانا عبدالحی مرحوم لکھنوی ھکذا نقل پر حاشیہ ۲۴ میں فرماتے ہیں۔

قلت فیہ احادیث منھا حدیث نعیم المجمر قال صلیت خلف ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ فقرء بسم اللہ الرحمن الرحیم ثم قرء بام القرآن فلما سلم قال والذی نفسی بیدہ انی لاشبھکم صلوٰۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲۔

فتح القدیر شرح ہدایہ میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے۔

قال ابن خزیمۃ لا ارتیاب فی صحتہ عند اھل المعرفۃ۔

یعنی ابن خزیمہ رح نے کہا ہے کہ حدیث کی پہچان والوں کے نزدیک اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہیں ۱۲ منہ

[2] مولانا عبدالحی صاحب نے فی المشاھیر پر حاشیہ نمبر ۲۵ میں کہا ہے۔

ورواہ ابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحھما والحاکم فی المستدرک وقال صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ۔ (۱۲ منہ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رح اور امام ابن حبان رح نے بھی اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور امام حاکم رح نے مستدرک میں روایت کرکے کہا ہے کہ یہ (حدیث) امام بخاری رح اور مسلم رح کی شرط پر صحیح ہے گو ان دونوں نے اسے اپنی اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا۔

Marfat.com

ثم عن ابی حنیفة رح انه لا یاتی بها فی اول کل رکعة کالتعوذ وعنه انه یاتی بها احتیاطا وهو قولهما ولا یاتی بها بین سورتین والفاتحة الا عند محمد رح فانه یاتی بها فی صلوٰة المخافتة ۔

(جلد اول یوسفی ص۹۷)

پھر یہ کہ امام ابوحنیفہ رح سے مروی ہے کہ اسے (بسم اللہ کو) ہر رکعت کے اوّل میں نہ پڑھے جس طرح کہ اعوذ نہیں پڑھی جاتی اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ احتیاطاً بسم اللہ پڑھ لیا کرے اور یہی مذہب ہے صاحبین رح کا اور سورت فاتحہ اور دیگر سورت کے درمیان بسم اللہ نہ پڑھے مگر امام محمد رح کے نزدیک مخفیہ نمازمیں یہ بھی جائز ہے ۔

۱؎ حضرت مولانا ممدوح لا یاتی بها پر بین السطور میں لکھتے ہیں ۔ هو روایة الحسن عنه یعنے یہ بات امام ابوحنیفہ رح سے آپ کے شاگرد حسن بن زیاد لولوی نے روایت کی ہے، اور حسن بن زیاد کی نسبت دربارۂ روایت حدیث محدثین کی شہادت اچھی نہیں ۔ حافظ ذہبی رح نے میزان میں کذاب، متروک، لا یحتج به وغیرہ الفاظ نقل کئے ہیں اور مولانا عبدالحی رح نے فوائد بہیہ میں حسن بن زیاد کے ترجمہ میں امام سمعانی رح سے نقل کیا، لیس بشیء فی الحدیث یعنے حدیث میں بالکل لاشئ ہے، کسی کام کا نہیں ۔

۲؎ یاتی بها پر فتح القدیر میں کہا ہے :۔

وهی روایة ابی یوسف انه یاتی بها وهو قولهما یعنے امام ابوحنیفہ رح سے اس بات کی روایت کہ بسم اللہ فاتحہ کے شروع میں پڑھنی چاہیئے امام ابویوسف رح کی روایت ہے اور یہی صاحبین رح کا قول ہے ۔ اور امام ابویوسف رح جیسے کہ فقہاء کے نزدیک علم و حفظ میں پختہ ہیں ویسے ہی محدثین کے نزدیک بھی معتبر ہیں ۔ چنانچہ امام نسائی رح نے کتاب الضعفاء والمتروکین میں جہاں حسن بن زیاد لولو کو کذاب خبیث لکھا ہے وہاں امام ابویوسف کو ثقہ لکھا ہے ۔

۳؎ مولانا عبدالحی رح لفظ احتیاطاً پر حاشیہ میں لکھتے ہیں :۔

قوله احتیاطا ۔ لان العلماء اختلفوا فی التسمیة هل هی من الفاتحة فی کل رکعة فکان علیه قراءتها فی کل رکعة لیکون ابعد عن الاختلاف ۱۲ منه ۔

(ص۹۷)

احتیاطاً اس لیے کہا گیا ہے کہ علماء میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ شریف سورۂ فاتحہ کی جزو ہے یا نہیں ۔ جب نمازی پر ہر رکعت سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے تو اُسے بسم اللہ بھی ہر رکعت میں ضرور پڑھنی چاہیئے تاکہ اختلاف سے دُور دُور ہی رہے ۔

اسی طرح علامہ نسفی رح نے کنز میں سنن نماز میں بسم اللہ کے پڑھنے کو بھی شمار کیا ہے ۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

(بقایا حاشیہ صفحہ ۹۷) اور اس کی شرح میں ہے:-

ثم هل یاتی بها اول الفاتحة فی الرکعات الاخری عن ابی حنیفة رح روایتان وعنهما یاتی وهو اولی کذا فی الینابیع۔

(حاشیہ کنز نولکشوری ص۲۳)

پھر یہ کہ دیگر رکعات میں بھی فاتحہ کے شروع میں پڑھے اس کی بابت امام ابوحنیفہ رح سے دو روایتیں ہیں۔ اور صاحبین رح سے یہ مروی ہے کہ پڑھے اور یہی بہتر ہے۔ کتاب ینابیع میں بھی اسی طرح ہے۔

اور کنز ہی میں فصل ترتیب امور نماز میں لکھا ہے: وسمّی سرًا فی کل رکعة (ص۲۵ کنز نولکشوری) یعنی بسم اللہ پڑھے آہستہ آہستہ ہر رکعت میں:-

اور منیۃ المصلی کے متن میں کہا ہے ثم یسمی فیاتی بها فی کل رکعة لان اکثر المشائخ علی هذا (ص۹۷ باب صفۃ الصلوٰۃ) یعنی پھر (ثنا کے بعد) بسم اللہ پڑھے اور اسے ہر رکعت میں پڑھے۔ کیونکہ ہمارے اکثر مشائخ اسی پر ہیں۔ اور اس کی شرح کبیری میں بسم اللہ کی سنیت اور وجوب کے متعلق بہت تفصیل سے مدلل بحث کر کے وجوب کو صحیح اور احوط لکھا ہے۔

چنانچہ اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

(الاول) فمیل الشیخ حافظ الدین النسفی فی کتبه وقاضی خان وصاحب الخلاصة وکثیر الی انها سنة وکذا ما تقدم عن النوادر ویفید ذالك وذکر الزیلعی فی شرح الکنز ان الاصح انها واجبة لکن اذکر الزاهدی عن الحسن الصحیح انها واجبة فی کل رکعة ومراده فی کل رکعة یجب فیها القراءة وقال ابن وهبان فی منظومته ولو لم یبسمل ساهیا فی کل رکعة فیسجد اذا بایجابها قال الاکثر ای یسجد للسهو اذا ترکها ساهیا اول کل رکعة یجب فیها القراءة لان اکثر المشائخ قال بوجوبها وهذا هو الاحوط فان الاحادیث الصحیحة تدل علی مواظبته علیه الصلوٰة والسلام علیها وما ورد

علامہ حافظ الدین نسفی رح اور قاضی خان رح اور صاحب خلاصہ اور صاحب نوادر کا میلان اس طرف ہے کہ بسم اللہ پڑھنی سنت ہے۔ اور امام زیلعی رح نے شرح کنز میں کہا کہ اصح یہ ہے کہ وہ واجب ہے اسی طرح زاہدی نے حسن سے نقل کیا کہ وہ ہر رکعت میں واجب ہے اور اس سے اس کی مراد ہے ہر وہ رکعت جس میں قرأت واجب ہے اور ابن وہبان رح نے منظومہ میں کہا کہ اگر ہر رکعت میں سہواً بسم اللہ ترک کر دے تو سجدہ (سہو) کرے کیونکہ اکثر ائمہ نے اس کا واجب ہونا لکھا ہے۔ اور یہی احوط ہے کیونکہ صحیح احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم نے اس پر ہمیشگی کی ہے۔ اور جو الحمد للہ سے شروع کرنے کے بارے میں وارد ہے۔ وہ اس کے ترک پر نص نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

(بقیہ حاشیہ صـ ٩٨)

فيها من الافتتاح بالحمد لله فليس بنص على تركها فكان الايجاب هو الاحوط (صـ ٢٧٢)

(یعنی ہو سکتا ہے۔ کہ سراً پڑھ لیا ہو) پس واجب ہونا ہی احوط ہے۔ (کبیری صـ ٢٧٢)

(٢) پھر اس کے آگے موضع ثالث میں محل قرارت کے متعلق کہا ہے۔

ففي رواية عن ابي حنيفة رح ان محلها اول الصلوٰة والصحيح ان محلها اول كل ركعة احتياطاً لان اكثر المشائخ على هذا. نقل في الكفاية عن الحسن انه قال حسن ان يسمي اول كل ركعة اصحابنا جميعا لاخلاف فيه ومن زعم انه يسمى مرة في الاولى فحسب نقل غلط على اصحابنا والروايات عنهم لكن الخلاف في الوجوب فعندهما في رواية المعلى عن ابي حنيفة رح انه تجب التسمية في الثانية لوجوبها في الاولى درايتها ورواية الحسن عن ابي حنيفة رح لا تجب الا عند الافتتاح وان قرءها في غيره فحسن ثم قال الحسن والصحيح انه تجب التسمية في كل ركعة انتهى. واستدلوا على الاحتياط باختلاف العلماء في انها اية من الفاتحة اولا فكان الاحتياط الاتيان بها للخروج من الخلاف.

(كبيري صـ ٢٧٢)

امام ابو حنیفہ رح سے ایک روایت یہ ہے۔ کہ اس کا (بسم اللہ پڑھنے کا) محل نماز کے شروع میں ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس کا محل ہر رکعت کا شروع ہے بنا بر روئے احتیاط کے۔ کیونکہ اکثر مشائخ اسی پر ہیں۔ کفایہ میں حسن سے نقل کیا کہ ہمارے سب اصحاب نے بلا اختلاف اس امر کو مستحسن جانا ہے کہ ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھے اور جس نے یہ گمان کیا کہ صرف پہلی دفعہ ایک بار ہی پڑھے اس نے ہمارے اصحاب کا مذہب کھلم کھلا غلط سمجھا۔ جو شخص ہمارے اصحاب کی کتابوں میں ان کی روایات میں تامل کر دے گا، اسے بخوبی سمجھ لے گا۔ ہاں وجوب اور سنیت میں بیشک اختلاف ہے۔ معلی کی روایت میں امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک امام ابو حنیفہ رح سے یہ روایت ہے کہ بسم اللہ دوسری رکعت میں بھی پہلی رکعت کی طرح واجب ہے اور حسن (لؤلؤی) کی روایت میں ان دونوں کے نزدیک امام ابو حنیفہ رح سے یہ روایت ہے کہ وہ واجب نہیں ہے مگر شروع میں اور اگر دیگر رکعات میں بھی پڑھ لے تو اچھا ہے پھر حسن نے کہا کہ بسم اللہ ہر رکعت میں واجب ہے (انتہیٰ مترجماً) اور علماء نے احتیاط کی دلیل یہاں سے لی ہے کہ علماء میں اس امر میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کی آیت ہے یا نہیں پس احتیاط اسی میں ہے۔ کہ اختلاف سے نکلنے کیلئے اسے پڑھ ہی لے ١٢ منہ

Marfat.com

حاصل کلام یہ کہ حضرت امام ابو حنیفہ رح کا محقق مذہب یہی ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر رکعت میں سورت فاتحہ کی باقی آیتوں کی طرح واجب ہے۔ اور اکثر مشائخ حنفیہ کا یہی قول ہے۔ اور جو روایت پہلی رکعت کے بعد دیگر رکعات میں نہ پڑھنے یا واجب نہ ہونے کی ہے۔ وہ حسن بن زیاد کی ہے۔ جو محدثین کے نزدیک معتبر نہیں ہے، جیساکہ حواشی میں گذر چکا۔ باوجود اس کے حسن بن زیاد خود وجوب کے قائل ہیں جیساکہ کبیری شرح منیہ سے منقول ہو چکا۔ اور حضرت امام صاحب رح سے جو روایت بسم اللہ ہر رکعت میں پڑھنے کی ہے، وہ امام ابو یوسف رح کی ہے جو محدثین کے نزدیک ثقہ اور معتبر ہیں۔ اور وہ خود بھی اس کے قائل ہیں۔ اور اس روایت اور اس قول میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں۔ بلکہ وہ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان میں بھی پڑھنے کے قائل ہیں۔ اگرچہ سری نمازوں میں کہتے ہیں۔ پس جب حضرت امام ابو حنیفہ رح سے اور ان کے دو لائق شاگردوں امام ابو ابو یوسف رح اور امام محمد رح سے پڑھنے کی روایتیں ثابت ہیں جن پر فقہ حنفی کا دارومدار ہے۔ اور حسن بن زیاد جن کی روایت سے بعض لوگ غلطی میں پڑ گئے، وہ خود وجوب کے قائل ہیں تو اب حضرات حنفیہ کو اس پر عمل کرنے میں کوئی حجاب نہیں چاہیئے۔ رواج عام دیگر امر ہے۔ اور تحقیق مسئلہ دیگر شے ہے۔ وَالْحَقُّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعْ یعنی حق زیادہ لائق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

ھذا والحمد للہ ملھم الحقائق ومفھم الدقائق،

ترک واخفائے بسم اللہ کی روایات اور فیصلہ

باقی رہیں وہ روایات جو بسم اللہ کے ترک واخفا کی ہیں، سو سب سے محکم صحیحین کی یہ روایت ہے:۔

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر کانوا یفتحون الصلوۃ بالحمد للہ رب العلمین (بخاری باب مایقول بعد التکبیر)

کہ حضرت انس صحابی رض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابو بکر رض و عمر رض (قراءت) نماز الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے تھے"

اس کا جواب اولاً تو یہ ہے کہ بعض علماء نے دونوں قسم کی روایات کو یوں جمع کیا ہے کہ جہر واخفا ہر دو طریق جائز ہیں۔ کیونکہ روایات ہر دو طرف موجود ہیں۔ کسی نے جہر کو اختیار کر لیا۔ اور کسی نے اخفا کو۔ چنانچہ سبل السلام شرح بلوغ المرام میں اسی حدیث کے ذیل میں کہا ہے:۔

والاقرب انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان

اور زیادہ قریب یہی ہے کہ آنحضرت صلعم بسم اللہ

Marfat.com

يقرء بها تارة جهرا وتارة يخفيها و قد استوفينا البحث فى حواشى شرح العمدة بما لا زيادة عليه واختار جماعة من المحققين انها مثل سائر آيات القرآن يجهر بها فيما يجهر فيه ويسر بها فيما يسر فيه۔ (ج ١ - ص ١٠١)

کبھی اونچی پڑھتے تھے اور کبھی خفیہ اور ہم نے یہ بحث شرح عمدۃ الاحکام کے حواشی میں مکمل طور پر بیان کر دی ہے جس پر زیادتی کا درجہ باقی نہیں۔ اور محققین کی ایک جماعت کا مختار یہ ہے کہ بسم اللہ مثل دیگر آیات قرآن کے ہے۔ جہری میں اسے بھی بالجہر پڑھا جاوے اور سری میں اسے بھی سراً پڑھا جاتے :

آنحضرت صلعم اور حضرات شیخین رض قراءت کے وقت سورۃ فاتحہ دوسری سورت سے پہلے پڑھتے تھے۔ کیونکہ جب سورت فاتحہ اور کوئی دیگر مقام بھی قرآن کریم میں سے پڑھنا ہے تو کسی کو شبہ پڑ سکتا ہے۔ کہ خواہ سورۃ فاتحہ باقی قراءت سے پہلے پڑھیں خواہ پیچھے پڑھیں تعمیل حکم بہر دو صورت ہو سکتی ہے۔ تو حضرت انس رض اس شبہ کو دور کرنے کے لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کا طریق عمل ذکر کرتے ہیں کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رض سورت فاتحہ پہلے پڑھتے تھے۔ اور دیگر سورت پیچھے۔ اس کے یہ معنے ہر گز نہیں ہیں کہ آنحضرت صلعم اور حضرات شیخین رض بسم اللہ ترک کر کے قراءت آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع کرتے تھے۔ چنانچہ امام نسائی نے اپنی سنن میں حضرت انس رض کی روایت کے متعلق یہ باب باندھا ہے۔ باب البداية بفاتحة الكتاب قبل السورة یعنے دیگر سورت سے قبل سورت فاتحہ سے قراءت شروع کرنے کا باب" پھر اس باب کے ضمن میں حضرت انس رض کی یہی روایت دو طریق سے روایت کی ہے"

امام نسائی کے علاوہ امام ترمذی رح نے بھی اس حدیث کو اپنی جامع میں نقل کر کے اس کے معنے کی نسبت امام شافعی رح کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :۔

وقال الشافعی انما معنى هذا الحديث ان النبی صلی الله علیہ وسلم وابابکر وعمر وعثمان کانوا یفتتحون القراءة بالحمد لله رب العلمين معناه انهم کانوا یبدؤن بقراءة فاتحة الكتاب قبل السورة وليس معناه انهم كانوا لا يقرؤن بسم الله الرحمن الرحيم (ترمذی جلد ١ ص ٤٧)

اس حدیث کے یہ معنے ہیں کہ آنحضرت صلعم اور حضرات ابوبکر رض و عمر رض و عثمان رضی اللہ عنہم قراءت کسی دیگر سورت سے پہلے سورت فاتحہ سے شروع کرتے تھے اور اس کے یہ معنے نہیں ہیں۔ کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھا کرتے تھے !

Marfat.com

امام نسائی اور امام شافعیؒ نے جو معنے اس حدیث کے کیے ہیں وہ بالکل درست ہیں چنانچہ ان کی تائید حضرت انس رضی ہی کی دوسری روایت سے ہوتی ہے۔

عن انسؓ قال کنا نصلی خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ فکانوا یستفتحون بام القرآن (دار قطنی صہ ۱۲۰)

ہم آنحضرت صلعم اور حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ تو آپ جہری نمازوں میں ام القرآن سے قراءت شروع کرتے تھے۔

اس روایت میں الحمد للہ رب العلمین کی بجائے ام القرآن وارد ہے۔ اور یہ دونوں روایتیں حضرت انس رضی سے مروی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت انس رضی نے کبھی سورت فاتحہ کو ام القرآن کے نام سے بیان کیا اور کبھی الحمد للہ رب العلمین سے اور یہ دونوں اسی کے نام ہیں۔ نیز ابوداؤد کی روایت مرفوعاً مروی ہے۔ الحمد للہ رب العلمین ام القرآن، وام الکتاب، والسبع المثانی۔ (حاشیہ عمدۃ الاحکام صہ ۶۲ جلد اول) یعنی آنحضرت ؐ نے فرمایا الحمد للہ رب العلمین ام القرآن بھی ہے۔ اور ام الکتاب بھی اور السبع المثانی بھی۔ پھر اس کے بعد اسی حاشیہ میں کہا ہے۔ اس سورت کا نام الحمد للہ رب العلمین امام بخاریؒ اور امام دارمیؒ اور امام ترمذیؒ اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اور امام احمد اور نسائی اور ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہم (ائمہ محدثین) نے بھی روایت کیا ہے۔ (انتہی مترجماً) چنانچہ امام بخاریؒ کی روایت حسب ذیل ہے۔

عن ابی سعید بن المعلیٰ قال مر بی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا اصلی فدعانی فلم اٰته حتی صلیت ثم اتیت فقال ما منعك ان تاتینی فقلت کنت اصلی فقال الم یقل اللہ تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ ثم قال الا اعلمك اعظم سورۃ فی القرآن قبل ان اخرج من المسجد فذهب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیخرج فذکرته فقال الحمد للہ رب العالمین هی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اوتیته۔

ابوسعید بن المعلیٰ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے درانحالیکہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے مجھے بلایا، تو میں آپ کی خدمت میں نماز پڑھ کر ہی حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا تجھے میرے پاس آنے سے کس امر نے روکا؟ میں نے عرض کی کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا، کہ اے مسلمانو! جب تم کو خدا اور اس کا رسول بلائے تو اس کے حکم کی تعمیل فوراً کیا کرو۔ پھر آپ نے فرمایا کیا میں تجھے مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن شریف کی سب سے بزرگ سورت نہ بتاؤں؟ اس کے بعد جب آپ مسجد سے جانے لگے۔ تو میں نے آپؐ کو یاد دلایا۔ تو آپؐ نے

Marfat.com

(بخاری) فرمایا الحمد للہ رب العالمین یہی السبع

(کتاب التفسیر) المثانی ہے اور یہی القرآن العظیم ہے

جو مجھے عطا ہوئی ہے۔

یعنے قرآن شریف میں جو خدا تعالےٰ نے فرمایا ولقد اٰتینٰک سبعا من المثانی و القرآن العظیم (حجر پ ۱۴) سو اس سے مراد یہی سورت الحمد للہ رب العلمین ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا۔

قال ابن التین فیہ دلیل علی ان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لیست اٰیۃ من القرآن کذا قال وعکس غیرہ لانہ اراد السورۃ ویؤیدہ انہ لو اراد الحمد للہ رب العلمین الاٰیۃ لم یقل ھی السبع المثانی لان الاٰیۃ الواحدۃ لا یقال لھا سبع فدل علی انہ اراد بھا السورۃ والحمد للہ رب العلمین من اسمآءھا و فیہ قوۃ لتاویل الشافعیؒ فی حدیث انسؓ حیث قال کانوا یفتتحون الصلوٰۃ بالحمد للہ رب العلمین قال الشافعیؒ اراد السورۃ وتعقب بان ھذہ السورۃ تسمّٰی سورۃ الحمد للہ ولا تسمّٰی الحمد للہ رب العالمین وھذا الحدیث یرد ھذا التعقب۔

(فتح الباری دہلوی کتاب التفسیر ص ۱۳۱)

ابن تین نے کہا کہ اس میں دلیل ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کی آیت نہیں ہے۔ اس نے تو یہی کہا۔ لیکن دوسروں نے اس کے برعکس کہا کہ اس سے آنحضرتؐ کی مراد سورت ہے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اگر آپ کی مراد آیت الحمد للہ رب العلمین ہوتی تو آپ اسے ھی السبع المثانی نہ کہتے، کیونکہ اکیلی آیت کو سبع (سات) نہیں کہہ سکتے، پس یہ اس کی دلیل ہے کہ اس سے آپ کی مراد سورت ہے۔ اور الحمد للہ رب العلمین بھی اس سورت کے ناموں سے ہے۔ اور حضرت انسؓ کی حدیث کے جو معنے امام شافعیؒ نے کئے ہیں اس میں ان کی تقویت ہے کہ الحمد للہ رب العلمین سے آپ کی مراد سورت ہے اور کسی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سورت کا نام الحمد للہ ہے نہ کہ الحمد للہ رب العلمین اور یہ حدیث زیر شرح یعنے حضرت ابو سعیدؓ والی اس اعتراض کو رد کرتی ہے۔

پس حضرت انسؓ کے الفاظ سے یہ غلطی ہرگز نہ کھانی چاہیئے۔ کہ ان کا یہ مطلب ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء سورۃ قراءت کے وقت بسم اللہ شریف ترک کر دیتے تھے۔ جس کسی نے اس روایت کے یہ معنے سمجھے ہیں رد اس سے سورت فاتحہ کے نام

Marfat.com

الحمد للہ رب العلمین اور آیت الحمد للہ رب العالمین میں اشتباہ پڑ گیا ہے۔

اسی غلط فہمی کی بنا پر صحیح مسلم کی مندرجہ ذیل دو روایتیں بالمعنی روایت کی گئی ہیں۔ یعنی منجملہ راویان کے کسی راوی نے حضرت انس رضؓ کے الفاظ کانوا یفتتحون القراءۃ بالحمد للہ رب العلمین کے معنے یہ سمجھے کہ سورت فاتحہ کو آیت الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔ تو اس نے ایسا ہی ذکر کر دیا۔ جس سے یہ لازم آتا ہے کہ بسم اللہ شریف بالجہر نہیں پڑھتے تھے۔ خواہ بالکل ترک کر دیتے ہوں، اور خواہ سرا پڑھتے ہوں۔ چنانچہ بعض نے پہلا مطلب یعنے ترک سمجھا۔ اور بعض نے دوسرا یعنے پڑھنا جیسا کہ انہی روایات سے ظاہر ہو جائے گا۔ وہ روایات یہ ہیں:۔

(۱) عن قتادۃ یحدث عن انس بن مالک قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ فلم اسمع احدا منھم یقرء بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

حضرت قتادہ رح تابعی حضرت انس رضؓ صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضؓ نے کہا کہ میں نے رسول صلعم اور حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ و عثمان رضؓ کے ساتھ نماز پڑھی پس میں نے کسی کو بھی بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا۔

(۲) عن قتادۃ انہ کتب الیہ یخبرہ عن انس بن مالک انہ حدثہ قال صلیت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ فکانوا یستفتحون بالحمد للہ رب العلمین لا یذکرون بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قراءۃ ولا فی اخرھا (صحیح مسلم جلد اول)

قتادہ رح نے امام اوزاعیؒ کو حضرت انس رضؓ کی روایت سے لکھا کہ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے نماز پڑھی نبی کریم صلعم کے اور حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ و عثمان رضؓ کے پیچھے پس وہ الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ اول سورت میں اور نہ آخر سورت میں پڑھتے تھے۔

یہ ہر دو روایتیں بالمعنیٰ ہیں۔ کیونکہ صحیح بخاریؒ والی روایت کے الفاظ جو حضرت انس رضؓ سے مروی ہیں، وہ بھی قتادہ ہی کے واسطے سے ہیں۔ اور قتادہ تابعی حضرت انس رضؓ کے الفاظ کو اس صورت میں روایت نہیں کر سکتے، جیسا کہ آئندہ ظاہر ہو جائے گا، انشاء اللہ

ان ہر دو روایات کو خاکسار نے از خود یا لمعنے قرار نہیں دیا بلکہ بڑے بڑے نقاد محدثین نے اس کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ حافظ عراقیؒ جو حافظ ابن حجر رح کے استاد ہیں اپنے الفیہ میں معلل

Marfat.com

حدیث کی مثال میں جواز قسم ضعیف ہے۔ اسی روایت صحیح مسلم کو یوں بیان کرتے ہیں :۔

وعلۃ المتن کنفی البسملہ اذ ظن راو نفیہ فنقلہ۔ (ص ۳۴)

کبھی علت متن میں ہوتی ہے۔ جس کی مثال بسم اللہ کی نفی والی روایت ہے۔ کہ کسی راوی نے اس کی نفی سمجھی تو اُسے نفی کے الفاظ میں نقل کردیا۔

اور علامہ سخاوی رح (حافظ ابن حجر کے شاگرد) اس کی شرح "فتح المغیث" میں فرماتے ہیں :۔

فنقلہ مصرحاً بما ظنہ فقال لا یذکرون بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قراءۃ ولا فی اخرھا وفی لفظ فلم یکونوا یفتتحون ببسم اللہ وصار بمقتضی ذالک حدیثاً مرفوعاً والراوی لذالک مخطئ فی ظنہ (فتح المغیث ص ۹۵)

پس اس راوی نے اپنے ظن سے بالتصریح نقل کر دیا۔ کہ بسم اللہ نہ اول سورت میں پڑھتے تھے اور نہ آخر میں۔ اور بعض روایات میں ایسا بھی ہے بسم اللہ سے شروع نہ کرتے تھے۔ تو اس وجہ سے یہ روایت مرفوع سمجھی گئی۔ حالانکہ اس کے راوی سے ایسا ظن کرنے میں خطا ہو گئی ہے۔

اس تفصیل سے صاف معلوم ہوگیا کہ حضرت انس رض کے الفاظ وہی محفوظ ہیں۔ جو صحیح بخاری رح میں مروی ہیں اور صحیح مسلم کے الفاظ روایت بالمعنیٰ ہیں جس راوی نے اس کے یہ معنے سمجھے ہیں۔ اس نے غلطی کھائی ہے۔ حضرت انس رض کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم آیت الحمد للہ رب العالمین سے قرارت شروع کیا کرتے تھے۔ بلکہ ان کا مقصود صرف یہ بتانا ہے۔ کہ آپ پہلے سورت الحمد للہ رب العالمین پڑھا کرتے تھے۔ اور پھر کوئی اور سورت جیسا کہ جامع ترمذی سے اس حدیث کی شرح میں امام شافعی رح کا قول سابقاً نقل ہو چکا ہے۔ اور امام نسائی کی تبویب بھی مذکور ہو چکی ہے [1]

اس کے لیے ایک اور بھی قرینہ ہے۔ کہ حضرت انس رض بسم اللہ الرحمن الرحیم کے آیت ابتدائی ہونے سے انکار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ سورۃ کوثر کے نزول کی حدیث جو صحیح مسلم میں مروی ہے۔ وہ بھی حضرت انس رض کی روایت سے ہے۔ اور اس میں ابتدا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا پڑھنا صاف مذکور ہے۔

نیز یہ کہ صحیح بخاری کی حدیث جو بحوالہ منتقیٰ ص ۹۲، ۹۳ پر گزر چکی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ قتادہ رح

---

[1] دیکھو صفحہ ۱۰۱، ۱۰۲ تفسیر ہٰذا ۱۲ منہ

Marfat.com

نے حضرت انس رض سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قرارت کی کیفیت دریافت کی تو آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے الفاظ اللّٰہ اور الرحمٰن اور الرحیم کے حروف مدّہ کھینچکر پڑھے اور بتایا کہ آپ صلعم اس طرح پڑھا کرتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت انس رض آنحضرت کو بسم اللہ اونچی پڑھتے سنا کرتے تھے۔ ورنہ اس سے طرزِ قرارت بیان نہ کرتے۔ لطف یہ کہ صحیح مسلم کی روایات بھی اور صحیح بخاری کی یہ روایت بھی یعنی طرزِ قرارت والی ہر دو روایات حضرت انس رض سے قتادہ رح ہی کرتے ہیں۔ فافہم ولا تکن من القاصرین۔

دوسری روایت حضرت عبداللہ بن مغفل کی ہے۔ امام ترمذی رح فرماتے ہیں:۔

عن ابن عبد اللہ بن مغفل رض قال سمعنی ابی وانا فی الصلوٰۃ اقول بسم اللہ الرحمن الرحیم فقال لی یٰبُنَیَّ محدث ایاک والحدث قال ولم ار احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الاسلام یعنی منہ۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رض کا بیٹا (یزید) کہتا ہے کہ میرے باپ نے مجھے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (جہراً) کہتے سنا تو کہا بیٹا! (یہ) بدعت ہے بدعت سے بچا رہ، نیز یہ کہا کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلعم میں سے کسی کو بھی اسلام میں بدعت نکالنے سے بڑھ کر کسی شئے کو برا جانتے نہیں دیکھا۔

وقال وقد صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مع ابی بکر رض و عمر رض و مع عثمان رض فلم اسمع احدا منھم یقولھا فلا تقلھا اذا انت صلیت فقل اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (ج ۱ ص ۳۳)

نیز یہ کہا کہ میں نبی صلعم اور حضرات ابوبکر رض، عمر رض اور عثمان رض کے ساتھ نماز پڑھتا رہا۔ میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ اونچی پڑھتے نہیں سنا۔ پس اسے اس طرح نہ پڑھا کر۔ بلکہ جب تو نماز پڑھے تو کہا کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

بیشک امام ترمذی رح نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک صرف امام ترمذی رح کا حسن کہدینا کافی نہیں۔ محدث ابن خزیمہ رح حافظ ابن عبد البر مغربی رح امام بیہقی رح اور امام خطیب بغدادی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ (عینی علی البخاری جلد ۳ ص ۲۰) کیونکہ اس روایت کا مدار یزید بن عبد اللہ بن مغفل پر ہے۔ اور وہ محدثین کے نزدیک قابلِ احتجاج نہیں۔ چنانچہ امام شوکانی رح نیل الاوطار میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں۔ یزید بن عبد اللہ بن مغفل مجھول لا یعرف۔ (جلد ثانی ص ۹۶) پس ایسے اہم امر میں ایسے اکیلے شخص کی شہادت کافی نہیں۔ امام شوکانی رح نے اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے۔

قال ابن خزیمۃ ھذا الحدیث غیر صحیح وقال الخطیب وغیرہ ضعیف قال النووی ولا یرد

Marfat.com

علی ھؤلاء الحفاظ قول الترمذی انہ حسن انتہی (مشعبدثانی یعنی محدّث ابن خزیمہؒ کہتے ہیں۔ کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اور امام خطیب بغدادی وغیرہ نے کہا کہ یہ) ضعیف ہے اور امام نوویؒ نے کہا کہ ان حفاظ رد پر امام ترمذیؒ کا یہ قول کہ یہ روایت حسن ہے وارد نہیں ہو سکتا ۱۲ دیگر یہ کہ اس حدیث کو قابلِ احتجاج تسلیم کرنے سے ماننا پڑے گا۔ کہ صحابہ رضہ کی ایک خاصی تعداد اور ائمہ سنت (تابعین وتبع تابعین وغیرہم کی ایک کثیر جماعت جن کی فہرست ص ۹۵/۹۶ پر درج ہو چکی ہے۔ (معاذ اللہ) بدعت پر عمل پیرا رہی اور ان سب کو تمام عمر میں طریق سنّت معلوم نہ ہو سکا۔ اس کے بعد ہم دوسری قسم کی روایتیں لکھتے ہیں۔ جن سے بعض کو یہ خیال پیدا ہو گیا۔ کہ جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورت نمل (پ ۱۹) کے درمیان میں مکتوب ہے بیشک آیت قرآنی اور سورت نمل کی جزو ہے لیکن جو بسم اللہ سورتوں کے شروع میں مکتوب ہے وہ جزو سورت اور آیت قرآنی کی حیثیت نہیں رکھتی اس قسم میں معرکہ کی دو حدیثیں ہیں پہلی حدیث یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت

عن عباس الجشمی عن ابی ھریرۃ رضہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان سورۃ من القرآن ثلثون آیۃ شفعت لرجل حتی غفر لہ وھی تبارک الذی بیدہ الملک

(ترمذی [illegible])

صلعم نے فرمایا۔ قرآن کی ایک سورت تیس آیات کی ہے۔ جس نے ایک شخص کی شفاعت کی حتیٰ کہ وہ بخشا گیا اور وہ تبارک الذی بیدہ الملک ہے۔"

صورت استدلال یوں ہے کہ اس حدیث میں اوّل تو بتایا گیا ہے۔ کہ سورتِ ملک کی تیس ۳۰ آیات ہیں اور شمارِ آیات سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ پوری تیس ۳۰ بسم اللہ چھوڑ کر ہوتی ہیں۔ دوم یہ کہ اس کا شروع تبارک الذی بیدہ الملک بتایا گیا ہے نہ کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سو اس کا جواب امام شوکانی رد نے نقل کیا ہے کہ عباس جشمی کو بقول امام بخاریؒ حضرت ابوہریرہ رضہ سے ملاقات ہی نہیں دوم یہ کہ واجیب عن ذالک بان المراد عدد ما ھو خاصۃ السورۃ لان البسملۃ کالشیء المشترک فیہ ۱۲ (نیل الاوطار جلد ۲، صفحہ ۱۰۰) یعنے اس سورت کی وہ تیس آیات مراد ہیں جو خاص اس امر شفاعت میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور بسم اللہ تو ایک جزو مشترک ہے" اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت بھی پائی گئی ہے۔ کہ آپ کبھی سورت کا حوالہ دیتے وقت اس کے شروع سے امتیازی آیت پڑھ دیتے تھے۔ جیسا کہ سورت اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا اور سورت اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ اور سورت قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کے متعلق وارد ہے (حصن ص ۲۱۷/۲۱۸)

دوسری روایت بھی حضرت ابوہریرہ رضہ ہی کی ہے۔ کہ صحیح مسلم میں ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصفا نصفی تقسیم کیا ہے۔ پس جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ تو خدائے تعالےٰ

Marfat.com

(جواب میں) فرماتا ہے۔ میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔ اور جب بندہ کہتا ہے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تو خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے نے میری ثنا کی الخ (صحیح مسلم ص۱۷۰ جلد ۱)

اس حدیث میں بسم اللہ کا ذکر نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کی جزو نہیں ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے بعض طریقوں میں بسم اللہ کا بھی ذکر وارد ہے (سنن دارقطنی) اور شاہ عبد العزیزؒ نے اپنی تفسیر میں اسی دارقطنی والی روایت کا ذکر کیا ہے (تفسیر عزیزی) اس روایت کی صحت میں اگرچہ محدثین کو کلام ہے۔ لیکن اس کلام کا اثر اس وقت ہو سکتا ہے۔ جب مسئلہ بسم اللہ کی کی صحت و کتابت کا مدار یہی روایت ہوا لیکن جب حفاظت قرآن منصوص ہے۔ اور بسم اللہ شریف قرآن میں برابر مکتوب چلی آئی ہے۔ اور خصوصًا صحابہؓ کے زمانے میں اس میں کوئی بھی اختلاف نہیں ہوا۔ تو یہ روایت ثابت شدہ امر کی تائید میں پیش ہو سکتی ہے۔ اور یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ صحیح مسلم والی روایت کو اصل قرار دے کر حفاظت قرآن کو مشکوک کر دیں۔ کیونکہ صحابہؓ نے بسم اللہ شریف مصحف میں بالاجماع بخط قرآنی لکھی اور انہوں نے خود آنحضرت صلعم کے لکھوائے ہوئے مصحف مکرمہ کی نقل کی تھی۔ جس کی شہادت خود خدا نے دی تھی۔ فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ مَّرْفُوْعَۃٍ مُّطَھَّرَۃٍ (عبس پ۳۰)

چنانچہ علامہ عینیؒ حنفی لکھتے ہیں۔ الصحیح من مذھب اصحابنا انھا من القرآن لان الامۃ اجمعت علی ان ما کان مکتوبا بین الدفتین بقلم الوحی فھو من القرآن والتسمیۃ کذالک۔

(عینی علی البخاری جلد ثانی ص۳) یعنی صحیح مذہب ہمارے اصحاب کا یہ ہے کہ بسم اللہ قرآن میں سے ہے کیونکہ تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔ کہ جو کچھ دفتین (دو مقوّوں) کے درمیان خط قرآنی سے لکھا ہوا ہے وہ قرآن ہے۔ اور بسم اللہ بھی اسی طرح (لکھی ہوئی) ہے۔ پس اس روایت کو ایسے طور پر سمجھنا چاہیئے۔ جس سے یہ روایت صحابہ کی کتابت و جمع قرآن کے ماتحت رہے۔ اور وہ یہ صورت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے بعض وقت اس کلمہ کو ذکر کیا۔ اور بعض وقت نہیں کیا۔ کیونکہ بسم اللہ شریف میں خدا تعالےٰ کے تین نام وارد ہیں۔ اَللّٰہُ۔ رَحْمٰنُ اور رَحِیْمُ۔ اور یہ تینوں اس کے بعد آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں اور اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں آجاتے ہیں۔ پس اس کا الگ جواب ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی واللہ اعلم۔

دیگر یہ کہ اگر اس حدیث سے ترک بسم اللہ کا نتیجہ نکل سکے تو خود حضرت ابو ہریرہؓ بسم اللہ اونچی کیوں پڑھیں چنانچہ ان کا قول امام نسائی کی روایت سے سابقًا ص۹۳ میں گذر چکا ہے۔

Marfat.com

اَلْحَمْدُ

ہر طرح کی تعریف

ارتباط جب بسم اللہ کی ترکیب نحوی کی نسبت معلوم ہو چکا کہ اس کی بے الا بتدا ءُ محذوف کے متعلق ہے تو اس کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کے یہ معنے ہیں کہ اس کتاب کے مضامین میں سب سے پہلے حمد الٰہی کا رتبہ ہے کیونکہ اس کتاب کا اہم مقصد معرفتِ الٰہی ہے اور اس راستے میں سب سے پہلی منزل حمد الٰہی کی ہے۔ (منیر)

حلِ لغات، حمد اس تعریف کو کہتے ہیں جو محمود کی تعظیم کے ارادے سے اس کے کسی ایسے اچھے وصف پر کی جائے جو اس کے اختیار میں ہو۔

تعظیم کے ارادے کی قید اس لیے ہے کہ تعریف کے کلمات کبھی بغیر ارادۂ تعظیم کے تعبیراً (عار دلانے کے لیے) بھی کہہ دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً آیت ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (دخان پ ۲۵) میں دوزخی کو عزیز کریم اس کی تعظیم کے ارادے سے نہیں کہا جائیگا بلکہ ابو جہل اور اس کی مثل دیگر متکبر منکرین کو عار دلانے کے لیے کہا جائے گا۔ کہ وہ اپنے خیال میں ایسے بنتے تھے"

اور اختیاری قید اس لیے ہے کہ تعریف و ثنا کبھی ایسے امر پر بھی کی جاتی ہے جو ممدوح کا اختیاری نہیں ہوتا۔ بلکہ پیدائشی اور خلقی ہوتا ہے۔ مثلاً حُسنِ صورت، ایسے امر پر تعریف کرنے کو مدح کہتے ہیں۔ حمد نہیں کہتے اور لفظ مدح اختیاری ہر دو پر بولا جاتا ہے۔ پس مدح اپنے متعلق کے لحاظ سے حمد کی نسبت عام ہے۔ بعض ائمہ نے کہا ہے کہ مدح لفظِ حمد ہی کا مقلوب ہے یعنی حمد کے حروف کی ترتیب بدلی ہوئی ہے اور یہ دونو اخوان و مترادف ہیں اور ان دونوں کی ضد ذم ہے (کشاف مع الزیادۃ)

اور حمد کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ کسی نعمت کے مقابلے میں کی جائے۔ بلکہ وہ عام ہے یعنی محمود اپنی ذات کے لحاظ سے اس قابل ہوتا ہے کہ اس کی حمد کی جائے۔ چاہے اس کی نعمت کا اثر حامد پر پڑے یا نہ پڑے اخاص کر نعمت کے مقابلے میں جو ثنا اور تعریف کی جائے اُسے شکر کہتے ہیں۔ پس حمد اپنے متعلق کے لحاظ سے شکر سے عام ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَاشْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ (پ ۱۴ نحل) خدا کی ہر نعمت کا شکر ادا کرو"

Marfat.com

نیز حضرت ابراہیمؑ کی نسبت فرمایا :۔

شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۔ (پ۱۴ نحل) "یعنی وہ خدا کی نعمتوں کا شکر گذار تھا۔"

شکر تین چیزوں سے ادا ہوتا ہے۔ دل سے یا زبان سے یا اعضاء سے۔ دل کا شکر یہ ہے کہ منعم کی نعمت واحسان کا اعتراف ہو اور دل میں اس کی قدر و منزلت اور عزت و عظمت جاگزیں ہو۔ اور زبان کا شکر یہ ہے کہ منعم کی تعریف و توصیف اور حمد و ثناء کی جائے اور زبان سے اس کا اظہار کیا جائے۔ اور اس کے نام کا ورد کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ پ۳۰) "یعنے اے پیغمبر اپنے رب کی نعمتوں کا ذکر کیا کر۔"

اور اعضاء کا شکر منعم کے احکام کا بجالانا اور اعضاء کو اس کی خوشی کے کاموں میں اور اس کے احکام کی تعمیل میں لگانا ہے چنانچہ فرمایا۔

بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ ۔ (الزمر پ۲۴) یعنے اے پیغمبر! بلکہ صرف خدا ہی کی عبادت کر۔ اور (اس کے) شکر گذاروں میں شامل ہو" (میر)

شکر بلحاظ مورد کے حمد کی نسبت[1] عام ہے کیونکہ حمد صرف زبان سے ہوتی ہے۔ اور یہ شکر کی ایک شاخ ہے اسی لیے آنحضرت صلعم نے فرمایا :۔

الحمد لله كلمة الشكر ۔ (مشکوٰۃ) "یعنے الحمد للہ شکر کا کلمہ ہے۔"

بلکہ فرمایا :۔

الحمد لله راس الشكر وما شكر الله عبدٌ لم يحمده ۔ (مشکوٰۃ) یعنی الحمد للہ شکر کا سر[2] ہے اور جس شخص نے خدا کی حمد نہیں کی اس نے اس کا شکر بھی نہیں کیا۔

اسی معنے میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام بڑھاپے میں اولاد کی نعمت ملنے پر کہتے ہیں :۔

---

[1] علامہ تفتازانی رو مختصر المعانی میں فرماتے ہیں :۔ الحمد هو الثناء باللسان على قصد التعظيم سواء تعلق بالنعمة او بغيرها والشكر فعل ينبئ عن تعظيم المنعم لكونه منعما سواء كان باللسان او بالجنان او بالاركان، فمورد الحمد لا يكون الا اللسان، ومتعلقه يكون النعمة وغيرها ومتعلق الشكر لا يكون الا النعمة ومورده يكون اللسان وغيره فالحمد اعم من الشكر باعتبار المتعلق واخص باعتبار المورد والشكر بالعكس (نمبر۱۴ (۱۵))

[2] سید شریف حاشیہ کشاف میں اس کی وجہ یوں فرماتے ہیں :۔ كما ان الراس اظهر الاعضاء واعلاها وهو اصل لها وعمدة لبقائها وكذالك الحمد اظهر انواع الشكر واشهرها واشملها على حقيقة الشكر والابانة عن النعمة حتى لو فقد لكان ما عداه بمنزلة العدم ۱۲ (جلد ۱ ص۳۵)۔

Marfat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ۔ (ابراہیم پ۱۳)

یعنی سب تعریف کا مالک ہے اللہ اور وہ ہر طرح کے شکر کا مستحق ہے جس نے میرے بڑھاپے پر اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ (دو فرزند) عطا کئے۔

فائدہ حمد کی ضد ذم اور مذمت ہے۔ اور مدح کی ہجو۔ چنانچہ حضرت حسانؓ کہتے ہیں ؎

فَمَنْ یَّهْجُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْکُمْ فَیَمْدَحُهٗ وَیَنْصُرُهٗ سَوَاءٌ[1]

یعنی تم (کفار) میں سے کوئی رسول اللہ (صلعم) کی ہجو کرے (تو کوئی پرواہ نہیں کیونکہ) اس کے سوا دیگر آپ کے مداح اور مددگار (موجود) ہیں۔

اور شکر کی ضد کفران ہے چنانچہ فرمایا:۔

وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ (البقرہ پ۲)

یعنی میرا شکر کرو اور کفر نہ کرو۔"

نیز فرمایا:۔

یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَهَا وَاَکْثَرُهُمُ الْکٰفِرُوْنَ ۔ (نحل پ۱۴)

یعنی خدا کی نعمت کو دل سے پہچانتے ہیں۔ پھر (زبان سے) انکار کر جاتے ہیں۔ اور اکثر ان کے کافر (احسان فراموش) ہیں۔"

اور الحمد پر جو الف لام ہے وہ تعریف جنس کے لیے ہے[2] یعنی ہر قسم کا مفہوم کلی جسے حمد کہہ سکیں، اور ہر نوع جو اس کے ماتحت ہے وہ۔

لِلّٰهِ

صرف خدا کے لیے ہے

یہ خبر ہے الحمد مبتدا کی اور اس میں لام جارہ اختصاص کے لیے ہے۔ یا استحقاق کے لیے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے معنے ہوئے " ہر قسم کی حمد اللہ تعالےٰ ہی کے لیے خاص ہے " یا ہر قسم کی حمد کا مستحق صرف اللہ تعالےٰ ہی ہے " چنانچہ سورہ جاثیہ میں لله کو مقدم کر کے حمد کو اللہ

---

[1] دیوان حسان رضؓ مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲ ۱۲ منہ۔

[2] علامہ زمخشری نے اس مقام پر استغراق کے مقابلے میں تعریف جنس کو ہی ترجیح دی ہے اور سید شریف نے حاشیہ کشاف میں اور علامہ تفتازانی نے مطول میں اسی کی تائید کی ہے ۱۲ منہ۔

Marfat.com

ہی کے لیے محصور کر دیا ہے چنانچہ فرمایا۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (پ۲۵)

یعنی اللہ ہی کے لیے ہر قسم کی حمد ہے جو آسمانوں کا بھی رب ہے اور زمین کا بھی رب ہے (غرض) تمام جہان کا رب ہے۔

نکتہ ۱ جس طرح سورت فاتحہ کی آیت میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے بعد رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہہ کر تمام جہان اور جہان والوں کی مالکیت و پرورش کا نقشہ سامنے رکھ کر ہر قسم کی حمد کا مستحق خاص خدائے تعالےٰ ہی کو بتایا ہے۔اسی طرح سورہ جاثیہ کی مذکورہ بالا آیت میں لِلّٰہِ خبر کو مقدم کر کے حمد کے اختصاص کی وضاحت میں زمین و آسمان اور تمام عالمین کی ربوبیت (مالکیت و پرورش) کو ذکر کیا ہے۔ (سبحان اللہ)

نکتہ ۲ سورت فاتحہ میں اَلْحَمْدُ کو مقدم کیا اس لیے کہ یہاں مقصود اثباتِ حمد ہے نیز اس لیے کہ اَللّٰہُ موصوف کے بعد اس کی صفات اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ میں تناسق و اتصال قائم رہے تاکہ کلام کی خوبی لفظاً و معنًے بہر دو صورت بڑھ جائے اور سورتِ جاثیہ میں لِلّٰہِ خبر کو مقدم اور اَلْحَمْدُ مبتدا کو مؤخر کیا اس لیے کہ وہاں پر مقصود شانِ الوہیت کا اظہار ہے۔اور تخصیص کا فائدہ مزید ہے پس ہر مقام پر مقصود پر نظر رکھ کر تقدیم تاخیر کی گئی ہے۔اور یہی بلاغت کی شان ہے کہ الفاظ کی ترتیب میں مقصود کا لحاظ رہے۔

نکتہ ۳ اور حمد کے اختصاص کے لیے اسم اللہ کا ذکر کیا کہ دعویٰ مع بیّنہ (دلیل) ثابت ہو کیونکہ اسم اللہ علم ہے ذات برحق کا جو مستجمع ہے جمیع صفاتِ کمال کی (جیسا کہ بسم اللہ شریف کی تفسیر میں مطول سے اور کشاف سے نقل ہو چکا) پس اس کے لیے کسی دیگر دلیل کی ضرورت نہ رہی خود کلمہ الحمد للہ ہی اس دعوے کی دلیل ہے کہ ہر قسم کی حمد صرف خدا ہی کو سزاوار ہے کیونکہ وہ جمیع صفاتِ کمال کا مالک ہے پس کلمہ الحمد للہ کے مشرح معنے یہ ہوئے کہ "ہر ہر قسم کی حمد کا صاحب اور مستحق صرف خداوند تعالےٰ ہے اور وہ اسی کی ذات پاک سے مختص ہے"

نکتہ ۴ اسی واسطے الحمد للہ بصورت جملہ اسمیہ ذکر کیا اور بصورت جملہ فعلیہ یعنے بصیغہ امر احمدوا اللہ یا بصیغہ متکلم اَحْمَدُ اللّٰہَ ذکر نہیں کیا۔کیونکہ جملہ اسمیہ میں ثبوت و دوام ہوتا ہے۔اور جملہ فعلیہ میں حدوث و تجدد اور ذاتِ حق دائماً مستحق و لائق حمد

Marfat.com

ہے نہ کہ کسی خاص وقت و حالت پر۔

فائدہ قرآن شریف کی پانچ سورتیں بسم اللہ کے بعد الحمد للہ سے شروع ہوتی ہیں۔ فاتحہ پ۱ ۔ انعام پ۷ ۔ کہف پ۱۵ ۔ سبا پ۲۲ اور فاطر پ۲۲ ۔

اور کلمہ الحمد للہ (بشمول ان آیتوں کے جن میں رب العلمین بھی ساتھ ہے) تمام قرآن شریف میں بائیس ۲۲ دفعہ آیا ہے اور فللہ الحمد صرف ایک بار اور ضمیر مجرور مقدم کے ساتھ یعنی لہ الحمد چار بار اور ان صورتوں کے علاوہ دیگر صیغوں میں حمد الٰہی کا ذکر بیش از بیش ہے۔ جن میں کوئی تیرہ مقامات پر تسبیح[1] اور حمد کا اکٹھا ذکر ہے اور اس جگہ سورت فاتحہ میں صرف حمد پر اس لیے کفایت کی کہ کمال حمد یہی ہے کہ محمود میں کسی طرح کا نقص و عیب نہ ہو پس تسبیح حمد کے ضمن میں داخل ہے۔ فافہم (عزیزی)

اب ہم اصولی طور پر وہ مواقع ذکر کرتے ہیں۔ جن میں خدا کی حمد وارد ہے اس کا مفاد یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ امور خدا تعالیٰ کے لائق حمد ہونے کے وجوہات میں سے ہیں۔

---

[1] تسبیح و تقدیس سے یہ مراد ہے کہ ذات باری ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہے بلکہ بعض ان باتوں سے بھی منزہ ہے جو مخلوق کے حق میں اچھی گنی جاتی ہیں۔ لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے وہ بھی عیب و نقص ہے مثلاً اولاد کا ہونا، اپنی اولاد نہ ہو تو کسی کو متبنّٰے بنا لینا امور میں اعوان و انصار کا ہونا۔ ان سب سے قرآن شریف میں ذات حق کو پاک یاد کیا گیا ہے مثلاً اولاد سے منزہ ہونے کی بابت فرمایا سبحانہ ان یکون لہ ولد۔ (نساء پ۶) وہ اس بات سے پاک ہے کہ کوئی اس کا فرزند ہو۔ اور متبنّٰے بنانے سے پاک ہونے کی نسبت فرمایا: قالوا اتخذ اللہ ولدا سبحانہ ھو الغنی۔ (یونس پ۱۱) یعنے وہ کہتے ہیں کہ خدا نے کسی کو متبنّٰے بنایا وہ اس سے پاک ہے وہ تو بے نیاز ہے۔ اعوان و انصار سے پاک و بے نیاز ہونے کی بابت فرمایا وما لہ منھم من ظھیر (سبا پ۲۲) یعنی ان میں سے کوئی بھی اس کا مددگار نہیں ہے۔ تسبیح کی پوری تشریح اس کے اپنے موقع پر آیت ونحن نسبح ونقدس لک (پ۱) میں کی جائے گی یہاں صرف تحمید اور تسبیح میں فرق اور ان کا تعلق بتانا مقصود ہے۔ سو حمد تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو سب کمالات و خوبیوں سے موصوف جانیں اور بیان کریں۔ اور تسبیح یہ ہے کہ اسے جملہ عیوب و نقائص سے مبرا و منزہ اعتقاد کریں اور اس کی ذات پاک کے لیے ایسے الفاظ و معانی سے پرہیز کریں جو اس کی شان کے لائق نہ ہوں یہ اتم درجہ کی تعریف و توصیف ہے قرآن شریف میں خالص تسبیح۔ خالص تحمید اور تسبیح و تحمید ہر دو کا یکجا ذکر بکثرت ہے ۱۲ منہ۔

Marfat.com

اوّل ہر شے کا خالق و مالک اور پروردگار اور ہر شے کا مدبّر و ناظم اور ہر طرح کے حل و عقد اور قبض و بسط کا مالک و مختار ہونے کی وجہ سے لائق حمد ہونا۔ مثلاً سورۂ جاثیہ میں فرمایا:۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(پارہ نمبر ۲۵)

(سورۂ جاثیہ)

یعنی ہر طرح کی حمد و ستائش کا مالک صرف اللہ ہی ہے جو آسمانوں کا رب ہے (غرض) تمام جہان و جہانیوں کا رب ہے اور آسمانوں میں اور زمین میں بڑائی کا مالک بھی وہی ہے۔ اور وہ بڑا زبردست اور بڑا با حکمت ہے۔

نیز سورۂ سبا کے شروع میں فرمایا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝

(پ ۲۲، سبا)

یعنی سب تعریف کا مالک خدا ہے جو مالک ہے ہر شے کا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور آخرت میں بھی حمد کا مالک وہی ہے اور وہ بڑا با حکمت (اور) خبردار ہے۔

نیز سورۂ فاطر کے شروع میں فرمایا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(پارہ نمبر ۲۲)

(سورۂ فاطر)

یعنی سب تعریف خدا کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا۔ فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا۔ جو دو دو اور تین تین اور چار چار پروں والے ہیں۔ پیدائش میں جو کچھ چاہے زیادہ کرے۔ بیشک اللہ ہر ایک امر پر قادر ہے (اگر) خدا آدمیوں پر کوئی رحمت بھیجے تو کوئی اس (رحمت) کو روکنے والا نہیں اور جو وہ بند کرے تو اس کے بعد کوئی اس (رحمت) کو بھیجنے والا نہیں۔ اور وہ سب کچھ کر سکنے والا (اور) بڑا با حکمت ہے۔

نیز سورہ انعام میں فرمایا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ ثُمَّ الَّذِيْنَ

یعنی سب طرح کی حمد کا مالک صرف خدا ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور اندھیرے

Marfat.com

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ

(پارہ نمبر)

(انعام)

(بھی) بنائے اور روشنی (بھی) اس پر کافر لوگ اپنے رب سے شریک مقرر کرتے ہیں۔ یا (یوں کہ) اس پہ بھی وہ لوگ جو اپنے رب کے کافر (احسان فراموش) ہیں (اس سے) روگردانی کرتے ہیں۔"

دوم دنیا اور آخرت ہر دو جہان میں لائق حمد وہی ہے۔ مثلاً سورۂ قصص میں فرمایا:۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

(پ)

یعنے اور وہ اللہ ہے اس کے سوائے تو کوئی (دوسرا) معبود (ہی) نہیں ہے دنیا اور آخرت میں وہی لائق حمد ہے اور حکم (بھی) اسی کا ہے۔ اور تم سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے!

سوئم۔ نقائص سے بری ہونے پر لائق حمد ہے:۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝[1]

(بنی اسرائیل پ۱۵)

یعنے اور (اے پیغمبر!) تو کہ سب تعریف خدا کو سزاوار ہے جس نے نہ تو کوئی متبنیٰ بنایا۔ اور نہ بادشاہی میں کوئی اس کا شریک ہے۔ اور نہ کمزوری کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے۔ اور اس کی بہت بہت بڑائی بیان کیا کر۔

چہارم۔ قیامت کے روز جب اس کی عظمت و جلال کا ظہور کامل طور پر ہو گا۔ تو ملائکہ مقربین اس کی تسبیح و تحمید کے گیت گائیں گے۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(زمر پ۲۴)

یعنی (اے پیغمبر!) تو دیکھے گا کہ فرشتے عرش کے گرد گھیرا ڈال کر اپنے رب کی تسبیح و تحمید کریں گے اور ان میں حق حق فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ سب تعریف کا مالک اللہ رب العالمین ہے!

فرشتے عام طور پر بھی خدا کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ خدا تعالےٰ

---

[1] حدیث میں اس آیت کا نام آیۃ العزۃ آیا ہے ۱۲ اور بعض آثار میں وارد ہے کہ جس گھر میں یہ آیت رات کے وقت پڑھی جاوے۔ اس میں چوری یا دیگر کوئی آفت نہیں پڑتی ۱۲ منہ۔

Marfat.com

نے ملائکہ کے لیے کلمات سبحان اللہ وبحمدہ کو چن لیا ہے۔ (رواہ مسلم مشکواۃ ص۱۹۲)
فرشتوں کی دائمی تسبیح و تحمید کی بابت ان کی زبانی ذکر کیا:۔

(۱) وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۔ (بقرہ پ۱)
یعنے (فرشتوں نے عرض کیا) ہم تیری حمد کے ساتھ تیری ذات کی تسبیح و تقدیس پکارتے ہیں۔

اس قسم کی آیات بہت ہیں۔ لیکن ہم بنظر اختصار انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔
یہ وہ مقامات ہیں جن میں حمدِ الٰہی کا ذکر اس بنا پر ہے۔ کہ ذاتِ خداوندی ذاتی طور پر مستجمع جمیع صفاتِ کمال ونعوتِ جلال و جمال ہے۔

لیکن چونکہ حمد کا تعلق نعمت سے بھی ہے اس لیے وہ مقامات ذکر کئے جاتے ہیں۔ جن میں عنایات وانعامات کی بنا پر حمدِ الٰہی کا ذکر ہے۔

اوّل حضرت ابراہیمؑ کو بڑھاپے میں صالح اولاد بخشی تو انہوں نے کہا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۔ (ابراہیم پ۱۳)
یعنے ہر طرح کی تعریف کے لائق ہے اللہ جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق (دو فرزند) عطا کئے، بیشک میرا رب دعا سننے والا ہے۔

دوم حضرت داؤد اور سلیمانؑ کو علم و حکم عطا کیا تو اس پر انہوں نے کہا:۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (نمل پ۱۹)
یعنے اور البتہ ہم نے دیا تھا داؤد اور سلیمان کو علم وہ دونوں بولے سب تعریف خدا کو سزاوار ہے جس نے ہم کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر بزرگی بخشی۔

سوم۔ مصیبت سے نجات پانے اور طوفان سے محفوظ رہنے پر حضرت نوحؑ کو حکم دیا۔ کہ جب تم کشتی پر درست ہو کر بیٹھ جاؤ تو یوں کہنا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (مومنون پ۱۸)
یعنے ہر طرح کی حمد خدا ہی کو سزاوار ہے جس نے ہمیں ان ظالم لوگوں (کی آفت) سے نجات دی"

چہارم۔ جنتیوں کی نسبت فرمایا:۔

دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ
یعنے جنت میں ان کی پکار ہوگی (سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ یعنے بار خدایا! تو پاک ذات ہے اور اس میں ان کا

Marfat.com

اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (یونس پ۱۱) — تحفۂ ملاقات ہوگا سلام اور ان کی آخری بات یہ ہو گی کہ وہ کہیں گے۔

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ — یعنے ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے۔ جو دنیا جہان کا پروردگار ہے۔

پنجم قرآن شریف کی نعمت بخشنے پر فرمایا۔ جو سب نعمتوں سے بالا نعمت ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ (کہف پ۱۵) — یعنے سب طرح کی تعریف کے لائق خدا ہے جس نے اپنے (کامل) بندے (محمدؐ) پر (یہ) کتاب نازل کی۔ اور اس میں کسی طرح کی کجی نہیں رکھی۔

ششم۔ حجت الٰہیہ کے مقابلے میں منکرین کے قائل معقول ہو جانے پر بھی حمد الٰہی کا حکم کیا۔

(۱) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۝ (عنکبوت پ۲۱) — اور (اے پیغمبر!) اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمان کی طرف سے کون پانی اتارتا ہے۔ پھر زمین کو اس کے مرے پیچھے زندہ کر دیتا ہے۔ تو یہ لوگ ضرور کہیں گے کہ خدا ہی (ایسا کرتا ہے) تو کہہ الحمد للہ یعنی خدا ہی ہر طرح کی تعریف کا سزاوار ہے بلکہ اکثر ان کے عقل نہیں رکھتے۔

(۲) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۝ (لقمان پ۲۱) — اور (اے پیغمبر!) اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ تو کہہ ہر طرح کی حمد خدا ہی کو ہے۔ بلکہ اکثر ان کے علم نہیں رکھتے۔

ہفتم۔ منکروں کی ہلاکت سے جہان کو پاک کرنے پر حمد الٰہی کا ذکر:۔

(۱) فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (انعام پ۷) — یعنے ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی۔ اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا ہی ہے جو سارے جہان کا مالک و پروردگار ہے۔

یہ سب مواقع حمد انعامات کے متعلق ہیں اور اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ جو کلمات حمد انعام

Marfat.com

کے مقابلہ میں کہے جائیں وہ کلماتِ شکر کہلاتے ہیں۔

فائدہ بیانِ بالا سے یہ تو ظاہر ہو گیا کہ ذاتِ حق ہر جہت سے لائقِ حمد ہے۔ اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اور انعامات کے رُو سے بھی۔ اس کے علاوہ اسی سے توحیدِ[1] الوہیت۔ توحیدِ[2] عبادت اور توحیدِ[3] ربوبیت بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ اور اسی سے ہر طرح کے شرک و کفر کی تردید بھی ہو سکتی ہے کیونکہ جب ذاتی طور پر بھی سب طرح کے کمال کا مالک وہی ہے اور انعامات کا فیض بھی اسی کی طرف سے ہے تو کسی دوسرے کی کسی طرح بھی شرکت نہیں ہو سکتی نہ ذات میں نہ صفات میں اور نہ عنایات میں، پس وہی مستحقِ حمد ہے اور وہی مستحقِ عبادت ہے۔ اور وہی مالک و پروردگار ہے اور اس کا کفر و کفران سراسر نازیبا ہے ؎

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق　　زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اُسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق　　اُسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لَو اُس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

اولاد[1] کا بخشنا۔ علم[2] و حکم[3] کا عطا کرنا۔ مصائب[4] کا ٹالنا۔ آفتوں[5] سے بچانا۔ دشمنوں[6] سے محفوظ رکھنا۔ خدمات کو شرفِ قبولیت بخش کر جنّت سے کامیاب کرنا۔ اور جملہ[8] قسم کے غم و فکر دور کرنا۔ اور کمالِ[9] رحمت سے چشمۂ ہدایت (قرآن) کا نازل کرنا۔ اور اسے[10] قبول کرنے کی توفیق بخشنا اور مخالفین[11] کو حجت میں ملزم کر دینا اور ظالموں[12] کو ہلاک کر کے دنیا جہان کو ان کی نجاست سے پاک کر دینا یہ سب کام اسی ذاتِ برحق کے متعلق ہیں اور انہیں کے متعلق اکثر لوگ شرک کرتے ہیں تو اب الحمد للہ کی حقیقت سمجھ لینے اور اس کے محل و مورد کو پہچان لینے کے بعد شرک و کفر کے وہم کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔

تفصیلِ بالا سے واضح ہو گیا کہ کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بہت متبرک اور نہایت زوردار ہے۔ اسی لیے حدیث میں وارد ہے۔

اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَفْضَلُ الدُّعَآءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔
مشکوٰۃ ص ۱۹۳

یعنی سب سے افضل ذکر لآ الٰہ الا اللہ ہے کہ اس میں ذاتِ حق کو الوہیت میں متفرد ذکر کیا گیا ہے اور سب سے افضل دعا الحمد للہ ہے۔

کہ اس میں ہر طرح کی حمد کو ذاتِ خداوندی سے مخصوص کیا گیا ہے۔ گیا اس کی ذات کے لحاظ

Marfat.com

سے اور کیا اس کے انعامات کے رُو سے)

فائدہ۔ الف[1] لام جنسی اور خود لفظ حمد[2] (بجائے لفظ مدح و شکر کے) اور لام جارہ[3] اختصاصی، اور اسم جلالت (اللہ) اور جملہ اسمیہ، ہر ایک سے الگ الگ طور پر بھی، اور مجموعۃً بھی خدا کی عظمت و شان ظاہر ہوتی ہے۔ اسی معنے میں کہا گیا ہے ؎

حمد را با تو نسبتے ست درست   بر درِ ہر کہ رفت بر درِ تست

فضائل کلمہ الحمد للہ از روئے حدیث نبوی[4]

قرآن مجید کے ساتھ اب اس ذاتِ اقدس کے ارشادات و طریق عمل کو جانئے جس پر قرآن شریف نازل ہوا کہ آپؐ نے حمد الٰہی کے متعلق کیا ارشاد فرمایا۔ اور آپ کس کس موقع پر حمد الٰہی کرتے تھے اور آپ کے اسماء احمدؐ اور محمدؐ کو وِرد الحمد للہ سے کیا نسبت و تعلق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الحمد للہ کو کلمہ شکر بلکہ راس الشکر یعنے شکر کا سر فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حمد کا ایک رخ نعمت کی طرف بھی ہے۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ اور چونکہ ہر نعمت پر منعم کا شکر واجب ہے اس لیے نعمت پر الحمد للہ کہنا شکر ادا کرنا ہے چنانچہ فرمایا:۔

مَا اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلٰی عَبْدٍ مِّنْ نِّعْمَۃٍ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اِلَّا دَقَدْ اَدّٰی شُکْرَھَا۔	یعنے خدا تعالےٰ کسی بندے کو کوئی بھی نعمت دے پھر وہ بندہ کہے الحمد للہ تو بیشک اس نے اس نعمت کا شکر ادا کر دیا۔
الحدیث (حصن ص۱۲۵)	

نظر بریں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جمعہ اور عیدین کے خطبے الحمد للہ سے شروع کرتے تھے اور دیگر حالات میں بھی کثرت سے حمد الٰہی پکارتے تھے۔ اور کیوں نہ پکارتے جب خدا تعالےٰ نے آپ کا نام ہی احمد (بہت حمد کرنے والا) اور آپ کی امت کا نام حمادون (بہت حمد کرنے والے) رکھ دیا تھا۔ چنانچہ مسند دارمی میں حضرت کعب احبار رضؓ سے مروی ہے:۔

اُمَّتُہٗ اَلْحَمَّادُوْنَ یَحْمَدُوْنَ اللّٰہَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ	یعنی کتب سابقہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کو حمادون کے نام سے ذکر کیا ہے۔ جو ہر خوشی اور تکلیف[2]

---

[1] جیساکہ اوپر صفحہ ۱۱۱ پر گذر چکا ۱۲ منہ

[2] خاکسار کہتا ہے کہ یہ امر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت کو جنت کا دروازہ سب سے پہلے آنحضرت صلعم

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

يَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ مَنْزِلَةٍ وَيُكَبِّرُوْنَ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ۔ (دارمی صفحہ ۵)

کے موقع پر خدا کی حمد پکاریں گے اور ہر منزل پر بھی خدا کی حمد پکاریں گے۔ اور ہر بلندی پر خدا کی تکبیر (نعرۂ تکبیر) پکاریں گے۔

حضرت کعب کی اس روایت کی تصدیق واقعات سے بھی ظاہر ہے۔ کہ روزمرہ پنج وقتی نماز میں ہر رکعت میں ہی سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ آسمان کے سائے تلے اور زمین کی پشت پر ہر روز کروڑہا مسلمان نماز گذارتے ہیں۔ اس حالت میں کہ ان کی زبانیں حمد و تسبیح الٰہی سے تر اور ان کی کمریں اور گردنیں اس کی عظمت کے سامنے خمیدہ اور ان کی پیشانیاں اس کے جلال کے سامنے خاک پر پڑی رہتی ہیں کیا یہ نقشہ عملی صورت میں سوائے امتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کے کسی اور امت میں دیکھا جا سکتا ہے؟ ؎

بس تنگ نہ کرنا صحِ ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

اس کے علاوہ نماز سے باہر جس کثرت سے خدا کی تسبیح و تحمید، امتِ محمدیہ کرتی ہے تمام بساطِ دنیا پر دیگر امتوں کے لوگ اس کے عُشرِ عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتے، بھلا جو لوگ شب و روز امورِ دنیا کی ادھیڑبن میں مصروف اور ہر وقت کمانے میں مشغول یا غیر اللہ کی پرستش میں لگے رہتے ہوں وہ کیلئے خدا کی تسبیح تحمید کا موقع کیسے پا سکتے ہیں۔

دیگر یہ کہ اس کی تائید میں بعض کتب سابقہ کے حوالے اب بھی ملتے ہیں چنانچہ یسعیاہ نبی کی کتاب کے باب ۴۲ میں مرقوم ہے:۔

"(۱۱) بیابان اور اس کی بستیاں۔ قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے (۱۲) وہ خداوند کا جلال"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹) کے لیے کھولا جائے گا۔ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ سب پہلے جو لوگ داخلِ جنت ہوں گے وہ آنحضرت صلعم کی امت کے ہوں گے اور حدیث ابن عباس رضؓ میں جو یہ وارد ہے اول من یدعی الی الجنۃ یوم القیامۃ الذین یحمدون اللہ فی السراء والضراء (مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۳)

"یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے جو لوگ جنت کی طرف بلائے جائیں گے وہ وہ ہوں گے جو خدا کی حمد پکارتے ہیں خوشی میں بھی اور تکلیف میں بھی" عجب نہیں کہ اس سے مراد آنحضرت صلعم کی امت ہو۔ کہ آپ نے اس میں نام کی بجائے ان کا ایسا وصف ذکر کر دیا جو اگلی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ ۱۲ منہ۔

Marfat.com

وظاہر کریں گے۔ اور بحری ممالک میں اس کی ثنا خوانی کریں گے" ۱۲

قیدار حضرت اسمٰعیل ع کے بارہ بیٹوں میں سے دوسرا بیٹا ہے (دیکھو کتاب پیدائش باب ۲۵ آیت ۱۴) جن کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی۔ آنحضرت صلعم انہی قیدار کی نسل سے ہیں (دیکھو نسب نامہ آنحضرت صلعم) اور سلع مدینہ شریف کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ چنانچہ قاموس میں ہے۔

وسلع جبل فی المدینۃ اور صراح میں ہے۔ و نام کوہے بمدینہ، اور صحیح بخاری میں غزوہ تبوک کے ضمن میں حدیث کعب بن مالک رض میں ہے۔

سمعت صوت صارخ اوفی جبل سلع باعلی صوتہ یا کعب بن مالک ابشر۔ (الحدیث)

یعنی حضرت کعب کہتے ہیں کہ جب ہماری توبہ کی قبولیت اتری تو کوہ سلع پر چڑھ کر کسی نے نہایت اونچی آواز سے پکارا اے کعب بن مالک تجھے بشارت ہو۔

پس کتاب یسعیاہ میں آنحضرت صلعم اور آپ کی امت سب داخل ہیں۔

جس جس موقع پر آنحضرت صلعم سے الحمد للہ کہنا منقول ہے ہم ان کے اسرار کے ترتیب وار لکھتے ہیں ان سے معلوم ہو جائے گا کہ آپ واقعی نہایت کثرت سے خدا کی حمد کرنے والے تھے۔ اور احمد ہونے میں اسم بامسمٰی تھے۔

۱۔ نیند سے بیدار ہونے کو کہتے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔ (تیسیر الوصول)

یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ اس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور ہمیں ہر پھیر کر اسی کی طرف جانا ہے"

سِرّ۔ نیند کو اخو الموت کہتے ہیں بعض وقت سوتے سوتے موت ہو جاتی ہے۔ صحیح سلامت بیدار ہونے کو زندگی سے تعبیر کیا۔ اور اس بیداری یا نئی زندگی پر سب سے پہلا کلمہ جس سے آپ کی زبان مبارک گویا ہوئی وہ کلمہ الحمد للہ ہے۔ سبحان اللہ! توجہ الی اللہ اسے ہی کہتے ہیں۔

۲۔ کھانا کھا کر اور پانی پی کر کہتے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ۔ (تیسیر الوصول)

یعنی سب تعریف خدا کو ہے جس نے ہمیں کھانا دیا۔ اور پانی دیا۔ اور ہمیں اپنا فرمانبردار (مسلمان) بنایا"

Marfat.com

سرّ کھانا اور پانی مدارِ حیات ہیں اطبّا کے نزدیک ستّہ ضروریہ میں سے ہیں۔ خدا کی بڑی بھاری نعمت ہیں ان پر شکر کیوں نہ کیا جائے۔ اور خدا کی حمد کیوں بیان نہ کی جائے۔

۳۔ نیا لباس پہنتے تو کہتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ۔

یعنی خدا تعالےٰ کی حمد ہے کہ اس نے مجھے لباس عطا کیا۔ جس سے میں اپنے ننگ کو چھپاتا ہوں اور اپنی اس زندگی میں اس سے زینت پاتا ہوں۔

(تیسیر)

سرّ۔ لباس انسان کے لیے بڑی بھاری نعمت ہے، کائناتِ ارضی میں سوائے انسان کے یہ نعمت کسی دیگر پر نہیں ہے۔ اس میں دو باتیں خاص طور پر مقصود ہوتی ہیں۔ پردہ پوشی اور زیبائش انہی دونوں کا ذکر کر کے خدا کی حمد کے گیت گائے گئے ہیں۔ سبحان اللہ،

۴۔ نیا چاند دیکھتے تو کہتے،

ھِلَالُ خَیْرٍ وَّرُشْدٍ (ثَلَاثَ مَرَّاتٍ) اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَکَ (ثَلَاثَ مَرَّاتٍ) ثُمَّ یَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ذَھَبَ بِشَھْرِ کَذَا وَجَآءَ بِشَھْرِ کَذَا۔

یعنی تین دفعہ کہتے خدا کرے کہ یہ نیا چاند خیر اور بھلائی کا ہو۔ پھر تین دفعہ کہتے۔ میں خدا تعالےٰ پر ایمان لایا جس نے تجھے پیدا کیا پھر کہتے سب تعریف کا مالک اللہ ہے جس نے فلاں مہینہ (خیریت سے) گذار دیا۔ اور یہ نیا مہینہ چڑھایا۔

(تیسیر)

حکمت۔ اس میں پہلے تو خدا تعالےٰ سے بھلائی کی دعا ہے پھر چاند کو مخاطب کر کے خدا پر ایمان لانا اور چاند کا مخلوقِ خدا ہونا۔ اس لیے ذکر کیا کہ ستارہ پرست لوگوں کے نزدیک چاند بھی ایک معبود (دیوتا) ہے سو اس میں ان کی تردید منظور ہے۔ اور چاند کو باوجودیکہ وہ بے جان ہے۔ اس لیے خطاب کیا کہ بعض وقت کسی خاص مقصد کے لیے بے جان چیزوں کو مجازاً خطاب کر لینا۔ ہر زبان میں متعارف و مستعمل ہے۔ اسے انگریزی میں پرسانیفکیشن ... (Personification) کہتے ہیں اس جگہ اس خطاب سے ستارہ پرست قوموں پر اثر ڈالنا منظور ہے۔ اس میں ایک کامل مہینہ زندہ رہنے اور خیریت سے گذارنے پر شکریّہ ہے اور آئندہ مہینہ میں خیریت کی طلب اور دعا ہے۔ (سبحان اللہ!)

۵۔ سفر سے واپس آتے تو کہتے۔

آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ

ہم (ظاہری) سفر سے واپس آئے ہیں۔ خدا کی درگاہ میں

Marfat.com

لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ - (بالطنی) رجوع (و توبہ) کرتے ہیں، خدا کے عبادت گذار اسی کو سجدہ کرتے ہیں اور اپنے رب کی حمد پکارتے ہیں۔
(تیسیر)

۶- نیز آپ نے فرمایا کہ جب کوئی اپنی دعا کی قبولیت معلوم کرے، یا بیماری سے شفا پائے یا سفر سے (بخیریت) واپس آئے تو کہے :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِعِزَّتِهٖ وَجَلَالِهٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰتُ - (الحصن) یعنے ہر طرح کی حمد کا مستحق اللہ ہے جس کی عزت و جلال سے سب نیک مقاصد پورے ہوتے ہیں۔

۷- آپ نے فرمایا کہ چھینک آنے پر کہا کرو :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ - (تیسیر) یعنے ہر حال پر خدا کا شکر ہے۔

حکمت - چھینک سے دماغ کے غلیظ بخارات خارج ہو کر قدرتی طور پر بغیر علاج کے تنقیہ دماغ کا فائدہ ہوتا ہے اور یہ خدا کی بڑی نعمت ہے۔ اس لیے آنحضرت صلعم نے اس پر بھی حمد الٰہی پکارنے کا حکم کیا۔

دیگر یہ کہ آدم علیہ کے قالب میں جب روح پھونکی گئی تو ان کو چھینک آئی اس وقت فرشتوں نے ان کو الحمد للہ کہنے کی تلقین کی۔ پس یہ اُس شکریہ کی یادگار ہے (حجۃ اللہ)

۸- آپ نے فرمایا کہ کسی مبتلائے مصیبت کو دیکھو تو یوں خدا کا شکر کرو :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا - تعریف ہے خدا کو جس نے مجھے اس بلا سے عافیت دے رکھی ہے۔ جس میں تجھے مبتلا کیا ہے۔ اور مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر بزرگی بخشی ہے۔ اس کی حکمت ظاہر ہے۔
(تیسیر)

۹- نیز فرمایا کہ جس شخص کا فرزند فوت ہو جائے اور وہ اس پر بھی خدا کی حمد پکارے تو خدا تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کے لیے جنت میں ایک محل تیار کرو۔ اور اُسے بیت الحمد کے نام سے پکارو۔ (حصن صفحہ ۱۸۰) اس میں یحمدون فی الضراء کی شان ظاہر ہے۔

۱۰- عبد المطلب کے فرزندوں میں سے جب کوئی بچہ بات کرنے لگتا تو آپ سب سے پہلے اسے یہ آیت سکھا دیتے۔

۱۰- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ - ہر طرح کی حمد اللہ ہی کو سزاوار ہے جس نے کوئی متبنّٰی نہیں بنایا اور نہ بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار رہے

Marfat.com

تَکْبِیْرًا۔ (بنی اسرائیل پ۱۵) اور تو اس کی بہت بہت بڑائی بیان کیا کر۔"

حکمت۔ سبحان اللہ! زبان کھلتے ہی خدا کی حمد اور کبریائی سکھائی ہے۔ کہ اس نعمتِ گویائی کا شکریہ ادا ہو۔

۱۱۔ جب سواری کی پشت پر بیٹھتے تو کہتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (ثَلَاثَ مَرَّاتٍ) اَللّٰہُ اَكْبَرُ (ثَلَاثَ مَرَّاتٍ) وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (ثَلَاثَ مَرَّاتٍ)۔

یعنی ہر طرح کی تعریف اللہ کو ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے تابع کیا اور ہم (خود بخود) ایسے (طاقتور) نہ تھے۔ کہ ان کو اپنے قابو میں لے آتے اور یہ بھی ضرور ہے کہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں/ اس کے بعد آپ تین دفعہ الحمد للہ کہتے اور تین دفعہ اللہ اکبر کہتے اور تین دفعہ لا الٰہ الا اللہ کہتے۔

حکمت۔ سواری اسبابِ آسائش میں بڑی نعمت کی چیز ہے۔ اس کے منافع ظاہر ہیں اس پر خدا کا شکر کرنا نہایت موزوں ہے۔

۱۲۔ آپ نے فرمایا کہ کسی کو کوئی خوشخبری ملے تو خدا کی حمد کہے اور آپ کی اپنی عادت بھی تھی کہ خدا کی حمد کرتے اور تکبیر کہتے اور سجدہ شکر ادا کرتے۔ (حصن حصین)

۱۳۔ جب دشمن شکست کھا کر بھاگ جاتا تو کہتے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ الخ۔ (حصن)

یعنے بار خدایا تو ہی ساری حمد کا مالک و مستحق ہے۔ (کہ میرے دشمن کو بھگا کر مجھے امن دیا)

یہ وہ مواقع ہیں جو اسباب و حالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان میں صرف حمد الٰہی کا ذکر ہے۔ ان کے علاوہ اوراد و ظائف کے طور پر ذکر الٰہی کے دوسرے صیغوں مثلاً تسبیح و تکبیر وغیرہ کے ساتھ آپ جو حمد الٰہی کرتے تھے۔ اور اپنے صحابہ رض کو فرماتے تھے۔ وہ بلاشبہ بیش از بیش ہے رات کو بستر پر لیٹنے کے وقت، صبح کے وقت، شام کے وقت۔ پنج وقتی نماز کے بعد تسبیح، تحمید، تکبیر اور کلمہ تمجید کے جو وظائف ہیں، وہ عام طور پر مشہور ہیں۔ تفصیل کی حاجت نہیں۔

اس تفصیل سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کثرت سے خدا کی حمد و ثنا اور اس کا شکر کرتے تھے اور یہ آپ کے اسم احمدؐ کی وجہ سے ہے۔ (بہت حمد کرنے والا) اور اسی کی برکت

Marfat.com

قیامت کو یوں ظاہر ہوگی۔ کہ لوائے حمد یعنے حمد الٰہی کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور سب انبیاء و صلحاء اس کے نیچے جاگزین ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۱) وانا حامل لواء الحمد یوم القیامۃ تحتہ آدم فمن دونہ۔ نیز فرمایا:۔ — یعنے قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور میں فخر سے نہیں کہتا، آدم اور اس کے سوا تمام انبیاء اُس روز میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

(۲) وبیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا تحت لوائی۔ (مشکوٰۃ)

نیز حضرت انس رضہ کی حدیث شفاعت میں ہے۔

فاثنی علی ربی بثناء و تحمید یعلمنیہ۔ (مشکوٰۃ) — یعنے میں اپنے پروردگار کی ایسی حمد و ثنا کروں گا۔ جو خدا تعالےٰ مجھے (اسی وقت) سکھائے گا۔

فاقم ساجدا الربی ثم یفتح اللہ علی من محامدہ وحسن الثناء علیہ شیئا لم یفتحہ علی احد قبلی (مشکوٰۃ) — میں سجدے میں گروں گا پس مجھ پر خدائے تعالیٰ اپنی حمد و ثنا کے ایسے صیغے اور عبارتیں کھولے گا کہ کسی دیگر پر مجھ سے پہلے نہیں کھولے ہوں گے۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

جو مالک و پروردگار ہے سب جہانوں کا

ترکیب نحوی میں لفظ رب سے لفظ مٰلِكِ تک سب صفات ہیں لفظ اللہ کی۔

حل لغات۔ رَبّ اصل میں مصدر ہے۔ یعنے پرورش کرنا، لیکن بنا بر مبالغہ اسم فاعل کے معنے میں مستعمل ہے۔ اور بعض کے نزدیک خود اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ یہ ایک صفاتی نام ہے ذات باری کا، یعنی معنے کہ وہ ہر حالت کے مناسب اسباب مہیا کر کے ہر شے کی پرورش کرتا اور اسے حد کمال تک پہنچاتا ہے۔ اور مالک و صاحب کو بھی کہتے ہیں، مثلاً ربّ الدار اور ربّ البیت وغیرہ۔ سو پہلے معنے کے رو سے ربّ العالمین کے معنے ہیں۔ تمام جہانوں کا پروردگار، اور دوسرے کے رو سے تمام جہانوں کا مالک و صاحب۔

اگر مطلق بغیر اضافت کے مذکور ہو تو صرف ذات باری مراد ہوتی ہے۔ جیسے آیت بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ (سبا پ۲۲) میں اور آیت سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ (یٰس پ۲۳) میں اور اضافت سے ذکر کیا جاوے تو رعایت قرینہ مربی حقیقی خداوند عالم پر بھی بولا جاتا ہے۔

Marfat.com

اور مربی مجازی پر بھی ، مثلاً اسی آیت رب العلمین اور نیز آیت بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ (انبیاء پ۱۷) ہیں کہ سارے عالم و عالمیان کا پروردگار و مالک سوائے اس کے کوئی نہیں اور آیت اُذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ اور آیت اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ (یوسف پ۱۲) ہیں اس سے مراد مربی مجازی شاہِ مصر ہے۔

العلمین عالمین خلافِ قیاس جمع ہے۔ عالَم کی ، قاموس میں ہے ولا یجمع فاعَل بالواو والنون غیرہ وغیر یاسم یعنے جو اسم فاعَل (بفتح العین) کے وزن پر ہو اس کی جمع واو نون سے نہیں آتی ، سوائے عالم اور یاسم کے (ایک پھول) علاوہ اس کے اس کی جمع عوالم بھی آتی ہے۔ صراح میں ہے عالمون عوالم (ج) امام راغبؒ نے واو ، ن سے اس کی جمع آنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ اس کے مفہوم میں انسان بھی داخل ہے اور جب کسی لفظ میں دیگروں کے ساتھ انسان بھی شریک ہو تو انسان کا حکم غالب ہوتا ہے۔ (لہٰذا اس کی جمع و۔ ن سے کی گئی۔ جو زبان میں انسانوں کے لیے ہے)۔

اس لفظ کا اطلاق تمام مخلوقات پر ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ ذاتِ ربِ حق کے سوا جو کچھ بھی موجود ہے۔ خواہ اس کا وجود محض ذہنی و لفظی ہے۔ یا اس کے ساتھ خارجی بھی ہے۔ خواہ اجسام ہیں۔ خواہ ارواح مجردہ۔ خواہ فرشتی ہیں۔ خواہ فلکی و عرشی ، خواہ مرئی ہیں جو نظر آتے ہیں خواہ غیر مرئی جو نظر نہیں آتے۔ کما فی قولہ تعالیٰ:۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ۔ (الحاقہ پ۲۹)

یعنی قسم ہے اس کی جسے تم دیکھتے ہو اور اس کی جسے تم نہیں دیکھتے۔

ان سب کو عالم کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے۔ العالم الخلق کلہ او ما حواہ بطن الفلک

اور مفردات راغب میں ہے۔ العالم اسم للفلک وما یحویہ من الجواھر والاعراض۔

چونکہ عالم کا ذرہ ذرہ اجتماعاً اپنی پیدائش ، اپنی ترکیب ، اپنی وضع قطع ، اپنے افعال و خواص اور دیگر اشیاء سے اپنے نظام وابستگی سے اپنے خالق و پروردگار اور اپنے مالک و مدبر کے وجود و ہستی اور اس کی قدرت و حکمت کی علامت و دلیل ہے۔ اس لیے اسے عالم کہتے ہیں۔ مفردات میں ہے۔

والعالم آلۃ فی الدلالۃ علی صانعہ ولہٰذا احلنا تعالیٰ علیہ فی معرفۃ وحدانیتہ

یعنی عالم آلہ ہے اپنے صانع پر دلالت کرنے میں اسی لیے خدا تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی

Marfat.com

فَقَالَ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ۔ (الآیۃ)

معرفت میں ہمیں اس کا حوالہ دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کیا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں اور ہر اس شے میں جو خدا نے پیدا کی نظر نہیں کی؟

چونکہ انواعِ عالم بکثرت ہیں، جن کی صحیح تعداد ان کا خالق و پروردگار ہی جان سکتا ہے اس لیے اسے بصیغۂ جمع ذکر کیا۔ چنانچہ مفردات میں ہے۔ واما جمعہ فلان من کل نوع من هذه قد یسمی عالما فیقال عالم الانسان و عالم الماء و عالم النار۔ اور صراح میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے عالَم بفتح یک گونہ خلق۔

بطرزِ دیگر اسے یوں سمجھیے کہ عالم کے تین طبقے ہیں۔ بالا فریرین و متوسط یعنے آسمان و آسمانی۔ دستارگان و فرشتگان) اور زمینی (حیوانات، نباتات و جمادات) اور زمین و آسمان کے درمیان کی اشیا جو ان کے اثر سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً ہوا بادل۔ رعد۔ برق وغیرہا، سب الگ الگ عالم ہیں۔

بطریقِ دیگر یوں سمجھئے کہ اشیائے عالم دو طرح کی ہیں۔ ارواح و اجسام یا یوں کہ بعض جواہر ہیں، مثلاً آفتاب و ماہتاب اور زمین و آسمان اور پھل پھول وغیرہ اور بعض عوارض ہیں، مثلاً دن رات اور خوشبو۔

غرض جتنے اعتباروں سے تقسیم کرو۔ ان سب پر عالم کا لفظ اطلاق پائے گا۔ اور نہایت مختصر طور پر یوں سمجھو کہ ماسوے اللہ کو عالم کہتے ہیں۔ تو اب رب العلمین کے معنے ہوئے، جملہ عوالم کا مالک و صاحب، سب کا پروردگار، تدریجی پرورش علے التواتر مناسب اسباب اور مسلسل حفاظت سے حدِ کمال تک پہنچانے والا۔

نکتہ رب العلمین اس لیے کہا کہ حمد و ثنا مختص بذاتِ باری ثابت ہو گویا یہ اسم اللہ کے بعد اختصاص کی دوسری دلیل ہے۔ کیونکہ تمام عالمین کی تربیت خاصہ خداوندی ہے۔ اور اس کے سوا جو کوئی بھی مربی اور ولی نعمت ہے۔ مثلاً اولاد کے حق میں ماں باپ، یا غلاموں اور خدمتگاروں اور ملازموں کے حق میں آقا۔ اول تو ان سب کی تربیت جزوی اور انفرادی ہوتی ہے۔ دیگر یہ کہ وہ بھی تو خداوند تعالےٰ کے پیدا کردہ اسباب سے پرورش کرتے ہیں۔ پس اس کا رجوع بھی اسی ذات کی طرف ہے، اسی لیے خدا تعالےٰ کو مربی حقیقی اور دیگروں

Marfat.com

کو مربّیِ مجازی کہتے ہیں۔ بلکہ یوں سمجھو کہ اس مربّیِ مجازی کا مربّی بننا بھی اس مربّیِ حقیقی کی تربیت میں داخل ہے۔ کیونکہ وہ ایک سبب ہے۔ اور سلسلۂ اسباب اس مسبّب الاسباب کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۔ یعنی تم کو جو بھی نعمت حاصل ہے۔ وہ خدا کی طرف سے ہے۔
(نحل پ۱۴)

پس دیگر سب بمنزلہ خدمتگاروں اور حمّالوں کے وسائط اور ذرائع ہیں۔ جن کے ذریعے سے خداوند تعالےٰ منعمِ حقیقی اپنے بندوں کو نعمتیں پہنچاتا اور ان کی تربیت کرتا ہے۔ (عزیزی)

نکتۂ غریب وارتباطِ عجیب حمد کے بیان میں ہم کہہ آئے ہیں کہ وہ کسی ذاتی وصف کے لحاظ سے ہوتی ہے عام اس سے کہ اس کا اثر کسی دوسرے پر پڑے یا نہ پڑے۔ پس جب حمد اللہ کے لیے ثابت ہے۔ یا خاص ہے۔ تو اس جگہ اسمِ جلالت یعنے اسم اللہ کے اختیار کرنے میں یہ نکتہ ہوا کہ ذاتِ برحق اس لیے قابلِ حمد ہے۔ کہ وہ اللہ ہے۔ یعنے ذاتی طور پر جامع جمیع صفاتِ کمال ہے۔ پھر اس کے بعد رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہہ کر یہ جتایا کہ وہ اپنی ذات میں لائقِ حمد ہونے کے علاوہ فیّاض ومنعم بھی ہے کہ سارے جہان والوں کا پروردگار ہے۔ پس آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ بہر دو صورت خدا کی حمد میں کامل ہوتی۔ (میر)

لطائف نادرہ نمبر ۱ ہر چند کہ یہ سورت اور سارا قرآن شریف تعلیم وہدایتِ بندگان کے لیے ہے ان کو سمجھانے کے لیے صرف ان کی تربیت کا ذکر کافی تھا۔ لیکن پھر بھی جملہ عالمین کا ذکر کیا۔ اور خاص انسانوں سے متعلق نہیں رکھا۔

اوّل اس لیے کہ نوعِ انسانی کی تربیت جملہ عالم کی تربیت سے وابستہ ہے۔ اور سارے عالم کی تربیت ایک ہی نظام وتدبیر میں منسلک ہے۔ جب تک جملہ عالم کی تربیت وانتظام درست نہ ہو نوعِ انسانی کی تربیت اور اس کے بقا و زندگی اور آسائش وآرام کی صورت ممکن نہیں۔ لہٰذا اس جگہ ربّ الناس کی بجائے ربّ العٰلمین کہہ کر مضمون کو بلند پایہ کیا ہے (عزیزی ملخصًا)

دیگر اس لیے کہ ربّ العٰلمین تخصیص حمد بذاتِ باری تعالےٰ کے دلائل ووجوہات میں واقع ہوا ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا۔ پس مقصود کی مناسبت کے لحاظ سے دلیل

Marfat.com

جس قدر بھی ابلغ ہو اس کی خوبی و استحکام زیادہ ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ نوعِ انسانی انواعِ عالم میں سے ایک ہے۔ لہٰذا عالمین کی تربیت کے ذکر میں مضمون تخصیص حمد کے متعلق قوت زیادہ ہے اور بلاغت کی جان یہی ہے۔ کہ مقتضائے حالی اور موقع و محل اور الفاظِ بیان اور مقصود کی مناسبت کی رعایت رہے۔

لطیفہ نمبر ۲ قرآن شریف میں لفظِ ربّ کی اضافت کبھی عالمین کی طرف کی گئی ہے جیسے کہ اس آیت میں ہے۔ اور کبھی اشیائے عالم کی طرف یعنے جو چیزیں لفظ عالم کے مفہوم میں داخل ہیں، مثلاً زمین و آسمان اور ان کی درمیانی اشیاء اور عرش الٰہی .... اور کبھی عوارض و اوضاعِ غیر متناہیہ کی طرف مثلاً مشرق و مغرب، مشرقین و مغربین اور مشارق و مغارب اور کبھی عام لوگوں کی طرف، مثلاً قل اعوذ برب الناس[1] اور کبھی مخاطبین کی طرف مثلاً ربکم و رب اٰبائکم الاولین اور کبھی مذکورین کی طرف مثلاً اولٓئک علیٰ ھدًی من ربھم اور کبھی خاص آنحضرت صلعم کی طرف، واسطے مزید عنایت جتانے کے مثلاً فلا و ربک (پ) اسی طرح دیگر اضافتیں بھی ہیں۔ جس مقام پر جس چیز کی طرف اسی اسم ربّ کو مضاف کیا گیا ہے، وہاں اسی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ انشاء اللہ ان سب کے نکتے ان کی متعلقہ آیات میں بڑی تفسیر تبصیر الرحمٰن بتفسیر القرآن میں بیان ہوں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔

لطیفہ نمبر ۳ اسم اللہ کو اوّل ذکر کیا اور باقی کو پیچھے اس لیے کہ اسم اللہ ذاتی نام ہے اور یہ ہمیشہ موصوف ہوتا ہے، صفت کبھی نہیں ہوتا۔ اس لیے اسے پہلے ذکر کیا۔ اور اس کے بعد رب العالمین وغیرہ صفات بیان کیں۔

لطیفہ نمبر ۴ ذاتِ برحق کی معرفت اوّل تو فطرت سے ہے۔ دوم اس کے افعال و صنائعِ قدرت سے پس الحمد للہ میں اسم اللہ ذکر کر کے فطری رجوع و انابت کی طرف اشارہ کیا۔ جیسا کہ بسم اللہ کی تفسیر میں گذر چکا۔ اور رب العٰلمین کہہ کر دوسرے طریق سے سمجھایا۔ اور معرفت الٰہی کے یہی دو ذریعے ہیں، پس الحمد للہ کے بعد رب العالمین کا جوڑ نہایت موزون و مناسب ہے۔ کیونکہ اس سے ہر دو طریق جمع ہو جاتے ہیں۔

---

[1] حاشیہ کے لیے دیکھو صـــ حاشیہ ۱۲۵ منہ

Marfat.com

قرآن شریف میں اسم ربّ خصوصًا صفت رب العالمین کو خاص اہمیت سے ذکر کیا ہے چنانچہ اسم ربّ قرآن شریف میں سب اسماء سے زیادہ دفعہ یعنے قریبًا سوا نوسو ۹۲۵ دفعہ آیا ہے۔ اس تعداد میں صفت رب العالمین (۴۰) دفعہ ہے۔ اور پورا الحمد للہ رب العلمین (۶) دفعہ ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے الٰہ یعنے مستحق عبادت ہونے کا مدار دو۲ امر ہیں خالقیت اور ربوبیت۔ چنانچہ فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ۔ (پ۱) یعنے اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا کیا۔

اور حضرت عیسیٰؑ کی زبانی ذکر کیا۔

إِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ۔ (آل عمران پ۳) اللہ ہی میرا بھی رب ہے۔ اور تمہارا بھی رب ہے پس تم اسی کی عبادت کرو۔

نیز تمام رسولوں کو خطاب کر کے حکم سنایا:

إِنَّ هٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ۔ (پ۱۷ انبیاء) یعنے بیشک تم سب (رسولوں) کا بھی ایک گروہ ہے اور میں اکیلا تم سب کا رب ہوں، پس میری عبادت کرنا۔

اور یہ سلسلہ ربوبیت اتنا وسیع ہے کہ نظر اٹھا کر دیکھو تو ساری کائنات ارضی و سماوی کی تخلیق انسان کی تربیت کے لیے ہے کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کی پرورش میں مصروف ہے۔

اور اس مشتِ خاکی کا پرزہ پرزہ اسی کے لیے حرکت کرتا رہا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکاراند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ایں ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار حیف باشد کہ تو خود فرماں نہ بری

زمین ہے تو اسی کے قرار و معیشت کے لیے۔ اور پہاڑ ہیں تو اسی کے فائدے کیلئے اگر سورج زمین کو منور کرتا ہے تو اسی لیے کہ وہ انسان کی قرارگاہ ہے۔ اور اگر وہ دنیا جہان پر ضیا باری کرتا ہے تو اس لیے کہ انسان اپنی بصارت سے کام لے سکے۔ اور سورج کو نیز دھوپ اور گرمی ملی ہے۔ تو اس لیے کہ انسان کی خوراک دانواع اقسام کے میوہ جات پختہ ہو کر اس کے بقاء حیات کا قوام بن سکیں، اور مضر صحت عفونتیں دور ہو کر

Marfat.com

اس کی زندگی کے دن صحت و سلامتی سے گذر سکیں، اور سمندر کا پانی بخارات کی صورت میں اڑ کر اور پہاڑوں سے ٹکرا کر ٹھنڈی ہوا سے بارش کی صورت میں زمین پر گرے۔ اور اس کے ویرانوں کو سبزہ زار بنائے جس سے اس کی اور اس کے بہائم کی ضروریاتِ اکل و شراب کا ناپیداکنار سلسلہ قائم ہوا اسی طرح ہوا ہے۔ تو اسی کے سانس لینے کو اور دیگر فوائد کو آگ ہے تو اسی کا کھانا پکانے کو، پانی ہے تو اسی کے پینے کو، مٹی ہے تو اسی کی رہائش و ضروریات اور پیدائشِ روزی کیلئے۔ غرض جو کچھ بھی ہے، اسی کی تربیت کے لیے ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔ (پ۱)

یعنے اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے، تمہارے ہی (فائدے کے) لیے پیدا کیا۔

نیز فرمایا:۔

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ○ (جاثیہ پ۲۵)

جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے، خدا نے سب کو تمہارے ہی کام میں لگا رکھا ہے۔ یہ سب کچھ اسی (کی عنایت) سے ہے۔ بیشک اس میں نشانات ہیں ان لوگوں کے لیے جو سوچ کرتے ہیں۔

اسی طرح سورۂ غافر (مومن) میں سارے سلسلۂ کائنات کو اپنی ربوبیت کا کرشمہ بتانے کے لیے فرمایا:۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ○ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○

یعنے اللہ وہ ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے قرارگاہ بنایا اور آسمان کو عمارت، اور تمہاری صورت بنائی، پس اچھی بنائیں صورتیں تمہاری اور روزی دی تم کو ستھری چیزوں سے، یہی اللہ تمہارا رب ہے پس بہت بابرکت ہے اللہ سب جہانوں کا پروردگار وہی الحی (سدا زندہ) ہے، اس کے سوا کوئی بھی لائق پرستش نہیں، پس تم خالصاً اسی کی اطاعت کی نیت رکھ کر صرف اسی کو پکارو۔ سب تعریف کے سزاوار اللہ ہی ہے۔ جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔

Marfat.com

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِيَ الْبَيِّنَاتُ مِن رَّبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ○

(مومن، پ۲۴)

(اے پیغمبر ان سے) کہو جب میرے پروردگار کی طرف سے واضح دلیلیں آ چکی ہیں۔ تو مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو، اور مجھے حکم یہ ہوا ہے۔ کہ (بس ایک) اللہ کا فرمانبردار ہو کر رہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار و مالک ہے۔

اس مقام پر انسان کو خوبصورت وضع میں پیدا کرنے اور سارے کارخانۂ زمین و آسمان کو اس کے فائدے اور تربیت کے لیے بنانے کا احسان جتا کر اسے خالصًا خدا کی عبادت کرنے، صرف اسی کو پروردگار و کارساز سمجھنے اور صرف اُسی سے دعائیں مانگنے اور اسی کے سامنے اپنی جملہ حاجات کے پیش کرنے کا حکم کیا ہے۔ اور اوپر تلے علی التواتر تین دفعہ صفت ربّ العالمین ذکر کی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ صفت ربّ العالمین ایک خالص شان رکھتی ہے پہلی دفعہ اسباب تربیت کے مہیا کرنے میں خصوصیت جتانے کے لیے دوسری دفعہ خصوصیت محمودیت جتانے کے لیے، تیسری دفعہ خصوصیت معبودیت کا حکم سنانے کے لیے غرض یہ تینوں امر ذاتِ حق سے مخصوص ہیں۔ اور ان سب کی جامع وجہ یہ ہے۔ کہ وہ ربّ العالمین ہے، ع

وہ ربّ العالمین ہونے میں فیضِ عام رکھتا ہے

اور یہ صفت سوائے اُس کے کسی اور میں نہیں ہے۔ پس مذکورہ بالا ہر سہ امور کے لائق بھی اس کے سوائے دیگر کوئی نہیں ہے۔

اسی طرح تمام عالم علوی و سفلی کی پیدائش اور ان میں صرف اسی کا حکم جاری ہونے اور جملہ کائنات کی تدبیر صرف اسی کے ہاتھ میں ہونے کی بابت فرمایا:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ قف يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ

اس میں کچھ شک نہیں کہ تمہارا ربّ تو (بس ایک) اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن (اوقات) میں پیدا کیا پھر (یہ سلسلہ پیدائش) عرش پر جا ختم ہوا، دن کو رات سے ڈھانک دیتا ہے کہ وہ (رات) اس (دن) کو جلد جلد طلب کرتی ہے۔ اور سورج

Marfat.com

وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

(اعراف پ۸)

اور چاند اور دیگر سب ستاروں کو پیدا کیا۔ کہ وہ سب اس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں سُن رکھو! اسی کی ہے خلق اور اسی کا ہے حکم، بہت بابرکت ہے اللہ تمام جہانوں کا پروردگار۔

غرضیکہ دل میں محسن کی عظمت و وقعت بٹھانے اس کی عزت و وقار کا سکہ جمانے اس کے سامنے گردنوں کے جھکا دینے، اس کی خوشنودی کے کام کرنے، اور شکر گزاری میں اس کی تعریف و ثنا کے گیت گانے کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے، اور احسان فراموشی و کفرانِ نعمت اور اس کے مقابلے میں کسی غیر کی فرمانبرداری کی مکروہ برائی سے بچانے کے لیے اس کے احسانات و انعامات جتانے کے برابر کوئی بھی طریقہ موثر نہیں ہے۔ اسی لیے قرآن شریف میں ان مقاصد کے لیے ربوبیتِ الٰہی کا ذکر بیش از بیش ہے۔

چنانچہ خاص خدا تعالےٰ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ گردانے کے متعلق خود انسان کے پیدا کرنے اور اس کے لیے تمام قسم کے اسباب تربیت مہیا کرنے ہی کو پیش کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ۙ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

(البقرہ پ۱)

غافل لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ جس نے تم کو بھی اور تم سے پہلوں کو بھی پیدا کیا، تاکہ تم (عذاب سے) بچ جاؤ (وہ خدا) جس نے تمہارے لیے زمین کو (تو) فرش (قرارگاہ) بنایا اور آسمان کو چھت، اور آسمان (کی طرف) سے پانی اتارا، پھر اس سے کئی قسم کے پھل اور اناج تمہاری روزی کے لیے پیدا کیے۔ تو تم خدا کے ساتھ (کسی کو بھی) شریک نہ بناؤ اور تم کو یہ سب کچھ معلوم ہے۔

۲۔ اسی طرح صرف خدا تعالےٰ ہی کو کارساز و فاتحِ روزگار خالق و رازق بتانے کے لیے فرمایا:۔

مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ

خدا تعالےٰ لوگوں کے لیے اپنی رحمت (کا دروازہ) کھولے تو کوئی اس کے بند کرنے والا نہیں، اور جو بند کر دے تو اس کے بعد کوئی اس کا جاری کرنیوالا

Marfat.com

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ (فاطر پ۲۲)

نہیں۔ اور وہ بڑا زبردست (اور) باحکمت ہے۔ اے لوگو! خدا کی جو جو نعمت تم پر ہے وہ یاد کرو۔ کیا خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دے؟ اس کے سوائے کوئی معبود (برحق) نہیں ہے پس تم لوگ کدھر کو بہکے ہوئے جا رہے ہو۔

۳۔ اسی طرح شرک سے روکنے اور مشرکین کی بے عقلی ظاہر کرنے کے لیے فرمایا:۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ۔ (نحل پ۱۴)

اور یہ مشرکین خدا کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے لیے آسمان و زمین سے کسی قدر روزی کے بھی مالک نہیں۔ اور نہ ان میں اس امر کی استطاعت ہی ہے۔

۴۔ جدّ انبیاء حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں فرمایا:۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (بقرہ پ۱)

جب اسے اس کے پروردگار نے فرمایا (اطاعت میں) گردن رکھو۔ تو اس نے کہا۔ میں نے رب العالمین کے سامنے گردن رکھ دی۔

۵۔ اسی طرح اپنی مشرک قوم سے ان کا خطاب یوں ذکر کیا:

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (عنکبوت پ۲۰)

اور (بھیجا ہم نے) ابراہیمؑ کو، جب کہا اس نے اپنی قوم سے بندگی کرو اللہ کی، اور اس سے ڈرتے رہو یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم سمجھو۔ تم تو پوجتے ہو اللہ کے سوا ایسی بتوں کے تھان اور بناتے ہو جھوٹ بیشک جن کو تم پوجتے ہو سوا خدا کے وہ نہیں مالک ہیں تمہاری روزی کے۔ پس تم ڈھونڈو اللہ کے ہاں روزی اور بندگی کرو اس کی۔ اور شکر کرو اس کا۔ تم کو اسی کی طرف جانا ہے۔

۶۔ اسی طرح ذکر کیا کہ ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو بت پرستی کی جہالت و گمراہی سمجھانے اور بتوں کا بے اختیار محض ہونا بتانے کے بعد صرف خدا تعالےٰ کو معبود گرداننے کی دعوت

Marfat.com

یوں بیان کیں:

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ (شعراء پ۱۹)

پس سوائے رب العالمین کے وہ سب میرے دشمن ہیں۔ جس نے مجھے پیدا کیا پس وہی میرا ہادی ہے اور جو مجھے کھانا کھانے کو اور پانی پینے کو دیتا ہے اور جو مجھ پر موت وارد کرے گا۔ پھر مجھے زندہ کرے گا۔ اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ جزا کے دن وہ میری خطاؤں سے درگزر کرے گا۔

اس مقام پر اسم ربّ العالمین ذکر کرکے اس کے جملہ فیوضِ جسمانی اور روحانی، دنیوی و اخروی حاصلہ و متوقعہ کی فہرست بیان کر دی ہے کہ چونکہ یہ سب کچھ اسی کی ربوبیت کا کرشمہ ہے، اس لیے معبود بھی وہی ہو سکتا ہے۔ لا غیرہ (سبحان اللہ!)

بلقیس ملکۂ سبا جو سورج کی پرستش کرتی تھی، اس کے دماغ سے توہمات تنزکیہ دور ہوئے اور صرف لکیلے خدا کے مستحق عبادت ہونے کا نور اس پر جلوہ گر ہوا تو وہ بھی اسی صفتِ ربّ العالمین ہی کا اقرار کرکے مسلمان ہوئی۔ نظام شمسی کو اسی کی ربوبیت کا کرشمہ سمجھ کر سورج پرستی سے تائب ہوئی اور اُسے ظلم قرار دے کر اپنی گذشتہ روش پر افسوس کرنے لگی۔ چنانچہ اس کا قول اس طرح نقل کیا ہے:

قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (النمل پ۱۹)

کہنے لگی اے میرے مالک و پروردگار بیشک میں اپنی جان پر ظلم کرتی رہی اور اب میں حضرت سلیمانؑ کے ساتھ ہو کر اللہ ربّ العالمین کی فرمانبردار ہو گئی ہوں۔

اسی طرح حضرت الیاسؑ کی زبانی ذکر کیا کہ انہوں نے اپنی مشرک قوم سے کہا:

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۝ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (صافات پ۲۳)

کیا تم پکارتے ہو بعل بت کو اور چھوڑتے ہو احسن الخالقین خدا کو جو تمہارا بھی اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا بھی رب ہے۔

خاص کر دعاؤں کے لیے تو اسی اسم کو مخصوص کیا گیا ہے۔ قریباً تمام انبیاء کی دعائیں جو قرآن مجید میں حکایتہً وارد ہیں۔ یا تعلیماً فرمائی گئی ہیں، ان سب میں بھی اسم ربّ مذکور ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی دعا ہے:

Marfat.com

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۝ (پ ۸، اعراف ۳)

پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم یقیناً زیاں کاروں میں سے ہو جائیں گے۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے کہ انہوں نے موذی قوم کی ایذا سے بچنے کے لیے دعا کی۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ (قمر، پ ۲۷)

پس اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں بے بس ہوں پس تو میری مدد کر۔

نیز کہا:

رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ۔ (مومنون، پ ۱۸)

پروردگار! میری مدد کر۔ کہ انہوں نے مجھے جھوٹا جانا۔

نیز ان کو یہ دعا سکھائی کہ۔

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۝ (مومنون پ ۱۸)

کشتی سے سلامت اترنے کے لیے یوں دعا کرنا کہ اے میرے پروردگار! اتار مجھ کو اتارنا برکت کا، اور تو بہتر اتارنے والا ہے۔

اور اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے اولاد مانگنے کی دعا یوں ذکر کی:

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ صٰفّٰت پ ۲۳

اے میرے رب! مجھے صالح لڑکا عطا کر۔

حضرت لوطؑ نے شریروں کے مقابلہ میں یوں دعا کی:

رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ (عنکبوت پ ۲۰)

پروردگار! شریر و فسادی لوگوں پر میری مدد کر۔

حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ علیہما السلام نے خانہ کعبہ بنایا، تو یہ دعا مانگی:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (البقرہ پ ۱)

اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ عمل) قبول فرما بیشک تو دعاؤں کا سننے والا (اور نیتوں اور کیفیتوں کا) جاننے والا ہے۔

حضرت یوسفؑ کے سب مقاصد بر آچکے تو خاتمہ بالخیر کے لیے یوں دعا کی:

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ

اے میرے مالک و پروردگار تو نے مجھے کسی قدر حکومت بھی بخشی ہے اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم بھی

Marfat.com

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔
(یوسف پ۱۳)

بخشا ہے۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا مددگار ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، مجھے مسلمانی کی حالت میں مارنا اور زمرہ صالحین سے ملا دینا۔

اور اس سے پہلے نفسانی ابتلا سے بچنے کے لیے یوں دعا کی تھی:۔

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ۔ (یوسف پ۱۲)

اے میرے پروردگار! مجھے قید بہت پسند ہے اس (برائی) سے جس کی طرف مجھے یہ عورتیں بلاتی ہیں۔

جب بنی اسرائیل فرعون کے مظالم سے تنگ آ گئے تو حضرت موسیٰؑ نے ان کو صرف خدا پر بھروسا کرنے کا حکم کیا جس پر انہوں نے یہ دعا مانگی:۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ○
(یونس پ۱۱)

اے ہمارے مالک و پروردگار ہم کو ظالم لوگوں کا تختہ مشق نہ بنا، اور ہمیں اپنی رحمت سے ان کافر لوگوں سے نجات دے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی بابت ذکر کیا:

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ۔
(ص پ۲۳)

یعنی اس نے استغفار کیا اپنے رب سے اور گرا جھک کر اور رجوع لایا۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یوں بیان فرمائی:۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ
(ص پ۲۳)

اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے عطا کر ایسی بادشاہی کہ نہ لائق ہو کسی کو میرے پیچھے بیشک تو بڑا بخشش کرنے والا ہے۔

اور حضرت ایوب علیہ السلام کی سخت مصیبت و بیماری کے وقت کی دعا یوں بیان فرمائی:۔

وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔
(انبیاء پ۱۷)

اور ایوب کہ جب پکارا اس نے اپنے رب کو کہ مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اور حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کے متعلق فرمایا:۔

لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ

اگر نہ سنبھالتا اسے احسان تیرے رب کا تو پھینکا

Marfat.com

لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (پ ۲۹ ۔ ن)	رہتا چٹیل میدان میں برے حال میں پس قبول کیا اُسے اس کے ربّ نے اور بنا دیا اسے اچھوں سے ۔

اور حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا دربارۂ طلب ولد یوں ہے :۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ (پ ۱۷ ، انبیاء)	اے میرے ربّ ! نہ چھوڑ مجھے اکیلا اور تو بہتر وارث ہے ۔

اور حضرت عیسٰے علیہ السلام نے نزول مائدہ کے لیے یوں دعا کی :۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۝ (مائدہ پ ۷)	اے اللہ ہمارے ربّ اتار ہم پر ایک بھرا خوان آسمان سے جو ہمارے پہلے اور پچھلوں کے لیے عید ہو اور نشانی ہو اور روزی دے ہم کو ، اور تو بہتر روزی دینے والا ہے ۔

یہ وہ دعائیں ہیں جو قرآن شریف میں انبیائے سابقین کی مذکور ہیں ۔ اور یہ مندرجہ ذیل حاجات کے متعلق ہیں :۔

۱ ۔ گناہ کی معافی کے لیے ۔ ۲ ۔ دشمنوں کے شر سے بچنے کے لیے ۔
۳ ۔ اولاد کی طلب کے لیے ۔ ۴ ۔ عمل کی قبولیت کے لیے ۔
۵ ۔ بیماری سے شفا پانے کے لیے ۔ ۶ ۔ مصیبت سے نجات پانے کے لیے ۔
۷ ۔ کشتی سے سلامت پار اترنے کیلئے ۔ ۸ ۔ خاتمہ بالخیر کے لیے ۔
۹ ۔ حصولِ ملک کے لیے ۔ ۱۰ ۔ طلب رزق کے لیے ۔

انہی میں سے اکثر وہ امر ہیں جن میں لوگ عموماً شرک کرتے ہیں ۔ غیر اللہ کو پکارتے ہیں ، غیروں کی نذریں مانتے ، ان کے نام کے ورد کرتے ، ان کو حاضر ناظر جان کر ان سے فریاد کرتے ان کے نام کے چڑھاوے چڑھاتے ۔ ان کی جگہوں اور مزاروں کے لیے سفر کی صعوبتیں اٹھاتے ۔ اور وہم کے پتلے بنتے ہیں ۔ ان سب کیلئے اس امر کے التزام میں کہ سب انبیاء نے اپنی حاجت کے وقت صرف خدا تعالےٰ سے دعا کی ، اس بات کی دلیل ہے کہ امت کے لوگوں کو بھی یہ حاجتیں پیش آئیں ، تو وہ بھی صرف خدا ہی کو پکاریں ، کیونکہ وہ ربّ العالمین ہے ۔ پس جو اللہ کو اپنا ربّ سمجھے گا ، وہ شرک کبھی نہیں کرے گا ۔

Marfat.com

اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جو دعائیں تعلیم کیں ، وہ بھی رب کے لفظ سے شروع ہوتی ہیں۔ مثلاً فرمایا :۔

(۱) وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۔ پ۱۸

اور کہہ اے میرے مالک و پروردگار میں تیری پناہ لیتا ہوں شیطانوں کی چھیڑ سے اور اے میرے پروردگار میں اس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس بھی پھٹک سکیں۔

(۲) وَ قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۔ (مومنون پ۱۸)

اور کہہ اے میرے مالک و پروردگار بخش اور رحمت کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

(۳) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔ (الفلق پ۳۰)

کہ پناہ لیتا ہوں میں (انقلاب) صبح کے مالک کی۔

جنگِ بدر میں آنحضرت صلعم اپنے تین سو تیرہ[۳۱۳] جان نثاروں کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ اس کی بابت فرمایا :۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ۔ (آل عمران پ۴)

(اے پیغمبر! وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم مومنوں سے فرماتے تھے کہ کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہاری مدد کرے۔

اور مومن نزولِ امداد کے لیے اپنے پروردگار سے جو التجائیں کرتے تھے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے :۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ۔ (انفال پ۹)

یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو وہ تمہاری فریاد کو پہنچا۔

غرض قرآن شریف میں جملہ قسم کی دعاؤں میں خدا تعالے کو اسم رب سے پکارنا مذکور ہے اور ان دعاؤں اور التجاؤں سے اسم رب کو یہ مناسبت ہے کہ گناہوں[۱] کی معافی کے معنے یہ ہیں کہ غضب سے امان دی۔ اور یہ نوازش ہے۔ اور اولاد[۲] کا دینا ، شرِ اعدا[۳] سے محفوظ رکھنا ملک[۴] و دولت کا عطا کرنا ، ایذا[۵] و مصائب سے نجات دینا ، کشتی[۶] سے سلامت پار اتارنا ، رزق میں کشائش کرنا ، جنگ[۷] میں فتح دینا وغیرہ ، سب امور مذکورہ بالا اسی سلسلۂ تربیت کی کڑیاں ہیں اور یہ سب امر رب العالمین کے ہاتھ میں ہیں۔ ان کی بندش و کشائش اسی کے قبضے میں ہے۔ ان سب میں اسی کو پکارنا اور اسی پر بھروسہ رکھنا توحیدِ الوہیت ہے۔ جس کی بنا توحیدِ ربوبیت ہے چنانچہ اسی

Marfat.com

معنے میں فرمایا:۔

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

(احقاف پ ۲۶)

جن لوگوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے۔ پھر وہ مستقیم رہے۔ یعنے جمے رہے اور قائم رہے ان کو نہ تو کسی قسم کا خوف ہوگا۔ اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝

(حٰم سجدہ پ ۲۴)

بیشک جن لوگوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر وہ مستقیم رہے۔ ان پر پے در پے فرشتے نازل ہوتے رہیں گے کہ تم نہ تو کوئی خوف کرو اور نہ کچھ غم کھاؤ بلکہ اس جنت سے خوش ہو، جس کا تم کو دنیا میں وعدہ دیا جاتا تھا۔

غرض اس ساری طویل تحریر سے یہ ہے کہ الٰہ وہ ہو سکتا ہے جو ربّ العالمین ہو۔ تاکہ اس کی ربوبیت کے آگے پرستش کی گردنیں جھک جائیں یا جھک سکیں۔ اور چونکہ ربّ العالمین ذاتِ برحق کے سوا دیگر کوئی نہیں، اس لیے کوئی دوسرا الٰہ بھی نہیں ہو سکتا۔ پس ربّ العالمین توحید ربوبیت یا توحید عبادت کی بڑی بھاری دلیل ہے۔ تمّ والحمد للّٰہ (میر)

توحید الوہیت سے پہلے خدا کی ہستی کی بحث ہے۔ اور یہ اس سے بھی نازک تر ہے کیونکہ جب "خدا کی ہستی" مان لی جائے۔ تو پھر اس کی وحدانیت زیرِ سوال نہیں رہتی جہاں تک ہمارا مطالعہ ہے جتنی کتابوں کو آسمانی اور الہامی اعتقاد کیا جاتا ہے ان میں قرآن شریف ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں ہستی باری تعالیٰ کا مسئلہ مستقل طور پر نہایت کثرت سے اور نہایت واضح و زبردست دلائل سے بیان کیا گیا ہے۔ دیگر کتابوں میں یا تو اس کو چھیڑا ہی نہیں یا ان سے استنباطاً یا ضمناً نکال لیں، تو دیگر امر ہے۔ پھر یہ کہ قرآن شریف نے اس کی ہر شق پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور منکرین کے اوہام و شبہات کے دندان شکن جواب بھی دیئے ہیں۔ غرض اس مسئلہ کو ہر طرح سے تمام و کمال بیان کیا ہے۔ اس کی مفصل بحث ہم نے دوسرے پارے کی آیت اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ الخ میں کر دی ہے۔ اس جگہ صرف یہ مقصود ہے کہ قرآن شریف نے ملحدین (دہریوں اور مادہ پرستوں) کے مقابلہ میں اسی صفتِ ربّ العالمین سے "خدا کی ہستی" کا استدلال کیا ہے۔

Marfat.com

اس کی توضیح اس طرح ہے کہ فرعون محض بے رحم ظالم و سفاک ہی نہیں تھا۔ بلکہ وہ نہایت درجے کا چالاک دم سربہ بھی تھا۔ ایک تھوڑے سے علاقے یعنے سرزمینِ مصر کی حکومت پر غرہ کر کے خود خدائی کا مدعی بن بیٹھا تھا۔

اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی۔ (پ۳۰ نازعات) میں تمہارا سب سے اعلیٰ رب ہوں،

کی ہوائیاں چھوڑتا اور لوگوں کو اپنی عبادت پر مجبور کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے لوگوں سے کہا:۔

مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ۔ (قصص پ۲۰) یعنے (لوگو!) مجھے تو اپنے سوائے تمہارا کوئی معبود معلوم نہیں،

موسےٰ کہاں سے کہتا ہے کہ کوئی رب العالمین بھی ہے؟ خوشامدی درباری ماننے کو تیار تھے۔ جس سے فرعون کا دماغ ایک بانس اور چڑھ گیا۔

خدائے تعالےٰ نے فرعون کے دماغ سے یہ ہوا نکالنے کے لیے اور اس پر حجت پوری کرنے کے لیے حضرات موسےٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرمایا۔

فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (شعراء پ۱۹) یعنے تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں۔

موسےٰ علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل میں فرعون سے کہا:

یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ یعنے اے فرعون! بیشک میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

چالاک فرعون نے بھولا بن کر کہا۔

وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (شعراء پ۱۹) یعنے رب العالمین کیا شے ہے؟

یہ سوال ایسا تھا کہ گویا اس کی ضمیر میں رب العالمین کے اقرار کی آواز ہے ہی نہیں۔ نہ تو اسے اپنے پیدائش و پرورش نظر میں ہے۔ اور نہ اس طرف توجہ ہے، کہ اتنے بڑے عالم بالا و زیرین آسمان و زمین خشکی و تری اور عالمِ جو کی مخلوقات کا کوئی خالق کوئی مالک، کوئی مدبر و محافظ اور کوئی پروردگار بھی ہے، اور ہونا چاہیئے۔ آخر اتنا بڑا کارخانہ بغیر کسی مدبر و ناظم کی تدبیر و انتظام کے کس طرح قائم و جاری ہے۔ موسےٰ علیہ السلام کے صرف رب العالمین کہنے میں یہ سب باتیں آگئی تھیں اور اس میں فرعون کے لیے کافی سوجھ تھی، لیکن بجائے اس کے کہ فرعون قابل بحث امر یعنے رسالتِ موسیٰ ؑ کو بحث میں لاتے الٹا ہو کر چلا اور ذاتِ برحق رب العالمین کی ہستی کو

Marfat.com

جزئیہ پر سوال نہیں ہوسکتی تھی، مشتبہ کرنے بلکہ اس کی نفی کرنے کے لیے مَا سے سوال کر دیا۔ جو اس کی نسبت ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ کلمہ مَا سے اس شئے کی نسبت سوال ہوتا ہے جس کی حقیقت میں شمول و فصل ہو۔ یعنے اس کی حقیقت میں ایک جزایسی ہو کہ وہ دیگر ایک میں بھی پائی جائے۔ اور ایک جزایسی ہو جو اُسے دیگروں سے متمیز کر دے۔ مثلاً اگر انسان کی ماہیت کی بابت سوال کریں کہ۔

اَلْاِنْسَانُ مَا هُوَ؟ یعنے انسان کیا شے ہے، یا یہ کہ انسان کی ماہیت کیا ہے؟

تو جواب ہو گا۔

هُوَ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ۔ یعنے وہ مدرکِ جزئیات و کلیات زندہ ہستی ہے۔

اس کی ایک جزو حیوان میں بھیڑ بکری وغیرہ دیگر جانور بھی شامل ہیں، لیکن دوسری جزو ناطق اسے ان سب سے متمیز کر دیتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ذاتِ برحق ترکیب و شمول سے پاک ہے۔ کیونکہ اگر وہ بھی ترکیب و شمول کے ماتحت ہو، تو وہ بھی منجملہ عالم کے ایک ہو گی۔ اور اس کے لیے بھی کسی ترکیب دینے والے اور پرورش کرنے والے کی ضرورت ہو گی۔ وَهٰلُمَّ جَرًّا اور یہ بالکل باطل ہے۔

چنانچہ حکیم بہمن یار مابعد الطبیعۃ میں فرماتے ہیں۔

فالواجب الوجود بذاته لا علة له یعنے ذاتِ حق جو بذاتِ خود واجب الوجود ہے اس کی کوئی علت نہیں۔

اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سوال کو کاٹ دیا کہ ذاتِ رب العالمین کی بابت مَا سے سوال نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کا اقرار ہر فطرت میں مرکوز ہے اور اگر وہ آواز حجابات کے بوجھ سے دب گئی ہو۔ تو اسے خواصِ لازمہ اور آثار و افعالِ قدرت سے پہچان سکتے ہیں، کیونکہ فعل بغیر فاعل کے نہیں ہو سکتا اور اس کائنات کو عالم اسی لیے کہتے ہیں کہ اس سے اس کے

۱؎ حکیم ارسطو کے شاگرد حکیم زینون کبیر، معلم ثانی ابونصر فارابی اور حکیم بہمن یار کے رسائل میں اس قسم کی عبارتیں بہت ہیں۔ کہ ذاتِ حق بذاتِ خود موجود و قائم ہے۔ اور اس کی کوئی علت نہیں اور دیگر سب کا وجود و بقا اس کے حکم د سہارے سے ہے۔ اور اس کی نسبت ماہیت کا سوال نہیں ہو سکتا۔ ۱۲ منہ۔

Marfat.com

خالق و مدبر کی ہستی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ عالم بلکہ اس کا ذرہ ذرہ اس کی ہستی کی کافی علامت ہے۔لان العالم مایعلم بہ کالخاتم مایختم بہ کما مر اور اسی نظر سے اس ذاتِ برحق کو ہیں (موسےؑ) نے رب العالمین کہہ کر پکارا ہے۔ کہ وہ سارے عالم کا رب ہے جس کا ہونا ضروری ہے۔ غرض موسے علیہ السلام نے ان سب باتوں کو ملحوظ رکھ کر زمین و آسمان اور ان کی درمیانی کائنات کی ربوبیت اور ان کے باقاعدہ انتظام و تدبیر سے استدلال کر کے کہا:

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (شعراء پ۱۹) — وہ جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔

فرعون نے اس پر جرح کی تو آپ نے جواب دیا:

رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ۔ — یعنے تمہارا بھی رب اور تمہارے باپ دادوں کا بھی رب ہے۔

فرعون نے پھر جرح کی تو آپ نے جواب میں فرمایا:

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ — یعنی وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔ اگر تم عقل کرو تو سمجھ سکتے ہو۔

ان آیتوں کی پوری تفسیر و توضیح اور حضرت موسے علیہ السلام کے جواب کی تنقیح انشاء اللہ سورتِ شعراء (پ۱۹) میں ان آیتوں کے موقع پر کی جائے گی۔ لیکن اس وقت ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ موسے علیہ السلام نے دہریہ کے جواب میں خدا کی ہستی کے ثبوت میں مصنوعاتِ قدرت میں شانِ ربوبیت ہی کا جلوہ دکھایا ہے۔ پہلے جواب میں یہ بتایا ہے۔ کہ اس کی ربوبیت زمین و آسمان اور ان دونوں کے درمیان یعنے ہر مکان علوی و سفلی اور درمیانی میں جلوہ گر ہے۔ دوسرے میں یہ جتایا ہے کہ اس کی ربوبیت ہر زمانے میں بھی ہے، پہلے زمانوں میں بھی اور موجودہ میں بھی۔ تیسرے میں بھی سمجھایا ہے، کہ اس کی ربوبیت جس طرح ہر مکان و ہر زمان میں ہے اسی طرح اوضاعِ غیر متناہیہ میں بھی ہے، کیونکہ مشرق و مغرب اوضاعِ غیر متناہیہ ہیں (عزیزی)۔ اس پر فرعون لاجواب ہوجاتا ہے اور بقول ائے سہ

چو حجت نماند جفا جوئے را | بپرخاش درہم کشد روئے را

Marfat.com

کھسیانا ہو کر کہتا ہے :۔

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۔ (شعراء پ۱۹)

یعنی (اے موسٰے) اگر تو نے میرے سوا کسی اور معبود کو گردانا تو میں ضرور ضرور تجھے قیدیوں میں (داخل) کردوں گا۔

موسٰے علیہ السلام بقاعدہ "آہن را آہن باید کوفت" اس کے جواب میں لاٹھی دکھاتے ہیں۔ جو ایک خونخوار اژدہا کی صورت میں نمودار ہو کر فرعون کا سارا زور توڑ دیتی ہے۔ فرعون اسے جادو اور طلسم قرار دیتا ہے۔ اور اپنے ملک کے تمام علم والے تجربہ کار جادوگروں کو مقابلہ کے لیے جمع کرتا ہے۔ جادوگر مغلوب ہو کر پکار اٹھتے ہیں :۔

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۔

یعنی ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ۔ وہ رب العالمین جس کا پتہ موسٰے اور ہارون دیتے ہیں۔

اس وقت جادوگروں نے بھی رب العالمین ہی کہکر پکارا (مستفاد از فصوص الحکم و تفسیر رحمانی)

الغرض۔ شہادتِ فطرت کے بعد صفت رب العالمین خدا کی ہستی اور توحید کی سب سے بڑی اور سب سے زبردست دلیل ہے کہ اسی کے فیض سے جملہ کائنات قائم ہے۔ اور اسی کے کرم سے یہ سارا سلسلہ چل رہا ہے۔ کافر کو شاکر بنانے بھولے ہوئے منکر کو اس کا خالق و رازق منوانے اور اس کے دل میں جذبۂ عقیدت و محبت پیدا کرنے کے لیے سب سے بڑھ کر مؤثر یہی شانِ ربوبیت ہے۔ شانِ رحمانی و رحیمی (جس کا ذکر اس کے بعد آتا ہے) ان کا آئینہ بھی یہی ہے۔

پھر اپنے نفس سے گذر کر دیگر کائنات کے ذرے ذرے میں نظر کریں تو اسی کے جمال کا مشاہدہ ہوگا۔ چنانچہ فرمایا :۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (ذاریات پ۲۶)

یقین والوں کے لیے زمین میں بھی کئی نشان ہیں بلکہ تمہارے اپنے نفسوں میں بھی ہیں۔ تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

ربوبیت عامہ کے یہ وہ احسانات ہیں۔ جو براہِ راست خدا تعالٰی کیطرف سے بارش کی طرح برس رہے ہیں۔ اور ان میں کسی دیگر کا خیال و وہم تک نہیں آسکتا۔ پس ان احسانات کی یاد اس محسن کے سامنے اہلِ دل کی گردنیں بھی جھکا دیتی ہے۔ اور شرک کے نزدیک تک بھی پھٹکنے نہیں دیتی۔

Marfat.com

دینِ حق کا دوسرا اعتقادی رکن نبوت ہے۔ اس کے لیے بھی اسی ربوبیتِ عامہ سے استدلال کیا ہے۔ آدم علیہ السلام کے دیر بعد جب گمراہی پھیل گئی۔۔۔۔ لوگوں نے صالحین کے بت بنا کر ان کی پوجا شروع کر دی۔ اور ان ہاتھوں کے حاصل کرنے اور مصائب سے نجات پانے کے لیے ان کو پکارنے لگے، تو خدا تعالیٰ نے سب سے پہلا رسول جو مبعوث کیا، وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ ان کی قوم نے اس خیال سے کہ ہمارا موجودہ طریقہ پرانا چلا آیا ہے۔ الٹا نوح علیہ السلام کو گمراہ قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا:

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

(سورۃ اعراف)

(پ ۸)

اس کی قوم میں سے سرداروں نے کہا کہ ہم تو تجھ کو صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ (نوح نے) کہا اے میری قوم مجھ میں تو گمراہی (کی کوئی بات) نہیں ہے بلکہ میں پروردگارِ عالم کا رسول ہوں، تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں۔ اور میں خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ کیا تم کو تعجب ہوا کہ تم کو تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر نصیحت آئی تاکہ وہ تم کو خطرات سے آگاہ کرے اور تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو اور تم پر خدا کی رحمت

ترجمہ۔

اس مختصر سی تقریر میں تین دفعہ خدا تعالیٰ کی ربوبیت مذکور ہے اور اظہارِ دعویٰ میں صفت ربّ العالمین کا ذکر ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت نوحؑ نے ربّ العالمین کی تربیت جتا کر ان کی گردنوں کو جھکانا چاہا۔۔۔۔۔ لیکن وہ لوگ سرکشی میں بڑھ گئے۔ اور کفر و شرک پر اڑ بیٹھے تو ان پر ایک عالمگیر عذاب آیا۔ جس سے سوائے معدودے چند مومنین کے تمام ہلاک ہو گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بہت لمبا زمانہ گزر گیا۔ اور لوگ پھر گمراہ ہو کر شرک کرنے لگے، تو خدا تعالیٰ نے قومِ عاد میں سے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ لوگوں نے کہا، تم کو تو کچھ عقل ہی نہیں۔ کیونکہ لوگ ذہنیت کی کجی سے شرک کو نہایت معقول بات سمجھے ہوئے تھے۔ اس پر نبی اللہ نے اسی صفت ربّ العالمین کو پیش کر کے ظاہری تربیت سے باطنی تربیت

Marfat.com

پر استدلال کیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(اعراف پ ۸)

(حضرت ہود علیہ السلام نے) کہا اے میرے بھائیو! مجھ میں تو کسی قسم کی نادانی نہیں ہے۔ بلکہ میں تو رب العالمین کا فرستادہ ہوں۔ تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔ اور میں تمہارے لیے امانت دار خیرخواہ ہوں۔ کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تم کو نصیحت تمہارے رب کی طرف سے تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر کہ تم کو خطرات پر آگاہ کرے۔ اور تم وہ وقت بھی یاد کرو۔ جب تم کو نوح ؑ کی قوم کے بعد (زمین میں) مختار کیا۔ اور زیادہ کیا تم کو بدن کے پھیلاؤ میں۔ پس تم خدا کی نعمتیں یاد کرو تاکہ تم نجات پاؤ۔

یہ لوگ بھی اپنی ضد پر اڑے رہے اور عذاب الٰہی سے تباہ ہو گئے۔ اِلّا وہ جو ایمان لے آئے تھے بچا لیے گئے۔ بہت مدت بعد پھر شرک پھیل گیا، تو خدا تعالیٰ نے قوم ثمود میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ انہوں نے لوگوں سے یوں خطاب کیا:۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔

(اعراف پ ۸)

بھائیو! خدا کی عبادت کرو۔ کیونکہ اس کے سوائے کوئی بھی تمہارا (سچا) معبود نہیں ہے بیشک تم کو پہنچ چکی ہے۔ تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل۔

جب یہ لوگ بھی کفر پر مصر رہے اور ان پر بھی عذاب آیا تو حضرت صالح علیہ السلام از روئے تحسر کہنے لگے:۔

يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۔ (اعراف پ ۸)

میرے بھائیو! میں تو تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا اور تمہاری خیرخواہی بھی کر چکا۔ لیکن تم تو نصیحت کرنے والوں کو پسند ہی نہیں کرتے۔

ان ہر دو آیات میں بیّنہ اور رسالت کو اسم رب کی طرف مضاف کیا ہے۔
پھر حضرت شعیب علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا۔ کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا:۔

Marfat.com

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

(اعراف پ۸)

میرے بھائیو! خدا کی عبادت کرو۔ اس کے سوائے تمہارا کوئی بھی (سچا) معبود نہیں ہے۔ بیشک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل آچکی ہے[1]

(۲) فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝

(اعراف پ۹)

پس (حضرت شعیبؑ) ان سے پرے ہٹ گئے اور کہنے لگے اے میری قوم میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے تھے۔ اور تمہاری خیرخواہی کی تھی۔ پس (اب) میں منکر لوگوں پر کیسے افسوس کروں؟

انہوں نے بھی دلیل میں ربوبیت ہی کو پیش کیا ہے۔

اسی طرح سورتِ شعراء میں مسلسل طور پر حضرات موسیٰؑ۔ ابراہیمؑ نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، لوطؑ اور شعیب علیہم السلام میں سے ہر ایک کے بیان میں اسم ربّ العالمین صریحاً مذکور ہے۔ اور اسی سورت میں ضمنی طور پر بسلسلۂ ذکرِ قیامت مذکور ہے کہ مشرکین دوزخ میں پڑے ہوئے اپنے باطل معبودوں سے کہیں گے:

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (شعراء پ۱۹)

یعنی خدا کی قسم ہم صریح گمراہی میں تھے کہ تم کو ربّ العالمین کے برابر سمجھتے تھے۔

پھر سب کے بعد خاتمۂ سورت کے قریب آنحضرت صلعم کی نبوت کے سلسلہ ہی میں جو اصل مقصود ہے، قرآن شریف کی بابت فرمایا:۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

یعنی بیشک یہ قرآن شریف ربّ العالمین کا اتارا ہوا ہے۔

✣ ✣ ✣ ✣ ✣

اب اس سورت کے شروع کو بھی دیکھو کہ اس میں فرمایا:۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا

کیا ان لوگوں نے زمین کی طرف نظر نہیں کی کہ ہم نے

---

[1] گو بظاہر دنیوی روزی کی کفالت مراد ہے لیکن چونکہ دوسرے مقامات پر انہی انبیاء کے ذکر میں ربوبیت کو مقامِ نبوت میں پیش کیا ہے (جیسا کہ اوپر نقل ہو چکا ہے۔ اس لیے یہاں بھی اس کا لحاظ ہے۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (شعراء رکوع اوّل)

اس میں کتنی عمدہ عمدہ جنسیں پیدا کی ہیں۔ بیشک (ان کے لیے) اس میں (بڑا بھاری) نشان ہے لیکن اکثر ان میں سے ایماندار نہیں ہیں۔

دیکھو شروع میں زمین کی عمدہ عمدہ پیدائشیں ذکر کی ہیں، جو خدا کی ربوبیت عامہ کی ایک صورت ہے اور توجہ دلائی ہے کہ منکرین نبوت کے لیے اس میں بھاری نشان ہے۔ پھر اس کے بعد مسلسل طور پر کئی ایک پیغمبروں کا ذکر کیا ہے۔ اور ہر ایک کے ذکر میں اپنے رب العالمین ہونے کا ذکر کیا۔ اور خاتمہ پر اصل مقصود یعنے نبوت محمدیہ کا ذکر بھی اسی صفت رب العالمین کو یاد دلا کر کیا ہے۔ (سبحان اللہ) اور اس کے علاوہ دوسرے موقعوں پر بھی اسے نہیں بھلایا۔ چنانچہ سورہ الٓمٓ سجدہ میں فرمایا:۔

تَنزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ۔

یعنی اس کتاب کا اتارنا جس میں شک کی کوئی بات نہیں ہے رب العالمین کی طرف سے ہے۔

نیز سورت واقعہ پ۲۷ اور سورت حاقہ پ۲۹ میں بھی فرمایا:

تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ۔

یعنی یہ قرآن کریم رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔

اسی طرح سورۂ یونس میں فرمایا:

وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ۔

یعنی (یہ قرآن) کتاب اللہ کی تفصیل ہے جس میں کوئی شک (کی بات) نہیں ہے رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا۔

(پ۱۱)

نیز فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا۔ (نساء پ۶)

اے لوگو! تم کو تمہارے پروردگار کی طرف سے برہان (واضح دلیل) آچکی اور ہم نے تمہاری طرف نور مبین (قرآن) بھی نازل کیا ہے۔

نیز فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ۔ (النساء پ۶)

یعنے اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کا پیغمبر سچ لے کر آچکا ہے پس (اس پر) ایمان لے آؤ تمہارے لیے بہت بہتر ہوگا۔

Marfat.com

اسی طرح اور آیات بھی بکثرت ہیں جن میں تنزیل قرآن اور رسالت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذکر میں صفت ربوبیت مذکور ہے۔

تو اس سارے سلسلے سے ایک ہوشمند آدمی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ کہ متکلم قرآن (خدا تعالےٰ) کو اپنی عالمگیر ربوبیت اور بعثت انبیاء میں کمال درجے کی مناسبت ملحوظ ہے اور وہ یہ ہے کہ جس خداوند جلّ و علا نے تمہاری جسمانی تربیت کے لیے اتنا بڑا نظام قائم کر رکھا ہے، اسی نے تمہاری روحانی و اخلاقی تربیت کے لیے یہ نظام نبوت بھی قائم کیا ہے۔ بلکہ نظام روحانی اصل مقصود ہے، اور جسمانی اس کے تابع۔ کیونکہ اگر تربیت روحانی کا انکار کیا جائے، تو شرعی امر و نہی، عقلی حسن و قبح اور نیکی و بدی سب بے اثر اور حیات دنیوی بالکل بے ثمر سمجھی جائے گی اور سارا کارخانہ دنیا عبث و بیکار ہو جائے گا۔ اور یہ بالکل باطل ہے۔ دیگر یہ کہ فضائل کا اکتساب اور رذائل سے اجتناب ایک بے حقیقت تخیل سمجھا جائے گا۔ اور انسان کو اپنی شرافت سے گر کر بہائم کی قطار میں شامل ہونا پڑے گا اس طرح انسان اور بہائم میں کوئی تمیز باقی نہیں رہے گی۔ انسان کو محض اس کے بدن کی سیدھی قامت، متناسب اعضاء اور خوبصورت ہیکل کی وجہ سے بہائم پر شرف و فضیلت نہیں ہے۔ بلکہ اصل وجہ شرافت اس کی روحانی قابلیت ہے جس کی وجہ سے وہ خدا تعالےٰ کے امر و نہی کا حامل قرار دیا گیا۔ جس کا سر آیت اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ الایۃ احزاب پ۲۲ میں مستور ہے۔ پس اس کے جسم کی تربیت کے لیے جو بمقابلہ روح کے عارضی ہے اتنا بڑا نظام عالم قائم کرنا اور روح کی پرورش کو جو جوہر اصلی ہے۔ نظر انداز کر دینا این چہ؟

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى۔ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اُسے مہمل و بیکار چھوڑ دیا جائے گا؟

اسلام کا تیسرا اعتقادی رکن مَعَاد ہے یعنے یہ کہ ہمیں اس زندگی کے بعد اپنے اعمال کی جواب دہی اور جزا سزا کے لیے خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔ خدا تعالےٰ نے اس کے لیے ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ جس کے نام یوم القیامہ، یوم الحساب، یوم الدین اور یوم الفصل وغیرہ ہیں۔ نیک لوگ نیک جزا پا کر جنت میں جائیں گے (اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا) اور بُرے برائی کا بدلہ دوزخ میں بھگتیں گے۔ (اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا)۔

اس مضمون کو اصالۃً تو (انشاء اللہ) آیت مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ کی تفسیر میں بیان کیا

Marfat.com

جائے گا۔ لیکن یہاں صرف رب العالمین کے ماتحت اتنا بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن شریف نے جزا سزا کے مسئلے میں بھی خدا تعالےٰ کی ربوبیت کا کثرت سے ذکر کیا ہے۔

اس مضمون جزا و سزا کے عنوانات (ہیڈنگ یا لیڈنگ فیچرز) یہ ہو سکتے ہیں:۔

۱۔ خدا تعالےٰ نے اس کارخانۂ دنیا کو عبث نہیں بنایا۔

۲۔ انسان کے اعمال کا نتیجہ ضروری ہے۔

۳۔ مالک کا حق ہے کہ اعمال کی باز پرس کرے۔

۴۔ شاکر و کافر، مطیع و عاصی، محسن و مسیئی (نیکوکار و بدکار) میں امتیاز ضروری ہے۔

۵ دنیا میں حق و باطل ملا جلا ہے۔ قطعی فیصلہ سوائے خدائے خلاق کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔

۶۔ حشر اجساد ممکن ہے۔

۷۔ منکرین کے شبہات اور ان کے جوابات۔

قرآن شریف میں ان سب عنوانوں کے بیان میں اسم رب کا ذکر کثرت سے ہے۔ چنانچہ ہم ہر ایک کے متعلق بلا رعایت ترتیب بعض آیات نقل کرتے ہیں، جن میں اسم رب خاص طور پر مذکور ہے۔

۱۔ سورۂ مومنون میں قیامت کے حساب کتاب کے ذکر کے بعد فرمایا:۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ۔ (مومنون پ۱۸)	کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف پھر نہ آؤ گے؟ پس خدا جو سچا بادشاہ ہے (اس سے) بہت بلند ہے۔ اس کے سوائے کوئی بھی معبود (برحق) نہیں (وہ) عرش بزرگ کا مالک ہے۔ اور جو کوئی خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے گا جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، تو بس اس کا حساب اس کے پروردگار کے پاس ہے۔ بیشک کافر فلاح نہیں پائیں گے۔

اس میں انسان کو عبث پیدا نہ کرنے اور حساب اعمال کے لیے لفظ رب ذکر کیا ہے۔

۲۔ سورۂ فجر میں قوم عاد و ثمود اور فرعون کے طغیان و سرکشی اور دنیا میں ان کے فساد و بیداوی

Marfat.com

کا ذکر کر کے فرمایا:۔

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ۔ (فجر پ۳۰)

پس پھینکا ان پر تیرے رب نے عذاب کا کوڑا بیشک تیرا رب (نافرمانوں کی) تاک میں ہے۔

اسی طرح سورۂ حاقہ میں بھی قوم لوطؑ وغیرہ اور انہی کفار کا ذکر کر کے فرمایا:

فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ (حاقہ پ۲۹)

پس نافرمانی کی ان سب نے اپنے رب کے رسول کی پس پکڑی ان کو بلند سخت پکڑ۔

اسی طرح سورۂ طلاق میں مجملاً کئی ایک گذشتہ قوموں کے بداعمال کے برے نتیجے کی بابت فرمایا:۔

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝ (پ۲۸)

اور بہت بستیاں ہو گذریں جنہوں نے اپنے پروردگار اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرکشی کی۔ پس ہم نے ان کا بڑی سختی سے حساب لیا اور ان کو بہت بری سزا دی۔ پس چکھا انہوں نے اپنے اعمال کا وبال اور انجام کار ان کو گھاٹا ہی گھاٹا ہوا۔

۴۔ انسان پر جب اسباب رفاہیت کی فراوانی ہوتی ہے۔ تو یہ سرکش ہو جاتا ہے اور مالک حقیقی کے احکام کی پرواہ نہیں کرتا۔ ایسے انسان کو ان لفظوں میں سمجھایا:۔

(۱) كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ ۝ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ۝ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۝ (علق پ۳۰)

اگر انسان سرکشی کرتا ہے۔ دیکھتا ہے اپنے آپ کو بے نیاز، بیشک تیرے پروردگار کی طرف (ضرور) لوٹ کر آتا ہے۔

(۲) يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ۔ (انشقاق پ۳۰)

اے آدم زاد! تو گھسٹ گھسٹ کر (آہستہ آہستہ) اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے۔ پھر تو اس سے جا ملے گا۔

(۳) يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ۝ (انفطار پ۳۰)

اے آدم زاد! تجھ کو کس چیز نے تیرے صاحب کرم مالک سے بھلا دیا۔ جس نے تجھے بنایا تو درست بنایا پھر تیرے جوڑ بند متناسب بنائے (اور) جس وضع قطع پر چاہا جوڑ دیا مگر بات یہ ہے کہ تم جزا سزا کو نہیں مانتے۔

Marfat.com

۳۔ جان کنی کی بے بسی کا نقشہ کھینچ کر اپنے مالک وصاحب اور پروردگار کی طرف چلنا اس طرح سمجھایا:۔

كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۝ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ۝

(القیامۃ پ ۲۹)

سنو! جب جان ہنسلی تک آ پہنچے گی، اور لوگ کہنے لگیں کوئی جھاڑنے والا ہے؟ اور (بیمار خود) گمان کرے گا۔ کہ بس اب مفارقت کا وقت) ہے اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے گی۔ اس دن (تجھے) اپنے پروردگار کی طرف چلنا ہو گا۔

۴۔ مومنوں کو جو محاسبۂ اعمال اور اپنے رب کے سامنے پیش ہونے کا کھٹکا لگا رہتا ہے، اس کی بابت فرمایا:۔

(۱) الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

(البقرہ پ ۱)

جن کو کھٹکا لگا رہتا ہے کہ وہ ضرور اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں اور وہ ضرور اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

(۲) وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ۔ (رعد پ ۱۳)

اور وہ ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور خوف رکھتے ہیں برے حساب کا۔

(۳) إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ (مومنون پ ۱۸)

تحقیق وہ جو اپنے رب کے جلال سے ڈرتے ہیں اور جو اپنے رب کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو اپنے رب سے شریک مقرر نہیں کرتے، اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ کر دے سکتے ہیں، اور (اس پر بھی) ان کے دلوں میں ڈر لگا رہتا ہے، کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف کو ٹنے والے ہیں۔

(۴) إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا۔ دہر پ ۲۹

ہم کو اپنے رب سے اس دن کا ڈر لگا رہتا ہے جس میں منہ بنانا اور تیوری پڑھانی پڑے گی۔

۵۔ دنیا میں مذہبی اختلافات بھی موجود ہیں۔ جھوٹے بھی خدا ہی کا نام لے کر بکتے ہیں۔ کہیں حقوق کا جھگڑا ہے۔ کہیں ظلم و بیداری کا واویلا ہے۔ سچ جھوٹ ملا جلا ہے۔ آخر اس کا فیصلہ و انصاف بھی تو ضروری ہے۔ سو اس کی بابت فرمایا:۔

Marfat.com

(۱) إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ (سجدہ پ۲۱)

بیشک تیرا رب ہی قیامت کے دن ان لوگوں میں امور کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ۔

(۲) وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

(زمر پ۲۳)

اور کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ پھر تمہارا رجوع تمہارے رب کی طرف ہوگا پس وہ تم کو سب اعمال بتا دے گا۔ جو تم کرتے رہے ۔

(۳) إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ

(زمر پ۲۳)

اے پیغمبر بیشک تجھے بھی مرنا ہے۔ اور ان کو بھی مرنا ہے پھر تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑو گے ۔

(۴) وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

(پ۳۰)

تباہی ہے کم تولنے والوں کی کہ جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں۔ اور جب ان کو ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا ان کو اس بات کا خیال نہیں کہ وہ اس بڑے دن میں اٹھائے جائیں گے جس دن تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ۔"

۶ - نیکوں اور بدوں کے انجام اور ان کی جزا سزا کے متعلق فرمایا:

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ۝ فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۔

(طور پ۲۷)

بیشک پرہیزگار باغوں میں ہوں گے اور نعمتوں میں مزے اٹھائیں گے ان (نعمتوں) سے جو دے گا ان کو پروردگار ان کا اور بچائے گا ان کا پروردگار عذاب دوزخ سے ۔

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۔

(ابراہیم پ۱۳)

مثال ان لوگوں کی جو اپنے پروردگار سے منکر ہوئے یہ ہے کہ ان کے اعمال مثل راکھ کی ہیں کہ آندھی کے دن اس پر سخت ہوا چلی تو وہ برباد ہوگئی انہیں قدرت پائیں گے اپنی کمائی میں سے کسی شے پر۔ یہی تو دور کی گمراہی ہے ۔

(۳) وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اور وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی

Marfat.com

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝

(ابراہیم پ۱۳)

کئے جنتوں میں داخل کئے جائیں گے۔ جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہیں وہ ان اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے۔ ان میں ان کا تحفہ سلام ہوگا۔

(۴) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(یونس)

(پ۱۱)

بیشک وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے، ان کو ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے (نجات کا) رستہ دکھائے گا نعمتوں کے باغوں میں ان کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی۔ ان میں ان کی پکار ہوگی، سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ یعنی یا اللہ تو پاک ہے اور ان کا تحفہ سلام ہوگا۔ اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ ہر طرح کی تعریف کا مستحق اللہ رب العالمین ہے۔

(۵) وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۗ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۔

(اعراف)

(پ۸)

اور جنت والے دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہم نے تو اس وعدے کو جو ہم سے ہمارے رب نے کیا تھا، سچا پا لیا۔ تو کیا تم نے بھی اس وعدے کو جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا۔ سچا پایا۔ وہ (جواب میں) کہیں گے ہاں پا لیا پس ان کے درمیان سے ایک پکارنے والا (فرشتہ) پکارے گا۔ کہ ظالموں پر خدا کی مار ہو۔

(۶) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۗ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝

(ہود پ۱۲)

اور کون بڑا ظالم ہے اس سے جو خدا پر جھوٹ باندھے ایسے لوگ اپنے رب کے سامنے پیش ہوں گے اور گواہ گواہی دیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جھوٹ کہا تھا اپنے پروردگار پر۔ خبردار (ایسے) ظالموں پر خدا کی پھٹکار۔

۷۔ اسی طرح حشر اجساد کے ممکن ہونے اور منکرین کے شبہات کے جواب میں فرمایا:

(۱) وَقَالُوْۤا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ

اور یہ (منکر) کہتے ہیں کہ آیا جب ہم زمین میں رل مل

Marfat.com

خَلْقٍ جَدِيْدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ○ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۔

(سجدہ پ ۲۱)

جائیں گے تو کیا ہم (پھر) نئی پیدائش میں آئیں گے؟ بلکہ یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں۔ (اے پیغمبر) ان سے کہو قبض کرے گا تم کو موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

(۲) وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ (رعد پ ۱۳)

۲۔ اور اگر تعجب کرے تو تعجب کے لائق ہے کہ آیا جب ہم (مرکر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش میں آئیں گے یہ وہ ہیں جو اپنے رب سے منکر ہوئے۔ اور انکی گردنوں میں طوق ہونگے"

سورت واقعہ پ ۲۷ میں مسئلہ قیامت کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ دوزخیوں کے دوزخ میں پڑنے کے وجوہات میں بیان کیا کہ وہ آسودگی کی وجہ سے بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرتے تھے، اور قیامت کی زندگی کو بعید از عقل جانتے تھے۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ (اے پیغمبر!) ان سے کہدو۔ کہ سب پہلے اور پچھلے ایک مقرر دن کو اکٹھے جائیں گے۔ پھر تم گمراہوں اور تکذیب کرنے والوں کو ایسا ایسا عذاب ہوگا۔ اس کے بعد مرنے کے بعد پھر جینے کے امکان میں چند نظائر بیان کیں۔ کہ ہم نے تم کو پیدا کیا۔ بوند پانی سے تمہاری صورت شکل اور سارا ڈھانچہ تیار کیا۔ پھر تم ہمارا کہنا باور کیوں نہیں کرتے۔ اور پہلی پیدائش سے تم کو سمجھ کیوں نہیں آتی۔ تم جو کھیتی کرتے ہو، اس میں دانہ تم اگاتے ہو یا ہم؟ اور پانی جو تم پیتے ہو، بادلوں سے تم اتارتے ہو یا ہم؟ اور آگ جو تم جلاتے ہو، اس کا درخت تم نے اگایا یا ہم نے؟ ان نظائر کے بعد فرمایا:۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ۔

یعنی اے نبی! پس تو اپنے عظمت والے رب کی پاکیزگی بیان کر۔

✣ ✣ ✣ ✣ ✣

اس کے بعد جزا سزا کے منکروں کو نزع کے وقت کا حال یاد کرا کے فرمایا:۔

فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ○ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ

پس اگر تم کسی کے ماتحت نہیں ہو تو موت کے وقت اس (جان) کو کیوں واپس نہیں لے آتے۔ اگر تم سچے ہو۔ پس اگر وہ (مرنے والا) شخص مقربین میں سے ہوگا تو (ہر قسم کی) راحت ہے۔ اور (عمدہ رزق)

Marfat.com

الْيَمِيْنِ فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ اَصْحَابِ الْيَمِيْنِ ۝ وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝

(واقعہ پ۲۷)

روزی ہے۔ اور باغ نعمتوں کا اور اگر وہ داہنے ہاتھ والوں میں سے ہوگا، تو تجھ پر داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام ہو۔ اور اگر وہ جھٹلانے والوں گمراہوں سے ہوگا، تو اس کی مہمانی جلتے پانی سے ہوگی۔ اور دوزخ میں داخل کرنا دوزخ میں۔ (اے پیغمبر!) بیشک یہ بات بالکل یقینی ہے۔

پس تو پاکیزگی بول اپنے عظمت والے رب کے نام کی۔

اس مضمون کو بھی اپنے اسم رب پر ختم کیا ہے۔

ان سب مذکورہ بالا عنوانات کے متعلق قرآن شریف میں بہت سی آیات ہیں لیکن ہم نے صرف ان بعض آیات کا انتخاب کیا ہے، جن میں اسم رب خاص طور پر مذکور ہے۔ یہ جتانے کے لیے کہ محاسبۂ اعمال اور جزا سزا، تقاضائے اسم رب ہے۔ اور شاکر و کافر، مطیع و عاصی اور محسن مسیٔ میں امتیاز، مظلوم کی دادرسی، حق دار کی حق رسی۔ شاکر و مطیع و نیک کو جزا، سب کچھ ربوبیت میں داخل ہے۔ اور کافر و نافرمان جو اپنے پروردگار کی نعمتیں کھا کر، اس کے افضال کے سائے میں پرورش پا کر اور اس کی عطا کی ہوئی دماغی اور بدنی قوتوں کو ناشکری و نافرمانی کے کاموں اور فتنے اور فساد میں لگا کر آئینِ حق شناسی اور نظامِ امن میں خلل ڈالتے ہیں، ان کے مالک و مولے اور مربی و محسن کا حق ہے کہ ان سے پرسش کرے کہ انہوں نے قدرت کے اتنے بڑے نظامِ ربوبیت سے پیدا و تیار کردہ قوتوں اور اعضاء کو کیوں رائگاں گنوایا۔ اور اس کی مرضی کے خلاف کاموں میں لگایا۔ اور اس کا حق ہے کہ ان سے کہے:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ (انفطار پ۳۰)

یعنی اے غافل انسان! تجھے کس چیز نے تیرے صاحبِ کرم پروردگار سے دھوکے میں ڈال دیا۔

اگر اعمال کا نتیجہ اور ان پر محاسبہ نہ ہو تو یہ سارا کارخانۂ دنیا عبث و بیکار سمجھا جائے گا۔ اور یہ رب العالمین کی شان کے خلاف ہے کہ زمین و آسمان اور ان کی درمیانی اشیاء کا اتنا بڑا سلسلہ عبث و بیکار کھڑا کرے، جیسا کہ سابقاً مختصراً گذر چکا۔ اور اگر مظلوم کی دادرسی اور مطیع و فرمانبردار کی جزا نہ ہو، تو یہ شانِ ربوبیت پر داغ ہے، جس سے رب العالمین پاک ہے۔ غرض رب العالمین ایک ایسی جامع صفت ہے کہ اُسے جمیع ارکانِ دین سے پورا پورا تعلق ہے۔ جو کچھ عالمِ دنیا میں

Marfat.com

دیکھتے ہو اسی کی جلوہ افروزی ہے اور جو کچھ عالم عاقبت میں دیکھو گے اسی کا ظہور ہو گا۔ پس فاتحہ (قرآن و شروع) میں اس کا ذکر نہایت ضروری تھا۔ اور کلمۂ الحمد للہ سے اس کا جوڑ نہایت موزوں و مناسب ہے۔

اب ہم بعض ایسی آیات لکھتے ہیں، جن میں حمد اور ربوبیت کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ قرآن شریف میں حمد اور ربوبیت کی اس مناسبت کو خصوصیت سے ملحوظ رکھا گیا ہے:۔

۱۔ خود آنحضرت صلعم کو کوئی چھ مقامات پر حکم ہوا ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (حجر، نصر) اور وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (مومن، طٰہٰ، قٓ، طور) کسی جگہ واؤ ہے اور کسی جگہ فَ ہے۔

۲۔ تین جگہ فرشتوں کی بابت ذکر کیا کہ وہ بھی اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پکارتے ہیں:۔

يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ۔ یعنے تسبیح پڑھتے ہیں ساتھ اپنے رب کی حمد کے۔
(زمر، مومن، شوریٰ)

۳۔ تہجد گذار عابدوں کی بابت فرمایا:۔

سَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ۔ یعنے وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں۔
(الٓمٓ سجدہ)

خود اپنی صفت میں فرمایا:۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنے ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے، جو آسمانوں کا بھی رب ہے۔ اور زمین کا بھی رب ہے (غرض) تمام جہان والوں کا رب ہے۔
(جاثیہ پ ۲۵)

نکتۂ معرفت خدا تعالےٰ ربّ العالمین ہے۔ اپنے رسول (صلعم) کو خلافت کی ہدایت کے لیے بھیجا تو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کر کے بھیجا اور اس کی کتاب کو ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ اور اس کے قبلہ کو هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ بنایا۔

خدا تعالےٰ کے ربّ العالمین ہونے کی آیات بیان ہو چکیں۔ اب ہم دیگر سعید کی متعلقہ آیات تحریر کرتے ہیں:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا:۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ یعنے (اے پیغمبر!) ہم نے تو تجھ کو سارے جہان پر

Marfat.com

(انبیاء، پ۱۷) رحمت کرنے کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اور قرآن[۳] شریف کی بابت فرمایا:۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (پ۲۳ تکویر، پ۲۹ قلم، پ۱۳ یوسف، پ۲۳ ص)

اور سورہ انعام میں فرمایا:۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ۔ (پ۷) یعنی قرآن شریف تو بس سارے جہان کے لیے نصیحت ہے۔

اور قبلہ[۴] شریف کی بابت فرمایا:۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (آلِ عمران) (پ۴)

یعنے سب سے پہلا گھر جو خدا کی عبادت کے لیے تمام لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ وہ ہے جو مکّہ (شریف) میں ہے۔ برکت والا اور تمام جہان کے لیے ہدایت کا موجب)۔

اسی کے مطابق مولانا حالی مرحوم نے کہا ہے ؎

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا ۔۔۔ خلیلؑ ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل سے مشیّت نے تھا جس کو تا کا ۔۔۔ کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہُدیٰ کا

" سبحان اللہ! عجب مناسبتیں ہیں کہ اللہ تعالےٰ ربّ العالمین ہے، اسؑ کا رسولؐ رحمۃ للعالمین ہے۔ اس کی کتاب[۳] ذکرٌ للعالمین ہے۔ اور اسؑ کا قبلہ ہدیً للعالمین ہے۔ یہ مناسبتیں مصنوعی نہیں بلکہ قدرت کی اپنی کرم فرمائیاں ہیں جن میں کسی غیر کو دخل نہیں۔ (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ)۔

---

[۱] اس جگہ مکہ شریف کو بکّہ کہا ہے یہ بھی اسکا نام ہے ب اور میم کا تبادلہ ہے (لسان العرب) صحف سابقہ میں بھی مکہ شریف کا نام بکّہ آیا ہے چنانچہ داؤدؑ کی زبور ۸۴ میں ہے یہ مبارک وہ ہیں جو تیرے گھر میں بستے ہیں۔ وہ سدا تیری ستائش (حمد) کریں گے۔ (۶) وہ بکّا کی وادی میں گزرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے ہیں (یعنی چاہ زمزم) عیسائیوں نے نہایت چالاکی سے بکّہ کا بکّا بنایا اور پھر اس کے معنے آنسو بنا لیے۔ لیکن انگریزی ترجمہ میں یہ تصرّف نہ ہو گا۔ اس میں اسے صاف صاف (VALLE OF BACCA) (وادیٔ بکّہ) لکھا ہے اور اسے بڑی (B) سے اسم علم کر کے لکھا ہے۔ جیسا کہ انگریزی زبان میں اسم علم لکھنے کا قاعدہ ہے ۱۲ منہ۔

Marfat.com

تتمہ تفسیر آیت الحمد للّٰہ رب العٰلمین

خلاصہ مطلب آیت الحمد للّٰہ رب العٰلمین کا یہ ہے کہ ہر قسم کی حمد و ستائش کا مستحق اللہ تعالےٰ ہے، جس کی ربوبیت محیطِ کل ہے۔ اور کسی خاص جنس یا خاص نوع یا خاص شخص یا اشخاص سے مختص نہیں ہے۔ اور اس تربیت میں اس کی اپنی غرض متعلق تحصیل کمال یا توقع ترجانِ استقبال نہیں ہے۔ اور اگر اس سلسلہ تربیت میں کوئی جزوی ترکیب کسی اور کی طرف منسوب ہے، تو وہ نسبت مجازی و ظاہری ہے، حقیقی نہیں ہے۔ کیونکہ خود ان مربیوں کی ہستی اور ان کے جملہ امور متعلقہ سلسلۂ تربیت کی کڑیاں ہیں۔ اور وہ منجملہ شرائط و وسائط پرورش کے ہیں نہ کہ پرورش کرنے والے۔ پس ان کی تعریف و ستائش کا رجوع بھی ذاتِ رب العالمین کی طرف ہے۔ اسی معنے میں کہا گیا ہے ؎

حمد را باتو نسبتے ست درست ، بر درِ ہر کہ رفت بر درِ تست

مثلاً والدین اولاد کی پیدائش میں واسطہ ہیں، نہ کہ ان کے پیدا کرنے والے۔ ماں اپنے دودھ سے بچے کی پرورش کرتی ہے۔ لیکن کس دودھ سے؟ اس دودھ سے جو بچے کے خالق خدا تعالےٰ نے اس کی پرورش کے لیے اس کی ماں کی چھاتیوں میں خون کی حالت بدل کر پیدا کیا ہے۔ اور اسے بچے کی غذا کے لائق بنایا ہے۔ پس ماں کی چھاتیاں دودھ کا خزانہ یا تھیلیاں ہیں۔ اور ماں اس کی اٹھانے والی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اشرفیوں کی تھیلی کسی دوسرے کے حوالے کر کے کہے کہ یہ تھیلی فلاں شخص کو پہنچا دو۔ تو آپ معطی یا داتا اس بھیجنے والے شخص کو کہیں گے یا اس اٹھا کر پہنچانے والے کو؟ اس میں شک نہیں کہ معطی اور داتا وہ بھیجنے والا ہے۔ تھیلی محض اشرفیوں کی حفاظت کے لیے ہے۔ کہ منتشر ہونے کی صورت میں گر نہ جائیں۔ اور وہ اٹھانے والا پہنچانے والے کے لیے واسطہ ہے نہ کہ داتا۔ اسی طرح خالق و رازق صرف خدا تعالےٰ ہے۔ اور ماں کی چھاتیاں دودھ کی پیدائش و حفاظت کے لیے خزانہ ہیں کہ دودھ رائگاں نہ گر جائے اور ماں درمیان میں واسطہ ہے۔ خدائے حکیم نے اس کے قلب میں بچے کے حق میں جذبہ محبت و رحمت اور الفت و رقت پیدا کر کے اس کی پرورش کا حکم دے دیا۔

اس کے بعد فرمایا:۔

Marfat.com

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(اور) نہایت رحمت والا بہت مہربان

یعنے اللہ تعالےٰ جو مستحق ہر حمد ہے اور رب العالمین ہونے کے ساتھ رحمٰن و رحیم بھی ہے۔ یہ اختصاص حمد کی تیسری دلیل ہے۔ اور اس میں تربیتِ عالم کی وجہ اور سبب کی طرف اشارہ ہے۔

توضیح اس کی یوں ہے کہ کسی کی تربیت یا تو اس لیے کی جاتی ہے کہ اس کا سابقًا کوئی استحقاق یا احسان ہو کہ اس کی ادائیگی یا مکافات مقصود ہو۔ یا حال میں اس کے متعلق کوئی غرض و مطلب ہو۔ یا آئندہ اس سے کسی نفع کی توقع اور امید ہو۔ یا محض اس لیے کہ کسی پر نظر کر کے ازراہِ شفقت و رحمت اس کی پرورش کی جائے پس رب العالمین کے بعد الرحمن الرحیم کہہ کر بتا دیا کہ تربیت عالم کی وجہ سوائے شفقت و رحمت کے دیگر کوئی نہیں ہے۔ اور رحمت اُسی شفقت کو کہتے ہیں۔ جس میں احسان کی مکافات یا نفع کی توقع کا خیال نہ ہو (راغب)

اس سے اس سوال کا جواب بھی ہو سکتا ہے کہ سابقًا الرحمٰن الرحیم جب بسم اللہ میں گذر چکا ہے، تو اب اُسے دوبارہ کیوں ذکر کیا؟ پہلی دفعہ تو ابتداء میں تیمّن و تبرّک کے لیے ذاتِ برحق کی الوہیّت و رحمانیت و رحیمیّت کا ذکر کیا اور اب وجوہاتِ محمودیت کے ضمن میں بطورِ علّتِ تربیتِ عالم و اختصاصِ محمودیت ذکر کیا۔ رحمٰن و رحیم کی لفظی و معنوی بحث سابقًا بسم اللہ کے بیان میں گذر چکی ہے۔

قرآن شریف میں ربوبیت اور رحمت کا اکٹھا ذکر بہت مقامات پر ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں ربوبیت اور رحمت کی مناسبت و ربط کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ سارا سلسلۂ تربیت محض رحمت کے تقاضے سے ہے کسی کے سابقہ استحقاق یا اس سے آئندہ کی توقع کی نظر سے نہیں۔

چنانچہ ہم بعض مقامات یہاں نقل کرتے ہیں:۔

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کی نسبت فرمایا:۔

(۱) فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (پ۱، بقرہ)

پس آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کئے تو اس نے اس پر رجوع کیا۔ بیشک وہ رجوع کرنے والا مہربان ہے۔

Marfat.com

(۲) رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔

(اعراف، پ۸)

اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور زیاں کاروں سے ہو جائیں گے۔

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا یوں ذکر کی ہے:۔

رَبِّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ۚ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْ أَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ۔

(سورۂ ہود) (پ۱۲)

اے میرے مالک و پروردگار بیشک میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ کہ تجھ سے ایسی چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں ضرور زیاں کاروں سے ہو جاؤں گا۔

۳۔ جدّ انبیاء حضرت ابراہیمؑ اور ان کے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کی دعا یوں بیان فرمائی:۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

(پ۱)

(البقرہ)

اے ہمارے مالک و پروردگار ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا اور ہماری نسل میں سے بھی ایک جماعت اپنی فرمانبردار (بنائے رکھنا) اور ہمیں ہمارے طریق عبادت بھی سکھانا اور ہم پر رجوع کئے رکھنا بیشک تو بڑا رجوع کرنے والا (اور) نہایت مہربان ہے۔"

۴۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے لیے دعا کرنے کا وعدہ کیا:۔

قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ۚ إِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

(یوسف پ۱۳)

کہا عنقریب میں اپنے پروردگار سے تمہارے لیے بخشش مانگوں گا۔ بیشک وہ بہت بخشنہار اور نہایت مہربان ہے۔

۵۔ حضرت یوسفؑ اظہار تواضع و انکساری کے لیے کہتے ہیں:۔

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ۚ إِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

(یوسف پ۱۳)

اور میں اپنے نفس کو تو بری نہیں کہتا کیونکہ نفس (انسانی ذات سے) برائی کا اکثر حکم کرتا ہے مگر وہ (نفس) جس پر میرا رب رحم کرے (ایسا نہیں کرتا) بیشک میرا رب بخشنہار (اور) مہربان ہے۔

Marfat.com

۶ - حضرت خضرؑ نے یتیموں کی دیوار درست کر دی۔ تو حقیقت بتائی۔

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ۔ (پ۱۶، سورۂ کہف)

یعنے اسے موسیٰؑ یہ تیرے رب کی رحمت کی وجہ سے کیا ہے۔"

۷ - بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر زوال وارد کرنے کے سلسلے میں فرمایا:۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (اعراف پ۹)

اور جب تیرے رب نے اطلاع دی کہ میں ضرور ضرور ان (یہود) پر روزِ قیامت تک ایسے لوگ متسلط رکھوں گا جو ان کو (بری سے) برا عذاب پہنچاتے رہیں گے بیشک تیرا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے۔ اور بیشک وہ بڑا بخشنہار (اور) مہربان (بھی) ہے۔

۸ - ذوالقرنینؑ نے یاجوج ماجوج کی روک تھام کے لیے جو دیوار بنائی تو خدا کا شکر کر کے کہا:۔

هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ۔ (کہف پ۱۶)

یعنی یہ میرے رب کی رحمت ہے۔

۹ - حضرت شعیبؑ اپنی قوم سے فرماتے ہیں۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ۔ (پ۱۲، ہود)

یعنے اپنے پروردگار سے معافی مانگو پھر اسی کی طرف رجوع کرو۔ بیشک میرا رب بہت مہربان (اور) نہایت الفت والا ہے۔

۱۰ - حضرت زکریاؑ کو ان کے بڑھاپے میں اولاد بخشنے کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا۔ (مریم پ۱۶)

یعنے یہ تیرے رب کی رحمت کا ذکر ہے اپنے بندے زکریا پر۔"

۱۱ - نوعِ انسانی کو زمین میں متصرف کرنے اور ان میں سے بعض کو بعض پر برتری دینے کا احسان جتایا:۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (انعام پ۸)

اور اللہ تو وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں مختار بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجے بلند کئے کہ تم کو اپنی دین کے متعلق آزمائے، بیشک تیرا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ بڑا بخشنہار (اور) مہربان بھی ہے۔

Marfat.com

۱۲۔ بنی آدم کی ستائش کے لیے دیگر حیوانات کو پیدا کرنے کا احسان جتایا۔

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (نحل پ۱۴)

اور وہ (چوپائے) تمہارے بوجھ اس شہر میں اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں تم سوائے اپنی جانوں کی مشقت کے نہیں پہنچا سکتے، بیشک تمہارا پروردگار بہت ہی شفقت والا (اور) مہربان ہے۔

۱۳۔ کشتی دریا میں اور جہاز سمندر میں محض خدا کی رحمت سے چلتے ہیں:۔

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا۔ (بنی اسرائیل پ۱۵)

تمہارا رب تو وہ ہے جو تمہارے لیے دریا میں کشتی چلاتا ہے۔ تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ بیشک وہ تم پر بہت مہربان ہے۔

۱۴۔ گنہگاروں کی گرفت میں محض بتقاضائے ربوبیت و رحمت جلدی نہیں کرتا۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ۔ (کہف پ۱۵)

یعنی (اے پیغمبر!) تیرا پروردگار بخشنہار ہے صاحب رحمت ہے۔ اگر ان کو ان کے کسبوں پر پکڑے تو ان پر بہت جلد عذاب نازل کر دے۔

۱۵۔ بدنیت منصوبہ بازوں کو ڈرایا۔ دھمکایا کہ منصوبہ بازی کے وقت خدا کے غضب سے ڈرا کرو۔ تم صرف اپنے پروردگار کی رحمت کے سبب بچے رہتے ہو ورنہ تمہارے افعال طرح طرح کے عذاب کے لائق ہیں:۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (نحل پ۱۴)

تو کیا وہ لوگ جو بداندیشیاں کرتے رہتے ہیں ان کو یہ خوف نہیں کہ خدا ان کو زمین میں دھنسا دیوے۔ یا ان کو ایسی جگہ سے عذاب آجاوے جہاں سے ان کو شعور بھی نہ ہو۔ یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لیوے۔ سو وہ ہرگز عاجز نہ کر سکیں گے یا پکڑے ان کو خوف کی حالت میں بیشک تمہارا رب بڑا شفقت والا (اور) مہربان ہے۔

۱۶۔ جنتیوں کو جنت میں تحفہ ملے گا۔

سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ۔ (یٰس پ۲۳)

یعنی ان کو رب رحیم کی طرف سے تحفہ ملے گا سلام۔

Marfat.com

اس مختصر تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ توبہ کی قبولیت، خطاؤں کی معافی، اور ان سے حفاظت قصوروں پر علم کرنا، ان پر پردہ ڈالنا۔ اور ان سے درگذر کرنا۔ آسائش کے اسباب مہیا کرنا، خشکی اور تری کے سفر کے اسباب و سے کر ان میں کامیاب کرنا۔ مکروہات سے بچانا۔ شرِ اعدا سے محفوظ رکھنا۔ اسبابِ ترقی کا عطا کرنا۔ درجات کا بلند کرنا اور حکومت بخشنا بے کسوں کی امداد غیبی اسباب سے کرنا، مایوسوں کو اولاد کا بخشنا، قبولیتِ ہدایت کی توفیق عطا کرنا۔ عاقبت میں طرح طرح کی نعمتوں کا بخشنا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے دیدار سے مشرف کرنا۔ اور تحفۂ سلام سے نوازنا وغیرہ وغیرہ سب امور سلسلۂ ربوبیت کی کڑیاں ہیں، اور یہ سب کچھ تقاضائے رحمت ہے۔ ان میں نہ تو ذاتِ بے نیاز کے ذمے کسی کا حق ہے اور نہ اُسے کسی سے آئندہ کی کوئی توقع ہے۔

ان امور کی جامع ایک ہی آیت سن لیجیے۔ جس میں ربوبیت اور رحمت کو جمع کیا ہے۔ اور اس میں یہ ظاہر کیا ہے کہ میری رحمت بھی میرے اپنے وعدے کی وجہ سے ہے نہ کہ کسی اور سبب سے چنانچہ فرمایا:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔ تمہارے رب نے (اپنے وعدے سے) اپنی ذات پر رحمت لازم کر لی ہے۔ (انعام پ۷)

مذکورہ بالا سب مقامات پر ربوبیت و رحمت کو باہم ذکر کیا ہے۔ اور اس طرح کی آیات سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ رب العالمین کے بعد الرحمٰن الرحیم کا ذکر یونہی اتفاقی طور پر نہیں۔ بلکہ ان دونوں میں کمال مناسبت کے لحاظ سے قصداً و ارادۃً کیا ہے۔

پس ایسا بے غرض رحمٰن و رحیم ربّ العالمین واقعی ہر طرح کی حمد و ستائش کے لائق ہے۔ اور حقیقۃً وہی اس کا مالک ہے۔

قرآن شریف میں اسمائے رحمٰن و رحیم جدا جدا بھی بہت جگہ وارد ہیں۔ اور اکٹھے بھی، اور سب الگ الگ مقاصد کے لیے ہیں۔ ان مقاصد سے اسم رحمٰن کی مناسبت ظاہر کرنے کے لیے ہم لفظ "رحمتِ عامہ" استعمال کریں گے۔

جو اسم رحمٰن کا تقاضا ہے۔ اور اسم رحیم کے لیے "رحمتِ خاصہ" جیسا کہ سابقاً گذر چکا۔

Marfat.com

سو معلوم ہوا کہ بسم اللہ شریف میں رحمتِ عامہ و رحمتِ خاصہ کا ذکر خداوند تعالیٰ کے اسم پاک کے یمن و برکت کے اظہار کے لیے ہے۔ اور یہ بات محتاجِ بیان نہیں۔ کیونکہ اگر ذاتِ حق رحمٰن و رحیم نہ ہو تو اس کے اسم کی برکت کے کیا معنے؟ پس اس کا رحمٰن و رحیم ہونا اس کے اسم کے بایمن و برکت ہونے کی دلیل ہے چنانچہ سورۂ الرحمٰن پ۲۷ میں فرمایا:۔

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ۔ یعنی " بہت بابرکت ہے نام تیرے پروردگار کا جو صاحب ہے جلال و بزرگی کا۔

۲۔ دوسرا موقع یہی آیت الرحمٰن الرحیم ہے جس کی تفسیر ہو رہی ہے۔ اس جگہ اس مقصد کے لیے ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ ہی مستحق حمد ہے۔ اس لیے بھی کہ وہ اللہ ہے اور اس لیے بھی کہ وہ رب العالمین ہے۔ اور اس لیے بھی کہ جملہ عالمین کی تربیت بغیر سابقہ استحقاق کے محض اپنی رحمت سے کر رہا ہے۔ اور اس سلسلۂ تربیت کی دو شاخیں ہیں۔ اصل پیدا کرنے کے بعد جملہ مناسب اسبابِ تربیت سے نوازنا تاکہ وہ اپنے کمال کو پہنچ کر اپنے خالق کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اس کی امانت یعنی احکامِ شرعیہ کے حامل ہو سکیں اور جب وہ اس کے اوامر کو اس کی منشا کے مطابق بجالائیں۔ تو ان کی سعی و طاعت کو ضائع و رائگاں نہ گنوائے اور بے ثمر و بے نتیجہ نہ کرے۔ بلکہ اپنی خصوصی مہربانی سے قبول فرمائے۔ اور ان پر نیک جزا عطا کرے۔ اسی لیے اس کے بعد مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ فرمایا اور اس میں دین یعنے جزا کا ذکر کیا، اور ذکرِ رحمت کے بعد جزا کی مالکیت بھی اپنے ہی لیے مخصوص رکھی، کہ عمل کرنے والے کو حوصلہ رہے۔ کہ روزِ جزا میں جزا کا عطا کرنا کسی ظالم و غاصب کے ہاتھ میں نہیں ہوگا۔ بلکہ رحمٰن و رحیم خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگا۔ پس ایسی ذات واقعی ہر حمد کی مستحق ہے۔

۳۔ تیسرا موقع سورۂ بقرہ پ۲ میں ہے۔

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ (پ۲ البقرہ) معبود تمہارا معبود (برحق) بس ایک ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی لائق پرستش نہیں (وہ) رحمٰن و رحیم ہے۔

اس جگہ رحمتِ عامہ و رحمتِ خاصہ کا ذکر اثباتِ توحید کے لیے ہے۔ اول تو یہ بات کلمۂ توحید کے ذکر سے ظاہر ہے۔ دوم یہ کہ اس کے بعد اس کے دلائل کو بیان میں فرمایا:۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ بیشک آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کی آمد و شد میں اور کشتیوں اور جہازوں میں جو سمندروں

Marfat.com

تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۰

(البقرہ پ۲)

اور دریاؤں میں لوگوں کے فائدے کی اشیاء لے کر چلتے ہیں۔ اور مینہ میں جسے اللہ آسمان (کی طرف) سے برساتا ہے۔ پھر اس کے ذریعے سے زمین کو اس کے مرے پیچھے زندہ کر دیتا ہے۔ اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا نے زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے اِدھر اُدھر پھیرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین میں گھرے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں بہتر نشانات ہیں۔

یہ سب وہ نشانات قدرت ہیں جو ذات حق کے موجود ہونے، اس کے واحد لاشریک شریک ہونے اتدبیر و تصرف عالم میں متفرد ہونے، اور اس کے رحمٰن و رحیم ہونے کے دلائل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ الٰہ العالمین وہ ہونا چاہیئے جو رحمٰن و رحیم ہو: تاکہ اس کے احسانوں کے سامنے طاعت کی گردنیں جھک سکیں، اسی بنا پر حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو گوسالہ پرستی سے منع کرتے وقت یوں کہا تھا۔

وَاِنَّ رَبَّکُمُ الرَّحْمٰنُ۔

بتحقیق تمہارا رب (و خدائے) رحمٰن ہے"

* * * * * *

اس گوسالہ میں یہ وصف کہاں ہے؟"

اسی جنس سے سورہ حشر پ۲۸ میں بسلسلہ ذکر اسمائے حسنیٰ الوہیت میں متفرد ہونے کے ذکر میں فرمایا:۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ (حشر پ۲۸)

وہ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا لائق عبادت نہیں (وہ) پوشیدہ اور ظاہر (ہر دو کو برابر) جاننے والا ہے۔ (اور) وہ بڑی رحمت والا نہایت مہربان ہے۔

۴۔ چوتھا موقع سورہ حم سجدہ میں ہے:۔

حٰمٓ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۚ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۰ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔

(پ۲۴)

حٰم (خدائے) رحمٰن و رحیم کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے کہ جدا جدا کی ہوئی ہیں اس کی آیتیں (قرآن ہے فصیح عربی زبان کا حقیقت شناس لوگوں کے لیے خوشخبری سناتا اور خطرات سے آگاہ کرتا"

Marfat.com

اس جگہ ان اسماء کو سلسلۂ تنزیل قرآن ذکر کر کے ظاہر کیا کہ قرآن شریف کا نازل کرنا سلسلۂ رحمت کی ایک مضبوط کڑی ہے کہ جس طرح جسمانی سلسلۂ پیدائش میں اس کی رحمتِ عامہ و رحمتِ خاصہ جلوہ گر ہے۔

اور اس سلسلہ کی رحمت کی وابستگی آفتابِ عالمتاب اور بارانِ رحمت سے ہے۔ اسی طرح روحانی اور اخلاقی سلسلہ کی وابستگی سراجاً منیراً پیغمبر (فداہ روحی) اور چشمۂ ہدایت و خزانۂ رحمت قرآن شریف ہے۔ اور یہ اس کی کمال مہربانی ہے۔ کہ اپنی رحمانیت و رحیمیت کے تقاضے سے دونوں نظاموں کو ساتھ رکھا ہے۔

قرآن شریف کو بہت مقامات پر رحمت کے ممتاز لقب سے ذکر کیا ہے۔ اور اس کے نازل کرنے اور تعلیم کرنے کو اپنی رحمانیت اور رحیمیت کا تقاضا قرار دیا ہے چنانچہ بعض مقامات یہ ہیں۔

(۱) هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (جاثیہ پ۲۵)

یہ قرآن) سوجھ کی باتیں ہے۔ تمہارے ربّ کی طرف سے اور ایماندار لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے

(۲) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔

(یونس پ۱۱)

(اے لوگو! تم کو تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آچکی ہے۔ اور (وہ) شفا بھی ہے) اس کی جو سینوں میں ہے۔ اور ایمانداروں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

(۳) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۔

(نحل پ۱۴)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ پر یہ کتاب (دینی ضرورت کی) ہر شئے کا واضح بیان سنانے کے لیے نازل کی ہے، اور (وہ) فرمانبرداروں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔"

(۴) الٓمّٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ (لقمان پ۲۱)

آلٓمّٓ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں نیکو کاروں کی ہدایت و رحمت کے لیے۔"

اور قرآن شریف کے نازل کرنے اور آنحضرت صلعم کو تعلیم کرنے کی نسبت فرمایا:۔

(۱) يٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۗ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ۔

یٰسٓ ٥ حکمت والے قرآن کی قسم ہے کہ بیشک تو خدا کے مرسلوں میں سے ہے۔ (اور) سیدھی راہ پر (ہے) (یہ قرآن) نہایت زبردست بہت رحمت والے

Marfat.com

(۲) اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (الرحمٰن پ۲۷) رحمٰن نے قرآن سکھایا ہے۔

(پ۲۲ یٰس) (خدا) کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

الغرض اس عالم میں جسمانی و روحانی تربیت اور نیک اعمال پر جزائے عاقبت اسب کچھ بتقاضائے رحمانیت و رحیمیت ہے۔ اور قرآن شریف میں ہر موقع پر اسے خصوصیت سے ملحوظ رکھا گیا ہے۔

نکتہ اسمائے رحمٰن و رحیم کو اسم اللہ کے بعد کیوں ذکر کیا؟ جواب ہم سابقاً بسم اللہ شریف کی تفسیر میں کہیں ذکر کر آئے ہیں۔ کہ اسم اللہ ذاتِ حق کا ذاتی نام ہے۔ اور جملہ دیگر اسماء صفاتی ہیں۔ ذات موصوف ہوتی ہے۔ صفت نہیں ہوتی۔ اس لیے تمام قرآن شریف میں اسم اللہ موصوف ہی واقع ہوا ہے۔ صفت واقع نہیں ہوا۔ اور عربی زبان میں موصوف کو پہلے لاتے ہیں اور صفت کو پیچھے۔ مثلاً رَجُلٌ کَرِیْمٌ کہیں گے (مرد سخی) اور کَرِیْمٌ رَجُلٌ نہیں کہیں گے اسی لیے صفت (نعت) کو توابع میں شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کا اعراب وغیرہ موصوف کے تابع ہوتا ہے۔ دیگر یہ کہ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ موصوف پہلے ہو۔ اور اس کی صفت پیچھے۔ کیونکہ صفت کا قیام موصوف سے ہوتا ہے۔

اسمائے رحمٰن و رحیم کے متعلق ایک مجرب و مسنون دعا

حدیث پاک میں وارد ہے کہ جو شخص قرض سے دب جائے۔ وہ یہ دعا پڑھا کرے۔

اَللّٰهُمَّ فَارِجَ الْهَمِّ كَاشِفَ الْغَمِّ مُجِيْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَرَحِيْمَهَا اَنْتَ تَرْحَمُنِيْ فَارْحَمْنِيْ بِرَحْمَةٍ تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَّحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ۔ (حصن حصین یوسفی ص۱۶۶)

اے اللہ جو فکر کا کھولنے والا۔ اور غم کا دور کرنے والا اور بیقراروں کی دعا کا قبول کرنے والا دنیا میں رحمٰن و رحیم ہے۔ تو ہی مجھ پر رحمت کر سکتا ہے۔ پس مجھ پر ایسی رحمت کر کہ تو مجھے اس سے دیگروں کی رحمت سے مستغنی کر دے۔

رحمت اور محبت قرآن شریف میں رحمت اور محبت ہر دو امر خدا تعالےٰ کی طرف منسوب ہیں۔ اور کثرت سے ہیں۔ لیکن سورت فاتحہ میں صرف رحمت کو اختیار کیا ہے۔ اور محبت کا ذکر نہیں کیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت و محبت میں فرق ہے۔ رحمت محض فیضان بلا عوض اور احسان

Marfat.com

ہے۔ اور محبت میں قابلیتِ محل کا لحاظ ہوتا ہے۔ مثلاً وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (جاثیہ پ۲۵) وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران پ۴) اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (پ۲) وغیرہا من الآیات۔ علماء نے اصول کہتے ہیں۔

الحکم بالوصف یدال علیٰ علیۃ ذالک الوصف لذالک الحکم۔ — یعنے جب کسی حکم کو کسی وصف کے متعلق کیا جائے تو وہ وصف اس حکم کی علت ہوتا ہے۔

پس ان آیات اور اس قسم کی دیگر آیات میں تقویٰ۔ احسان، توبہ اور طہارت وغیرہ امور جو الفاظ مُتَّقِيْنَ، مُحْسِنِيْنَ، تَوَّابِيْنَ اور مُتَطَهِّرِيْنَ کے ضمن میں مذکور ہیں۔ سب محبت الٰہی کے محل ہیں۔

قرآن شریف میں نیک اعمال کی ترغیب میں یہی پیرایہ اختیار کیا گیا ہے۔ اور یہ انسانی فطرت میں نہایت ہی مؤثر طریق ہے۔ کیونکہ خدا کے محبوب بننے کی خواہش و تمنا ہر نفس میں فطری طور پر ہے اور سب ریاضتوں اور عباداتِ مالیہ و بدنیہ کی غرض و غایت یہی ہے کہ انسان خدا کی درگاہ میں مقبول ہو کر محبوب بن جائے۔ آمین۔

اس کے مقابلے میں برے عقائد و اعمال سے نفرت دلانے کے لیے بھی ان اعمال اور ان کے عاملوں کی نسبت فرمایا:۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (پ۲)، وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (مائدہ پ۶) فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران پ۳) اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (نحل پ۱۴) وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (آل عمران پ۴) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا۔ (النساء پ۵) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا (النساء پ۵) فساد[1]، کفر[2]، تکبر[3]، ظلم[4]، فخر[5]، خیانت[6] اور گناہگاری۔ وغیرہ وغیرہ امور جو ان آیات کے ضمن میں مذکور ہیں۔ خدائے تعالےٰ کو سخت ناپسند ہیں۔

رحمت اور محبت میں دوسرا فرق یہ ہے کہ رابطہ محبت ذاتِ حق اور بندے ہر دو میں دونوں کی طرف منسوب ہو سکتا ہے۔ اور واقعہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ یعنے خدائے تعالےٰ بھی نیکوں سے محبت کرتا ہے۔ اور نیک لوگ بھی خدائے تعالےٰ سے محبت کرتے ہیں چنانچہ فرمایا:۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔ (مائدہ پ۶) — یعنی خدا تعالےٰ ان کو اور وہ اس کو محبت کرتے ہیں۔

لیکن رحمت صرف اکیلے خدا تعالےٰ کی طرف نسبت ہو سکتی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ بندے کی طرف منسوب ہو کر ذاتِ حق پر اس کا اثر پڑتا ہو۔ یعنے یہ کہ بندہ خدا تعالےٰ پر رحمت کرے۔

Marfat.com

ان ہر دو نوں نکتوں سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ رحمت اصل اور منبع ہے۔ اور محبت اس کی فرع ہے۔ پس اسی وجہ سے سورت فاتحہ میں جو ام القرآن ہے۔ اسی وصف رحمت کا ذکر ہے جو اصل ہے۔ اور محبت کے ذکر کو اس کے موقع و محل کے لیے چھوڑ دیا۔

رحمانیت و رحیمیت کا تعلق آیت سابقہ ولاحقہ سے!

اللہ رب العالمین کی پرورش کے لوازم میں سے دو قسم کی رحمت ہے۔ ایک وہ جو عین حالت پرورش میں ہوتی ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو پرورش متصور نہیں ہو سکتی۔ اور اس کی حقیقت و صورت یہ ہے کہ پیدا کرنے کے بعد باب تربیت میں جو کچھ اس کے لیے مناسب ہے۔ اور جو کچھ نامناسب ہے۔ اسے ملحوظ رکھا جائے۔ تاکہ وہ اس کمال کو پہنچ سکے۔ جو اس کے خالق کے علم میں مقدر ہے۔ اس قسم کی رحمت رحمانیت کے متعلق ہے۔ کہ اس سے ہر نیک و بد شاکر و کافر، مطیع و عاصی بہرہ ور ہے۔

دیگر رحمت یہ ہے کہ کمال پر پہنچانے کے بعد اس کمال کو رائگاں نہ جانے دے۔ بلکہ اُسے نفع بخش بنائے۔ اور باثمر کر کے قائم رکھے۔ مثلاً ایک باغ لگاتا ہے۔ اور اس کی ہر طرح کی نگہداشت و پرورش کرتا ہے حتیٰ کہ وہ باغ اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ اور اپنی بہار پر خوب پھلتا اور پھولتا ہے۔ لیکن وہ باغبان ان پھلوں کو کسی کام میں نہیں لاتا۔ اور ان کا نفع کسی صورت میں بھی قائم نہیں رکھتا بلکہ سب پھل گل سڑ کر یا خشک ہو کر زمین پر گر کر رائگاں جاتے ہیں۔ تو کیا آپ اس باغبان کی دانائی کی تعریف کریں گے۔ اور اسے قابل ستائش جانیں گے۔ ہرگز نہیں۔

پس اسی طرح سمجھ لیجئے کہ اللہ رب العالمین نے اپنی رحمانیت سے اس باغ کو پیدا کیا۔ اور ہر طرح کی مناسب پرورش و نگہداشت سے اُسے کمال پر پہنچایا۔ اور اُسے اس کی بہار پر لایا۔ اس کے بعد کیسے ہو سکتا ہے کہ اُسے رائگاں گنوا دے۔ ہرگز نہیں۔ اسی مطلب کے لیے متعدد جگہ فرمایا۔ کہ ہم نے زمین و آسمان اور ان کی درمیانی اشیاء کو عبث و بیکار نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ کھیل و بیکاری کے شغل اور فعل عبث سے پاک اور برتر ہے۔ (سورت آل عمران پ۴) نیز سورت انبیاء پ۱۷ نیز سورت مومنون پ۱۸۔ نیز ص پ۲۳) بلکہ وہ مہربان خدا انسان کی نیک سعی کو باثمر کرنے کے لیے دوسرے عالم میں اس پر نیک جزا مترتب کرے گا کہ نیک سعی کرنے

Marfat.com

والے انسان کے حق میں اس کا نفع دائم قائم کرے (اسی لیے عالم عاقبت دائمی ہوگا۔ فانی نہیں ہوگا) اور یہ قسم رحمت اسم رحیم کے متعلق ہے۔ اس لیے تربیتِ عالمین اور رحمانیت و رحیمیت کے ذکر کے بعد روزِ جزا کا ذکر کیا اور فرمایا:۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ

(اور) روزِ جزا کا حاکم و مالک ہے،

یعنی سزاوارِ حمد خداوند تعالےٰ لائق ربّ العالمین، الرحمٰن، الرحیم ہونے کے ساتھ جزا کے دن کا مالک بھی ہے۔ یہ چوتھی صفت ہے۔ اللہ کی، اور یہ چاروں انفراداً و اجتماعاً بہردو طرح مثبت ہیں اختصاص حمد کی ذاتِ برحق کے لیے، پہلی تین کا بیان تو ہو چکا اب اس چوتھی کا بیان یوں ہے کہ نیک اعمال پر نیک جزا دینے میں تو لائقِ حمد ہونا ظاہر ہے۔ جزا حاصل کنندہ جزا دہندہ کی تعریف کے گیت گایا کرتا ہے۔ لیکن برے اعمال پر بری جزا نہ ہو تو شاکر و کافر مطیع و عاصی، محسن و مسیئی (نیکوکار و بدکار) پرہیزگار و بدلگام، بلکہ خود نیکی و بدی میں کوئی تمیز نہ رہے اسی امتیاز کا نام انصاف ہے۔ اور یہ قابلِ حمد و ستائش ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ اس جگہ دِین کے معنے انصاف کے کر کے اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "انصاف کے دن کا مالک۔"

قرآن شریف میں اس امتیاز کی بہت سی آیات ہیں۔ لیکن ہم چار مواقع کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں سورت جاثیہ میں فرمایا:۔

(۱) اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔

(پ ۲۵)

کیا وہ لوگ جو کوشش سے برائیاں کرتے رہتے ہیں وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم ان کو مثل ان لوگوں کی کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کیے کہ ان کا جینا اور مرنا ایک سا ہو جائیگا) یہ لوگ بہت بری رائے قائم کر بیٹھے ہیں۔"

اسی طرح سورہ نٓ میں فرمایا:۔

(۲) اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ۔ (نٓ پ ۲۹)

تو کیا ہم تابعداروں کو جرائم پیشہ لوگوں کی طرح کر دیں گے تمہیں کیا ہوگیا؟ تم کیسی رائے قائم کرتے ہو۔

Marfat.com

۳۔ اسی طرح سورہ صٓ میں ان لوگوں کے جواب میں جو کارخانہ زمین و آسمان کو عبث و بیکار اور بے نتیجہ خیال کرتے ہیں۔ نہایت زوردار الفاظ میں فرمایا:۔

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ۔ (صٓ پ۲۳)

کیا ہم کر دیں گے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے۔ مثل ان کی جو زمین میں فساد مچاتے ہیں یا ہم کر دیں گے پرہیزگاروں کو مانند بدکرداروں کی؟

۴۔ اسی طرح قیامت کے دن نیکوں اور بدوں میں جزا سزا کا جو امتیاز ہوگا۔ اس کی تصریح میں فرمایا:۔

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ۝ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ۝ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدَّعُونَ ۝ سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ ۝ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ۝ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ وَأَنِ اعْبُدُونِي هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ۝ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

(یٰس پ۲۳)

پس آج کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہیں ہوگا۔ اور تم وہی جزا پاؤ گے جو تم کرتے رہے ہو۔ بیشک جنتی لوگ اس روز (خوب) مزے میں جی بہلا رہے ہوں گے وہ اور ان کی (نیک پاک) بیبیاں (گاڑھے) سایوں میں تختوں پر تکئے لگائے (بیٹھے) ہوں گے۔ بہشت میں ان کے لیے میوے (تو موجود ہی) ہوں گے۔ اور واسطے ان کے وہ بھی ہوگا جو وہ (اس کے علاوہ) طلب کریں گے (سب سے بڑھ کر) ان کو رب رحیم اپنی طرف سے سلام کہلا بھیجے گا۔ اور (مجرموں سے کہا جائے گا) کہ اے مجرمو! تم آج الگ ہو جاؤ۔ اے اولادِ آدم کیا میں نے تم کو تاکیدی حکم نہیں دیا تھا۔ کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا۔ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ بھی کہ صرف میری ہی عبادت کرنا سیدھی راہ یہی ہے۔ وہ تم سے پہلے اکثر لوگوں کو گمراہ کر چکا تھا۔ تو کیا تم عقل نہ رکھتے تھے یہ وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج اپنے کفر کی وجہ سے اسی میں داخل ہو جاؤ۔

غرض جب نیکی اور بدی کے نتائج مختلف ہیں تو نیکوں اور بدوں کے انجام بھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ پس اس امتیاز کو قائم کرنے کا نام انصاف ہے اور انصاف موجب ستائش ہے۔

Marfat.com

دیگر یہ کہ ذاتِ برحق ہر دو جہان میں لائق حمد ہے۔ اور حمد اسی سے مخصوص ہے، چنانچہ فرمایا:۔

(۱) وَهُوَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولٰى وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔
(قصص پ ۲۰)

اور وہ اللہ ہے اس کے سوائے کوئی دیگر لائق عبادت نہیں دنیا اور آخرت میں وہی حمد کا مالک ہے اور (ہر جگہ) اسی کا حکم ہے۔ اور تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

۲۔ اور خاص آخرت کے متعلق فرمایا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ۔
(سبا پ ۲۲)

ہر طرح کی حمد کا مستحق اللہ ہے۔ جس کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور آخرت میں بھی وہی حمد کے لائق ہے اور وہ بڑا با حکمت (اور ہر شے سے) خبردار ہے۔

۳۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عرصات (میدانِ محشر) میں شفاعت کا اذن حاصل کرنے کے لیے مقام محمود میں خدا کی جو حمد پکاریں گے اس کی نسبت آپ نے فرمایا:۔

فاقع ساجدا لربي ثم يفتح الله علي من محامده وحسن الثناء عليه شيئا لم يفتحه على احد قبلي۔

پس میں اپنے رب کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا پھر اللہ تعالےٰ مجھ پر اپنی حمد و ثناء کے ایسے دروازے کھولیگا جو مجھ سے پیشتر کسی اور پر نہیں کھولے ہوں گے

(۴) فاثني على ربي بثناء وتحميد يعلمنيه۔

پس میں اپنے رب کی وہ حمد و ثنا کہوں گا جو وہ مجھے خود سکھائے گا۔

۵۔ حمد کا جھنڈا آپ کے دست مبارک میں دیا جائے گا۔ اور تمام انبیاء اور دیگر صالحین اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وانا حامل لواء الحمد يوم القيامة، تحته آدم فمن دونه۔
(مشکوٰۃ)

قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا میں ہوں گا اور آدم اور اس کے سوا دیگر (انبیاء سب) اس کے نیچے ہوں گے۔

۶۔ جنتیوں اور دوزخیوں کے فیصلے کے بعد تمام جنتی اور فرشتے حمدِ الٰہی پکاریں گے۔

Marfat.com

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ۝ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ج وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(زمر)

(پ ۲۴)

اور وہ کہیں گے کہ ہر طرح کی حمد کا مستحق اللہ ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا۔ اور ہم کو اِس زمین (جنت) کا وارث بنا دیا۔ کہ ہم جنت میں سے جہاں پر چاہتے ہیں ٹھکانا بنا سکتے ہیں کیا خوب اجر ہے عمل کرنے والوں کا۔ اور تو دیکھے گا فرشتوں کو کہ گھیرا ڈالے عرش کے گرد۔ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پکارتے ہوں گے اور ان میں حق حق فیصلہ کیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا ہر طرح کی حمد کے لائق اللہ ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔

۷۔ جنتی جنت میں حمدِ الٰہی کریں گے:۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ نِ الَّذِیْ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ج۔ (پ ۲۲ فاطر)

اور کہیں گے ہر طرح کی تعریف کے لائق اللہ ہے جس نے ہمارا غم و فکر دور کر دیا۔ بیشک ہمارا رب بخشنہار قدردان ہے۔ جس نے ہم کو اپنے فضل سے اس دارالاقامت (Rest House) میں اتارا۔

۸۔ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(یونس پ ۱۱)

جنت میں ان کی دعا ہو گی سبحٰنک اللّٰھم یعنے اے اللہ! تو پاک ذات ہے اور ان کا تحفہ (ملاقات) سلام ہو گا۔ اور ان کی دعا کا خاتمہ ہو گا الحمد للہ رب العالمین یعنے ہر طرح کی تعریف کے لائق اللہ ہے جو سب جہانوں کا مالک و پروردگار ہے۔

غرض روزِ جزا کی حمد بیش از بیش ہو گی، لہٰذا روزِ جزا کی ملکیت کو بھی وجوہاتِ اختصاصِ حمد میں شمار کرنا نہایت موزوں اور با موقع ہے ؏ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰى هٰذِهِ النُّكْتَةِ اللَّطِیْفَةِ۔

لطیفہ عجیبہ مرزائے قادیانی بھی عجیب لطف کے بندے تھے۔ آیاتِ قرآنیہ کو توڑ مروڑ کر کسی نہ کسی طرح اپنے حق میں اتار لیتے تھے۔ چنانچہ آیت کریمہ اَلْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ (قصص پ ۲۰) کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ اس میں دو احمدوں کی طرف اشارہ ہے ایک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم احمد مجتبٰے اور دوسرے خود بدولت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

Marfat.com

(ملخص اعجاز المسیح ص ۱۳۲-۱۳۵) اوّل تو یہ مسخرا پن دیکھئے کہ کہاں یہ مضمون کہ دنیا و عاقبت ہر دو جہان میں مالک حمد و ثنا صرف ذاتِ حق ہے۔ اور کہاں دو احمدوں کی ہستی۔

دیگر یہ کہ آقا بھی "احمد" اور گستاخ غلام بھی "احمد" گویا غلامی کی نسبت درمیان سے جاتی رہی اور آقا و غلام میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ اعاذنا الله من هذه الخرافات۔

دیگر یہ کہ ملکیت (بادشاہت) کے رو سے بھی خدا تعالےٰ لائق حمد ہے۔ کیونکہ یہ اس کی خاص صفت ہے جیسا کہ ابھی انشاء اللہ مذکور ہوگا۔ اور بادشاہ ہونے پر لائق حمد ہونا قرآن شریف میں دوسرے موقع پر بھی مذکور ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (تغابن پ۲۸) — اسی کی بادشاہی ہے اور وہی حمد کے لائق ہے۔ اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

۲۔ اور سورت ملک کے شروع میں فرمایا:۔

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (پ۲۹ ملک) — یعنی وہ ذات جس کے قبضے میں بادشاہی ہے بہت ہی بابرکت ہے اور وہ ہر شئے پر قادر ہے۔

اس آیت میں گو لفظ حمد نہیں ہے لیکن چونکہ تبارک ستائش و تعریف کا کلمہ ہے۔ اس لیے ہم نے اس جگہ اُسے بھی نقل کر دیا ہے۔

سات سورتیں کلمہ تسبیح سے شروع ہوتی ہیں۔ اور پانچ الحمد سے اور دو تبارک سے پس ان کا مجموعہ بھی سات ہو گیا۔

۳۔ سورت بنی اسرائیل کے خاتمے پر فرمایا:۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ۝ (پ۱۵) — اور کہہ تو ہر طرح کی تعریف کے لائق اللہ ہے جس نے کوئی متبنّےٰ نہیں بنایا اور نہ بادشاہی میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے۔ اور اُسی کی بڑائی بیان کرتے رہو"

پس مالک یوم الدین کی دوسری قراءت مَلِک یوم الدین کی بنا پر ملکیت و بادشاہت بھی وجوہاتِ اختصاصِ حمد میں سے ہے۔ کیونکہ بادشاہ ہونا بھی موجبِ ستائش ہے۔

اسی اختصاص کی وجہ سے کہ بادشاہی حقیقت میں خدا تعالےٰ کی صفت ہے خدا تعالیٰ کو بادشاہِ حقیقی کہتے ہیں اور دنیوی بادشاہوں کو بادشاہ مجازی اور اسی اختصاص نسبت کی وجہ سے

Marfat.com

قرآن شریف کی مذکورہ بالا آیات میں سے نمبر اوّل کی آیت میں لَهُ الْمُلْكُ۔ لَہٗ کو مقدم کیا گیا۔ اور اسی امر کو آیت نمبر ۳ میں حکم تمہید کے بعد لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ کے الفاظ میں واضح کر دیا گیا۔ کہ ملک (بادشاہت) میں اس کا ساجھی و شریک کوئی نہیں۔ پس اس وجہ سے بھی حمد صرف اسی سے مختص رہی۔

۴۔ آیت قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ میں ملک کو مالک کی طرف مضاف کر کے اور کسی کو عطا کرنا (جیسے بچہ سقاؤ کو اور نادر خان ایک جرنیل کو اور اسی طرح مصطفےٰ کمال پاشا کو) اور کسی سے چھین لینا (جیسے شاہ امان اللہ خان سے اور سلطان عبد الحمید اور سلطان عبد المجید سے) ظاہر کر کے اسی شانِ تفرد و مالکیت کو نمایاں کیا ہے۔

ارتباط مذکورہ بالا بیان حَمْد اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے تعلق کی نسبت تھا۔ اب الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے ربط کے متعلق ملاحظہ فرمائیے:۔

سابقاً آپ ربّ العالمین کے ضمن میں (کس جگہ) پڑھ آئے ہیں کہ اللہ ربّ العالمین کی شان اس سے بلند ہے۔ کہ زمین و آسمان اور ان کی درمیانی اشیاء کا اتنا بڑا سلسلہ کھڑا کرے اور دن رات ان کی حفاظت و تربیت بھی کرتا رہے۔ اور اس کا انجام یہ ہو کر وہ عبث و بے نتیجہ ہو کر ایک بیکاری کا شغل ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنی زندگی غفلت و جہالت کفران و معصیت میں گذاری قیامت کے دن اعمال کی جزاء کے وقت ان سے کہا جائے گا۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ط (مومنون پ ۱۸)

تو کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تم کو عبث و بیکار پیدا کیا ہے اور نیز یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہ آؤ گے پس اللہ سچا بادشاہ اس سے بہت بلند ہے۔

۲۔ اور آپ یہ بھی پڑھ آئے ہیں .... کہ شاکر و کافر۔ مطیع و عاصی۔ محسن و مسیئی (نیکوکار بدکار) میں امتیاز اور مظلوم کی دادرسی، حقدار کی حق رسی۔ شاکر و مطیع کی نیک جزا۔ سب کچھ ربوبیت میں داخل ہے۔

۳۔ نیز آپ الرحمٰن الرحیم کے بیان میں .... مطالعہ فرما چکے ہیں۔ کہ جملہ عالمین کی تربیت و حفاظت کی وجہ خدا کی رحمت و شفقت ہے۔ اور یہ بھی کہ اس کی رحمت عام بھی ہے۔ اور خاص بھی۔ عام وہ ہے جس سے اتنے بڑے عالم بالا و زیریں کو موجود کیا۔ اور پھر اس کی تربیت کرتا رہتا ہے۔ اس رحمت سے مومن و کافر۔ موحد و مشرک۔ خدا کی ہستی کے قائل اور دہریہ۔ مطیع و عاصی

Marfat.com

صالح و فاسق ۔ ہر دو نوع کے انسان بلکہ ہر متنفس اور متحرک بالارادہ زندہ ہستی بہرہ ور ہے چنانچہ فرمایا :۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا۔ (ہود پ ۱۲)
اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا جانور نہیں جس کا رزق خدا کے ذمے نہ ہو۔

اسی معنے میں کہا گیا ہے ؎

ادیم زمیں سفرۂ عام اوست
بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر فرمایا :۔

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف پ ۹)
یعنی میری رحمت ہر شے پر چھائی ہے "

اسی کے مناسب حدیث قدسی میں فرمایا :۔

ان رحمتی سبقت غضبی۔ (بخاری)
یعنی میری رحمت میرے غضب پر سبقت رکھتی ہے "

ایسی رحمت اسم رحمٰن کا تقاضا ہے ۔ اسی لیے یہ اسم مخصوص بذات باری ہے ۔ کسی دوسرے کو اس نام سے پکارنا جائز نہیں ، جیساکہ بسم اللہ کے بیان میں (ص ۔) پر گذر چکا ہے ۔

خاص رحمت یہ ہے کہ کسی عامل کا نیک عمل کسی عابد کی عبادت ۔ کسی مطیع کی اطاعت ، جو اس کی ہدایت کے مطابق ہو اُسے ضائع و رائگان اور بےثمر نہ کردے ۔ چنانچہ فرمایا :۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ۔ (آل عمران پ ۴)
پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا ۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت "

اس مضمون کی آیات بکثرت ہیں ۔ اور یہ تقاضا ہے اسم رحیم کا ۔ چنانچہ اپنے ذکر و عبادت اور تسبیح و تقدیس کا حکم کیا ۔ اور اس حکم کی تعمیل پر جو کچھ نوازشیں ہوں گی ۔ ان کی بابت فرما کر آیت کو اسم رحیم پر ختم کیا ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ
مسلمانو ! اللہ کو بہت بہت یاد کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح پڑھا کرو ۔ وہ تو ذات پاک ہے ۔ کہ تم پر رحمتیں نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تمہارے لیے دعا مانگتے ہیں تاکہ تم کو اکھر کے اندھیروں سے

Marfat.com

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا۔ (احزاب، ع ۶ پ ۲۲)

(ایمان کے) نور کی طرف نکال لاوے اور وہ مومنوں پر بہت ہی مہربان ہے جس دن وہ اس سے ملاقات کریں گے تو ان کا تحفہ سلام ہوگا۔ اور اس نے ان کے لیے بڑی عزت کا اجر تیار کر رکھا ہے۔

اس مضمون کی آیات بھی بکثرت ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ تابعداروں کی محنت و سعی کو قبول کرنا۔ اور ایسے ایسے اچھے سلوک سے ان پر نوازش کرنا۔ اور تابعداروں اور معافی کے طلب گاروں کی لغزشوں سے درگذر کرنا سب رحمت خاصہ کا تقاضا ہے۔

پس ان ہر دو آیات یعنے ربّ العالمین اور الرحمٰن الرحیم کے ان مذکورہ بالا نکات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جزا سزا کا مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب مطیع کی اطاعت بے ثمر نہیں گئی۔ تو عاصی کی معصیت و سرکشی کا وبال بھی اس پر پڑنا چاہیئے۔ کیونکہ مطیع و عاصی انجام میں برابر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اسی امر کو واضح کرنے کے لیے فرمایا:۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۚ لَا يَسْتَوٗنَ۔ (الٓمٓ سجدہ، ع ۲ پ ۲۱)

کیا وہ جو مومن ہو اس کی مثل ہے جو فاسق ہے، یہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے۔

اس کے بعد نیکوکار مومنوں کی جزا جنّت فرمائی۔ اور نافرمانوں کی سزا ہمیشہ کا دوزخ۔ (اعاذنا اللّٰہ منہا) اسی لیے اس آیت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں جزا کے لیے لفظ دِین اختیار کیا گیا ہے۔ کہ وہ عمل و سعی کے موافق و مناسب سلوک کا نام ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ (فتح الباری) اور یہ حدیث اپنی شہرت کی وجہ سے زبان زد ہو کر محاورۂ زبان میں داخل ہو گئی ہے۔ پس اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (رحمتِ عام و خاص) کے ذکر کے بعد مسئلہ جزا و سزا کے لیے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کہنا نہایت موزوں و مناسب ہے۔

نکتہ اور لطف یہ ہے کہ يَوْمِ الدِّيْنِ کو اپنے اسم مٰلِك یا مَلِك کی طرف مضاف صفت کی صورت میں فرمایا جس سے معلوم ہو گیا۔ کہ اعمال پر جزا سزا مترتب کرنا خدا کی صفات میں داخل ہے۔ هٰذا والحمد للّٰه (میر)

حلِ لغات: مٰلِكِ: حقیقی صاحب اختیار کو کہتے ہیں کہ جس چیز کا وہ صاحب ہو اس میں اپنے اختیار و استحقاق سے ہر طرح کا تصرف کر سکے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے۔ اَلْمُلْكُ وَالْمِلْكُ وَالْمَلْكُ۔ (بالحرکات الثلٰث للمیم وسکون اللام فی الکل)۔

Marfat.com

احتواء الشیٔ والقدرۃ علی الاستبداد بہ ۱۲ جلالین یعنی کسی شے پر بالاستقلال حاوی و قادر ہونا۔

اور قرآن شریف میں متعدد جگہ وارد ہے ان میں سے بعض یہ ہیں:۔

چنانچہ سورۂ انفطار پ۳۰ میں یوم الدین کی تعیین میں فرمایا:۔

یَوۡمَ لَا تَمۡلِکُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡـًٔا ؕ وَ الۡاَمۡرُ یَوۡمَئِذٍ لِّلّٰہِ ۔ (انفطار، پ۳۰) — یعنی جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے کسی چیز کی بھی مالک نہ ہوگی۔ اور حکم اس روز اللہ ہی کا ہوگا۔

اسی طرح سورہ سبا پ۲۲ میں فرمایا:۔

فَالۡیَوۡمَ لَا یَمۡلِکُ بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ نَّفۡعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ (سورہ سبا، پ۲۲) — یعنی پس آج تم مالک نہیں ہو ایک دوسرے کے نفع نقصان کے۔

ان ہر دو آیات میں لَا یَمۡلِکُ مِلک بکسر المیم سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنے مالکیت کے ہیں۔

اور سورۂ مومن پ۲۴ میں اسی روز (الفاق) کی بابت فرمایا:۔

لِمَنِ الۡمُلۡکُ الۡیَوۡمَ ؕ لِلّٰہِ الۡوَاحِدِ الۡقَہَّارِ ۔ — یعنی (خدا تعالےٰ پوچھے گا) آج کس کی حکومت ہے (پھر خود فرمائے گا) اکیلے (اور) زبردست خدا کی (ہے)۔

سورہ فرقان پ۱۹ میں فرمایا:۔

اَلۡمُلۡکُ یَوۡمَئِذِ ۣالۡحَقُّ لِلرَّحۡمٰنِ ؕ (فرقان پ۱۹) — یعنے حکومت سچی وتحقیقی اس روز صرف (خدائے) رحمٰن کی ہوگی۔

نیز سورہ حج پ۱۷ میں فرمایا:۔

اَلۡمُلۡکُ یَوۡمَئِذٍ لِّلّٰہِ ؕ — یعنی راج اس دن صرف اللہ کا ہوگا۔

ان ہر سہ آیات میں مُلک بالضم صاف مذکور ہے اور ان سب مذکورہ بالا آیات میں ایک ہی دن یوم الدین کے کوائف مذکور ہیں پس مِلک اور مُلک ہر دو کے معنے قدرت و اختیار اور ضبط و تصرف کے ہیں۔ اسی لیے اس جگہ یعنی سورت فاتحہ شریف میں مٰلک کی

ے فاتحہ میں بھی اپنی ربوبیت اور مالکیت و ملکیت کا ذکر کیا، اور خاتمہ قرآن پر بھی یہی صفات ذکر کیں۔ پس ابتدا و انتہا باہم متناسب ہو گئے اور یہ امر حسن تالیف و ترتیب میں داخل ہے اور اس امر کی دلیل ہے۔ کہ اس کلام کا مرتب و مولف اپنے مقاصد اور سلسلہ مضامین کو نہایت خوبی سے نگاہ رکھنے والا ہے (تونوی مع الزیادۃ) ۱۲ منہ۔

Marfat.com

قراءت "مَلِكِ" بھی درست ہے۔ اسی لیے میم اور لام کو ملا کر لکھتے۔ کہ دونوں قراءتیں پڑھی جا سکیں، رسم الخط عثمانی میں یہ کمال ہے کہ اس میں عموماً سب متواتر قراءتیں جمع ہو جاتی ہیں۔

مَالِكِ اور مَلِكِ کا مفاد و حاصل ایک ہی ہے لیکن دونوں کے مفہوم کی وسعت میں الگ الگ کمی بیشی ہے۔ جب دونوں قراءتیں تواتر سے ثابت ہیں تو کسی ایک کی وجوہ ترجیح کی تفصیل بیکار ہے۔ ہاں پڑھنے میں کسی ایک کو دوسری کے انکار بلکہ راجح و مرجوح قرار دینے کے بغیر اختیار کرنے کا اختیار ہے۔ قرآن شریف میں مَلِكِ اور مَالِكِ ہر دو خدا کی صفات و اسماء میں وارد ہیں۔ مثلاً قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ میں مَالِكَ (بالالف) اور سورت قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ میں مَلِك بغیر الف کے اور حدیث ترمذی میں اسمائے حسنیٰ کی جو فہرست مرفوعاً مروی ہے۔ اس میں بھی ہر دو موجود ہیں۔ دونوں کے مادی حروف م۔ ل۔ کَ ہیں۔ عام خیال کے مطابق مَالِكِ، مِلك (بکسر المیم) سے ماخوذ ہے۔ اور مَلِك (بمعنے بادشاہ) مُلك (بضم المیم) سے لیکن لسان العرب کے حوالۂ مذکورۂ بالا سے واضح ہے کہ مِلك بالکسر اور ملک بالضم بلکہ مَلك بالفتح ہر سہ کے معنے ایک ہی ہیں۔ پس تفریق و ترجیح کی تفصیل و تطویل بے سود ہے۔

حروف م۔ ل۔ کَ کی ترکیب قوت۔ شدت۔ قدرت اور تصرف و تحکم کا معانی کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً مَلِكُ الطَّرِيْقِ رستے کے وسط کو کہتے ہیں۔ اور مُلْكُ الدَّابَّةِ (بضم المیم واللام) چوپائے کے پاؤں کو کہتے ہیں کہ وہ ان کے سہارے پر کھڑا ہوتا ہے۔ اور اس کے ضابطہ (کنٹرول) اور ہانکنے والے (ڈرائیور) کو بھی کہتے ہیں۔ کہ وہ اس پر مختار و ضابطہ و متصرف ہوتا ہے۔ اسی طرح ملاك الامر اس امر کو کہتے ہیں۔ جس پر مدار کار ہو۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے۔ وملاك الامر الذى يعتمد عليه وملاك الامر وملاكه ما يقوم به وفى الحديث ملاك الدين الورع[1]، الملاك بالكسر والفتح قوام الشئ ونظامه وما يعتمد عليه

اور یہ تمام معانی جو اس ترکیب (م۔ ل۔ کَ) کے ضمن میں ہیں، حق سبحانہ و تعالیٰ کے حق میں ثابت ہیں، کیونکہ وہ ذو القوة المتین بھی ہے۔ وہ ہادی و قیوم بھی ہے۔ ہر ایک کا سہارا ہے اور ہر جان پر قابض و متصرف اور ضابطہ ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

---

[1] جلد ۱۲ صفحہ ۳۸۴ ۱۲ منہ

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ ۔ (پ ۲۷، ذاریات)

بیشک اللہ ہی ہے رازق، صاحب قوت، پختہ کار ۔

نیز فرمایا :-

اَفَمَنْ ھُوَ قَآئِمٌ عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ ۔ (سورہ رعد) (پ ۱۳)

کیا وہ جو قائم وضابط ہے ہر نفس پر اس کے کسب کی وجہ سے (اس جیسا ہو سکتا ہے جو ایسا نہیں ہے) اس پر بھی ان لوگوں نے خدا کے شریک ٹھہرا لیے ہیں "

تنبیہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں مَلِكِ اور مَالِكِ کا فرق ایسے طریق پر لکھا ہے ۔ کہ آپ قرارت مَلِكِ (بغیر الف) کے قائل معلوم نہیں ہوتے اگر ایسا ہی ہے تو یہ ان کی فن روایت سے نا واقفی کی وجہ سے ہے ۔ کیونکہ ہر دو قرائتیں متواتر ہیں ۔ کسی سے بھی انکار نہیں ہو سکتا ۔ (کما قدمنا)

۱ ۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :-

قرء بعض القراء مَلِكِ یوم الدین، و قرء اٰخرون مَالِكِ وکلاھما صحیح متواتر فی السبع ۔ (ص ۲۲)

بعض قاریوں نے مَلِكِ (بغیر الف کے) پڑھا ہے اور بعض نے مَالِكِ (بالالف) اور ان میں سے ہر ایک قرارت سبعہ میں صحیح اور متواتر ہے ۔

۲ ۔ شیخ مشائخنا حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ ہر ایک کے تفصیلی وجوہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

" بہر حال وجوہ ترجیح از ہر جہت موجودہ است و تواتر در ہر طرف متحقق، پس تطویل کلام درینجا محض فضول ست " (ص ۴۵)

۳ ۔ شیخ شیخنا حضرت سید صدیق حسن خاں صاحب فتح البیان میں فرماتے ہیں :-

والقراءتان مرویتان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر ذکرھما الترمذی (فتح ص ۲۲) ۔

دونوں قرارتیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے مروی ہیں ۔ دونوں کو امام ترمذیؒ نے ذکر کیا ہے ۔

فائدہ اللہ تعالیٰ جب رب العالمین ہے ۔ تو ہر وقت اور ہر عالم میں ہر شئے کا مالک ہے ۔ لیکن چونکہ اس جگہ اثبات جزا اور یہ جتانا مقصود و مطلوب ہے ۔ کہ

Marfat.com

اس دن اللہ رب العالمین کے سوا کسی کی ملکیت و بادشاہت نہ ہوگی۔ نہ حقیقی نہ عارضی، اس لیے مَالِكِ کو یوم الدین کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا۔ فافہم۔

عموماً وقت کے اس حصّے کو کہتے ہیں جو طلوعِ آفتاب سے غروب تک ہوتا ہے۔ (لسان العرب) اس کی جمع ایام ہے۔ اور اس صورت میں مجموعِ دن رات پر شامل ہوتا ہے جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کے ذکر میں سورتِ آل عمران میں تو فرمایا۔ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ (پ۳ ع۱۳) اور سورتِ مریم میں فرمایا ثَلٰثَ لَیَالٍ (پ۱۶ ع۱) میر عفی عنہ)

اور کبھی بغیر تحدید کے اس سے مطلق وقت بھی مراد لیا جاتا ہے۔ (لسان العرب)

اَلدِّیْنِ دِیْن سے مراد ہے جزا، نیک ہو یا بد، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:-

والدین الجزاء فی الخیر والشر کما تدین تدان۔

(صحیح بخاری)

یعنے دین جزا کو کہتے ہیں۔ نیکی میں بھی اور بدی میں بھی جیسے کہ وارد ہے۔ کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ یعنے جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

اور حماسہ میں ہے:-

فَلَمَّا صَرَّحَ الشَّرُّ وَاَمْسٰی وَھُوَ عُرْیَانُ
وَلَمْ یَبْقَ سِوَی الْعُدْوَانِ، دِنَّاھُمْ کَمَا دَانُوْا

"پس جب (ہمارے مخالفین کی) شرارت کھلم کھلی ظاہر ہو گئی اور سوائے زیادتی کے کچھ باقی نہ رہا تو ہم نے بھی ان سے ویسا ہی کیا جیسا انہوں نے ہم سے کیا تھا"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ دین کے اور بھی بہت سے معانی ہیں۔ مثلاً عادت[۱] عمل[۲]۔ حکم[۳]۔ حال[۴]۔ خلق[۵]، طاعت[۶] (بندگی) قہر[۷] (غلبہ) ملت[۸]۔ شریعت[۹]، ورع[۱۰] (پرہیزگاری) اور سیاست[۱۱] (کتاب التفسیر جلد ۱۸ و ص ۱۱۲)

ان معانی میں سے کئی ایک کیلئے یہ لفظ قرآن شریف اور احادیث میں وارد ہے۔ جن کی مثالوں سے طوالت کا خوف ہے۔ اسی طرح شیخ کبیر صدر الدین قونوی رحمہ اللہ تفسیر فاتحہ میں فرماتے ہیں:-

ان للفظة الدین فی اللسان عدة معان منها الجزاء[۱] والعادة[۲] والطاعة[۳] والشان[۴] ودانته فی اللغة اذلة واستعبدہ وساسہ وملکہ والدیان المالک، والدین الاسلام الخ

زبانِ عربی میں لفظ دین کے کئی ایک معنے ہیں۔ جزا[۱]، عادات[۲]، اطاعت[۳]، شان[۴] اور دان (ماضی) کے معنے ہیں۔ اس نے اس کو اپنا ماتحت اور غلام بنا لیا اور اپنی سیاست اور ملک میں لے لیا۔ اور

Marfat.com

فهذه المعانی کلها تتضمنها لفظة الدین وھی باسرھا مقصودة للحق لکمال کلامہ الخ۔
(ص ۱۹۲)

و دیان مالک کو کہتے ہیں۔ اور دین سے مراد اسلام بھی ہے پس یہ سب معانی لفظ دین کے ضمن میں ملحوظ ہیں۔ اور سب مقصودِ حق تعالٰے ہیں۔ کیونکہ خدا کا کلام کامل ہے۔"

مرکب یوم الدین سے مراد یوم قیامت ہے۔ کیونکہ پوری جزا اور حساب کے لیے یہی دن مقرر ہے۔ دنیا اور برزخ میں جزوی جزا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوگا۔ (دانش)

چنانچہ فرمایا:۔

(۱) وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
(آل عمران ۱۹)

بات یہی ہے کہ تمہارے پورے اجر تم کو قیامت ہی کے دن ملیں گے۔"

(۲) وَمَا اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ، ثُمَّ مَا اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ، يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ۔
(انفطار ۱۹)

(اے پیغمبر!) تمہیں کیا معلوم کہ یوم الدین کیا ہے۔ پھر یہ کہ تمہیں کیا معلوم کہ روزِ جزا کیا ہے؟ (وہ) وہ دن ہے جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے کسی چیز کی بھی مالک نہیں ہوگی۔ اور اس دن ہر امر اللہ تعالٰے کے اختیار میں ہوگا۔ (تفسیر)

نکتہ سورت فاتحہ میں مقام حمد میں فرمایا کہ اللہ ہی روزِ جزا کا مالک ہے۔ اور سورت انفطار میں غیر کی مالکیت کی نفی کر کے فرمایا کہ اس روز ہر امر خدا کے اختیار میں ہو گا۔ جو کچھ مقام حمد میں بیان کیا جائے بلاغت کے رو سے اس میں حصر پایا جاتا ہے۔ پس سورت فاتحہ میں جو کچھ ضمناً ملحوظ ہے۔ وہ سورتِ انفطار میں صراحتہً ملفوظ ہے۔

روزِ قیامت کے کئی ایک نام ہیں۔ ہر نام کی الگ الگ وجہ ہے (جیسا کہ آگے ابھی آئے گا) چونکہ یہاں پر مقصود اثباتِ جزا ہے۔ اس لیے اسے یوم الدین کہا گیا۔ اور اس یوم الدین کی اضافت اپنے اسم مالک کی طرف اس لیے کی، کہ اس دن سب مالکوں کی مالکیت اور سب بادشاہوں کی بادشاہت چھن جائے گی۔ اور گو آج بھی بادشاہوں کی بادشاہی اور مالکوں کی مالکیت حقیقی نہیں ہے۔ محض نمائشی و عارضی ہے۔ لیکن اس روز یہ عارضی اور نمائشی بھی نہ رہے گی۔ چنانچہ فرمایا۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

یعنی (خدا تعالٰے کی طرف سے ندا ہوگی) آج کس کی بادشاہی ہے؟ سناٹے کا عالم ہوگا۔ سب ہمہ

Marfat.com

(پ۲۴، مؤمن) اوندھے کئے ہوں گے۔

جیساکہ فرمایا۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۔ یعنے سب چہرے حیّ قیوم خدا کے سامنے عاجز ہوں گے۔
(طٰہٰ پ۱۶)

ایسی حالت میں کوئی کچھ بھی جواب نہیں دے گا تو خود خدا تعالےٰ فرمائے گا۔

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۔ یعنے آج صرف اکیلے اور زبردست خدا کا راج ہے۔

+ + + + + + + + + + + + + + +

حدیث صحیحین میں وارد ہے کہ خدا تعالےٰ پکارے گا۔

أَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ ۔ یعنے جو دنیا میں بڑے زبردست بنتے تھے۔ کہاں
أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ ۔ ہیں؟ جو اپنے خیال سے بڑے بنتے تھے۔ وہ کہاں ہیں۔ (ابن کثیر) (آگے آئیں اور عزت و کبریائی کا دعوےٰ کریں۔ لیکن کسی کو مجال دم زدن نہیں ہوگی)۔

+ + + + + +

تنبیہہ حیرانی ہے۔ کہ مولوی حکیم نوردین صاحب قادیانی نے باوجود عالم و حافظِ قرآن ہونے کے غضب کیا کہ قیامت سے ادھر، دنیا اور قبر کو بھی یوم الدین بنادیا۔ اس خیال سے کہ کچھ نہ کچھ جزا یہاں بھی ملتی ہے۔ حکیم صاحب نے دین کے معنے کو دیکھا اور اس کے مضاف یوم اور الف لام تعریفی کو نہ دیکھا۔ کہ اس میں تخصیص ہوگئی ہے۔ اگر عام جزا مراد ہوتی تو مالک الدین کہا جاتا۔ نہ کہ مالک یوم الدین نیز تفصیل بالا سے ظاہر ہو چکا ہے۔ کہ قرآن شریف میں یوم الدین سے مراد روزِ قیامت ہے۔ اس طرح دیگر آیات بھی ہیں۔ مثلاً دوزخی اپنے دوزخ میں پڑنے کے اسباب میں کہیں گے۔

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۔ یعنے ہم اس لیے بھی دوزخ میں ڈالے گئے کہ ہم یوم جزا کے منکر تھے۔
(مدثر پ۲۹)

۲۰۔ اسی طرح سورتِ واقعہ میں دوزخیوں کی خوراک تھوہر اور گرم پانی کا ذکر کرکے فرمایا۔

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۔ یعنے یوم جزا میں یہ ان کی مہمانی ہوگی۔

۳۔ اسی طرح سورتِ صافات میں پہلے فرمایا۔ کہ منکرینِ قیامت مر کر اٹھنے کو مستبعد جانتے ہیں پھر اس کے جواب میں فرمایا۔

Marfat.com

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ۔ (صافات پ ۲۳)

یعنے وہ تو صرف ایک جھڑکی ہوگی۔ کہ اچانک وہ دیکھنے لگیں گے ہائے ہماری خرابی یہ تو یوم الدین ہے۔ (تو ان کو کہا جائے گا ہاں) یہ وہی فیصلے کا دن ہے۔ جس سے تم انکار کرتے تھے۔

ایک ہی سخت آواز سے سب مُردوں کا جی اٹھنا سورت نازعات میں بھی وارد ہے۔ اور یوم الفصل بھی قیامت ہی کا ایک نام ہے۔ جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ تعالےٰ آئے گا۔ حکیم صاحب سے حافظ قرآن ہو کر اتنی آیات قرآنیہ فراموش ہو گئیں ع حَفِظْتَ شَيْئًا وَّغَابَتْ عَنْكَ اَشْيَاءُ۔

مولوی محمد علی لاہوری نے بھی حکیم صاحب کی تقلید میں یوم الدین کو عام بنا دیا۔ حق استادی کا خیال آیا۔ اور قرآن شریف کی اتنی تصریحات کا لحاظ نہ آیا۔ خیر یہ تو شاید معذور ہوں۔ کیونکہ یہ بیچارے نہ قرآن کے حافظ، نہ زبان و قواعد عربی کے ماہر۔ نہ دینیات کے عالم۔ لیکن جو سٹاف ان کے ساتھ معاون و مددگار تھا۔ اور جن کا وہ دیباچے میں شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کیا ان میں سے کوئی بھی حافظ و عالم نہ تھا۔ جو کہتا کہ حضرت! یوم الدین کی تفسیر خود خدا تعالیٰ نے کر دی ہے۔ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ۔

قرآن مجید میں روز قیامت کے نام بہت آئے ہیں ہر ایک نام الگ اعتبار سے ہے۔ مثلاً یوم الدین[۱] (جزا کا دن) الیوم الآخر[۲] (سب سے پچھلا دن) یوم القیمۃ[۳] (مردوں کے جی اٹھنے کا دن) یوم عظیم[۴]، یوم کبیر[۵] (بڑا دن) یوم مشہود[۶] (حاضری کا دن) یوم البعث[۷] (مردوں کے اٹھنے کا دن) یوم الحسرۃ[۸] (افسوس کا دن) یوم الفصل[۹] (فیصلے کا دن) یوم الحساب[۱۰] (حساب اعمال کا دن) یوم التلاق[۱۱] (خدا کی ملاقات کا دن) یوم الآزفۃ[۱۲] (نزدیک آنے والی ساعت کا دن) یوم الوعید[۱۳] (وعدۂ عذاب کا دن) یوم الخروج[۱۴] (قبروں سے نکلنے کا دن) یوم الخلود[۱۵] (ہمیشگی کا دن) یوم التغابن[۱۶] (نقصان و افسوس کا دن) ان کے علاوہ اس عالم دنیا کے مقابلے میں یہ نام بھی ہیں، الآخرۃ[۱۷]، الساعۃ[۱۸]، الواقعۃ[۱۹] (ضرور واقعہ ہونے والی) الحاقۃ[۲۰] (حق ثابت ہونے والی) القارعۃ[۲۱] (کھڑکھڑانے والی) الغاشیۃ[۲۲] (ڈھانپ لینے والی)

ان کے علاوہ دیگر صفات سے بھی اس دن کا ذکر بکثرت ایسے طریق سے آیا ہے۔ کہ اس سے سوائے روز قیامت کے اور کچھ سمجھا نہیں جاتا۔ مثلاً يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ[۲۳] (مائدہ) جس دن خدا تمام رسولوں کو جمع کرے گا۔ (۲) وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ[۲۴] يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ (انعام) یعنے جس دن قرنا میں پھونکا جائے گا۔ تو صرف اسی کی بادشاہی ہوگی۔

Marfat.com

۳۔ وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ۔ (پ۱۵ کہف) — یعنی جس دن چلائیں گے ہم پہاڑوں کو۔

۴۔ وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَلَی النَّارِ۔ (احقاف پ۲۶) — یعنی جس دن کفار دوزخ کے سامنے کئے جائیں گے۔

۵۔ رَبَّنَا اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ۔ (آل عمران پ۳) — خداوندا تو تمام لوگوں کو اس دن جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

اعمال پر جزا سزا کا ترتّب

جملہ اعمال (نیک ہوں یا بد) روح کے امر و قصد سے سرزد ہوتے ہیں، اعضا صرف صدورِ افعال کے آلات اور وسائط و وسائل ہیں۔ جن سے اس کا قصد فعل میں آتا ہے۔ اعضا پر روح کا تسلط و تصرف ایسا ہے۔ کہ وہ اس امر کی ہرگز مخالفت نہیں کر سکتے۔ لیکن روح کا قصد اور اعضا کو امر کرنا اضطراری نہیں ہے۔ بلکہ اختیاری ہے۔ جس کی دو جہتیں ہیں، کرنے کی بھی، اور اس سے رکنے کی بھی۔ اور ضابطہ و کنٹرول ان ہر دو پر قوّتِ عقلیہ ہے۔ جس کا کام نیکی پر ابھارنا اور بدی سے منع کرنا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں ایک اور قوّت اس کی ضد ہے۔ جو بدی پر ابھارتی ہے۔ اور نیکی سے منع کرتی ہے۔ اور اس قوّتِ عقلیہ کی رہنما خدا کی مقرر کردہ شریعت ہے۔ انسان ان ہر دو قوتوں کے تجاذب میں مبتلا ہے۔ اور انسان کے مختار بالفعل ہونے کے یہی معنے ہیں۔ کہ اُسے یہ ہر دو قوّتیں اور ان کے مناسب آلاتِ فعل و ترک بھی عطا کئے گئے ہیں۔ مثلاً آپ کا ہاتھ ہے۔ اگر آپ اس سے کسی مسکین کی دستگیری، کسی بیکس کی امداد، کسی حاجت مند کو داد و دہش بھی کر سکتے ہیں۔ تو اس سے کسی پر ناحق ظلم و ستم بھی کر سکتے ہیں۔ اور دوسری طرف دستگیری سے دستکش بھی ہو سکتے ہیں۔ اور ظلم و ستم سے باز بھی رہ سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ کے نفس کے قصد کے ماتحت ہے۔ جس کی اہلیت اس کے خالق نے اس کی فطرت میں رکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔

(سورۃ الشمس)

(پ۳۰)

یعنے قسم ہے جان کی اور اُسے معتدل بنانے کی (حکمت کی) پھر الہام کی اُسے برائی اس کی اور پرہیزگاری اس کی۔ بیشک نجات پائے گا وہ جس نے پاک رکھا اس کو۔ اور نامراد رہے گا وہ جس نے اُسے خاک میں ملا دیا۔"

Marfat.com

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ نے نفسِ انسانی کو معتدل حالت پر پیدا کیا ہے اور اس میں نیکی اور بدی ہر دو امر کے جذبات رکھے ہیں۔ پس نجات و کامیابی اس کی ہے۔ جو اُسے فطری پاکیزگی پر قائم رکھے۔ اور مدارجِ طہارت میں ترقی پائے۔ اور خرابی و خسران اس کے لیے ہے جو اُسے آلودہ کر دے۔

اب اس طہارت و تزکیہ اور آلودگی کی کیفیت معلوم کیجئے۔ تو اعمال پر جزا کا ترتب آپ کے ذہن میں آجائے گا۔ سو معلوم ہو کہ جس طرح عضو کو کسی فعل کا حکم کرنے کے وقت نفس کے قصد و توجہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس عضو میں انتعاش و حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نفس کے مقصد و غرض کا اثر عمل پر پڑتا ہے۔ بلکہ اس میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور بار بار کے عمل اور کثرتِ مشق سے نفس اس ہیئت میں اس طرح منصبغ ہو جاتا ہے کہ گویا اس کا قصد اور اس کی نیت اس کے عمل سے خلطِ رابطی کے درجے میں ہو کر منطبع ہو چکا ہے۔ آیت میں یہی حقیقت و حالت ملحوظ ہے۔

بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (پ ۱)

یعنی جس کسی نے برائی کو اپنا کسب بنا لیا اور اس کی خطا کاری نے اُسے (ہر جہت سے) گھیر لیا، تو وہ لوگ دوزخی ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ در ہمیشہ رہیں گے۔

دوسرے مقام پر اسی امر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

کَلَّا بَلْ ٜ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔ (تطفیف پ ۳۰)

یعنی کوئی نہیں پر زنگ پکڑ گیا ہے ان کے دلوں پر جو کسب کرتے رہتے تھے۔

اس کے مقابلہ میں یہی حال نیکو کاری کا سمجھ لیجئے۔

پس روح کو اپنے قصد و ارادے، اور اپنی غرض و مقصد اور اپنے اعمالِ مکتسبہ سے جو انصباغ حاصل ہوتا ہے۔ وہ اس میں بدرجہ خلطِ رابطی ہو جانے کے اس میں مخزون رہتا ہے۔ اور اس کے جملہ افعال و اعمال بحسب اپنی نوعیت کے اور مطابق اس کی نیت کے عالمِ مثال میں صورت پکڑتے جاتے ہیں۔

اِنْ خَیْرًا فَخَیْرٌ وَّاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ۔

یعنے اگر اچھے ہوں تو اچھی صورت، اور اگر برے ہوں تو بری صورت پکڑتے ہیں۔

لیکن نیک عمل کی اچھی صورت کے لیے یہ شرط ہے۔ کہ اس میں عامل کی نیت و قصد یعنے اس

Marfat.com

عمل پر اس کا محرک و باعث اور اس عمل سے اس کا مقصد و مطلب بھی پاک ہو یعنی اس عمل سے خدا تعالےٰ کی رضا جوئی مطلوب ہو اور خالصاً لوجہ اللہ کیا ہو۔ اور اس کے بعد اس سے کوئی عمل منافیِ رضائے الٰہی سرزد نہ ہو۔ مثلاً شرک و کفر کہ یہ جملہ طاعتوں کو برباد کر دیتے ہیں۔ اور اس نیک عمل کو خدا تعالےٰ کے فرمان و منشاء کے مطابق شروع سے اخیر تک ادا کیا ہو۔ تو وہ اعمال بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت پاتے ہیں اور خدا کی رضا جس کی طالب عامل کے قصد و ارادے میں ہوتی ہے۔ اس عامل کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ اور وہ انسان خدا کے رضا کے کاموں میں بحسبِ استعداد ترقی کرتا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ اس کے ان نیک اور قبول شدہ اعمال پر نیک جزا مرتب کرتا ہے چنانچہ فرمایا:۔

(۱) لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○

(الفتح)

(پ۲۶)

(اے پیغمبر!) خدا تعالےٰ ان مومنوں سے اسی وقت راضی ہو گیا تھا جب وہ اس درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے۔ پس جو کچھ ان کے دلوں میں (اخلاص) تھا اُسے خدا نے (علم واقعی سے) جان لیا، تو ان پر اطمینان (قلب) نازل کیا۔ اور انہیں ایک نزدیک کی فتح (خیبر) ثواب میں دیدی۔ اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ عنقریب حاصل کریں گے اور خدا تعالےٰ سب کچھ کر سکتا با حکمت ہے۔

۲۔ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

اعراب میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو خدا پر بھی اور پچھلے دن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے اُسے خدا کے قرب اور پیغمبر (صلعم) کی دعا کا موجب جانتے ہیں۔ سن رکھو! بیشک وہ (خرچ) ان کے لیے موجبِ قربِ (خدا) ہو گا۔ (اور) ضرور ضرور ان کو خدا تعالےٰ اپنی رحمتِ (خاصہ) میں داخل کرے گا۔ بیشک اللہ تعالےٰ بہت بخشنہار (اور) بہت مہربان ہے۔ اور وہ جو مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین ہیں۔ اور وہ جو اخلاص مندی سے ان کے پیچھے آئے خدا ان

Marfat.com

عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔

(پ۱۱)

سب سے راضی ہو گیا۔ اور وہ اس سے راضی ہوں گے اور اس نے ان کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں۔ جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ در ہمیشہ رہیں گے۔ بڑی کامیابی تو یہی ہے۔"

۳۔ اُولٰۤئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۔ (مجادلہ پ۲۸)

خدا نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے۔ اور اپنی روح سے ان کی مدد کی ہے۔

۴۔ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۔

(محمد پ۲۶)

اور جو لوگ ہدایت پر آ گئے ہیں۔ ان کو ہدایت زیادہ کی اور ان کو (ان کے درجے کے مناسب) پرہیزگاری بھی بخشی۔"

۵۔ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۔

(پ۱۶ مریم)

اور ہدایت یافتہ لوگوں کو خدا تعالے ہدایت میں ترقی دے گا۔ اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی اچھی سے اچھی ہیں۔

۶۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۔

(مریم پ۱۶)

تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیے خدائے رحمٰن ان کے لیے ضرور ضرور دوستی مقرر کرے گا۔"

۷۔ اُولٰۤئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۤئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (بقرہ پ۲)

ان لوگوں پر ان کے ربّ کی خصوصی عنایتیں ہوں گی اور رحمت بھی۔ اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔"

بُرے اعمال پر بری جزا

اور اگر وہ اعمال برے ہوں۔ یا عامل کی نیّت و قصد برا ہو، یا خدا کی منشاء کے مطابق بجا نہ لائے گئے ہوں۔ تو خدا کی درگاہ سے ردّ ہو کر حسب مدارج بُری جزا یعنی سزا کے مستوجب ہوتے ہیں۔ اور عامل پر خدا کی پھٹکار ہر وقت پڑتی رہتی ہے۔ اور وہ ایک حد تک خدا کی درگاہ سے راندہ جاتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالٰے سے پاک نیّت اور پاک مقصد۔ اور پاک عمل کو نسبت ہے۔ خبیث کو نہیں۔ اسی حقیقت

لہ ملامت کا دورہ ۱۲ منہ

Marfat.com

کو سمجھانے کے لیے حدیث پاک میں فرما دیا:۔

لا یقبل اللہ الا الطیب۔ یعنی خدا تعالےٰ صرف طیّب (مال یا عمل) کو قبول کرتا ہے۔

(الحدیث متفق علیہ، مشکوٰۃ ص۱۵۹)

نیز خدا تعالےٰ نے فرمایا:۔

اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ۔ (پ۲۲ فاطر) یعنی خدا ہی کی طرف چڑھتا ہے پاک کلمہ اور جو نیک عمل ہے۔ خدا اسے بلند کرتا ہے۔

اور اسی کے مطابق آنحضرت صلعم نے فرمایا: کہ جو شخص پڑھے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَ تَبَارَكَ اللّٰهُ۔ تو خدا تعالےٰ ان کلمات کی حفاظت کے لیے ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے۔ جو ان کو اپنے پر کے نیچے جمع کر کے آسمان کو چڑھ جاتا ہے۔ پس وہ فرشتہ ان کلمات کو لے کر ملائکہ کی جس جماعت کے پاس سے گذرتا ہے۔ وہ جماعت ان کلمات کے پڑھنے والے کے لیے دعائے بخشش کرتے ہیں۔ حتیّٰ کہ یہ کلمات خدائے رحمٰن کے سامنے (قبولیت کے لیے) پیش کئے جاتے ہیں۔" اور جب خدا کی درگاہ سے راندہ گیا۔ تو اُسے ملائکہ اور تمام دیگر لوگوں کی طرف سے بھی لعنت و ملامت کی بوچھاڑ پڑتی رہتی۔ کیونکہ جب اس کے لیے درگاہ خداوندی (ہیڈ آفس) HEAD OFFICE سے (VOTE OF CENSURE)[1] پاس ہو گیا۔ تو کسی اور ماتحت دربار میں اس کی سمائی کیسے رہ سکتی ہے۔ (اعاذنا اللہ منہا) ایسے لوگوں کی نسبت فرمایا:۔

۱۔ وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (رعد پ۱۳) اور جو لوگ خدا کا عہد اس کے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔ اور خدا نے جس کے ملانے کا حکم کیا ہے اُسے قطع کر دیتے ہیں۔ اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ ان کے لیے (خدا کی) پھٹکار ہے، اور ان کے لیے برا گھر ہے۔

۲۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ بیشک وہ لوگ جو اس حقیقت کو چھپا دیتے ہیں۔ جو خدا نے روشن دلائل اور ہدایت کی جنس سے نازل

---

[1] ملامت کا ووٹ ۱۲ منہ

Marfat.com

لِلنَّاسِ فِی الْکِتَابِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ۔ (پارہ ۲ ع ۲) (البقرہ ۵)

کی ہے۔ بعد اس کے کہ ہم نے اسے لوگوں (کی ہدایت) کے لیے (اپنی) کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ان کو خدا بھی لعنت کرتا ہے اور ہر جگہ لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں"

۳۔ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ (آل عمران پ ۳)

ان لوگوں کی جزا یہی ہے کہ ان پر خدا کی اور فرشتوں کی اور جنّوں انسانوں کی لعنت (ہوتی رہتی) ہے"

۴۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا۔ (النساء پ ۵)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ملعون گردان دیا۔ اور جسے خدا ملعون گردانے۔ تو تو اس کے لیے کوئی مددگار نہیں پائیگا"

اس مضمون کی بہت سی آیات ہیں لیکن تفہیم کے لیے اسی قدر کافی ہیں۔

ختم، طبع وغیرہ کفر و عصیان اور تمرد و سرکشی کا[1] وہ نتیجہ ہے۔ جہاں پر خدا تعالےٰ ایسے ناہنجاروں کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ ان سے اپنی توفیق و عنایتِ خصوصی ہٹا لیتا ہے اور اس کے کسی دربار میں ان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اسے شریعت کی زبان میں ختم، طبع، وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

۱۔ فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَکُمْ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓی اَبْصَارَهُمْ۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ (محمد پ ۲۶)

پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم خرابی ڈالو ملک میں، اور توڑو اپنے رشتے، ایسے لوگوں کو پھٹکار دیا اللہ نے اور ان کو بہرا کر دیا۔ اور ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔ تو کیا یہ قرآن میں دھیان نہیں کرتے۔ یا لگ گئے ہیں۔ ان کے دلوں پر قفل"

۲۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْکَ حَتّٰٓی اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِکَ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ

اور ان میں سے بعض وہ ہیں۔ جو تیرے پاس سننے کے لیے آتے ہیں۔ حتّٰی کہ جب تیرے پاس سے نکل کر جاتے ہیں۔ تو ان لوگوں سے جن کو علم ملا ہے کہتے ہیں۔ کہ ابھی اس (پیغمبرؐ) نے کیا کہا تھا؟ یہ وہ

---

[1] یعنی مد لعنت ہو (اعاذنا اللہ منہا) ۱۲ منہ

Marfat.com

وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ۔ لوگ ہیں جن کے دلوں پر خدا نے مہر کر دی ہے۔ اور وہ اپنی خواہشوں کے پیرو ہو گئے ہیں۔

(محمد پ ۲۶)

۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ۔

تحقیق جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا، اور پھر کفر ہی میں بڑھتے گئے۔ ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی اور یہ وہی لوگ ہیں۔ جو راستے سے بھٹک گئے۔"

(پ ۳)

۴۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا۔

تحقیق جو لوگ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر اختیار کر لیا۔ پھر وہ ایمان لے آئے۔ پھر کفر اختیار کر لیا۔ پھر اس کفر میں ہی زیادہ ہوتے گئے۔ خدا ایسا نہیں کرے گا کہ ان کو بخش دے۔ اور نہ ایسا کہ ان کو راہ پر لائے۔"

(النسآء پ ۵)

۵۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا۔ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۔ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا۔

تحقیق جن لوگوں نے کفر اختیار کیا۔ اور ظلم بھی کیا۔ خدا ایسا نہیں کرے گا کہ ان کو بخش دے۔ اور نہ ایسا کہ ان کو جہنم کے سوا کسی اور طریق پر لے جائے۔ جس میں وہ سدا سدا رہیں گے۔ اور یہ امر خدا پر بالکل آسان ہے۔"

(پ ۶ النسآء)

اس مضمون کی آیات بھی بکثرت ہیں۔

خدا تعالےٰ کی درگاہ سے ایسی جزا اپنے ہی اعمال کی سزا ہے۔ اور اپنے کئے ہی کی شامت و وبال ہے، ورنہ وہ تو فرماتا ہے:-

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا۔

یعنی اگر تم شکر گذار اور ایمان دار بن جاؤ۔ تو خدا تعالیٰ کو تمہارے عذاب کرنے سے کیا حاصل، خدا تعالےٰ (تو بہت) قدردان (اور علیم (کل) ہے۔ (ہر ایک کی نیت و حیثیت اور عمل کو جانتا ہے)۔

(النسآء)

(پ ۵)

عام ہیں اس کے تو انعام شہیدی سب پر
ہر چہ ہست از قامتِ ناسازِ بےاندام ماست

تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

Marfat.com

پس جس شدت کا کسی کا کفر و عصیان ہے۔ اسی درجے کا اس سے سلوک ہے۔ اس کا عام قانون ہے۔

جَزَآءً وِّفَاقًا ؕ‎ (نبا پ۳۰) یعنے جزا موافق اعمال کے"

دُنیا میں جُزوی اور عاقبت میں کُلی جزا

بیشک پورا فیصلہ اور کلی جزا سزا تو قیامت کے دن ہوگی۔ جو خدائے حکیم نے اس کے لیے مقرر کر رکھا ہے، اور جس کا ذکر اس آیت زیر تفسیر یعنے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں ہے جیسا کہ فرمایا:۔

۱۔ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (آل عمران پ۴) — بات یہی ہے کہ تم کو تمہارے اعمال کی پوری جزا قیامت کے دن ملے گی"

۲۔ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ (دخان پ۲۵) — بیشک فیصلے کا دن ان سب کا وقت مقرر ہے"

لیکن بعض اوقات بتقاضائے حکمت ہمارے بعض اعمال (نیک یا بد) کے آثار و نتائج اس دنیا میں بھی ظاہر کر دیئے جاتے ہیں۔ جس سے خدا تعالےٰ کی رضا و ناراضی معلوم کر کے انسان راہ پا سکتا ہے۔ چنانچہ کامل الایمان۔ صالح الاعمال بندہ مدارج حسنہ میں ترقی کرتا کرتا درگاہ خداوندی میں مقبول ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اعمال وہاں نظرِ قدردانی سے دیکھے جاتے ہیں۔ اور وہ خدا کا دوست اور ولی بن جاتا ہے۔ تو اس کی نسبت فرمایا:۔

۱۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (یونس پ۱۱)

سن رکھو! بیشک خدا کے دوست ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔ وہ جو ایمان لائے اور (عمل میں) پرہیزگار رہے۔ ان کے لیے دنیوی زندگی میں بھی بشارت ہے۔ اور آخرت میں بھی۔ خدا کی باتوں میں تبدیلی نہیں یہی تو بڑی عظیم کامیابی ہے۔

لہ تفسیر رحمانی میں اس آیت کی تفسیر یوں کہا ہے:۔ ای موافقًا لاعمالھم لانھا وجیت الغضب الحار دھو ناشئ من اعمالھم وقد کثرت لھم تلک الاعمال۔ (سورۂ نبا پ۳۰)

Marfat.com

یہ قبولیت بعض افراد میں یوں ظاہر ہوتی ہے۔ کہ خدا تعالٰے ان کو زمین میں اپنا خلیفہ و نائب مقرر کرکے دنیا کا نظم و نسق ان کے سپرد کرتا ہے تاکہ وہ اُس کے نظامِ شرعی کو قائم کریں۔

چنانچہ فرمایا:۔

۲۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

سورۃ النور ع ۷

(پ ۱۸)

تم (منہ کے مدعی اور خالص مسلمانوں) میں سے جو خالص مسلمان ہیں، اور ان کے کام بھی اچھے ہیں۔ ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین میں حاکم کرے گا۔ جسطرح حاکم بنایا تھا ان سے پہلے لوگوں کو۔ اور جما دے گا ان کے لیے ان کا دین۔ جو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے۔ اور ان کو ان کے خوف کے بدلے میں امن دے گا۔ (وہ اس شوکت کے وقت) میری ہی عبادت کریں گے۔ (اور) کسی چیز کو بھی میرا شریک نہیں گردانیں گے۔ اور جو کوئی اس (نشان کے پورا ہونے) کے بعد بھی کافر رہے گا۔ تو وہ لوگ نافرمان (شمار) ہونگے۔

۳۔ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ

(اعراف پ ۹)

اور وارث بنایا ہم نے ان لوگوں کو جو ضعیف رکھے جاتے تھے۔ اس زمین کی مشرقی اطراف کا بھی اور مغربی جوانب کا بھی۔ جس میں ہم نے بہت برکت دے رکھی ہے (یعنی تمام علاقہ شام کا) اور (اے پیغمبر!) تیرے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل پر ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہوگیا۔

جدِ انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو کئی ایک امتحانات میں اوّل نمبر پر ہی کامیاب ہوتے رہے۔ تمام دنیا کا پیشوا بنایا۔ ان کی نسبت فرمایا:۔

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (پ ۱)

اور البتہ چن لیا ہم نے اس کو دنیا میں، اور بیشک وہ آخرت میں البتہ صالحین سے ہوگا۔

۲۔ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ (نحل پ ۱۴)

اور دی ہم نے اس کو دنیا میں بھی نیکی اور بیشک وہ آخرت میں البتہ صالحین ہوگا۔

Marfat.com

۳۔ وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (عنکبوت پ۲۰)

اور بخشا ہم نے اس کو اسحٰقؑ (بیٹا) اور یعقوبؑ (پوتا) اور مقرر کر دی ہم نے اس کی اولاد میں نبوّت اور کتاب اور دیا ہم نے اس کو اجر اس کا دنیا میں بھی اور بیشک وہ آخرت میں البتہ صالحین سے ہوگا۔

۴۔ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝ (پ۵ النساء)

پس ہم (اس سے پہلے) دے چکے ہیں آلِ ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت اور ہم نے ان کو عظیم سلطنت بھی دی تھی۔

۵۔ مقام حدیبیہ پر صحابہؓ کی مقدس جماعت نے جس جان نثاری و وفاداری اور ثابت قدمی کا اظہار کیا، اس پر فرمایا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۔

(سورۃ الفتح)

(پ۲۶)

(اے پیغمبر!) ان مومنوں سے اللہ اسی وقت راضی ہو گیا تھا جب وہ (کٹنے مرنے کے لیے) اس درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے۔ پس جو کچھ ان کے دلوں میں (اخلاص) تھا اُسے خدا نے (علم واقعی سے) جان لیا تو ان پر اطمینان (قلب) نازل کیا۔ اور ان کو نزدیک کی فتح (خیبر) ثواب میں دی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی جو وہ لیں گے۔ اور اللہ تعالےٰ بڑا زبردست (اور) باحکمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے (دیگر) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ بھی کر رکھا ہے۔ جو تم کو ملیں گی، پس یہ (غنیمتِ خیبر) تم کو جلدی جلدی دیدی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے ہٹائے رکھے اور تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشان (ثابت) ہو اور (خدا تعالےٰ) تم کو سیدھی راہ کی سوجھ عطا کرے۔ اور ایک اور (فتح) بھی ہے (یعنی فتح مکہ) جس پر تم اس وقت قادر نہیں۔ (لیکن) وہ خدا تعالےٰ کے احاطہ (قدرت) میں ہے۔ اور اللہ تعالےٰ ہر شئے پر قادر ہے۔"

Marfat.com

انبیائے سابقین کی غازی جماعت کے لیے فرمایا:۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

(آل عمران پ۴)

(مقابلہ کے وقت) ان کا کلمہ صرف یہی ہوتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہمارے گناہ بخش اور ہماری زیادتی بھی جو ہم سے کسی امر میں ہو گئی ہو۔ اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور کافر لوگوں پر ہماری مدد کر۔ پس اللہ تعالے نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور عاقبت کا نیک ثواب بھی۔ اور اللہ تعالے نیکو کاروں کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے"۔

اس قسم کی دیگر آیات بھی ہیں۔ جن میں ایمانداروں، نیکو کاروں کو اس دنیا میں بھی نیک جزا دینے کا ذکر ہے۔

ان کے مقابلے میں خدا کے ساتھ شریک مقرر کرنے والوں، خدا کے پیغمبروں اور خدا کی آیات کو جھٹلانے والوں، یوم جزا سے انکار کرنے والوں، خدا تعالے کی بے شمار نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر فسق و فجور میں اوقات بسر کرنے والوں، زیردستوں اور بیکسوں پر ظلم و ستم ڈھانے والوں، غرض خدا کی مرضی کے خلاف چلنے والوں، نافرمانوں کی دنیوی بری سزا کا ذکر بھی بیش از بیش ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝

(طلاق پ۲۸)

اور بہت سی بستیاں ہو گزری ہیں۔ جنہوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے امر سے سرکشی کی۔ پس ہم نے ان کا سختی سے محاسبہ کیا۔ اور ان کو بہت برا عذاب کیا۔ پس انہوں نے اپنے کام کا وبال چکھ لیا۔ اور ان کے کام کا انجام زا گھاٹا ہی گھاٹا ہے"۔

۲۔ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحِسَاتٍ لِنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ ۖ وَهُمْ لَا يُنْصَرُونَ ۝

(حٰم سجدہ پ۲۴)

پس ہم نے ان پر نہایت منحوس دنوں میں تند ہوا (آندھی) چھوڑے رکھی۔ تاکہ ان کو دنیوی زندگی میں (بھی) خواری کا عذاب چکھا دیں، اور البتہ آخرت کا عذاب بہت ہی خواری کا ہے۔ اور وہاں ان کو کسی طرح مدد نہیں مل سکے گی"۔

۳۔ وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ

اور ہم ان کو بڑے عذاب سے ادھر ادنے

Marfat.com

الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ (الم سجدہ پ۲۱)

عذاب سے بھی چکھائیں گے۔ تاکہ وہ رجوع لاسکیں۔

۴۔ ڈاکوؤں۔ رہزنوں۔ ناحق قتل و غارت سے دنیا جہان کے امن میں فساد ڈالنے والوں کی نسبت فرمایا:۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (مائدہ پ۶)

بات یہی ہے کہ جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ سے جنگ چھیڑتے ہیں۔ اور زمین میں بدامنی کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی سزا یہی ہے کہ حسب حالت یا تو ان کو قتل کر دیا جائے یا سولی دیا جائے۔ یا الٹی طرف سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یہ (سزا) ان کے لیے دنیا میں تو خواری کا (موجب) ہے اور عاقبت میں ان کو اس سے بڑھ کر) بہت بڑا عذاب ہو گا۔"

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (اعراف پ۹)

"بے شک ہم نے آل فرعون کو خشک سالی اور پھلوں کی کمی سے پکڑا تاکہ وہ نصیحت پائیں۔"

۵۔ گذشتہ امتوں کے عبرتناک انجام قرآن شریف میں کثرت سے مذکور ہیں۔ یہ سب کچھ ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے تھا۔ اور اسی دنیا میں تھا۔ اور عاقبت کا عذاب اس کے علاوہ ہو گا۔ چنانچہ عادیوں۔ ثمودیوں، فرعون اور فرعونیوں۔ قارون اور ہامان کا ذکر کر کے سب کی سزاؤں اور وجہ سزا کے متعلق فرمایا:۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ (عنکبوت پ۲۰)

پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کے بدلے پکڑا۔ پس ان میں سے بعض وہ ہیں۔ جس پر ہم نے پتھراؤ کیا۔ اور بعض وہ جسے چنگھاڑ نے پکڑا، اور بعض وہ جسے ہم نے زمین میں دھنسایا۔ اور بعض وہ جسے ہم نے غرق کر دیا۔ اور خدا تو ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا۔ لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

Marfat.com

Marfat.com

اس کے زیر فرمان ہے۔
(آل عمران پ۳)

پس خدا تعالے اس کائنات میں سے جس چیز کو چاہتا ہے۔ کسی کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنا دیتا ہے۔ مثلاً زمین قرار و سکونت کی جگہ ہے۔ لیکن خدا کے حکم پر یہی زمین قارون کے لیے سبب عذاب ہو گئی۔ بارش کا پانی مدار حیات اور سبب پیدائش رزق اور باعث رونق باغات ہے لیکن خدا کے حکم پر یہی پانی سیلاب کی صورت میں سبا کے لیے موجب ہلاکت و بربادی اور ان کے باغات کی خرابی کا سبب بن گیا۔ ہوا سب سے بڑھ کر مایۂ حیات ہے۔ لیکن عادیوں کے لیے یہی سبب ہلاکت ہو گئی۔ غرض یہ سب چیزیں اپنے خالق و مالک کے امر میں ہیں۔ جس سے جو کام چاہے لے سکتا ہے۔ یہ سب اسباب ہلاکت جو مذکور ہوئے۔ قدرتی ہیں۔ ان میں کسی انسان کا ہاتھ نہیں۔ لیکن بعض وقت اللہ تعالےٰ یہی کام اپنے بعض بندوں سے لیتا ہے۔ کہ بعض کو بعض پر غالب کر کے ظالموں کی حکومت کا تختہ الٹ دیتا ہے۔ اس کو غالب کرنے میں سابق ظالموں کا قلع قمع کرنا بھی مقصود ہوتا ہے۔ اور رعیت بھی ان کی بدکرداریوں کی سزا چکھائی منظور ہوتی ہے۔ جب اکثر ان میں سے ظالم و فاسق حکام کے رنگ میں رنگے ہوں چنانچہ بنی اسرائیل نے حکومت و تمدن میں بہت ترقی کی، اور ان کے اقبال کا ستارہ نہایت عروج پر ہو گیا۔ تو حکام میں ظلم، امراء و رؤسا میں عیاشی، اور مستورات میں عام طور پر بے حیائی شروع ہو گئی تو ان پر خدا کا قہر ٹوٹا۔ اقبال کے بدلے زوال، اور حکومت کی بجائے ماتحتی۔ عزت کی جگہ ذلت نصیب ہوئی۔ چنانچہ ان کے عروج و زوال اور ان پر جابر قوم کے تسلط کا نقشہ یوں بیان کیا:-

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ○ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ○

(بنی اسرائیل پ۱۵)

اور ہم نے بنی اسرائیل سے اسی کتاب (توریت) میں صاف صاف کہدیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو دفعہ خرابی ڈالو گے۔ اور بہت اونچے بھی ہو گے۔ پس جب ان میں کا پہلا وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے بڑے سخت گیر بندے متسلط کر دیئے۔ پس وہ (تمہارے تمام) دیار (مملکت) میں پھیل گئے اور خدا کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا (سو ہو کر رہا)۔

اسی مضمون کو شیخ سعدی نے یوں ادا کیا ہے ؎

چو خواہد کہ ویراں کند عالمے ‏ ‏ ‏ نہد ملک در پنجۂ ظالمے

Marfat.com

اور اگر صرف حکام ظالم و فاسق ہوں اور مظلوم رعیت قابلِ رحم ہو تو خدا نے تعالیٰ ان پر رحمت کرنے کے لیے ملک کا نظم و نسق کسی عادل و صالح قوم کے سپرد کر دیتا ہے۔ اور اس ظالم حکومت کی بربادی کے لیے اسی صالح قوم کو سبب بناتا ہے۔ اور اس سے وہ کام لیتا ہے۔ جو فرعونیوں اور سبا والوں کے لیے پانی سے، اور عادیوں کے لیے ہوا سے لیا تھا۔ مثلاً واقعات شہادت دیتے ہیں۔ کہ ایرانیوں اور رومیوں نے اپنے عروج و ترقی کے زمانے میں ظلم و تعدی اور فسق و فجور کو انتہا پر پہنچایا۔ تو اللہ تعالےٰ نے ان میں آثارِ ضعف و زوال پیدا کر دیئے۔ حتیٰ کہ ان کو اپنے آخری پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) کی معرفت توبہ کا پیغام پہنچایا۔ لیکن انہوں نے اس پیغام کو ٹھکرا دیا۔ اور اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ تو خدا تعالےٰ نے ان پر اپنے نبیؐ کی مقدس جماعت صحابہؓ کو مسلّط۔ اور ان ملکوں سے اس ظالم قوم کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیا۔ قرآن شریف میں ان فتوحات کے اشارات بھی موجود ہیں۔ لیکن چونکہ ہم کو اس وقت صرف یہی دکھانا منظور ہے کہ بعض گناہوں پر دنیا میں بھی مواخذہ ہوتا ہے۔ اس لیے ہم ان آیات کی تفصیلات میں نہیں پڑ سکتے ہاں اتنا اشارہ کرنے سے رُک نہیں سکتے۔ کہ جو لوگ حضرت فاروقِ اعظمؓ کی فتوحات سے حیران ہو کر اعتراضاً کہا کرتے ہیں۔ کہ آپ نے ایرانیوں اور رومیوں پر لشکر کشی کر کے ان ممالک کے نظم و نسق کو کیوں تہ و بالا کر دیا۔ وہ سمجھ لیں کہ خدا تعالےٰ ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے ان سے ناراض ہوا۔ اور اس نے اپنے خلیفہ کی ہمت و ارادے اور اس کے بازوؤں میں وہ قوت و جوش پیدا کر دیا۔ اور اس سے وہ کام لیا۔ جو اس سے پہلے دیگر قوموں کی ہلاکت کے لیے عناصر سے لیا تھا۔ دریائے نیل نے فرعون کو مع اس کے لشکروں کے غرق کر دیا۔ آپ کو اس کے برخلاف شکایت نہیں۔ زمین نے قارون کو اس کے خزانوں سمیت نگل لیا۔ آپ کو اس پر رنج نہیں۔ تند ہوا نے عادیوں کی بیخ بن اکھاڑ دی۔ آپ کو کوئی افسوس نہیں۔ اگر شکایت ہے۔ افسوس ہے۔ رنج ہے تو حضرت فاروقِ اعظمؓ کے برخلاف ہے۔ کہ انہوں نے ایرانیوں اور رومیوں کے ظالم ہاتھ کو کیوں تباہ کیا۔ اور مظلوم رعیت کو کیوں امن دیا۔ حالانکہ اس انقلاب اور سابقہ انقلابوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ نور و ظلمت کا تفاوت ہے۔ دریائے نیل نے مصریوں کی کوئی فریاد رسی نہ کی۔ زمین نے قارون کے مال کے حقداروں کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ ہوا نے زمین کو عادیوں کی تعدی سے تو پاک کر دیا۔ لیکن اہلِ زمین کو کوئی نفع نہ دیا۔ لیکن حضرت فاروقِ اعظمؓ نے اہلِ ایران اور اہلِ روم کو ان کے ظالم و فاسق حکام ہی سے نجات و آسائش نہیں دی۔ بلکہ ان کے ظلم کے بدلے انصاف، فسق و فجور کے بدلے پرہیزگاری، غارتگری

Marfat.com

کے بدلے رعیت پروری اور جہالت و عیاشی کے بدلے تہذیب کا سکہ بٹھادیا۔ یہ انقلاب بیشک مبارک انقلاب ہے۔ اور اس میں خدا تعالےٰ کی رحمانیت و رحیمیت ہر دو صفات جلوہ گر ہیں۔ کہ ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا بھی مل گئی اور صالحین سے جو وعدے ان کے ایمان و اعمال صالحہ کی بنا پر اس دنیا میں کئے تھے وہ بھی پورے ہو گئے۔ اور آخرت کے وعدوں کے پورا ہونے کی دلیل بھی قائم ہو گئی۔ پس آپ رومیوں اور ایرانیوں کو اس آنکھ سے دیکھیں جس سے فرعونیوں وغیرہم کو دیکھتے ہیں اور حضرت عمرؓ کو اس عقل سے خدا کا ہاتھ تصور کریں۔ جس سے ہوا اور پانی اور زمین کو خدا کا لشکر سمجھتے ہیں۔ بات ایک ہی ہے ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم ۔۔۔ چنانکہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور

غرض جزوی جزا سزا اس عالم میں بھی ملتی ہے۔ بزدی ملے یا بدیر۔ یہ خدا کی مشیت پر موقوف ہے ؎

ہیں! مشو مغرور بر حلم خدا ۔۔۔ دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

سکرات کے وقت بھی جزوی جزا سزا

اس زندگی کے چھوڑتے وقت اور یہاں سے رخصت ہوتے وقت بھی جزا سزا ہے اور وہ بھی جزوی ہے۔ اس کے لیے بھی وہی سابقہ تحریر یاد رکھیں۔ کہ شب و روز کے توغل وانہماک اور توجہ واشتغال کی وجہ سے روح میں جو کیفیت خلط و ابطی کے طور پر پیدا ہو جاتی ہے وہ اس سے منفک نہیں۔ موت کی بیہوشی سے جملہ قویٰ مضمحل ہو کر جسمانی تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں۔ اور روح اپنے حاصل کردہ اعمال کے ساتھ اکیلی رہ جاتی ہے۔ پس حسب اس کے اکتساب کے خدا کے فرستادہ (فرشتے) اس سے سلوک کرتے ہیں۔ اور اسے ان کی ملاقات سے حسب اپنی قابلیت کے انبساط یا خوف و غم پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ جو صالحین اپنے مالک سے دل لگائے رہے ان کو موت کے وقت کہا جاتا ہے۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۞ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۞ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۞ (الفجر پ۳۰)	اے اطمینان یافتہ جان! رجوع کر اپنے پروردگار کی طرف راضی ہو کر پسندیدہ ہو کر پھر میرے بندوں میں شامل ہو اور میری بہشت میں داخل ہو۔

Marfat.com

قوم سبا کو ہر طرح کی نعمتیں بخشیں۔ لیکن وہ تمرّد و سرکشی اور ظلم و زیادتی میں بڑھنے لگے اور انہوں نے احکامِ خداوندی کا مطلقاً لحاظ نہ کیا۔ تو آخر کار ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ چنانچہ فرمایا:۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۚ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۚ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ۝ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ۔

(سبا پ۲۲)

قوم سبا کے لیے ان کی جائے رہائش ہی میں (بھاری) نشانی تھی۔ یعنے (شہر کے) دائیں اور بائیں دو باغ۔ خدا کی روزی سے کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ شہر ہے پاکیزہ اور پروردگار بخشنہار۔ پس انہوں نے (ہمارے حکم سے) روگردانی کی۔ تو ہم نے ان پر تباہ کن سیلاب بھیج دیا۔ اور ان کو باغوں کی جگہ دو اور باغ دیئے۔ جو کڑوے پھل والے جھاؤ والے اور تھوڑی سی بیریوں کے درختوں والے تھے۔ ہم نے یہ ان کو کفر کی جزا دی۔ اور کیا ہم ایسی (بری) جزا منکروں کے سوا کسی اور کو بھی دیا کرتے ہیں۔

اس قسم کی آیات سے بھی قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ علاوہ اس کے ہم ایسے واقعات کو اپنے اوپر اور اپنے ابنائے جنس پر واقع ہوتے دیکھ بھی رہے ہیں۔ جن سے انکار نہیں ہو سکتا۔

فائدہ عجیبہ و غریبہ

جملہ کائناتِ الارضی و سماوی، ناسوتی و ملکوتی۔ مادی و غیر مادی۔ مرئی و غیر مرئی۔ اللہ رب العالمین کے امرِ تکوینی کے ماتحت ہے جیسا کہ فرمایا:۔

وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (انعام پ۷)

یعنے اور اسی کا ہے جو کچھ بستا ہے رات میں اور دن میں اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

نیز فرمایا:۔

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا۔

یعنے تو کیا یہ لوگ خدا کے دین (اسلام) کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں۔ حالانکہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے خواہ نخواہ (رغبت سے یا مجبوری سے)

Marfat.com

اس کے زیر فرمان ہے۔

(آل عمران پ ۳)

پس خدا تعالےٰ اس کائنات میں سے جس چیز کو چاہتا ہے۔ کسی کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنا دیتا ہے۔ مثلاً زمین قرار و سکونت کی جگہ ہے۔ لیکن خدا کے حکم پر یہی زمین قارون کے لیے سبب عذاب ہو گئی۔ بارش کا پانی یہ حیات اور سبب پیدائش روزی اور باعث رونق باغات ہے لیکن خدا کے حکم پر یہی پانی سیلاب کی صورت میں سبا کے لیے موجب ہلاکت و بربادی اور ان کے باغات کی خرابی کا سبب بن گیا۔ ہوا سب سے بڑھ کر مایۂ حیات ہے۔ لیکن عادیوں کے لیے یہی سبب ہلاکت ہو گئی۔ غرض یہ سب چیزیں اپنے خالق و مالک کے امر میں ہیں۔ جس سے جو کام چاہے لے سکتا ہے۔ یہ سب اسباب ہلاکت جو مذکور ہوئے۔ قدرتی ہیں۔ ان میں کسی انسان کا ہاتھ نہیں۔ لیکن بعض وقت اللہ تعالےٰ یہی کام اپنے بعض بندوں سے لیتا ہے۔ کہ بعض کو بعض پر غالب کر کے ظالموں کی حکومت کا تختہ الٹ دیتا ہے۔ اس کو غالب کرنے میں سابق ظالموں کا قلع قمع کرنا بھی مقصود ہوتا ہے۔ اور رعیت بھی ان کی بدکرداریوں کی سزا چکھانی منظور ہوتی ہے۔ جب اکثر ان میں سے ظالم و فاسق حکام کے رنگ میں رنگے ہوں چنانچہ بنی اسرائیل نے حکومت و تمدن میں بہت ترقی کی، اور ان کے اقبال کا ستارہ نہایت عروج پر ہو گیا۔ تو حکام میں ظلم، امرا و روسا میں عیاشی، اور مستورات میں عام طور پر بے حیائی شروع ہو گئی تو ان پر خدا کا قہر ٹوٹا۔ اقبال کے بدلے زوال، اور حکومت کی بجائے ماتحتی۔ عزت کی جگہ ذلت نصیب ہوئی۔ چنانچہ ان کے عروج و زوال، اور ان پر جابر قوم کے تسلط کا نقشہ یوں بیان کیا ہے:۔

وَقَضَيْنَآ إِلَىٰ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ فِى ٱلْكِتَٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى ٱلْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولَىٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ أُو۟لِى بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا۟ خِلَٰلَ ٱلدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝	اور ہم نے بنی اسرائیل سے اسی کتاب (توریت) میں صاف صاف کہدیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو دفعہ خرابی ڈالو گے۔ اور بہت اونچے بھی ہو گے۔ پس جب ان میں کا پہلا وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے بڑے سخت گیر بندے متسلط کر دیئے۔ پس وہ (تمہارے تمام) دیار (مملکت) میں پھیل گئے اور خدا کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا (سو ہو کر رہا)۔

(بنی اسرائیل پ ۱۵)

اسی مضمون کو شیخ سعدی نے یوں ادا کیا ہے ؎

چو خواہد کہ ویراں کند عالمے نہد ملک در پنجۂ ظالمے

۲۔ اسی طرح نابہنجار و بدکردار لوگوں کی جان کنی کے وقت ان کو مار پڑتی ہے۔ اور نہایت سختی سے ان کی جان قبض کی جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ۔ (محمد پ ۲۶)

پھر کیسا ہوگا۔ جب کہ فرشتے۔ ان کی جان نکالیں گے مارتے ہوئے ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر یہ اس لیے ہوگا۔ کہ انہوں نے اس (راستے) کی پیروی کی جو خدا کو ناپسند تھا اور انھوں نے اس کو ناپسند کیا تو اس نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

۲۔ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (انفال پ ۱۰)

اور کبھی تو دیکھے جس وقت فرشتے جان قبض کرتے ہیں منکروں کی۔ مارتے ہوئے ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر (اور کہتے ان سے) چکھو عذاب جلتی آگ کا یہ بدلہ ہے۔ اسی کا جو بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور خدا تو (اپنے) بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔

۳۔ خدا تعالے پر افترا باندھنے والوں، نبوت والہام کا جھوٹا دعوے کرنے والوں، اپنی تصانیف کو قرآن کی طرح معجز و بے مثل قرار دینے والوں کی جان کنی کا حال بیان کیا:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۝ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ۔ (انعام پ ۷)

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا کہے مجھ کو وحی آئی حالانکہ اس کو کوئی وحی نہیں کی گئی۔ اور جو کہے میں اتارتا ہوں۔ برابر اس کے جو اتارا اللہ نے اور کبھی تو دیکھے جس وقت یہ ظالم موت کی بیہوشی میں ہوں گے اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانیں۔ آج تم کو جزا ملے گی ذلت کی مار، اس پر کہ تم کہتے تھے۔ اللہ پر جھوٹ اور اس کی آیتوں کو (سن کر بھی ان) سے تکبر کرتے تھے۔

جان کنی کے وقت اس بشارت و عذاب کا ذکر حدیث شریف میں بہت مفصل مذکور ہے لیکن ہم بخوف طوالت اُسے نقل نہیں کر سکتے (مشکوٰۃ ص۔)

Marfat.com

جن لوگوں نے اپنے خالق ومالک کے احکام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، کفر و شرک، اور فسق و فجور اور ظلم و تعدی میں زندگی گذاری ہوگی۔ وہ جان کنی کی سختی دیکھ کر آرزو کریں گے۔ کہ ہم کو دنیا میں کچھ اور دیر رہنے دیا جائے۔ تاکہ ہم صدقہ و خیرات اور دیگر نیک اعمال کر لیں۔ اور گذشتہ کوتاہی کی تلافی کر سکیں۔ لیکن یہ حسرت و آرزو بے سود ہوگی۔ چنانچہ فرمایا:۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ ۔ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۔

(مؤمنون) (پ ۱۸)

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آموجود ہو گی تو وہ کہے گا، اے میرے پروردگار! مجھے پھر (دنیا میں) لوٹا دیجئے۔ تاکہ میں اس میں جو چھوڑ آیا ہوں کوئی بھلا کام کر لوں (جواب ملے گا) ہرگز نہیں۔ یہ صرف اس کے منہ کی بات ہے۔ اور لوگوں کے (مرنے کے) پیچھے روز قیامت تک برزخ ہے (واپسی نہیں ہوگی)۔"

نیز فرمایا:۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

(منافقون پ ۲۸)

اور خرچ کرو ہمارے دیئے میں سے پیشتر اس کے کہ ایک تمہارے کو موت آوے تو کہنے لگے اے میرے پروردگار تو نے مجھے کچھ تھوڑی مدت تک ڈھیل کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کر لیتا۔ اور صالحین میں سے ہو جاتا۔ اور جب کسی کی اجل آجائے گی۔ تو خدا تعالیٰ اُسے ہرگز ڈھیل نہیں دے گا۔ اور اللہ کو سب خبر ہے اس کی جو تم کرتے ہو۔"

عالم برزخ میں بھی جزوی عذاب و ثواب

اوپر کے بیان میں آپ پڑھ آئے ہیں۔ کہ مرنے کے پیچھے روز قیامت تک برزخ ہے۔ دو چیزوں کی درمیانی حدِ فاصل اور آڑ کو برزخ کہتے ہیں[1]۔ چونکہ عالم برزخ موت اور روز قیامت، یا یوں سمجھئے کہ دار العمل (دنیا) اور دار الجزاء (عاقبت) کے درمیان ہے۔ اس لیے اسے عالم برزخ کہتے

---

[1] قاموس، صراح۔ مفردات راغب، ۴۲ صفحہ

Marfat.com

ہیں۔ دنیا کی اکثر آبادی دو مذہبوں کی قائل ہے۔ قیامت کی اور تناسخ کی، لیکن مُردوں کے لیے برزخی حالت سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ ملّتِ ابراہیمی کے قائلین (یہود، نصاریٰ اور مسلمین) جو قیامت کے قائل ہیں۔ اور اپنے مُردوں کو سپردِ خاک کر کے دفن کر دیتے ہیں۔ ان کا برزخ کو ماننا تو ظاہر ہے۔ لیکن ان کے سوا ہنود وغیرہم جو تناسخ کے قائل ہیں۔ اور اپنے مُردوں کو نذرِ آتش کر کے جلا دیتے ہیں۔ وہ بھی احوالِ برزخیہ سے انکار نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ روحوں کی جزا سزا کے فیصلے تک کہ وہ کسی دیگر جُون میں جائیں۔ یا پھر انسانی قالب میں آئیں۔ وہ بھی ایک عرصۂ زمانہ مانتے ہیں [1] اس کے رُو سے ان کے نزدیک بھی برزخ لازم ہے۔ غرض عالمِ برزخ کی بابت کسی کو اختلاف نہیں۔ نزاع صرف برزخ کے بعد کی حالت میں ہے۔ کہ کلّی جزا کا فیصلہ کس طرح ہوگا۔ قیامت کے دِن [2] جنّت دوزخ کی صورت میں ہوگا یا تناسخ کی صورت میں بار بار اسی دنیا میں آتے رہیں گے"۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں کو یہ شُبہ عارض ہوتا ہے۔ کہ اگر عذابِ قبر برحق ہے۔ تو جو لوگ دفن نہیں کیئے جاتے ہیں۔ یا ان کو کوئی درندہ کھا جاتا ہے۔ ان کو عذابِ قبر کس طرح ہوتا ہے؟۔

اس کا حل یوں ہے کہ عذاب و راحتِ قبر، عالمِ برزخ کی حالت ہے۔ قرآن و حدیث میں اس عالم کا ذکر قبر کے لفظ سے اس لیے آیا ہے کہ ملّتِ ابراہیمی میں مُردوں کے لیے یہی دستور تھا۔ کہ وہ دفن کیئے جاتے تھے۔ اور ان میں یہ دستور حضرت آدمؑ کے وقت سے جب سے کہ حضرت ہابیل قتل ہوئے متوارث چلا آتا تھا۔ ورنہ عالمِ برزخ کے حالات، قبر ہی سے مخصوص نہیں ہیں۔ بلکہ ہر شخص جو فوت ہو جاتا ہے۔ اس کو عالمِ برزخ میں اُس کے اعمال کے مناسب جزوی دکھ سکھ پہنچتا ہے۔ جیسا کہ نزع کے ذکر میں بھی ہم ذکر کر آئے ہیں حافظ ابن قیمؒ رح

---

[1] اس برزخ کا ذکر عام ہندوؤں کے لیے تو برہدارنیہ اوپ نشد اور خاص آریوں کے لیے ستیارتھ پرکاش کے سمولاس نہم میں بیان ہم میں صاف الفاظ میں موجود ہے۔ کہ مرنے کے بعد جیو انتریکش میں رہتے ہیں، اسی کو پتری لوک بھی کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] یوم الدین کی تفسیر میں اصل مقصود روزِ قیامت کا اثبات ہے۔ اس سے پہلے جزوی جزا سزا کا بیان ابتدائی اور ضمنی مراحل ہیں ۱۲ منہ

Marfat.com

کتاب الروح میں فرماتے ہیں :۔

وما ینبغی ان یعلوا ان عذاب القبر هو عذاب البرزخ فکل من مات وهو مستحق للعذاب ناله نصیبه منه قبر او لم یقبر فلو اکلته السباع او احرق حتی صار رمادا و نسف فی الهواء او صلب او غرق فی البحر وصل الی روحه وبدانه من العذاب ما یصل الی المقبور[1]۔

ص ۹۲

اور یہ بھی جاننے کے لائق ہے کہ عذاب قبر ہی عذاب برزخ ہے پس جو شخص مر جائے اور وہ عذاب کے لائق ہو۔ تو اسے اس کا حصہ مل جائے گا۔ دفن کیا جائے یا نہ کیا جائے اگرچہ اس کو درندے کھا جائیں یا اسے جلا دیا جائے حتیٰ کہ وہ خاکستر ہو جائے اور اسے ہوا میں اڑا دیا جائے یا سولی پر لٹکایا جائے۔ یا دریا میں غرق ہو جائے تو اس کی روح اور اس کے بدن کو وہ عذاب ضرور پہنچ کر رہے گا۔ جو دفن کئے گئے کو پہنچتا ہے"

خدا تعالےٰ جو محاسب اعمال اور جزا سزا کا مالک و مختار ہے۔ ہر حال کے مناسب کسی کو دکھ اور کسی کو سکھ پہنچانے کے ہر طریقے سے پورا واقف اور اس پر پورا قادر ہے وہ بڑا علیم و حکیم اور عزیز و قدیر ہے۔ روح جو حقیقتہً حامل راحت و عذاب ہے۔ ہر حال میں باقی ہے۔ نہ اُسے مٹی کھا سکتی ہے۔ نہ آگ جلا کر فنا کر سکتی ہے نہ درندوں کے کھانے سے مستحیل ہو سکتی ہے۔ یہ سب امور جسم پر وارد ہوتے ہیں۔ جو آخر فانی ہے۔ روح پر نہیں ہوتے۔ جسم کو دفن کر دیا جائے۔ یا جلا دیا جائے۔ یا اُسے درندے کھا جائیں۔ اس کی روح خدا کی حراست میں رہتی ہے۔ چنانچہ فرمایا :۔

فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ۔ (زمر پ ۲۴)

یعنی جس پر خدا تعالےٰ موت وارد کر دیتا ہے۔ اُسے اپنے پاس بند رکھتا ہے۔

روح حیوانی کا سلسلہ ٹوٹ جانے کے بعد بھی روح انسانی کا اپنے مردہ بدن کے اجزاء سے ایک گونہ تعلق باقی رہتا ہے۔ ہاں اُس کی نوعیت جدا ہے۔ عالم دنیا میں جو تعلق ہے وہ اور قسم کا ہے۔ جس کی کیفیت اس عالم میں جانے سے معلوم ہوتی ہے۔ قبل اس کے نہیں۔ کیونکہ کوائف کا علم قبل ان کے وارد ہونے کے نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں روح کو جسم پر مختار

---

[1] نسخہ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۱۸ھ میں "الی القبور" لکھا ہے۔ شاید صحیح "الی المقبور ہو" (میرا)

Marfat.com

کرکے اس کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ اور وہ ہر دم اس کی تدبیر و پرداخت میں مصروف رہتی ہے۔ بلا برزخ میں یہ ڈیوٹی اس کے سپرد نہیں ہوتی۔ حافظ ابن قیم رہ کتاب الروح میں حافظ ابن حزم رہ کے جواب میں بعض احادیث ذکر کرکے فرماتے ہیں :۔

والروح لم تزل متعلقة ببدنها وان بلی و تمزق وسر ذالك ان الروح لها بالبدن خمسة انواع من التعلق متغائرة الاحكام احدها تعلقها به فی بطن الام جنینا الثانی تعلقها به بعد خروجه الی وجه الارض الثالث تعلقها به فی حال النوم فلها به تعلق من وجه و مفارقة من وجه الرابع تعلقها به فی البرزخ فانها وان فارقته وتجردت عنه فانها لم تفارقه فراقا کلیا بحیث لا یبقی لها التفات الیه البتة وقد ذکرنا فی اول الجواب من الاحادیث والآثار ما یدل علی ردها الیه وقت سلام المسلم وهذا الرد اعادة خاصة لا یوجب حیاة البدن قبل یوم القیامة الخامس تعلقها به یوم بعث الاجساد، وهو اکمل انواع تعلقها بالبدن ولا نسبة لما قبله من انواع التعلق الیه اذ هو تعلق لا یقبل البدن معه موتا ولا نوما ولا فسادا۔

(ص ۶۸)

اور روح اپنے بدن سے ہمیشہ متعلق رہتی ہے اگرچہ وہ جسم گل سڑ جائے یا پاش پاش ہو جائے اور اس کا بھید یہ ہے کہ روح سے بدن کے تعلقات پانچ نوع کے ہیں۔ جن کے احکام آپس میں مختلف ہیں اوّل اس کا تعلق جب بدن ماں کے پیٹ میں جنین کی صورت میں ہوتا ہے۔ دوم پیٹ سے نکل کر زمین پر آنے اور رہنے کے وقت سوم نیند کی حالت میں پس اس حالت میں ایک گونہ تعلق ہوتا ہے۔ اور ایک گونہ مفارقت چہارم عالم برزخ میں تعلق اس حالت میں اگرچہ وہ بدن کو چھوڑ کر اس سے الگ ہوگئی ہے۔ لیکن کلی طور پر ایسا فراق نہیں کیا۔ کہ بالکل اس کی طرف کسی قسم کی التفات باقی نہ ہو۔ اور ہم نے جواب کے شروع میں احادیث و آثار سے بہت کچھ ذکر کیا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے۔ کہ مسلمان جب میت کو سلام کہتا ہے۔ تو روح واپس آتی ہے۔ اور یہ واپسی خاص ہے۔ اس سے قیامت سے پیشتر بدن کی زندگی لازم نہیں آتی۔ پانچویں قسم کا تعلق روز قیامت کو ہوگا۔ اور یہ سب قسموں سے کامل ہے کہ اس سے دیگر قسموں کے تعلقات کو کچھ نسبت ہی نہیں ہے کیونکہ وہ ایسا تعلق ہوگا جس کے ہوتے بدن پر نہ موت وارد ہوگی نہ نیند اور نہ کوئی دیگر بگاڑ ""

Marfat.com

عالم برزخ کی اس راحت و تکلیف کو ذہنِ انسانی کے قریب کرنے کی تین صورتیں ہیں۔

اوّل یہ کہ یہ کہا جائے کہ ہمارے باطنی اعتقادات اور ظاہری اعمال جن سے ہماری روح متکیف ہو چکی ہے۔ عالمِ مثال میں ان کی صورتیں بن جاتی ہیں۔

ان خیرا فخیر وان — یعنی اعتقاد و عمل نیک ہیں۔ تو صورتیں بھی نیک

شرا فشر۔ — اور اگر برے ہیں تو صورتیں بھی بری ؛؛

جیسا کہ سابقاً ۔۔۔۔ گذر چکا اعتقادات و اعمال عالمِ دنیا میں تو جسم اختیار نہیں کر سکتے۔ لیکن عالمِ مثال میں وہ متجسد ہو جاتے ہیں۔ اس کی نظیر عالمِ خواب ہے۔ کہ ہم بعض وقت خواب میں جو کچھ دیکھتے ہیں وہ بعینہٖ واقع ہو جاتا ہے۔ اور بعض وقت وہ خواب ایسے واقعات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جن کو خواب میں دیکھی ہوئی صورتوں سے مناسبت ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ واقعات عالم دنیا میں ٹھیک اس صورت میں نہیں ہوتے۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ ان کو گیارہ ستارے مع آفتاب و مہتاب کے سجدہ کر رہے ہیں۔ لیکن واقعہ میں گیارہ بھائی ثابت ہوئے۔ کوکب اصل میں آسمانی ستارے کو کہتے ہیں۔ لیکن محاورہ میں کسی نامی شخص کو بھی کہہ لیتے ہیں۔ اور ستارۂ ہند وغیرہ خطابات اسی لیے ملتے ہیں۔ اسی طرح شاہِ مصر نے خواب میں سات دبلی گائیں دیکھیں۔ جو سات موٹی گائیوں کو کھا رہی تھیں۔ اور سات خشک خوشے اور سات سبز خوشے دیکھے۔ لیکن واقعہ میں سات سال خشک اور سات سال بارش کے ظاہر ہوئے چونکہ خواب کی کیفیت کم و بیش ہر شخص پر گذرتی ہے۔ اس لیے اس کی زیادہ مثالوں کی ضرورت نہیں۔ عالمِ خواب کی سب ایسی صورتیں اور ایسے اجسام مثالی ہوتے ہیں۔ جو متجسد ہو کر نظر آتے ہیں خارجی نہیں ہوتے۔ پس عالمِ مثال سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کی نظیر واقعات میں ظاہر ہو رہی ہے۔ اور محالِ ذاتی کسی صورت میں بھی صورت پذیر نہیں ہو سکتا ؛؛ فافہم ؛؛

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحؒ نے اپنی مایۂ ناز کتاب حجۃ اللہ میں عالمِ مثال کے اثبات میں ایک خاص باب باندھا ہے۔ اور اس کے ضمن میں بہت سی ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن میں قبر یا حشر میں بعض معانی و اعمال کا ذکر جسمانیات کے طور پر وارد ہے۔ اور ان کو اسی مثال سے سمجھایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اعلم انہ دلت احادیث کثیرۃ علی	تو یقین کرلے کہ بہت سی احادیث اس بات پر
ان فی الوجود عالما غیر عنصری یتمثل	دلالت کرتی ہیں کہ ایک غیر عنصری عالم بھی موجود ہے

Marfat.com

فيه المعاني باجسام مناسبة لها في الصفحة - الخ (ص ۱۳)

جس میں معانی اپنے مناسب جسموں کی صورت میں متمثل ہو جاتے ہیں ۔

پھر اس کے بعد بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔ جو روزِ قیامت وغیرہ کے واقعات کے متعلق ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:-

وان القبر يفسح سبعين ذراعا في سبعين او يضم حتى تختلف اضلاع المقبور وان الملائكة تنزل على المقبور فتسأله وان عمله يتمثل له وان الملائكة تنزل الى المحتضر بايديهم الحرير او المسح وان الملائكة تضرب المقبور بمطرقة من حديد فيصيح صيحة يسمعها ما بين المشرق والمغرب وقال النبي صلى الله عليه وسلم يسلط على الكافر في قبره تسعة وتسعين تنينا تنهسه وتلدغه حتى تقوم الساعة وقال اذا ادخل الميت القبر مثلت له الشمس عند غروبها فيجلس يمسح عينيه ويقول دعوني اصلي - (ص ۱۳)

اور یہ کہ قبر ستر در ستر ہاتھ فراخ کر دی جاتی ہے یا ایسی تنگ کر دی جاتی ہے۔ کہ دفن شدہ کی پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔ اور یہ کہ دفن شدہ کے پاس منکر و نکیر فرشتے آکر اس سے سوال کرتے ہیں۔ اور یہ کہ مرتے ہوئے شخص کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ جن کے ہاتھوں میں ریشم اور ٹاٹ کے کفن ہوتے ہیں، اور یہ کہ فرشتے دفن شدہ شخص کو لوہے کی گرزوں سے مارتے ہیں۔ تو وہ اتنی چیخ پکار کرتا ہے کہ اُسے مشرق و مغرب کی درمیانی مخلوق سنتی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ کافر پر ننانوے اژدہا مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ جو اُسے قیامِ قیامت تک ڈستے رہیں گے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ جب میت قبر میں داخل کی جاتی ہے۔ تو اسے مثالی صورت میں سورج کا غروب ہوتا نظر آتا ہے۔ پس وہ کہتا ہے چھوڑو میں نماز پڑھ لوں۔

یہ سب امور عالمِ مثال کے ہیں اور حضرت شاہ صاحب رح نے اسی صورت کو اپنا مختار مذہب قرار دیا ہے۔ اور یہ خاکسار بھی اسی کا معتقد ہے اور اس کے امکان بلکہ اس کی واقعیت کے ظاہری و باطنی دلائل جو خدا تعالے نے اپنے فضل سے اس عاجز کو سمجھائے ہیں۔ یا فقیر پر واردات کے طور پر وارد کئے ہیں۔ اتنے وافر ہیں۔ کہ میں اُن سے انکار نہیں کر سکتا۔ اگر میری زبان ان کے بیان سے قاصر ہے۔ تو دل بفضلہ تعالے مطمئن ہے۔ کہ معانی کا تجسد

Marfat.com

ہونا حقیقت واقعی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ عالمِ خواب، عالمِ مثال، اور عالمِ محشر میں ہوتا ہے۔ اور ہو گا۔ بلکہ یہ تو یہاں تک ہے۔ کہ جس طرح عالمِ خواب میں معانی متجسّد ہو کر عیاناً سامنے آجاتے ہیں۔ اسی طرح بعض کاملین کو عالمِ بیداری میں بھی وہ معانی جسمانی صورت میں نظر آجاتے ہیں، چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو کچھ میں دیکھتا ہوں۔ کیا وہ تم کو بھی نظر آتا ہے؟ میں تو فتنوں کو تمہارے گھروں میں بارش کے قطروں کی طرح گرتے دیکھتا ہوں" (حجۃ اللہ صـ۲۳) حدیث میں سورت ملک کا نام مانعہ اور منجیہ بھی آیا ہے۔ کیونکہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے سے عذابِ قبر کو روکتی ہے۔ اور مردے کو نجات دلاتی ہے۔ (مشکوٰۃ صـ۱۸۷ بروایت ترمذی) اس کی صورت بھی یہی ہے کہ اس کا تعلق پڑھنے والے کے قلب و روح سے ایسا شدید ہو جاتا ہے۔ کہ جب قبر میں نکیرین حساب کے لیے آئیں۔ تو یہ سورت متمثّل ہو کر روک کی صورت میں حائل ہو جاتی ہے۔ اور اپنے پڑھنے والے کو بچاتی ہے۔

مؤلف تفسیر ہذا عفی عنہ کا اپنا واقعہ

خاکسار گنہگار نے اپنی ایک بیماری میں امرتسر میں اپریشن کرایا۔ اس کے لیے کلوروفارم کا سنگھانا ضروری تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے سنگھایا۔ اور اپریشن کیا۔ جب مجھے قدرے ہوش آنے کو ہوا تو میں نے اپریشن کنندہ ڈاکٹر حفیظ رائے صاحب اسسٹنٹ سرجن امرتسر کو یہ کہتے سنا (حالانکہ میں ابھی آنکھیں بھی نہیں کھول سکتا تھا) کہ جن حالات میں کسی کی زندگی گذرتی ہے اس بیہوشی میں وہی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ اور وہ اسی قسم کی باتیں کرتا ہے۔ چونکہ مولانا صاحب (خاکسار میر سیالکوٹی) کی زندگی مذہبی امور میں گذری ہے۔ اسی لیے وہ اس حالت میں بھی قرآن ہی پڑھتے رہے ہیں۔

خواجہ محمد اسماعیل صاحب خلف خواجہ حبیب اللہ صاحب مرحوم شال مرچنٹ نے مجھے اس حالت کی بعض آیات بھی بتائیں جو میں پڑھ رہا تھا۔ مثلاً وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ (پ۲۵ شوریٰ) ڈاکٹر محمد فاضل صاحب اور ڈاکٹر اشفاق محمد صاحب امرتسری بھی شامل تھے، اور برادر مکرم مولوی احمد الدین صاحب بھی موجود تھے یہ حالت دیکھ کر سب حیران تھے مولوی علی محمد صاحب عم مکرم کا بیان ہے کہ ڈاکٹر حفیظ رائے صاحب مذکور الفوق نے یہ بھی فرمایا تھا۔ کہ میں یقیناً کہتا ہوں کہ مولانا صاحب (خاکسار میر سیالکوٹی)

Marfat.com

قبر میں بھی جائیں گے۔ تو وہاں بھی قرآن ہی پڑھیں گے"

غرض اس قصے کے دہرانے سے یہ ہے کہ مجھ پر یہ حالت طاری ہو چکی ہے۔ اور میں اسے خوب سمجھ چکا ہوں۔ اس کے بعد مجھے اس امر کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ اعتقادات راسخہ و اعمالِ مکتسبہ سے جو کیفیت روح میں پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ دائم و باقی رہتی ہے۔ اور بدنی تعلقات و تدبیرات کے انقطاع و فراغت کی صورت میں وہ عیاناً نمایاں ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلعم نے اسی قبیل سے فرمایا ہے۔ جو اوپر گذر چکا ہے۔ کہ جب میت قبر میں داخل کی جاتی ہے۔ تو اسے مثالی طور پر آفتاب ڈوبنے کے قریب نظر آتا ہے۔ پس وہ بیٹھ جاتا ہے۔ اور اپنی آنکھیں ملتا ہے۔ اور کہتا ہے چھوڑ دو میں نماز پڑھ لوں۔ (مشکوٰۃ بروایت ابن ماجہ) اس کی یہی وجہ ہے کہ روزمرہ کے تعامل و مشق سے اور کثرتِ توغل اور شدّتِ توجہ سے روح میں ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس سے جدا نہیں ہوتی۔ اور اب وہ عالم برزخ میں بدن کی تدبیر سے بالکل فارغ ہے اور اس کا کیا کرایا سب کچھ اس کے سامنے ہے"

۲۔ دوسری صورت ذہن کے قریب لانے کی یہ ہے کہ جس پر وہ حالت طاری ہوتی ہے۔ اسے اپنی حِس اور خیال میں ایسا ہی نظر آتا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے۔ کہ سورتِ حٰم دخان میں فرمایا:۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ۔ (پ ۲۵) — یعنی اے نبی! تو اس دن کا انتظار کر جب آسمان سے دھواں نمودار ہوگا"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضا صحابی کہتے ہیں۔ کہ مکہ شریف میں نہایت سخت قحط پڑا۔ تو آسمان کی طرف دیکھنے سے شدّتِ بھوک کی وجہ سے دھواں نظر آتا تھا۔ (حجۃ اللہ صلا)

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جو جو واقعات برزخ میں پیش آنے والے ہیں۔ ان کو ان الفاظ میں بیان کر کے سمجھایا گیا ہے۔ کیونکہ انسان فہم و تفہیم کے سلسلے میں انہی اشیاء سے اور اسی طریق سے مانوس ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

ولست اسمی المقتصر علی الثالثۃ من اھل الحق۔ — یعنی میں اس شخص کو جو اس تیسری صورت پر بس کرے اہلِ حق سے نہیں جانتا۔

پھر اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے امام غزالیؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عذابِ قبر کے متعلق ان ہر سہ مذکورہ بالا صورتوں کا ذکر کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ اوّل یہ کہ

Marfat.com

احوالِ برزخیہ جو صحیح احادیث میں مذکور ہیں سب صحیح ہیں۔ اصحاب بصیرت کے لیے تو بالکل واضح ہیں۔ لیکن اگر بے بصیرت اشخاص کی سمجھ میں نہ آئیں تو اس سے ان حقائق کا انکار نہیں ہو سکتا۔ دوم یہ کہ سوئے ہوئے شخص کی حالت کو یاد کرو کہ وہ بعض وقت خواب میں دیکھتا ہے کہ اُسے سانپ ڈس رہا ہے۔ اور اُسے درد بھی محسوس ہو رہا ہے۔ جس کی شدت سے وہ چیخ پکار بھی کرتا ہے اور اسے پسینہ بھی آجاتا ہے۔ اور اپنے آپ میں وہ سب کچھ بیدار آدمی کی طرح محسوس کرتا ہے۔ لیکن اس کے پاس والا شخص اُسے بالکل ساکن و غیر متحرک سویا ہوا دیکھتا ہے۔ اور اُسے اس کے پاس کوئی بھی سانپ بچھو نظر نہیں آتا۔

پس جس طرح وہ سانپ اس خوابیدہ شخص کے حق میں تو موجود ہے۔ اور اُسے تکلیف بھی ہو رہی ہے۔ لیکن اس کے پڑوسی کے حق میں موجود نہیں ہے۔ اسی طرح مردہ کو جو تکلیف و راحت ہو رہی ہے۔ وہ واقعی ہو رہی ہے۔ گو زندوں کو محسوس و معلوم نہ ہو سکتی ہو۔

سوم یہ کہ یہ تو معلوم ہے کہ سانپ بنفسہٖ دردناک نہیں ہے۔ بلکہ وہ درد اس کے زہر کا ہے۔ پھر یہ کہ وہ زہر بھی عین درد نہیں ہے۔ بلکہ تکلیف اس اثر سے ہے۔ جو زہر کی وجہ سے تمہارے بدن میں ہو گیا ہے۔ پس اگر یہی اثر بغیر زہر کے پیدا ہو جائے۔ تو وہ نہایت شدید ہو گا۔ اور اس قسم کی تکلیف کے بیان کی یہی صورت ہے۔ کہ وہ اثر ان اسباب کی طرف منسوب کر کے سمجھایا جائے۔ جن سے انسان عادتاً مانوس ہے۔ پس مہلک اسباب موت کے وقت خوفناک اور المناک صورتیں بن جاتے ہیں۔ اور ان کی تکلیف ایسی ہوتی ہے۔ جیسے سانپوں کے ڈسنے کی۔ گو سانپ موجود نہ ہوں۔ انتہٰی (صہ۱۴)

تتمہ بحث

آنحضرت صلعم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے۔ تو اُسے صبح و شام اس کی جگہ (جنت یا دوزخ میں) دکھائی جاتی ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو جنت میں جائے گا۔ اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ میں جھونکا جائے گا۔ اور اسے کہا جاتا ہے۔ کہ تیری (اصل) جگہ یہ ہے۔ (ابھی تو قبر یعنی برزخ میں رہے گا) حتّٰی کہ خدا تعالیٰ تجھے قیامت کے دن یہاں پہنچا دے (مشکوٰۃ صہ۱۸ روایت صحیحین)

خاکسار کہتا ہے کہ اس حدیث کی تصدیق قرآن شریف میں موجود ہے۔ اور وہ آیت عذاب برزخ کے اثبات میں اصل اصول ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ آلِ فرعون کی نسبت فرماتا ہے:

Marfat.com

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۔ (مومن پ ۲۴)

اور الٹ پڑا فرعونیوں پر بُری طرح کا عذاب یعنے آگ ، کہ صبح وشام اس کے سامنے کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی ۔ (کہا جائیگا) داخل کرو آلِ فرعون کو سخت سے سخت عذاب میں ۔

اس آیت میں قیامت سے ورے عذاب کا صریح ذکر ہے ۔ اور وہ اسی عالم برزخ کا عذاب ہے ۔ جس طرح حدیث مذکورہ بالا میں بتایا گیا ہے کہ میت کو اس کا اصلی مقام جو اسے جنت یا دوزخ ملنے والا ہے ۔ صبح وشام دکھایا جاتا ہے ۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں ۔

عُرِضَ علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی ۔ (مشکوٰۃ صہ ۱۸)

یعنے صبح وشام اس کا ٹھکانا اس کے سامنے کیا جاتا ہے ۔

اسی طرح اس آیت مذکورہ بالا میں فرعونیوں کی نسبت جو دوزخی ہیں کہا گیا ہے ۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۔ (مومنون پ ۲۴)

یعنی وہ صبح وشام آتش (دوزخ) کے سامنے کئے جاتے ہیں ۔ فتعم الوفاق ۔

الغرض عالم برزخ کی راحت وتکلیف کے اثبات میں قرآن وحدیث یک زبان ہیں ۔ اور عقل اس کے امکان کو اس کیفیت سے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے ۔ سمجھ سکتی ہے ۔ اس لیے اس کی تصدیق میں کوئی بھی تردد باقی نہیں رہنا چاہیئے ۔ جمہور ائمہ سنت کا یہی مذہب ہے ۔ صحابہؓ وتابعینؒ اور صلحائے امت اسی پر گذرے ہیں ۔ حشرنا اللہ معھم ، آمین ۔

یہ مضمون اس سے بھی مفصل بیان ہو سکتا ہے ۔ لیکن چونکہ ہمیں منزل یعنے یوم الدین پر جلد پہنچنا ہے اور وہ بہت لمبی منزل ہے ۔ اس لیے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ اللھم انی اعوذ بک من وساوس الصدر وعذاب القبر ۔

Marfat.com

کُلّی فیصلہ قیامت کے روز ہو گا

لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ۔ لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ ۔ ان معاملات کو کس دن کے لیے اٹھا رکھا گیا ہے؟ فیصلے کے دن کے لیے"

(مُرسلٰت پ۲۹)

سابقاً کسی قدر تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ کہ دُنیا اور نزع اور برزخ میں جزا سزا جزوی ہے اور کُلّی جزا سزا قیامت کے دن ہوگی، اور صرف امرِ معاد کے متعلق جو سات عنوانات قائم کیے گئے تھے، ان میں سے پہلے پانچ عنوانوں کا بیان سابقاً ہو چکا ہے۔ اب صرف اخیر کے دو باقی ہیں، یعنے حشرِ اجساد کا ممکن ہونا۔ اور منکرین قیامت کے شبہات کے جوابات"

سو ان کے بیان سے پیشتر اس امر کا بیان بھی ضروری ہے۔ کہ اس کُلّی فیصلے کے لیے ایک خاص دن کیوں مقرر کر رکھا ہے۔ جب دُنیا اور سکراتِ موت اور برزخ میں بھی جزا سزا ہوتی ہے تو انہیں میں سارا معاملہ کیوں ختم نہیں کر دیا جاتا۔ اور اسی روزِ قیامت کے لیے کیوں اٹھا رکھا ہے؟ یہ شبہ اکثر منکرین قیامت کو عارض ہوتا رہتا ہے۔ بلکہ حشرِ اجساد یعنی بوسیدہ ہڈیوں اور جلی ہوئی خاکستر اور خاک میں ملے ہوئے اجزا میں جان پڑ جانا آج کل اس قدر مستبعد نہیں رہا۔ جتنا علمی طور پر اس امر کی ضرورت کو سمجھنا ضروری جاتا گیا ہے۔ کہ ایک خاص دن کی کیا ضرورت ہے؟

سو اس کے متعلق اوّل تو یہ گذارش ہے۔ کہ خدا تعالےٰ ہر امر کا مالک و مختار، اور ہر امر پر قادر و توانا ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ بایں معنے کہ نہ تو کوئی کام اس کی مشیّت کے خلاف رک سکتا ہے جو کچھ ہو رہا ہے۔ سب اس کی مشیّت سے ہے۔ اور جو نہیں ہوتا۔ اس کی نسبت اس کی مشیّت یہی ہے کہ نہ ہو۔ اس لیے وہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہو گا، نہ ہونے والی چیز بذاتہٖ ضروری الوجود ہے اور نہ نہ ہونے والی ممتنع"

لیکن اس کی مشیت اس کی قدرت، اس کا قہر و غلبہ، اس کی سطوت و جبروت، اس کی رحمت و شفقت، عفو و درگذر، عقوبت و نعمت، جو کچھ بھی ہے۔ سب اس کی حکمت کے ماتحت کے ماتحت ہے۔ جس امر کا جس کیفیت سے ہونا چاہیے۔ اس کی بنا حکمت و مصلحت پر ہے۔ اور جس امر کا نہ ہونا چاہا ہے۔ اس کی بنا بھی حکمت پر ہے۔

پس اس نے کلّی فیصلے کے لیے ایک خاص دن مقرر کیا ہے۔ تو اس میں بڑی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، جس طرح کہ ہم دُنیا کے دیگر نظاموں میں دیکھتے ہیں ہر چند کہ خدا تعالےٰ ان

Marfat.com

نظاموں سے باہر بھی سب کچھ کرسکتا ہے۔ لیکن پھر بھی اس نے ہر امر کے لیے ایک خاص مدت اور خاص وقت مقرر کر رکھا ہے۔ وہ کام اس وقت سے پہلے نہیں ہوتا۔

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا۔ (فرقان پ۱۸) — پیدا کیا اس نے ہر شے کو پس اس کو ایک خاص اندازے پر رکھا۔

اگرچہ وہ کام اس سے پہلے بھی ممکن ہے۔ اور اس کے بعد بھی لیکن حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہی ہوتا ہے۔ کہ وہ عین اسی وقت پر ہو، اس میں کسی کو کلام نہیں ہوتا۔ اور نہ کلام کرنے کا حق ہے اس میں اس کی نہایت باریک حکمتیں ہوتی ہیں۔ بعض وقت وہ حکمتیں ہماری سمجھ سے بالا ہوتی ہیں۔ اور ہم کو اپنے ضعفِ علم کا اقرار کرتے ہوئے اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ اس میں حکمتیں ہیں، اور بعض وقت وہ حکمتیں واقعہ کے بعد ہماری سمجھ میں آجاتی ہیں۔ اور ہم اس وقت دل وجان اور زبان حال وقال سے سبحان اللہ! سبحان اللہ پکار اٹھتے ہیں۔

سو قرآن شریف نے اوّل تو فرمایا کہ فیصلے کے لیے ایک دن مقرر ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۱) اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ (دخان پ۲۵) — بیشک فیصلے کا دن ان سب کے لیے مقررہ وقت ہے۔

(۲) اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا۔ (نبا پ۳۰)

پھر اس کی وجوہات وحکمتیں بھی خود ہی بیان کی ہیں۔ جن کا بیان اس وقت ہمیں خاص طور پر ملحوظ ہے۔ سو اس کی نسبت گذارش ہے کہ سکراتِ نزع یعنے جان کنی کی بیہوشی اور برزخ میں جو بھی جزوی جزا سزا ہے۔ وہ پوری نہ ہونے کے علاوہ انفرادی ہے۔ جس جان پر وارد ہوتی ہے اس کا علم اسی کو ہوتا ہے۔ دوسرے اس سے بے خبر رہتے ہیں۔ اور دنیا کے مصائب وآلام بھی فیصلہ کن نہیں ہیں۔ کیونکہ بعض اوقات نیکوں کے مصائب وابتلا جن میں ان کے صبر واستقامت کی آزمائش اور دیگر کئی ایک مصلحتیں ہوتی ہیں۔ دیگر لوگوں کے مصائب جزا کے ہمرنگ ہو کر حجت بازوں کے نزدیک مشتبہ ہو سکتے ہیں۔

نیز، دنیا کے مصائب اور سکرات وبرزخ کے عذاب میں ظالم کو تو سزا مل گئی، لیکن اگر وہ ظلم کسی دوسرے انسان کے متعلق ہے۔ تو اس میں اس مظلوم کی حق رسی اور ظالم سے اس کے بدلہ لینے کی کیا صورت ہے؟

Marfat.com

نیز، جو نزاعات لوگوں کے باہمی حقوق کے متعلق ہوتے ہیں، دنیا کے فیصلے میں بسا اوقات سچے محروم رہتے ہیں۔ اور جھوٹے میدان جیت جاتے ہیں۔ ان کے فیصلے کی کیا صورت ہے؟"

نیز، لوگوں میں جو مذہبی اختلاف ہیں۔ اور وہ حجت و دلیل کے متعلق ہیں، ان میں ہر فریق اپنے آپ کو حق پر کہتا رہتا ہے۔ اور جھوٹے کی زبان بندی کی کوئی صورت نہیں اور اس طرح عوام پر حق مشتبہ و ملتبس رہتا ہے بلکہ کبھی باطل عارضی طور پر غلبہ پا کر حق کو دبا لیتا ہے۔ پس اس کے لیے بھی کوئی خاص موقع درکار ہے۔

نیز، یہ کہ جن رسولوں نے احکام خدا کی تبلیغ کی، اور جن لوگوں نے ان کا انکار کیا۔ دنیا یا نزع یا برزخ میں ان کے آمنے سامنے ہو کر ان میں فیصلے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔"

پس ضروری ہے کہ ایک ایسا دن مقرر ہو۔ جس میں یہ سب امور حق حق طے ہو سکیں، اور فیصلے میں کسی قسم کے اشتباہ کی گنجائش نہ رہ سکے اور اس کے بعد کسی فیصلے کا انتظار باقی نہ رہے۔ جزا سزا سب کے سامنے عام ہو۔ ظالم و مظلوم ہر دو خدا کی عدالت میں حاضر ہوں۔ اور حقدار کو غاصب و ظالم سے حق دلایا جاوے، اور پیغمبران خدا اور ان کی منکر قومیں ہر دو فریق خدا کے سامنے پیش ہوں۔ اور رسولوں اور ان کے تابعداروں کے اعزاز و اکرام سے ان کے منکروں پر ثابت کر دیا جائے۔ کہ وہ پیغمبر اور ان کے تابعدار خدا کی طرف سے حق پر تھے۔ اور منکر ان کے انکار میں ناحق پر تھے۔

قرآن شریف نے ان سب امور پر بالتفصیل سیر کن بحثیں کی ہیں۔ اور ان مضامین کو ہر جہت سے مکمل طور پر بیان کیا ہے۔ اور ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس امر میں قرآن شریف منفرد ہے۔ یہ باتیں کسی دیگر مذہب کی آسمانی کتاب میں موجود نہیں ہیں۔ نہ موجودہ توریت میں نہ زبور میں۔ نہ انجیل میں نہ وید میں نہ دساتیر میں نہ کسی اور میں۔ چنانچہ اوّل یعنے اجتماع اوّلین و آخرین کی نسبت فرمایا:

(۱) قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ۔ (واقعہ پ۲۷)

کہ تو بیشک سب۔ پہلے اور سب پچھلے ایک معلوم دن کی میقات پر جمع کیے جائیں گے۔"

(۲) ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ۔ (ھود پ۱۲)

یہ وہ دن ہے جس میں تمام لوگ جمع کیے جائیں گے۔ اور یہ وہ دن ہے۔ جس میں سب حاضر ہوں گے۔"

Marfat.com

(۳) قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔ (جاثیہ پ۲۵)

(کہ) اللہ ہی تم کو زندگی بخشتا ہے۔ پھر تم کو مارے گا پھر تم کو قیامت کے دن اکٹھا کر کے حاضر کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(۴) يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۔ (تغابن پ۲۸)

جس دن تم کو اکٹھا کرنے کے دن اکٹھا کرے گا۔ وہ افسوس کا دن ہو گا۔

(۵) رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ (آل عمران پ۳)

اے ہمارے پروردگار بیشک تو تمام لوگوں کو اس دن جس میں کوئی شک نہیں جمع کرنے والا ہے۔

(۶) هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنَاكُمْ وَالْأَوَّلِينَ (مرسلات پ۲۹)

یہ ہے فیصلہ کا دن، جمع کیا ہم نے تم کو اور سب پہلوں کو۔

ان سب آیات میں بالصراحت مذکور ہے۔ کہ خدا تعالٰی نے دنیا جہان کے فیصلے کے لیے اپنے علم میں ایک خاص دن مقرر کر رکھا ہے۔

اس تقریر کی بابت ایک اور بات بھی دماغ میں بٹھانے کی ہے۔ کہ کسی امر کا تقرر عقل اور طبع کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ تقرر ایک وضع ہے۔ اور وضع کے لیے اختیار اور استحقاق کی ضرورت ہے۔ نہ تقاضائے عقل و طبع کی۔ اور یہ مسلم ہے کہ دنیا جہان کا مالک اور اس کے جملہ امور جزئیہ و کلیہ کا مختار و حقدار صرف اور صرف خداوند تعالٰے ہے۔ اس میں کسی دوسرے کی کسی نوع کی بھی شرکت نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ۔ (سورۃ سبا) (پ۲۲)

(اے پیغمبر ان سے) کہدو کہ پکارو تم ان کو جن کو گمان کر رکھا ہے۔ تم نے سوائے اللہ کے نہیں وہ مالک ایک ذرہ بھر کے آسمانوں میں، اور نہ زمین میں، اور نہ ان دونوں میں ان کی کوئی شراکت ہے۔ اور نہ ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے (کہ اس کا ہاتھ بٹائے)[1]

---

[1] یہ آیت غیر اللہ کی مالکیت و استحقاق کی نفی میں بہت زور کی ہے۔ اس کی مختصر تشریح یوں ہے کہ اول تو اس میں ذرہ بھر کا لفظ فرما کر کلی نفی کر دی ہے۔ پھر یہ کہ اس میں تین مرتبے سمجھائے ہیں۔ کیونکہ کسی امر میں کسی کا عمل و دخل

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اسی کے ساتھ ایک اور بات بھی سمجھنے کی ہے۔ کہ جو امر وضعی ہے۔ اس کا وجود و قیام لازم و ضروری نہیں ہوتا۔ بلکہ عارضی ہوتا ہے۔ جو اس کے واضع کی مرضی و مصلحت کے تابع ہوتا ہے جب تک وہ چاہے اُسے یا اس کے سلسلے کو قائم رکھے۔ اور جب چاہے اُسے توڑ پھوڑ کر اس کے سلسلے کو درہم برہم کر دے۔ کیونکہ خود وضع بھی لازم و ضروری نہیں ہے۔ بلکہ واضع کا اختیاری کام ہے۔ اور یہ بھی مسلّم ہے کہ خداوند تعالےٰ فاعل بالارادہ والاختیار ہے نہ فاعل بالاضطرار پس خلق و فنائے عالم یا ایجاد و اعدام یا اس کا بقا و فنا، سب کچھ اُس کے مصلحت بین ارادے کے ماتحت ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ضروری و واجب نہیں ہے۔ اسی معنے میں کہا گیا ہے سے

تیرے ہاتھ میں ہے فنا و بقا، تیری شان جلّ جلالہٗ

جب یہ دونوں باتیں اچھی طرح سے آپ کے ذہن نشین ہو گئی ہیں۔ تو اب آپ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ہر چیز کے وجود کے لیے ایک خاص وقت اور اس کے بقا کے لیے ایک خاص میعاد مقرر کر رکھی ہے۔ جس میں کسی قسم کا تخلف یا ایک ساعت کا بھی تقدّم و تاخّر نہیں ہو سکتا۔ اس وقت کے آنے یا اُس میعاد کے پورا ہونے پر اس شئے کے وجود یا فنا کا حکم وارد کر دیتا ہے۔ پس وہ اسی طرح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (سُوْرَۃُ النَّحْلِ) (پ۱۴)

یعنے خدا کا حکم تو بس یہی ہے کہ جب کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اُسے (یعنے اس کی صورت علمیہ کو جو اس کے علم میں ہے) کہتا ہے "ہو جا" پس وہ ہو جاتی ہے"

یہی حال بقائے عالم کا ہے کہ خدا کے علم و ارادے میں اس کی ایک میعاد مقرر ہے۔ اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۶) اور تصرف و اختیار تین طرح سے ہوتا ہے۔ اوّل مستقل مالک کی حیثیت سے۔ دوئم مالکیت میں شریک ہونے کی حیثیت سے۔ سوئم کام میں مددگار ہونے کی حیثیت سے۔ سو ان تینوں حیثیتوں میں نفی کر دی کہ زمین و آسمان کی مالکیت اور ان کے جملہ انتظامات و تدبیر میں کسی نوع کا حق یا عمل دخل اور تصرّف و اختیار نہیں ہے۔ نہ تو خدا تعالےٰ کے مقابلے میں ایسی کوئی ذات ہے۔ جو کسی ایک ذرّہ کی بھی مالک ہو۔ چاہے وہ ذرّہ آسمان میں ہو یا چاہے زمین میں اور نہ گاڈ اینڈ کمپنی (God and Co.) کوئی فرم ہے کہ یہ غیر اللہ اس میں (Share Holder) حصہ دار ہوں اور نہ خدا تعالےٰ اپنے ضعف کی وجہ سے مددگاری کا محتاج ہے کہ یہ غیر اللہ اس کا ہاتھ بٹائیں سبحان اللہ! کیا انداز بیان ہے کہ ہر پہلو نظر میں ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

پورا ہو جانے پر اس پر فنا کا حکم وارد کر دے گا۔ نظام شمسی و قمری درہم برہم ہو جائیں گے۔ اور تمام کارخانۂ دنیا تہ و بالا ہو کر فنا ہو جائے گا۔"

صوبہ بہار کی تازہ بربادی دیکھ لینے کے بعد آپ کو اس کے سمجھنے اور تسلیم کر لینے میں کوئی بھی مشکل یا تردد پیش نہیں آنا چاہیئے۔ جس ذات برتر نے کوہ ہمالہ کے دامن سے آگرہ کے تاج روضہ کی دیواروں تک اتنے بڑے حصہ ملک کو ایک لمحہ میں صرف ہلا ہی نہیں بلکہ زمین کو شق کر کے اس کے نیچے کے پانی کو اس کی پشت پر دریا کی طرح بہا دیا۔ اور ایک دم میں ہزارہا نفوس کا گلا اس طرح گھونٹ دیا جس طرح کہ بجلی کی سوئچ کو دبا کر سارے شہر کے بلب گل کر دیئے جاتے ہیں۔ اور اتنے شہروں کی تباہی سے قیامتِ صغریٰ قائم کر دی۔ وہ اگر اسی کلمۂ کن کے حکم میں تمام کی بربادی کا ارادہ کر کے قیامتِ کبریٰ قائم کر دے تو کونسی بڑی بات ہے ؎

اوست سلطاں ہرچہ خواہد آں کند　　عالمے را در دمے ویراں کند

قرآن شریف میں فنائے عالم کا مضمون بہت جگہوں پر بہت وضاحت سے مذکور ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۱) وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ○ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ○ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ○
(تکویر پ۳۰)

جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔ اور جب تمام ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔

(۲) وَاِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ○ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ○ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ○ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ○ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ○ (انفطار پ۳۰)

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے۔ اور جب سمندر بہ چلیں گے، اور جب قبریں اٹھائی جاویں گی۔ جان لے گی ہر جان جو آگے بھیجا اس نے اور جو پیچھے چھوڑا۔"

(۳) وَاِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ○ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ○ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ○ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ○ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ۔
(انشقاق)
(پ۳۰)

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور سن لے وہ حکم رب اپنے کا اور اسی لائق ہے وہ (کہ حکم مان لے) اور جب زمین پھیلا دی جاوے اور ڈال دیوے جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جاوے۔ اور سن لے حکم رب اپنے کا اور وہ اسی لائق ہے (کہ حکم مانے)۔

Marfat.com

(۴) اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا۔ (زلزال پ۳۰)

جب ہلائی جائے گی زمین نہایت درجے کی، اور نکال ڈالے گی زمین (تمام) بوجھ اپنے"

(۵) یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (قارعہ پ۳۰)

جس دن ہوں گے لوگ مثل پراگندہ پروانوں کی۔ اور ہو جائیں گے پہاڑ مثل دھنی ہوئی اُون کے۔"

(۶) وَیَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ۝ فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا۔

(طٰہٰ پ۱۶)

اور (اے پیغمبر) تجھ سے پہاڑوں کی بابت سوال کرتے ہیں۔ تو کہہ ان کو بکھیر دے گا رب میرا۔ اور پھر کر دے گا زمین کو چٹیل میدان۔ نہ دیکھے تو اس میں موڑ اور نہ ٹیلہ"

(۷) وَتَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ۔

(نمل پ۲۰)

اور تو دیکھتا ہے پہاڑوں کو جانتا ہے تو کہ وہ جمے ہوئے ہیں، اور وہ چلیں گے جیسے چلے بدلی"

(۸) وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَی الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا۔

(کہف پ۱۵)

اور جس دن چلاویں گے ہم پہاڑوں کو اور تو دیکھے گا۔ زمین کو ننگی پڑی ہوئی۔ اور جمع کریں گے ہم اُن سب کو پس باقی نہ چھوڑیں گے ہم ان میں سے کسی کو اور اپنے رب کے حضور میں صفیں باندھے ہوئے پیش کئے جائیں گے"

غرض یہ عالم زیر بن وبالا تمام فنا و برباد کر دیا جائے گا۔ اور نیا آسمان اور زمین پیدا کی جائے گی۔ اور تمام لوگ محاسبۂ اعمال کے لیے اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۱) یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

(ابراہیم پ۱۳)

جس دن بدلی جائے گی یہ زمین ایک اور زمین سے اور آسمان بھی، اور نکل کھڑے ہوں گے۔ اللہ اکیلے زبردست کے سامنے"

وزن اعمال

میزان اعمال رکھی جائے گا۔ اور ذرہ ذرہ بھر نیکی بدی کا حساب ہوگا۔ اور اس میں ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔

چنانچہ فرمایا:۔

Marfat.com

(۱) وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ۝

(اعراف پ۸)

اور اس روز وزنِ (اعمال) بالکل حق ہے۔ پس جس کسی کے اعمال کا وزن بھاری ہوگا۔ وہی نجات پائیں گے۔ اور جس کے اعمال کا وزن سبک ہوگا۔ پس وہ وہی ہوں گے۔ جنھوں نے اپنی جانوں کو گھاٹے میں ڈالا۔ اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں سے بے انصافی کرتے تھے۔"

(۲) وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ ۝

(انبیاء پ۱۷)

اور ہم قیامت کے دن عدل والے ترازو قائم کریں گے۔ پس کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر (وہ عمل) رائی کے دانے کا بھی ہم وزن ہوگا تو ہم اُسے بھی لا حاضر کریں گے۔ اور (اتنے بڑے کام کے لیے) ہم خود کافی محاسب ہیں۔

(۳) إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ۔

(نساء پ۵)

بیشک خدا تعالےٰ ایک ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرے گا۔ اور اگر (وہ عمل) کوئی نیکی ہوگی تو خدا اُسے بڑھا کر اضعافاً مضاعفہ کر دے گا۔ اور اپنے پاس سے اجر عظیم دے گا۔

(۴) يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ ۖ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۔

(مومن سورہ)
(پ۲۴)

جس دن وہ سب نکل کر کھڑے ہوں گے چھپی نہ رہے گی۔ اللہ پر ان کی کوئی چیز (کہا جائے گا) آج کس کا راج ہے؟ (خود خدا تعالےٰ فرمائے گا) اکیلے زبردست خدا کا راج ہے) آج ہر جان کو اس کے کسب کے موافق جزا ملے گی۔ آج کسی طرح کا ظلم نہیں ہوگا۔ بیشک اللہ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔"

ازالہ شبہ وزن اعمال کے متعلق بعض عقل کے پتلوں کو یہ شبہ عارض ہوتا ہے۔ کہ وزن ذی مقدار اجسام کا کیا جاتا ہے۔ اور اعمال ذی مقدار اجسام نہیں ہیں۔ تو ان کے وزن کے کیا معنی؟

Marfat.com

سوال اوّلاً تو یہ معلوم ہو کہ غیر جسمانی چیزوں کو مقدار کے لفظوں میں بیان کرنا ہر زبان کا محاورہ ہے آپ کہا کرتے ہیں " ذرہ بھی فکر نہ کرو " اور یہ بھی کہا کرتے ہیں " مجھ پر غموں کے پہاڑ آ پڑے ہیں " حالانکہ فکر اور غم جسمانی چیزیں نہیں ہیں۔ لیکن آپ ایسا بولا کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کمی بیشی ہر شئے میں ہوتی ہے۔ جسمانیات میں بھی، اور معانی میں بھی۔ اور کوائف میں بھی۔ اور ان کے بیان کرنے کے لیے وہی الفاظ بولے جاتے ہیں۔ جو محسوسات کے لیے بولے جاتے ہیں۔ پس جس طرح محسوسات کی مقدار معلوم کرنے کے لیے میزان محسوسی ہے اسی طرح اعمال (نیک یا بد) کی مقدار معلوم کرنے کے لیے ایک میزان ہے اور یہ ضرور نہیں کہ جس نوع کا تمہارے ہاں میزان محسوسی ہے۔ اسی نوع کا وہ بھی ہو اور آپ کو یہ شبہ پڑے۔ کہ اعراض و معانی محسوس میزان پر کیسے تلیں گے؟ کیونکہ ہر چیز کا میزان اس کی نوع کے لحاظ سے الگ ہوتا ہے۔ آپ کے ہاں شعروں کے لیے بھی وزن ہیں۔ صرفی صیغوں کے لیے بھی وزن ہیں۔ تو کیا وہ بھی اسی طرح دو پلڑوں والے ترازو ہوتے ہیں؟ کہ ایک طرف باٹ رکھا جائے۔ اور دوسری طرف وہ شعر یا صیغہ جس کا وزن آپ کو مطلوب ہے۔ آپ کی منکرانہ عقل قرآن وحدیث کے لیے خوب تیز ہو جاتی ہے۔ لیکن اپنی باتوں کے وقت اُسے کچھ بھی ہوش نہیں رہتی۔ کہ میاں صاحب کیا الاپتے جاتے ہیں۔ دیگر یہ کہ جو جو عمل ہم کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کے پاس ان کے دفتروں کے دفتر لکھے ہوتے ہیں۔ وہ سب قیامت کے دن سامنے لائے جائیں گے۔ اور وزن کئے جائیں گے۔ لیکن مقابلہ کاغذوں کے بوجھ کا نہیں ہو گا۔ بلکہ اُن عملوں کی انواع اور کوائف کے رُو سے اور خدا کے نزدیک اُن کی قدر و شرف یا ناراضی و خفگی کے اندازے سے ہو گا۔ ایک عمل اپنی ذات میں بہت چھوٹا ہے۔ لیکن وہ اپنی نوع کے لحاظ سے خدا کے نزدیک سب سے بڑھ کر محبوب و افضل ہے۔ یا خفگی و ناراضی میں سب سے بڑھ کر عظیم ہے۔ مثلاً ایمان اور کفر و شرک۔"

ایمان (بلحاظ دل کی تصدیق کے) بالکل معمولی بات نظر آتی ہے۔ لیکن مذہبی آئین میں اصل اصول اور سب سے افضل یہی ہے۔ حدیث میں وارد ہے۔ کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا۔

ای العمل افضل۔ کون سا عمل سب سے افضل ہے۔

آپ نے فرمایا۔

ایمان باللہ ورسولہ۔ (صحیح بخاری) یعنی خدا کی توحید پر ایمان رکھنا۔

Marfat.com

اسی طرح شرک ظاہر میں چھوٹی سی چیز ہے لیکن خدا کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے۔
چنانچہ حضرت لقمان کے وعظ کے اثناء میں فرمایا: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ (لقمان پ۲۱)
نیز فرمایا:-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ۔ (النساء پ۵)	یعنے خدا تعالےٰ اس بات کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس سے شرک کیا جائے۔

اور حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا۔

ای الذنب اکبر عند اللہ۔	یعنے خدا کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے۔

آپ نے فرمایا:-

ان تجعل للہ ندا و ھو خلقک۔ (الحدیث مشکوٰۃ صہ)	یعنے یہ کہ تو خدا تعالےٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے حالانکہ خدا ہی تیرا خالق ہے۔"

پھر یہ کہ اعمال کو اُلف کے لحاظ سے بھی درجات میں مختلف ہو جاتے ہیں، نیکیاں بھی اور بدیاں بھی۔ چنانچہ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (پ انعام)
نیز فرمایا:-

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ۔ (آل عمران) (پ۴)	یعنے سب کے اپنے اپنے اعمال کے رُو سے مختلف درجات ہیں اور وہ سب خدا کے پاس مختلف مدارج پر ہوں گے۔"

حدیث میں وارد ہے کہ حضرت عمرؓ کی ساری نیکیاں حضرت صدیق اکبرؓ کی ایک نیکی کی مثل ہیں[1] نیز فرمایا:-

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ط اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ (حدید پ۲۷)	یعنے نہیں برابر تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا؛ وہ لوگ اُن لوگوں سے بڑے درجے والے ہیں۔ جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اور جنت کا وعدہ تو خدا نے ان سب سے کیا ہے۔"

---

[1] شاید یہ ایک نیکی شبِ ہجرت کی رفاقت کی نیکی ہو۔ زہے سعادت اس یارِ غار کی رضی اللہ عنہ ۱۲ منہ

Marfat.com

حافظ ابن حزم قرطبی جن کی فوق الفطرت ذہانت اور جمیع علومِ شرعیہ و فنون عقلیہ میں امامت و مہارت مسلّم کل ہے ۔ اور موافقتِ معقول و منقول میں نہایت سلامت روی ہیں ۔ اپنی بایۂ ناز کتاب کتاب الفصل میں فرماتے ہیں :

ونقطع على أن تلك الموازين أشياء يبين الله عز وجل بها العباد لمقادير أعمالهم من خير أو شر من مقدار الذرة التي لا تحس وزنها في موازيننا أصلا فما زاد ولا ندري كيف تلك الموازين إلا أننا ندري أنها بخلاف موازين الدنيا وأن ميزان من تصدق بدينار أو بلؤلؤة أثقل ممن تصدق بكدانة وليس هذا وزنا وندري أن إثم القاتل أعظم من إثم اللاطم وأن ميزان مصلي الفريضة أعظم من ميزان التطوع بل بعض الفرائض أعظم من بعض فقد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم أن من صلى الصبح في جماعة كمن قام ليلة ومن صلى العتمة في جماعة فكأنما قام نصف ليلة وكلاهما فرض وهكذا جميع الأعمال فإنما يوزن عمل العبد خيره مع شره ۔

(جلد چہارم)

(مطبوعہ مصر)

(صفحہ ۶۵ / ۶۶)

اور ہم قطعی طور پر کہتے ہیں کہ یہ موازین ایسی اشیا ہوں گی جن سے اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے اعمالِ خیر و شر کی مقدار ظاہر کرے گا ۔ ایک ذرہ کی مقدار بھی جس کا وزن ہمارے میزانوں سے معلوم نہیں ہو سکتا اور اس سے زیادہ کی بھی ۔ اور ہم نہیں جانتے کہ وہ میزان کس نوعیت کے ہوں گے ۔ ہاں اتنا جانتے ہیں کہ وہ دنیا کے ترازوں کی جنس سے ہوں گے ۔ اور ہم یہ بھی بالقطع کہتے ہیں ۔ کہ جو شخص ایک دینار یا ایک موتی (راہِ خدا میں) صدقہ کرے اس کا وزن اس شخص کے وزن سے زیادہ بھاری ہو گا ۔ جو ایک آنہ صدقہ کرتا ہے ۔ حالانکہ یہ متعارف وزن نہیں ہے ۔ اور یہ بھی کہ قاتل کا گناہ دھپڑ مارنے والے کے گناہ سے بڑا ہے ۔ اور یہ بھی کہ نمازِ فرض ادا کرنے والے کا میزان نمازِ نفل کے (ادا کرنے والے) سے بڑا ہے ۔ بلکہ بعض فرض دیگر فرائض سے بھی بڑے ہیں ۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ جو شخص نمازِ صبح باجماعت ادا کرتا ہے وہ مثل اس شخص کی ہے جو تمام رات نماز میں رہا ۔ اور جو نمازِ عشا باجماعت ادا کرے گویا اس نے نصف رات کا قیام کیا حالانکہ یہ دونوں فرض ہیں اور اسی طرح بندے کے تمام اعمال نیک و بد وزن کئے جائیں گے ۔

Marfat.com

حافظ ابن حزم رح کی یہ تحریر آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، نہایت وسیع علم اور نہایت گہرے فکر کا نتیجہ ہے۔ اعتقادِ حق اور شانِ علم ہر دو کو نہایت سلامتی سے محفوظ رکھا ہے اور اس میں جس قدر مثالیں بیان کی ہیں۔ ان سب میں کمی بیشی کا حکم جسمانی ترازو سے نہیں لگایا جا سکتا۔ بلکہ عقلی و روحانی ہے" حالانکہ وہ سب اعمال ہیں۔ اور اعراض ہیں۔

دیگر یہ کہ ہم جو عمل بھی کرتے ہیں۔ نیک ہوں یا بد، عالم مثال میں اُن سب کی مناسب صورتیں بنتی ہیں۔ جیسا کہ سابقاً کئی دفعہ ذکر ہو چکا ہے۔ پس وہ متمثل اجسام میزان میں تولے جائیں گے۔

یہ سب امور مذکورہ ممکنات سے ہیں۔ اور قرآن شریف و صحیح احادیث میں اس کثرت سے سے وارد ہیں کہ ان سے انکار نہیں ہو سکتا، اور مخبر صادق کسی ممکن امر کی خبر دے دے۔ تو اس میں تردد و شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ ورنہ سارا نظام شہادت اور لوگوں کا اعتبار و وقار درہم برہم ہو جائے گا اور دماغوں کی پریشانی اور نظام عالم کی خرابی اس کا نتیجہ ہوگا"

تردد و شک کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ امر فی نفسہ محال ہو۔ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ اُسے محال قرار دینے کے لیے ہمیں کافی علم ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے ضعفِ ادراک یا قلتِ علم یا عدمِ بصیرت کی وجہ سے ممکنات کو بھی محال قرار دے لیں۔ اور اس میں تردد و شک کریں۔ یا اس سے انکار کر دیں۔ یا اگر جہالتِ مرکبہ کا جن سوار ہو جائے تو تکذیب کے ٹھیکیدار بن جائیں۔ خدا تعالیٰ ایسے منکروں اور مکذبوں کی حالت بتاتا ہے:۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ؕ (یونس پ۱۱)	یعنے بلکہ جھٹلایا انہوں نے اس شئے (قرآن) کو جس کے سمجھنے پر انہوں نے قابو نہ پایا۔ اور ابھی ان کو اس کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی تھی۔

اسی طرح قیامت کے روز اُن سے فرمائے گا:۔

أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۔	یعنے کیا تم نے میرے احکام کو جھٹلا دیا تھا۔ حالانکہ تم نے اندر روئے علم ان کو پورا سمجھا نہ تھا۔ یا کہو تم کیا

ل مولانا شبلی مرحوم علم الکلام حصہ اوّل میں حافظ ابن حزم رح کے حال میں فرماتے ہیں "مسلمانوں میں جن لوگوں کا فضل و کمال معمولی طاقتِ بشری سے بالاتر خیال کیا گیا ہے۔ ایک ان میں علامہ موصوف بھی ہیں، ان کی تصنیفات قریباً چار سَو مجلد۔ اور اسّی ہزار صفحوں میں ہیں" الخ (صٓ۵۳) ۱۲ منہ۔

Marfat.com

کرتے تھے؟"

(نمل پ۲۰)

دوسری صورت شک یا انکار کی یہ ہے کہ خبر دینے والے کی راست گوئی میں شک ہو۔ یا اس کی کذب بیانی کا علم ہو۔ لیکن اگر بات ہو ممکن اور خبر دینے والا ہو سچوں کا سچا۔ بلکہ خدا کا رسول (صلعم) تو اس کی تصدیق و تسلیم میں ہچکچانا، یا اس میں شک و تردّد کرنا۔ یا معاذ اللہ اس سے انکار کرنا، یا اس کی تکذیب کرنا، ایں چہ؟

غرض یہ سب امور جو قرآن و حدیث میں وارد ہیں۔ سب سچ ہیں۔ ان میں شک کرنے یا انکار کرنے کی وجہ اپنی کوتاہ فہمی یا زیغِ قلبی کے سوائے اور کچھ نہیں۔ وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ (نور پ۱۸) اخیر پر ہم بعض اکابر کی مختصر عبارتیں بھی لکھتے ہیں۔ جن کے علم و فضل کا ڈنکا چار دانگِ عالم میں بج چکا ہے۔ صرف ان کوتاہ بینوں کے لیے جنہوں نے قصرِ معقولات کی ڈیوڑھی دیکھ کر اپنا دماغ خراب کر لیا ہے۔ تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ دنیا جہان کے معقولیوں کے استاد باوجود اتنے علم و فضل کے ان سب امور کے قائل تھے۔ اور ان کی فلسفہ دانی ان کو قرآن و حدیث کی تصریحات کے خلاف ذرہ بھر بھی ڈگمگا نہیں سکی۔ چنانچہ امام غزالی اپنی کتاب اقتصاد فی الاعتقاد[1] میں منکرینِ وزنِ اعمال کا اعتراض ذکر کر کے فرماتے ہیں:۔

(فنقول) قد سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ھذا فقال قد توزن صحائف الاعمال فان الکرام الکاتبین یکتبون الاعمال فی صحائف ھی اجسام فاذا وضعت فی المیزان خلق اللہ تعالیٰ فی کفتھا میلاً بقدر رتبۃ الطاعات وھو علی ما یشاء قدیرٌ۔

(اقتصاد ص۹۰ مطبوعہ مصر)

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم سے اس بات کا سوال ہوا تھا۔ تو آپ نے فرمایا تھا۔ کہ اعمال نامے تولے جائیں گے۔ کیونکہ کراماً کاتبین اعمال کو صحیفوں میں لکھتے ہیں۔ اور وہ اجسام ہیں۔ پس جب وہ میزان میں رکھے جائیں گے تو خدا تعالےٰ اس کے پلڑے میں بقدر طاعات کے رتبے کے میلان پیدا کر دے گا۔ اور وہ جو کچھ چاہے اُس پر قادر ہے۔"

---

[1] امام صاحب ممدوح نے یہ کتاب خاص اس مقصد کے لیے لکھی ہے کہ بے ثبوت روایتوں کے ماننے والوں کی افراط اور بے بصیرت معقولیوں کی تفریط سے بچتے ہوئے حق حق بات ثابت کی جائے۔ اسی لیے اس کا نام اقتصاد رکھا ہے چنانچہ خطبہ کتاب میں اس امر کا امام صاحب ممدوح نے خود ذکر کیا ہے۔ جسے ہم بخوف طوالت نقل نہیں کر سکتے ۱۲ منہ

Marfat.com

۲۔ اسی طرح امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:۔

(احدھما) ان اعمال المؤمن تتصور بصورۃ حسنۃ واعمال الکافر بصورۃ قبیحۃ فتوزن تلک الصورۃ کما ذکرہ ابن عباسؓ (والثانی) ان الوزن یعود الی الصحف التی تکون فیھا اعمال العبد مکتوبۃ وسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عما یوزن یوم القیامۃ فقال الصحف (کبیر جلد چہارم ص۲۸۱)

(پہلی وجہ یہ ہے) کہ مومن کے اعمال اچھی صورت میں متمثل ہوں گے۔ اور کافر کے بری صورت میں، پس وہ صورت وزن کی جائے گی۔ جس طرح کہ حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا۔ (دوسری وجہ یہ ہے) کہ وہ صحیفے جن میں بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں تولے جائیں گے اور رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا گیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا تھا۔ صحیفے تولے جائیں گے۔"

۳۔ اسی طرح علامہ سعد الدین تفتازانی رح فرماتے ہیں:۔

والاعمال توزن صحائفھا او تجعل الحسنات اجساما نورانیۃ والسیئات ظلمانیۃ۔
(مقاصد مطبوعہ مصر جلد ثانی ص۲۲۳)

اور اعمال کا وزن صحیفوں کے تلنے سے ہوگا۔ یا یہ کہ نیکیاں نورانی جسموں میں اور برائیاں ظلمانی جسموں میں متمثل کی جائیں گی۔"

اعمال کا لکھا جانا اور قیامت کے دن اس اعمال نامہ کا پیش ہونا قرآن شریف میں بکثرت مذکور ہے۔ چنانچہ بعض آیات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۰ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا۔
(بنی اسرائیل)
(پ۱۵)

اور ہم نے ہر انسان کی قسمت اس کے گلے کا ہار بنا رکھی ہے اور قیامت کے دن اس کے لیے ایک نوشت نکالیں گے۔ جسے وہ کھلی ہوئی پائے گا (اور اسے کہا جائے گا) اپنی کتاب (اعمال) کو پڑھ لے آج تیری اپنی جان تجھ پر کافی حساب لینے والی ہے"

(۲) هٰذَا كِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔
(جاثیہ پ۲۵)

یہ ہے ہماری نوشت جو تم پر حق حق بولتی ہے بیشک ہم لکھواتے رہتے تھے، جو کچھ تم کرتے تھے۔"

(۳) وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۙ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۙ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ (انفطار پ۳۰)

اور بیشک تم پر محافظ ہیں، یعنے کراماً کاتبین۔ جن کو معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔"

Marfat.com

(۴) وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا۔

(کہف پ ۱۵)

اور رکھی جائے گی (حساب کی) کتاب، پس تو مجرموں کو دیکھے گا کہ وہ اس سے جو اس میں (درج) ہوگا ڈرتے ہوں گے، اور کہیں گے ہائے بربادی ہماری یہ کیسی کتاب ہے۔ کہ اس نے کوئی چھوٹی نہ بڑی بات نہیں چھوڑی مگر وہ اس میں سب کچھ درج ہے۔ اور یہ لوگ اپنے سب اعمال اپنے سامنے موجود پالیں گے اور تیرا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا۔"

اب ہم اس مضمون کو ایک حدیث پر ختم کرتے ہیں، جس پر امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کو ختم کیا ہے۔ امام بخاریؒ اپنی صحیح کے خاتمہ پر عنوان باب یوں باندھتے ہیں:۔

باب قول الله وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ وان اعمال بنی آدم وقولهم توزن۔

یعنے یہ باب ہے خدا تعالیٰ کے فرمان وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ کا اور نیز اس کا کہ بنی آدم کے اعمال واقوال (سب) تولے جائیں گے۔"

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

پھر اس کے ذیل میں حضرت ابوہریرہ رضؓ کی یہ حدیث ذکر کی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

کلمتان حبیبتان الی الرحمان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان، سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم۔

(خاتمہ صحیح بخاری شریف)

دو کلمے ہیں جو خدائے رحمان کو بہت پیارے ہیں۔ زبان پر بہت ہلکے ہیں۔ میزان (اعمال) میں بہت بھاری ثابت ہوں گے۔ وہ یہ ہیں۔ سبحان الله وبحمدہٖ سبحان الله العظیم۔

دیکھئے اس حدیث میں ان کلمات کی نسبت تینوں وصف مذکور ہیں۔ خفت وہلکاپن یعنے زبان پر آسان ہونا) اور ثقل (بوجھ) یعنے میزانِ عمل میں بلحاظ ثواب کے بھاری ہونا) اور محبوبیت یعنی خدا تعالیٰ کے نزدیک ان کا پسندیدہ ہونا۔ ان کی خفت اور محبوبیت میں تو آپ کو کلام نہیں ہوگا باقی رہ گیا ثقل سو اس کے بعد اس کے ماننے میں کچھ بھی مشکل باقی نہیں رہتی۔ یہ کلمات جنس اعراض سے ہیں۔ جنس اجسام سے نہیں ہیں۔ لیکن زبان پر ان کے ہلکا ہونے کو آپ مانتے ہیں۔ ایک چیز آپ ایک جہت سے ہلکا مانتے ہیں۔ تو دوسری جہت سے اس کے بھاری ماننے میں کیوں تامل ہے۔ خفت اور ثقل دو متقابل اور اضافی امر ہیں۔ جب ایک ثابت ہے تو دوسرا ناممکن کیوں ہے؟ اور

Marfat.com

اس کی وجہ یہ ہے۔ ان کے مضمون پر نظر کر کے کہ یہ خداوند تعالےٰ کی تحمید و تسبیح اور اس کی عظمت و جلال پر مشتمل ہیں۔ آپ کا دل اور دماغ اُن کے پسندیدۂ خدا ہونے کو سمجھتا اور مانتا ہے۔ پس خدائے تعالےٰ کے ہاں اس کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہو گی۔ اور وہ ان پر نہایت عظیم ثواب عطا کرے گا خطائیں معاف کر دے گا۔ اور درجات بلند کرے گا۔

فائدہ وزنِ اعمال کا فائدہ یہ ہے۔ کہ بندے کا کیا کرایا سب کچھ اس کے سامنے کر کے اور اس کی کمی بیشی اور ارتکاب و فروگذاشت اور نیکی بدی کا توازن و مقابلہ محسوس طور پر عیاں کر کے اپنے فیصلے کی عدالت ظاہر کر دی جائے تاکہ اُسے کہا جا سکے۔

ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ۔ (حج پ ۱۷)

یعنی یہ فیصلہ اسی کے مطابق ہوا ہے۔ جو تیرے ہاتھوں نے بھیجا تھا۔ اور خدائے تعالےٰ تو اپنے بندوں پر ہرگز ہرگز ظلم روا نہیں رکھتا۔

علامہ عینیؒ شرح صحیح بخاری میں حدیث مذکور الفوق کے ذیل میں فرماتے ہیں:

وفائدتہ اظہار العدل والمبالغۃ فی الانصاف والالزام قطعا لاعذار العباد۔ (جلد ۱۱ ص ۶۳۲)

اس کا فائدہ یہ ہے کہ عدل کو ظاہر کیا جائے اور انصاف کرنے اور ملزم گرداننے میں حد تک پہنچا جائے۔ تاکہ بندوں کے تمام عذر توڑے جا سکیں۔

تَمَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَللّٰهُمَّ ثَقِّلْ مِیْزَانِیْ وَ فَلِّتْ رِهَانِیْ وَاجْعَلْنِیْ فِی النَّدِیِّ الْاَعْلٰی، اٰمِیْن۔

حسابِ اعمال کے بعد جنّت یا دوزخ

(قال تعالیٰ) فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ۔ (شوریٰ پ ۲۵)

ایک گروہ جنت میں جائے گا۔ اور ایک دوزخ میں۔

محاسبۂ اعمال کے بعد صالحین کو جن کے اعمال صالحہ کا وزن بھاری اترے گا ان کے فیصلے کے پرچے یا یوں سمجھیں کہ جنت میں داخل ہونے کی ٹکٹیں یا سندیں ان کے دائیں ہاتھ میں دے کر نہایت عزت و احترام سے جنت میں لے جانے کے لیے فرشتوں کو ساتھ کیا جائے گا۔ اور منکروں اور بدکرداروں کو ان کے فیصلے کے پرچے یا دوزخ کی ٹکٹیں ان کے بائیں ہاتھ میں دے کر گرفتاروں کی صورت میں خدا کے فرشتے آگے سے کھینچ کر اور پیچھے سے دھکیل کر دوزخ کو لے جائیں گے یہ امور قرآن شریف میں متعدد مقامات پر مذکور ہیں۔ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم

Marfat.com

صرف ایک مقام کو نقل کرتے ہیں۔ سورۃ حاقہ پ ۲۹ میں فرمایا۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَاؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَهْ ۝ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۝ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۝ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۝ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ۝ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ۝ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۝ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۝ یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۝ مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۝ هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۝ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْهُ ۝ اِنَّهٗ کَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۝ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۝ فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ ۝ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ ۝ لَّا یَاْکُلُهٗٓ اِلَّا الْخٰطِئُوْنَ ۝

(الحاقۃ)

(پ ۲۹)

سو جس کو ملی اس کی نوشت دائیں ہاتھ میں سو وہ تو کہے گا لیجیو! پڑھیو میری نوشت، مجھے (دنیا میں ہمیشہ) کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مجھے میرا حساب ملے گا۔ پس وہ من بھاتی گذران میں ہوگا۔ عالی (شان) جنت میں، جس کے میوے جھک رہے ہیں۔ کھاؤ اور پیو رچتا پچتا۔ اس پر جو تم نے (دنیا کے) گذشتہ ایام میں (یہاں) بھیجا تھا۔ لیکن جس کو ملی اس کی نوشت بائیں ہاتھ میں سو وہ چلا اُٹھے گا۔ اے کاش نہ دی جاتی مجھے میری نوشت اور نہ سمجھتا میں اپنا حساب، اے کاش کسی طرح یہ حالت ختم ہو جاتی (نہ نفع دیا مجھے میرے مال نے، میری حکومت اور رعب داب سب کچھ جاتا رہا۔ (حکم ہوگا) فرشتو! اسے پکڑو پھر اسے طوق ڈالو۔ پھر اسے جہنم میں لے جا داخل کرو، پھر ایک زنجیر میں جس کا ناپ ستر گز ہے اسے جکڑو۔ کیونکہ یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اور کسی مسکین کے کھانے کی ترغیب بھی نہیں دیتا تھا۔ سو آج یہاں اس کا کوئی بھی حمایتی نہیں۔ اور نہ کھانا مگر زخموں کا دھوون اکوئی نہیں کھائیگا اُسے مگر ایسے ہی خطا کار یا

جنت کی نعمتوں اور دوزخ کی تکلیفوں کا بیان قرآن شریف میں اور احادیث صحیحہ میں نہایت وضاحت اور تفصیل سے ہے۔ اگر ہم ان سب آیات و احادیث کو نقل کریں۔ تو مضمون بہت طویل ہو جائے، اس لیے نظر اختصار ہر دو کے امور متعلقہ جو قرآن شریف میں مذکور ہیں۔ ہم ان کا ملخص بالمقابل دو کالموں میں لکھ دیتے ہیں تاکہ ترغیب و ترہیب ہر دو امر سامنے رہیں۔

(قال اللہ تعالیٰ) اِنَّهُمْ کَانُوْا یُسَارِعُوْنَ فِی — یعنے یہ (انبیاء) نیکیوں میں جلدی کرتے تھے۔ اور

Marfat.com

الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خَاشِعِيْنَ ۝ (انبیاء پ۱۷)

ہمیں شوق سے بھی اور ڈر سے بھی پکارتے تھے۔ اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔

نعمائے جنّت (رَزَقَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی)

۱۔ گھنے اور وسیع سائے۔ جن میں نہ دھوپ لگے نہ گرمی۔ نہ طپش نہ لُو۔ اور نہ جاڑا۔ سرور و شادمانی سے ہشاش بشاش ہوں گے۔ خوف و ہراس اور فکر و غم پاس نہیں پھٹکے گا۔ چہرے چمکتے ہوں گے۔ ان پہ نور برس رہا ہوگا۔ وہ اس چین و خوشی میں سدا رہیں گے۔

۲۔ پینے کو (ٹھنڈے اور میٹھے) چشمے اور نہریں (پانی کی، جو بودار نہ ہوگا، نیز دودھ کی، جس کا مزہ نہ بدلے گا، نیز پاک شراب کی، جس سے نہ نشہ ہوگا۔ نہ خمار، نہ بکواس اور نہ خلافِ تہذیب کوئی کلام کریں گے۔"

۳۔ کھانے کو، انواع و اقسام کے لطیف الکیفیت میوہ جات اور اڑتے جانوروں کا گوشت جن میں غلیظ فضلہ نہیں ہوگا۔ کہ پاخانے کی حاجت پڑے بلکہ ان کی لطافت کی وجہ سے یہ ضرورت پسینے سے رفع ہوجائے گی۔ جو طبی اصول سے ہضم رابع کا فضلہ ہوتا ہے اور علاوہ بریں دیگر جس چیز کی ان کو طلب و خواہش ہوگی وہ فوراً مہیا کی جائے گی۔"

تکالیفِ دوزخ (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھَا)

۱۔ کالک بھرے سہ شاخہ دھوئیں کا سایہ، جس کا سایہ نہ ہوگا۔ اور اس میں کسی قسم کی ٹھنڈک اور آسائش نہ ہوگی۔ بلکہ اوپر سے آگ کی بڑی بڑی چنگاڑیاں برسیں گی، اُن کے چہروں پر غبار اور سیاہی چڑھی ہوگی۔ گویا کہ وہ کالی رات کے ٹکڑے ہیں۔ تیوڑھی چڑھائے اور منہ بنائے ہوں گے، جو لوگ کفر و شرک کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے ان کی خلاصی کبھی نہیں ہوگی۔ بلکہ اسی عذاب و رنج میں ہمیشہ رہیں گے۔"

۲۔ پینے کو۔ کھولتا ہوا پانی، جس سے انتڑیاں بھی کٹ جائیں گے۔ نیز زخموں کی پیپ۔"

۳۔ کھانے کو، تھوہر کا زہریلا درخت، اور ضریع (ایک خار دار جھاڑی جو خشک ہوکر زہریلی ہو جاتی ہے۔"

Marfat.com

نعمائے جنّت

۴ ۔ پہننے کو، باریک اور دبیز نہایت عمدہ ریشم اور سونے اور چاندی کے زیورات ،

۵ ۔ رہنے کو، پاکیزہ اور ستھرے، کئی کئی منزل اونچے عالی شان محلات، جو پُر تکلف، فرنیچر سے سجائے ہیں۔ (قصر در گلزار و اندر قصر گلزار ہوگی)

۶ ۔ فرنیچر ۔ عمدہ سے عمدہ قالین و بالین اور گاؤ تکئے، مسندیں اور جڑاؤ تخت، خوبصورت فرش اور چاندنیاں ۔

÷ ÷ ÷ ÷

÷ ÷ ÷

۷ ۔ ظروف، سونے اور چاندی کے برتن ۔ پلیٹیں آبخورے ایسی چاندی کے کہ سفید بلور کی طرح شفاف ہوں گی ۔

۸ ۔ خدمت کے لیے پاک صورت نوعمر لڑکے مثلِ موتیوں کی

۹ ۔ تاہّل کو ۔ نیک سیرت ۔ خوبصورت ۔ نیچی نگاہ والی شرم و حیا والی ۔ فرمانبردار ۔ بیویاں ۔

۱۰ ۔ فرحتِ روح ۔ بلکہ اس کی حیاتِ ابدی کے لیے دیدارِ خدا کی نعمت (رزقنا اللہ) جو اصل مقصود ہے اور سب نعمتوں سے اکبر و اعظم ہے نیز اس کی درگاہِ بے نیاز سے سلام کا تحفہ اور یہ خوشخبری کہ میں تم سے ایسا خوش ہو گیا ہوں کہ تم سے کبھی ناراض نہ ہوں گا دیں سدا جیو اور عیش و آرام میں رہو ۔

تکالیفِ دوزخ

۴ ۔ پہننے کو، آتشیں لباس ۔ اور رال کے کرتے، جن کو آگ لگ کر بجھے نہ ،

۵ ۔ رہنے کو، آگ سے بھری ہوئی تنگ کوٹھریاں جن میں زنجیروں سے جکڑ کر رکھے جائیں گے ۔

÷ ÷ ÷ ÷

÷ ÷ ÷

۶ ۔ سلوک ۔ کھولتا ہوا گرم پانی، سر کی طرف سے ان کے اوپر ڈالا جائے گا ۔ جس سے بدن کا چمڑہ ۔ اور پیٹ کے اندر کی چیزیں بھی گل جائیں گی، پھر ایسے زخمی بدنوں پر لوہے کی گرزیں اور قمچیاں ماری جائیں گی ۔

۷ ۔ برقنداز ۔ سخت خو ۔ قہر بھرے فرشتے جو بموجب حکم خدائے تعالٰے کے سزا دینے میں کچھ بھی نرمی نہ کریں گے

۸ ۔ دربارِ خداوندی سے اور تمام فرشتوں کی طرف سے لعنت کی بوچھاڑ برستی رہے گی ۔

÷

(اعاذنا اللہ منہ)

÷ ÷ ÷ ÷

Marfat.com

ردِّ شبہات واعتراضات

تفصیل مذکورہ بالا پر نظر کرنے سے ہر شخص بلا اشتباہ اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے۔کہ یہ سب نعمتیں اور تکلیفیں جسمانی ہیں۔ اور قرآن وحدیث میں اس قسم کی جنّت دوزخ کا بیان ہے۔صحابہؓ کی مقدّس جماعت جو اپنی زبان کو دوسروں کی نسبت اچّھا سمجھتے تھے۔اور اس کے مجازات واستعارات کو خوب پہچانتے تھے۔اور آفتاب نبوت کے سامنے بیٹھ کر اکتسابِ انوار کرتے تھے۔ وہ اسی طرح مانتے رہے اور ان سے لے کر آج تک تمام بزرگانِ شریعت اور ہادیانِ طریقت جن میں سے کثرت سے اصحابِ مکاشفات بھی تھے اسی طرح مانتے چلے آئے۔اور اس میں کچھ بھی شک نہیں۔کہ اسلام جسمانی جزا وسزا کا قائل ہے۔کیونکہ وہ حشرِ جسمانی کا قائل ہے۔جس پر جزا سزا کی نوعیّت کی بنیاد ہے۔

بعض لوگوں کو ایسی جزا سزا کی نسبت شبہات واعتراضات پیدا ہو گئے۔صرف اس لیے کہ جنّت دوزخ کی ایسی حقیقت ان کی عقل کے تنگ پیمانے میں ٹھیک نہیں آتی۔یہ سمجھنا کہ ہمارا علم محدود ہے۔اور عقل ناقص ہے۔اُن کے لیے سخت دشوار ہے۔لیکن یہ کہنا کہ قرآن وحدیث کی یہ تصریحات درست نہیں۔اور صحابہ رضؓ نے ان آیات کی جو تفسیر وتعبیر بتائی ہے۔وہ صحیح نہیں ہے۔بہت آسان ہے۔

یہ معترض دو طرح کے ہیں۔اوّل منکرینِ اسلام جو سرے سے اسلام کی تصدیق ہی نہیں کرتے۔دوم وہ مسلمان جو اسلام کے تو قائل ہیں۔لیکن علم کی کمی یا فہم کی کجی کے سبب منکرین کے اعتراضات سے متاثر ہو گئے۔اور قرآن وحدیث کی صاف وصریح عبارات کی ایسی بے قاعدہ تاویلیں گھڑنے لگ گئے۔کہ اگر ان کو بجائے تفسیر وتعبیر کے قرآن کی ترمیم وتحریف کہیں تو بجا ہے۔

ان ہر دو فریق نے سوائے استہزا اور تحقیر کے انکار کی کوئی دلیل و وجہ بیان نہیں کی۔اور حقیقت کو عمداً اپنے خیال کے سانچے میں ڈھال کر ایسی مکروہ صورت میں بیان کیا ہے کہ وہ قابلِ اعتراض ولائق استہزا سمجھی جائے۔اور یہ طریق دیانت وشرافت کے خلاف ہے۔

ہمارے ملک میں زمانۂ قریب میں دو بزرگ ہوئے ہیں۔ایک منکرِ اسلام۔دوسرے قائلِ اسلام وہ صاحب تو ہندو مت کی شاخ تراشی میں مصروف رہے۔اور یہ صاحب اسلام کی کتر بیونت

Marfat.com

اور ترمیم کی خدمت بجالاتے رہے اگر ایک نے منکرِ اسلام ہو کر جنّت کو طوافِ نہانہ کہا تو دوسرے نے اسلام کا اقرار کرتے ہوئے اُسے خرابات سے بدتر کہا لطف[۱] یہ کہ دس[۱] بیس[۲] درجے بدتر نہیں۔ بلکہ ہزار درجہ بدتر، غرض استہزا اور تمسخر اور خلافِ منشا ئے قرآن سخن سازی میں کسی نے بھی کسر نہیں رکھی چنانچہ ہم دونوں بزرگوں کی بعض عبارتیں بالمقابل دو کالموں میں لکھ کر فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ ان دونوں میں مقابلہ کر کے ہر ایک کو اس کی قابلیت کے لحاظ سے خود نمبر دے دیں:

منکرِ اسلام

بھلا اس قرآن کی بہشت میں دنیا سے بڑھکر کون سی عمدہ شئے ہے جو چیزیں دنیا میں ہیں وہی مسلمانوں کی بہشت میں ہیں اور اتنی زیادتی ہے کہ یہاں جیسے آدمی مرتے اور پیدا ہوتے اور آتے جاتے ہیں اسی طرح بہشت میں نہیں۔ مگر یہاں عورتیں ہمیشہ نہیں رہتیں اور وہاں بیبیاں ہمیشہ[۱] رہتی ہیں جب تک قیامت کی رات نہ آوے گی۔ تب تک ان بے چاریوں کے دن کیسے گذرتے

قائلِ اسلام

یہ سمجھنا کہ جنت مثل[۱] ایک باغ کے پیدا ہوئی ہے۔ اس میں سنگِ مرمر اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں۔ باغ میں شاداب و سرسبز درخت[۲] ہیں۔ دودھ اور شراب کی نہریں بہ رہی ہیں۔ ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود[۳] ہے۔ ساقی اور ساقنیں نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے یہاں گھوسنیں پہنتی ہیں۔

۱؎ جب یہ سب کچھ مانتے ہو تو دنیا اور جنّت کی چیزوں میں فرق کیوں نہیں سمجھ سکتے۔ سنئے! دنیا عالمِ کون و فساد اور عالمِ فنا ہے اس لیے یہاں کی چیزیں فانی اور حقیر ہیں۔ اور عالمِ آخرت عالمِ بقا ہے۔ اس لیے اس کی چیزیں اعلےٰ اور دائم رہنے والی ہیں۔ قرآن شریف نے یہ سب کچھ دو حرفوں میں بتلا دیا ہے وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى (اعلےٰ پ۳۰) یعنی عالمِ آخرت بہتر بھی ہے اور دائم رہنے والا بھی ہے ۱۲ منہ

۱؎ جناب! جنت تو خود باغ کو کہتے ہیں۔ پھر مثل کہنے کے کیا معنے ۱۲ منہ

۲؎ واہ جی! کیا خوب کہا باغوں میں سرسبز درخت نہیں ہوتے تو کیا آگ کے انگارے ہوتے ہیں ۱۲

۳؎ قرآن شریف میں تو ایسا ہی مذکور ہے دیکھو فہرست نعمائے جنّت مذکورہ بالا (رسـ) اگر آپ کو اس سے انکار ہے تو کچھ معلوم ہے کہ قرآن کی تصریحات سے انکار کرنیوالا کون ہوتا ہے ۱۲ منہ ۴؎ پھر آپکے قول کے مطابق تو باغ وہ ہونا چاہیئے جس میں کھانے کو سوائے خاک کے کچھ بھی نہ ہو تو پھر اجاڑ کس کا نام ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

منکرِ اسلام

ہوں گے[1] × × × × مسلمانوں کا بہشت گو کلٹے گوسائیوں کے گولوک اور منیدر کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ جہانکہ عورتوں کی تعظیم[2] و تکریم بہت ہے آدمیوں کی نہیں، اسی طرح خدا کے گھر میں عورتوں کی قدر بہت ہے۔ اور ان سے خدا کی محبت[3] آدمیوں کی نسبت زیادہ تر ہے۔

ستیارتھ اعتراض ۱؎

قائلِ اسلام

شراب پلا رہی ہیں[1]۔ ایک جنتی ایک کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے۔ ایک نے ران[2] پر سر دھرا ہے۔ ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے۔ ایک نے لب جان بخش[3] کا بوسہ لیا ہے کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا[4] ہے

۱؎ جس طرح نیک، اور پاک، دیویوں کے دن گذرا کرتے ہیں ۱۲ منہ

۲؎ عورت کی عزت تو شرافت، قوم کی علامت ہے۔ سوامی جی کہاں جا رہے ہیں، ۱۲ منہ

۳؎ خدا کی محبت جن معنوں سے سوامی جی بیان کر رہے ہیں وہ نہ تو قرآن کا منشا ہے اور نہ اس میں مذکور ہے اور نہ خداتعالے کی نسبت ایسے کلمات کہنے دھرماتما لوگوں کا کام ہے۔ لیجئے ہم سوامی جی کو ان کی شکل ان کے اپنے آئینے میں دکھاتے ہیں ہم

"بہت لوگ ایسے ضدی اور متمرد ہوتے ہیں۔ کہ وہ متکلم کے خلاف منشا تاویل کرتے ہیں۔ خصوصاً مذہب والے لوگ۔ کیونکہ مذہب کے پاس خاطر سے ان کی عقل تاریکی میں پھنس کر زائل ہو جاتی ہے۔

(دیباچہ ستیارتھ ص ۳)

۱؎ یہ بات سفر لندن میں سمجھی ہوگی۔ کیونکہ وہاں کی لیڈیاں گھونسوں کے سے زیورات نہیں پہنتیں۔ قرآن وحدیث کی تصریحات کی تحقیر اور پھر ایسی بری طرح ؟ توبہ استغفر اللہ ! یہ مومن کا کام نہیں ۱۲ منہ

۲؎ بڈھے میاں نے اپنے تخیلات کا فوٹو کیسے دلکش پیرائے میں کھینچا ہے۔ اپنے مرجھائے ہوئے کنول کو تخیل ہی سے تازہ اور افسردہ دل کو خوش کر لیا ہے۔ ۱۲ منہ

۳؎ اسے بھی صریح الفاظ میں ظاہر کر دیتے۔ کون مانع تھا۔ جو چیز مانع ہو سکتی ہے۔ وہ تو آپ پہلی باتوں میں اٹھا چکے۔ اب اخیر پر جھجک جانے کی کیا وجہ ۱۲ منہ

Marfat.com

منکرِ اسلام

۲۔ بھلا یہ بہشت ہے یا طوائف خانہ؟[۱]

ستیارتھ اعتراض ۴۶

۳۔ کیونکہ جب میوے کھاویں گے۔ گلاسوں میں پانی پیویں گے اور پیالوں سے شراب پیویں گے۔ تو کیا ان کا سر نہ دکھے گا[۲] اور کیا کوئی بے جا نہ بولے گا[۳] اور اگر شراب کباب پی کھا کر مست ہوتے ہیں تو۔ حور و غلمان بھی وہاں ضرور رہنی چاہئیں نہیں تو ایسے نشہ[۴]

قائلِ اسلام

کوئی کسی کو نے ہیں کچھ[۱]۔ بیہودہ[۲] ہے۔ جس پیر تعجب ہوتا ہے۔ اگر یہی ہے[۳] تو بے مبالغہ[۴] ہمارے ہے

---

[۱] ہاں جناب والا! یہ بہشت ہے طوائف خانہ نہیں ہے طوائف خانے کاشی میں ہوں گے۔ یا اس جگہ ہوں گے جہاں بیگانی عورتوں سے نیوگ کرایا ہے۔ اپنی بیوی کو طوائف نہیں کہتے ۱۲ منہ

[۲] نہیں جناب! نہ سر دکھے گا۔ نہ بے جا بولیں گے نہ مست ہوں گے۔ قرآن شریف میں ان سب امور کی نفی موجود ہے۔ دیکھو فہرست نعمائے جنت مذکورہ بالا برص ۱۲ منہ

[۳] حوریں منکوحہ ہوں گی نہ غیر قرآن کہتا ہے۔ وَزَوَّجْنٰهُم بِحُوْرٍ عِيْنٍ۔ (دخان پ ۲۵) اور غلمان خدمت کیلیے ہوں گے ۱۲ منہ

[۴] جناب! وہ نہایت پاک اور لذیذ و مفرح آبِ حیات ہوگا۔ اس سے نشہ کیسے آئے۔ وہ بھنگ نہیں ہے جس سے سوامی جی کو کبھی الفت تھی ۱۲ منہ۔

[۱] جناب والا! بیہودگی تو یہ ہے۔ کہ صاف سیدھی بات میں بھی کجی نکالی جائے ۱۲ منہ

[۲] اس سے زیادہ تعجب تو جناب پر ہے۔ کہ اس پیرانہ سالی میں بھی ایسے تخیلات شباب پر ہیں ۱۲ منہ

[۳] شکر ہے کہ آپ نے خرابات کو ہزار درجہ بہتر بتانے میں مبالغہ نہیں کیا۔ ورنہ اگر مبالغہ کرتے تو خدا جانے کتنے درجے بہتر بنا ڈالتے ۱۲ منہ

[۴] ایں ہیں! ان کا ٹھیکہ کب لیا تھا۔ کہ ان کو اپنی طرف نسبت کر دیا۔۔۔۔۔۔ آپ کا وقار نہایت زیادہ ہے آپ ایسی باتیں کرتے ہیں۔ تو ہماری عقیدت کو ٹھیس لگتی ہے ۱۲ منہ [۵] ہاں جناب! جنت ہے تو ایسی ہی آگے آپ کا اختیار ہے۔ چاہے۔ وہاں قدم رنجہ فرما کر اسے زیب دیں۔ چاہے نہ فرمادیں ۱۲ منہ

Marfat.com

قائلِ اسلام	منکرِ اسلام
خرابات[1] اُس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ (تفسیر احمدی جلد اوّل ص۳۸)	سر میں گرمی پڑھ جانے سے پاگل ہو جاویں گے۔ (استفسار جواب اعتراض ص۱۴۱)

ان ہر دو بزرگوں کے جواب میں اوّل تو اسی قدر کافی ہے۔ کہ ایسے تمسخر اور استہزا اور خیالی نقشہ بنانے سے اتنا تو معلوم ہو گیا۔ کہ ان کے اپنے خیالات کا میلان اور جذبات کی کشش کدھر کو ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ ان ہر دو صاحبان نے یہ کتابیں اس زمانے میں لکھیں جب وہ اپنی عمر کا وہ حصّہ جس میں ان جذبات کی کشش بے لگام ہوتی ہے۔ گذار چکے تھے اور اس سٹیج پر پہنچ چکے تھے۔ جس پر متانت و سنجیدگی اور حجاب و حیا طبعاً غالب آجاتے ہیں۔ اور انسان کے نفسانی جذبات بے قابو نہیں رہتے۔ لیکن ان بزرگوں کے دل و دماغ میں اس پیرانہ سالی میں بھی جوانی کی

---

[1] اچھا جناب! جو جگہ آپ کو بہتر نظر آئے وہاں جائیے۔ کسی کو کیا؟ ہر نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی، ہاں اتنا عرض کر دینا ضروری جانتے ہیں کہ طوائف خانوں میں اور خرابات میں بیگانی اور غیر منکوحہ بدکار عورتیں ہوتی ہیں۔ اور بدکار مرد وہاں پر گر پڑے ہوتے ہیں۔ لیکن جنت میں ازواج مطہرۃ پاک منکوحہ بیویاں ہوں گی قاصرات الطرف شرم حیا والی ہوں گی۔ اور محلات جن میں وہ جنتی مع اپنی نیک پاک بیویوں کے آباد ہوں گے۔ خدا کی دین سے ان کے اپنے ہوں گے۔ خرابات کے کوٹھے نہیں ہوں گے۔ سو اپنے مکان میں اپنی منکوحہ بیوی سے ایسے تعلقات معیوب نہیں ہیں ورنہ... بے ادبی معاف..... اس پر بھی آپ خرابات کو جنت سے بے مبالغہ ہزار درجہ بہتر کہیں اور منکوحہ بیوی پر طوائفوں کو ترجیح دیں تو آپ کی مرضی، نیز یہ عرض کریں گے۔ کہ جنت ایمان و اعمال صالحہ پر ملے گی۔ جو مشکل کام ہے اور خرابات میں جانے کے لیے ایمان و اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہاں تو اس بوجھ کو اتار کر جاتے ہیں۔ غالباً اسی لیے آپ نے اُسے جنت پر ترجیح دی ہو گی۔ اللّٰھم اغفر ۱۲ منہ

معذرت:۔ ہم نے ان حواشی میں خلاف عادت ایسا طرز جواب اختیار کیا ہے۔ ناظرین معاف کریں کیونکہ جب انہوں نے قرآن و حدیث کی تصریحات کو اور بزرگانِ دین کی مسلمات کو ایسے مکروہ پیرائے میں بیان کیا۔ اور ان کا تمسخر اڑایا۔ تو ان کے مقابلے میں ہمیں ان صاحب کا لحاظ کیا رہ ہے ہم نہ وہ طعنے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے "اس پر بھی ہمارے دل پر بوجھ ہے اور اس کا پی پر پہنچ کر کئی روز تک کتابت کا کام بند رکھنا پڑا، آخر مجبوری ہی لکھنا پڑا (۲۰) منہ ۱۲

Marfat.com

ہوسات موجزن تھیں۔ سچ ہے ؏

پیرے کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است"

اس کے بعد گذارش ہے۔ کہ جو جو رے تصورات ان ہر دو بزرگوں کے دماغ شریف میں سمائے ہوئے ہیں۔ خدا کی جنت ان سب سے پاک ہے۔ اور قرآن شریف میں بوضاحت ان کی نفی آچکی ہے۔ جیسا کہ فہرست نعمائے جنت سے ظاہر ہے جو نقشہ ان صاحبوں نے جمایا ہے۔ وہ قرآن کے منشاء کے مطابق نہیں ہے۔ ان کو اپنے ہی خیالات کا عکس نظر آگیا ہے، انگریزی میں مثل ہے:۔ Evil is to him who evil thinks.

یعنے "بلی کو چھچھڑوں کے خواب"

باقی رہا تحقیقی جواب، سوال کی نسبت گذارش ہے کہ ان نعمتوں اور تکلیفوں کے جسمانی ہونے کی بنا حشر جسمانی پر ہے۔ اگر اسلام حشر جسمانی کا قائل ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں قرآن و حدیث کی بیان کردہ نعمتیں اور تکلیفیں جسمانی نہ ہوں۔ سو ہم خدا کے فضل سے حشر جسمانی کا امکان الگ فصل میں بیان کریں گے۔ اس مقام پر ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عقل سلیم کے رُو سے یہ امور ممتنع نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کا انکار عقلمندی نہیں ہے۔ تشریح اس کی یوں ہے کہ عقلی استدلال کی تین صورتیں ہیں۔ حجت استقرائی۔ قیاس[۲] اور تمثیل[۳]۔ امور جنت و دوزخ کے متعلق ان میں سے صرف حجت استقرائی کو استعمال کر سکتے ہیں۔ کہ نعمائے جنت اور تکالیف دوزخ کی جو حقیقت اور کیفیت قرآن و حدیث میں وارد ہے۔ وہ ان حقائق و کوائف سے دگرگوں ہے۔ جو ہمارے مشاہدے اور علم میں آتی رہتی ہیں۔ بس اس کے سوا دیگر کوئی صورت عقل کے رُو سے جائز نہیں ہے۔ سوال کے جواب میں گذارش ہے کہ دگرگوں ہونا امر دیگر ہے۔ اور ناممکن ہونا امر دیگر ہے۔ دگرگوں کو ناممکن نہیں کہہ سکتے" اس کی تشریح یوں ہے کہ علمائے منطق کے نزدیک استقرا کی دو قسمیں ہیں۔ تام اور ناقص[۴]۔ تام یہ کہ جمیع ہم جنس جزئیات موجودہ کو نظر میں رکھ کر اور کامل طور پر ان کی جانچ پڑتال اور ان کے تمام جموع و فروق کی دیکھ بھال کے بعد ان سب پر ایک حکم کلی لگایا جائے۔ جو سب پر برابر طور پر حاوی ہو۔ اور ناقص یہ کہ اکثر جزئیات پر نظر کر کے اور ان کے بعض کوائف مشترکہ کو دیکھ کر ایک حکم کلی لگا دیا جائے۔ پہلی قسم یعنے استقرا تام مفید یقین ہوتا ہے۔ اور دوسری قسم یعنے استقرا۔ ناقص مفید یقین نہیں ہوتا۔ چنانچہ شرح مطالع میں ہے:۔

Marfat.com

الاستقراء ... اما تام ان كان حاصرا لجميع الجزئيات ... وهو يفيد اليقين واما غير تام ان لم يكن حاصرا وهو لا يفيد اليقين بجواز ان يكون حال ما لم يستقرء بخلاف حال ما استقرئ۔

(شرح مطالع مطبوعہ استنبول ص۳۱۴ ملخصاً)

استقراء ...... یا تو تام ہوتا ہے۔ اگر جمیع جزئیات کو حصر کرے .... اور وہ مفید یقین ہوتا ہے یا غیر تام (ناقص) ہوتا ہے۔ اگر (سب جزئیات) کو حصر نہ کرے اور وہ مفید یقین نہیں ہوتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جس چیز کا استقراء نہیں کیا گیا۔ اس کا حال اس کے خلاف ہو جس کا استقراء کیا گیا ہے۔

اور یہ مسلّم ہے کہ نہ تو موجوداتِ عالم کی جزئیات خدا کے سوا کسی کے حصر و احاطہ میں ہیں۔ اور نہ ان کے کوائف و خواص کسی کے علم میں۔ اور نہ خدا تعالےٰ کی قدرت کی کوئی حد ہے کہ اس سے پرے اس کا زور ٹوٹ جائے۔ اور نہ اس کی حکمتوں کی کوئی انتہا ہے۔ کہ وہاں تک ختم ہو جائیں۔ لہٰذا ہم اپنے ناقص مشاہدات و تجربات و استقراء کی بنا پر جو کچھ بھی حکم لگائیں گے۔ وہ مفید یقین نہیں ہوگا لہٰذا ہمارا انکار کوئی معقول بات نہ ہوگی۔ قرآن شریف اپنے منکروں کی نسبت فرماتا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ۔ (یونس پ۱۱)

یعنے ان منکروں نے ایسی بات کی تکذیب کی ہے۔ جس کا ان کو احاطہ نہیں ہوا اور ابھی ان کو اس کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی۔

قرآن شریف کی اس مختصر بات کو متأخر معقولیوں کے پیر استاد شیخ بوعلی سینا نے اپنی کتاب اشارات کے اخیر میں بعنوان نصیحت کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے:

اياك وان تكون تكيسك وتبرئك عن العامة هو ان تنبري منكرا لكل شيء فذلك طيش وعجز وليس الخرق في تكذيبك ما لم تستبن لك بعد جليته دون الخرق في تصديقك ما لم تقم بين يديك بيّنة بل عليك الاعتصام بحبل التوقف وان ازعجك استنكار ما يوعاه سمعك ما لم تتبرهن استحالته لك فالصواب ان تسرح امثال ذالك الى بقعة الامكان

(اے عقلمند!) تو اس امر سے پرہیز کر کہ عام لوگوں سے تیری ہوشمندی اور امتیاز صرف اسی بات سے ہو کہ تو ہر امر سے انکار ہی کر دے کیونکہ یہ تو طیش اور عاجزی ہے۔ تجھے جس امر کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی اس کی تکذیب کر دینا اس بات کی تصدیق کرنے سے کم (بے عقلی) نہیں ہے۔ جب تک کہ تیرے پاس کوئی دلیل قائم نہ ہوگئی ہو۔ بلکہ تجھ پر لازم ہے۔ کہ تو توقف کی رسّی سے اپنا بچاؤ کرے اگرچہ تجھے ان باتوں کا انکار جو تیرے کان میں پڑی ہیں

Marfat.com

مالم یذدک عنہ قائم البرہان	پھسلا دیوے۔ جب تک کہ تجھ پر ان کا محال ہونا
واعلم ان فی الطبیعۃ عجائب وللقوے	صاف طور پر واضح نہ ہو جائے۔ پس درست یہی
العالیۃ الفعّالۃ والقوی	کہ تو ایسی باتوں کو امکان کے میدان میں لے جائے
السافلۃ المنفعلۃ	جب تک کہ تجھے کوئی یقینی دلیل کا محافظ نہ روکے
اجتماعات علے	اور تو یہ جان رکھ کہ طبیعت میں بڑے بڑے عجائبات ہیں
غرائب۔	اور علوی اثر انداز قوٰی اور سفلی اثر پذیر قوٰی کے اجتماع
(شرح اشارات مطبوعہ مصر جلد ثانی صفحہ ۱۴۳)	میں بڑے بڑے نادر نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

اور مولانا شبلی مرحوم الکلام حصہ دوم میں فرماتے ہیں :۔

"۱۸۹۱ء میں جو علمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کے ایک جلسہ میں پروفیسر لودج نے جو بڑا ریاضی دان ہے۔ ایک لکچر دیا۔ اور روح کے متعلق تقریر کرتے وقت کہا کہ :۔

"اب وہ وقت آگیا ہے۔ کہ مادی اور روحانی عالم میں اب تک جو حد فاصل تھی۔ وہ ٹوٹ جائے جس طرح اور بہت سی حدیں ٹوٹ گئیں۔ اس طریقہ سے ثابت ہو جائے گا کہ ممکنات کی کچھ انتہا نہیں۔ اور یہ کہ جس قدر ہم جانتے ہیں۔ وہ بمقابلہ ان چیزوں کے جو ہم کو معلوم نہیں ہیں کچھ بھی نسبت نہیں رکھتیں" (صفحہ ۴۴)

صدہا باتیں جو آگے تسلیم نہیں کی جاتی تھیں۔ بلکہ ان پر ہنسی اڑائی جاتی تھی۔ اب حقیقتہً منکشف ہو رہی ہیں۔ اور عقل اپنے ضعف کا اقرار کرتے ہوئے اپنے پچھلے جاہلانہ انکار پر افسوس کر رہی ہے۔

غرض جب ہم ہزار برس سے اب تک عالم کون و فساد کی موجودات کا اور اُن کے جمیع کوائف و خواص اور اسرار و عجائبات کا جو ہمارے پیش نظر ہیں۔ احاطہ نہیں کر سکے تو عالم بقا کی اشیاء جو ہماری نظر سے غائب اور ہمارے فہم سے بالا ہیں۔ ان پر یہاں ہی سے اندھیرے میں بیٹھے ہوئے

ل محال دو قسم پر ہے عقلی اور عادی۔ عقلی ممتنع ذاتی یعنی ناممکن ہوتا ہے مثلاً اجتماع ضدین اور ارتفاع نقیضین اور خدا کا شریک لیکن عادی۔ ممکن بالذات ہوتا ہے۔ اگر علل و اسباب موجبہ کے ساتھ خدائے حکیم کا ارادہ منضم ہو گیا۔ تو وہ صادر و موجود ہو گیا۔ ورنہ نہیں۔ مگر وہ اپنی ذات میں ممکن ہوتا ہے موثر اور واقع صرف خدا کا ارادہ ہوتا ہے۔ علل و اسباب محض وسائط ہیں۔ فافہم فانہ دقیق ولطیف ۱۲ منہ

Marfat.com

اندھا دھند تیر اندازی کرنا بقول شیخ بوعلی سینا عقل کے پیچھے لٹھ لے کر پڑنا نہیں تو کیا ہے؟

حاصل کلام یہ کہ ایسے حقائق و کوائف جو اس عالم کے حقائق و کوائف سے دگرگوں ہوں۔ ممکن ہیں۔ اور خدا تعالے جمیع ممکنات پر قادر ہے۔ کوئی چیز اس کے مقدور سے خارج نہیں۔ اور نہ کوئی طریق کار اس کی حکمت سے بالاتر ہے۔

دیگر یہ کہ اس عالم میں ہزار ہا اجناس ہیں۔ جن کی حقیقتیں مختلف ہیں۔ اور ان اجناس کے ماتحت لکھوکھا انواع ہیں۔ اور ہر نوع کی اتنی مختلف المدارج اصناف ہیں۔ کہ باوجود نوعیت میں متفق ہونے کے آپس میں ان کی نسبت قائم نہیں کر سکتے۔ ہیرا۔ زمرد۔ لعل۔ یاقوت۔ یشب۔ فیروزہ سب پتھر ہیں۔ لیکن سنگ مرمر وغیرہ پتھر باوجود قیمتی ہونے کے ان کے مقابلے میں کیا ہیں۔ اور پھر معمولی پتھروں کو ان سے کیا نسبت ہے؟ یہی حال دیگر اجناس اور انواع اور اصناف میں سمجھ لیجئے۔ تو جس صانع حکیم و قدیر نے اس عالم میں ایسی مختلف الحیثیت اشیاء پیدا کیں ہیں۔ کہ ان میں سوائے اسمی مشارکت کے کسی اور قسم کی شراکت نہیں ہے۔ اس سے کیا بعید ہے۔ کہ وہ اس عالم بقا میں ایسی اشیاء پیدا کر دے۔ جن سے یہاں کی اشیاء کو سوائے اسمی مشارکت کے کوئی اور مناسبت نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضؓ سے نعمائے جنت کے متعلق جو یہ روایت ہے کہ "جنت میں دنیا کی چیزوں میں سے سوائے ناموں کے کچھ نہیں ہے"

اس کے یہی معنی ہیں کہ قرآن شریف میں جو یہ وارد ہے کہ جنت میں کھجور۔ انگور۔ انار وغیرہ میوہ جات ہوں گے۔ تو دنیا کے ان میووں اور جنت کے ان میووں میں صرف اسمی مشارکت ہے کہ ان کے بھی یہی نام ہوں گے۔ ورنہ ان کی حقیقت۔ حیثیت۔ اور کیفیت ان دنیوی چیزوں سے اتنی مختلف اور بلند ہے کہ ان کو ان سے کوئی نسبت ہی نہیں اور یہی معنے ہیں اس حدیث قدسی کے جو بخاری و مسلم میں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:-

أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ۔

(مشکوٰۃ ص۴۸۶)

یعنے میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں، اور نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی بشر کے دل پر ان (کی نیرنگی) کا خیال گذرا ہے۔

اور یہی حاصل ہے سورت سجدہ کی اس آیت کا۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن

یعنے وہ آنکھوں کی جو ٹھنڈک صالحین کے لیے

قُرَّةِ اَعْيُنٍ - پوشیدہ رکھی ہوئی ہے - وہ کسی نفس کو معلوم نہیں۔

کیونکہ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ترکیب نحوی میں مَآ اُخْفِيَ کا بیان ہے - یا اس سے مراد دیدار الٰہی ہے جو اصل مقصود اور سب نعمتوں سے بالا نعمت ہوگی -

غرض ایسی آیات و احادیث جو نعمائے جنّت کی حقیقت و نوعیّت اور کیفیت و حیثیت کے متعلق ہیں - ان میں قرآن و حدیث کی تصریحات کے خلاف صرف اپنے زیغِ قلبی یا قلّتِ علم و فہم کی بنا پر تاویل کی گنجائش نہیں ہے - اور یہ کہہ دینا کہ بھی ہمارا جی نہیں مانتا کہ جنّت میں ایسی جسمانی نعمتیں ملنی چاہئیں - کیونکہ یہ عیاشی وہاں پر مناسب نہیں - اس کے جواب میں گذارش ہے کہ کسی امر کی حقانیت جی کے ماننے یا نہ ماننے پر موقوف نہیں - حق ایک حقیقت نفس الامری ہے - کسی کے جی میں اترے یا نہ اترے - پس آپ جی کے ماننے کا عذر چھوڑ دیں - کیونکہ عقلاء کے نزدیک یہ کوئی وجہ انکار نہیں ہو سکتی - اور عیاشی کے متعلق گذارش ہے کہ خدا کی نعمتوں کو اس کے بتائے کردہ طریق سے اس کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا عیاشی نہیں کہلاتی - بلکہ اسے قدردانی کہتے ہیں - جس سے مالک خوش ہوتا ہے -

دیگر یہ کہ دنیا میں یہی جسمانی نعمتیں ہیں - کہ خدا تعالے ان کا احسان جتاتا ہے - اور اپنی ربوبیت کا نظام دکھا کر اپنی اطاعت و عبادت کا حکم کرتا ہے اور پھر یہ کہ انہی انعاماتِ جسمانیہ کو آپ دنیوی جزا سزا میں پسند بھی کرتے ہیں اور خدا کا فضل و کرم جانتے ہیں - اور ان کے زائل ہو جانے اور تباہ و برباد ہو جانے کو اُس کا غضب شمار کرتے ہیں - پھر کیا وجہ ہے کہ اگر جنّت میں جسمانی نعمتیں ایسے طریق پر ملیں جو ان سے بدرجہا بہتر ہوں اور خدا تعالے انہیں اپنا فضل کہے - فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ - (پ۲۵ دخان) تو آپ ان سے کنیاتے ہیں اور عیاشی قرار دیتے ہیں -

دیگر یہ کہ وہاں محض جسمانی نعمتیں ہی نہیں ہوں گی - بلکہ ان سے اوپر روحانی بھی ہوں گی، جس طرح کہ یہاں دنیا میں ظاہری بھی ہیں - اور باطنی بھی، چنانچہ احساناً و امتناناً فرمایا:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدا تعالے نے تمہارے کام میں لگا رکھی ہے - ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں - اس پر بھی بعض لوگ ایسے ہیں - کہ وہ خدا کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے

Marfat.com

(سورۃ لقمان) | اور بغیر کسی روشن کتاب (منزل من اللہ) کے جھگڑا

(پ ۲۱) | کرتے رہتے ہیں "

پس جس طرح دنیا میں ظاہری اور باطنی ہر دو طرح کی نعمتیں ہیں۔ اور ان میں منافات نہیں ہے اور آپ ان سے خوش ہوتے ہیں۔ اور ان پر خدا کا شکر بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح عاقبت میں بھی ہر دو طرح کی ظاہری و باطنی نعمتیں ہوں گی۔ ان دونوں میں منافات نہیں ہے۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی ہمیشہ ملحوظ رہے۔ کہ وہاں کی ظاہری نعمتیں یہاں کی ظاہری نعمتوں سے ہر کیف میں نہایت اعلٰے ہوں گی۔ اور باطنی نعمت مثلاً دیدار خدا جو ہے۔ سو اس کے کیا کہنے؟ اور اس سے دوسری نعمتوں کو کیا نسبت؟ یہی تو اصل مقصود ہے۔ باقی سب اس کے اظلال ہیں۔ کہ جب خدا تعالےٰ کی رضامندی و خوشنودی حاصل ہو گئی۔ تو دیگر جملہ نعمتیں اس پر متفرع ہو جائیں گی۔ کیونکہ یہ سب نعمتیں خدا تعالےٰ کی خوشنودی کی علامات ہیں۔ اصل مقصد نہیں ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں جا بجا ابتغائے مرضات اللہ اور ابتغائے وجہ اللہ کا ذکر ہے۔ اور اس کے عقب میں نعمائے جنت کا بھی بیان ہے۔ چنانچہ سورہ دہر پ ۲۹ میں ان ہر دو امور کا بالصراحت اور مفصل بیان ہے۔ جسے ہم بخوف طوالت نقل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح سورہ کہف کے اخیر میں فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا۔ (کہف پ ۱۶)

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے ہمیشگی کے باغات سے ان کی مہمانی ہو گی "

اس مقام پر جنت الفردوس کو مہمانی کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ اور حدیث سے ثابت ہے کہ سب جنتوں سے اعلےٰ جنت جنت الفردوس ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جنت کی تمام نعمتیں سوائے دیدار الٰہی کے خدا تعالےٰ کی خوشنودی کی علامت ہیں مہمانی ہیں۔ ایمان اور اعمال صالحہ سے مومن کا اصل مقصود خداوند تعالےٰ کی رضا جوئی ہے۔ کیونکہ مالک جب خوش ہو تو وہ انعام و اکرام سے نوازا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ سب سے زیادہ صاحب کرم ہے اس کی شان کے لائق یہی ہے کہ وہ اپنے فرمانبردار بندوں کو انعام و اکرام سے نوازے "

باقی رہا آریہ وغیرہ منکرین اسلام کی طرف سے آپ کو دغدغہ کہ وہ اس پر اعتراض کرتے ہیں سو ان کی بابت معلوم ہو کہ جسمانی جزا سزا سے کوئی مذہب منکر نہیں۔ بلکہ دہریہ جو نہ خدا کے قائل ہیں نہ کسی مذہب کے پیرو۔ وہ بھی اس جسمانی راحت و تکلیف کے قائل ہیں۔ گو وہ اس کا نام نتائج اعمال

رکھتے ہیں۔ یہ تمام منکرین اس بات کے قائل ہیں کہ دنیا میں جس قدر بھی راحتیں ہیں۔ وہ نیک اعمال کا صلہ ہیں۔ اور جس قدر بھی تکالیف ہیں۔ وہ برے اعمال کی سزا ہیں۔ راحتوں میں سے حکومت۔ غنا طرح طرح کی نعمتیں۔ خوش گذران، صحت و خوبصورتی۔ نیک اور خوبصورت دیویاں۔ طرح طرح کے اسباب عیش، ہر طرح کی خوشی و شادمانی ہیں اور تکالیف میں سے ماتحتی۔ فقر و تنگدستی۔ طرح طرح کی بیماریاں اور مصیبتیں۔ بدمزاج۔ نافرمان اور بدکار بیویاں، وغیرہ وغیرہ امور ہیں۔ اور اس دنیا سے رحلت کر جانے کے بعد جب اعلےٰ ترین انتریکش لوک میں رہتے ہیں۔ تو بموجب قول سوامی دیانند صاحب روح کی چوبیس[1] قوتیں برابر بحال رہتی ہیں۔ جیسا کہ وہ نویں سمولاس میں بالتصریح لکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔ محبت۔ چکھنا۔ سونگھنا[2] اور وہ اسی سمولاس میں سورگ (بہشت) اور نرگ (دوزخ) کے بھی قائل ہیں۔ اور یہ بہت عجیب اور مضحکہ خیز امر ہے کہ اس دنیا سے پرے جنت موجود بھی ہو۔ اور موت کے بعد آدمی کی روح میں کھانے پینے اور سونگھنے کی قوت بھی موجود ہو۔ لیکن وہاں اس کو کھانے پینے کو کچھ بھی نہ ملے۔ ایں چہ؟ دنیا میں نیک اور فرمانبردار خوبصورت استری اعمال کی جزا سمجھی جائے اور دیوی کہلا کر قابل تعظیم و محبت قرار دے لی جائے۔ لیکن جنت میں جا کر انہی نیک اعمال کی جزا میں نیک پاک اور خوبصورت دیوی حور کے نام سے نامزد ہو تو وہ قابل اعتراض سمجھی جائے۔ واللہ ہم اس تفریق کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

امکانِ حشرِ اجساد

ہر چند کہ حشر اجساد کا مسئلہ قرآن مجید میں اور احادیث صحیحہ میں کھلے الفاظ میں وارد ہے۔ اور صحابہ رضا اور خیار تابعین رح اسے اسی طرح مانتے رہے۔ اور ان کے بعد جملہ اہل علم و عقل اور اہل کشف و الہام اسی طرح مانتے چلے آئے کہ قیامت کے دن جسموں سے اٹھائے جائیں گے۔ بلکہ لفظ قیامت کو اس کے اٹھنے کے کیا معنے؟ کیونکہ اس کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا۔ لیکن جب اسلام نے عرب سے باہر قدم رکھا۔ اور مسلمانوں کا اختلاط دیگر مختلف قوموں سے ہوا۔ اور عربی زبان میں مختلف علوم کے تراجم ہو گئے۔ اور مسلمان ان کے پڑھنے پڑھانے میں مصروف ہو گئے۔ اور

---

[1] ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۱۳ ۱۲ منہ

[2] ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۳۶ ۱۲ منہ

Marfat.com

قلوب میں صحابہ و خیار تابعین جیسی صفائی نہ رہی تو طرح طرح کے شکوک پیدا ہونے لگے۔ تو ان شکوک کو رفع کرنے کے لیے چند قواعد کی ضرورت پڑی۔ جو بمنزلہ ہتھیار کے سمجھنے چاہیئں۔ ان میں سے ایک ہتھیار مجاز و استعارہ۔ اور تاویل کا ہے۔ جس طرح عقلمند کسی ہتھیار کا استعمال حسب موقع درست طور پر کرتا ہے۔ اور نادان نہ تو جا و بے جا میں تمیز کرتا ہے۔ اور نہ اسے درست طور پر استعمال کرسکتا ہے۔ اسی طرح علمائے راسخین نے تو اُن کے استعمال میں قواعد کی رعایت رکھی، اور بجا اور بے جا میں تمیز کی، اور ان کو صحیح طور پر استعمال کر کے دین کو فائدہ پہنچایا۔ لیکن بعض نادانوں نے جو علم میں کمزور تھے۔ اور اشراقِ ایمانی میں بھی ضعیف تھے۔ انہوں نے بجا و بے جا میں تمیز نہ کی۔ اور ان کو درست طور پر استعمال نہ کیا۔ بلکہ مبتدعین و ملحدین نے ان کو انکار نصوص کے لیے ایک سپر بنالیا۔ تو انہوں نے دین میں خرابی پیدا کر کے اُسے نقصان پہنچایا۔

یہی صورت انکارِ حشرِ اجساد کی ہے۔ کہ منکرین کے نزدیک وہ جسم جو زمین میں دفن کیے جاتے ہیں۔ آخر خاک ہو جاتے ہیں۔ ہڈیاں بوسیدہ ہو کر اور خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ اور زندگی قبول کرنے کے قابل نہیں رہتیں۔ اور وہ مردے جو جلا دیئے جاتے ہیں۔ ان کے گوشت خاکستر اور راکھ ہو جاتے ہیں۔ وہ راکھ ہوا میں اُڑ جاتی ہے۔ اور ان کی ہڈیاں دریا (گنگا) میں بہا دی جاتی ہیں۔ وہ بھی قابل حیات نہیں رہتیں، اور اُن کے جمع کیے جانے کی بھی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ اور بعض آدمیوں کو درندے اور مچھلیاں کھا جاتی ہیں۔ ان کے گوشت ان درندوں اور مچھلیوں کے گوشت میں مستحیل ہو جاتی ہیں۔ ان سب مذکورہ بالا صورتوں میں جسموں کا اٹھایا جانا بعید از قیاس ہے۔"

ان سب سوالوں کے جواب میں اور ان سب مشکلات کے حل میں اگر یہ کہدیا جائے کہ نہیں بھائی! جسموں کا نہیں بلکہ ارواح کا حشر ہوگا۔ تو غالباً منکرین اس کا انکار نہیں کریں گے۔ اور اسے بعید از عقل و قیاس نہیں سمجھیں گے۔"

لیکن اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اسی قسم کے سوال جب نزولِ قرآن کے وقت کفار کی طرف سے کیے گئے۔ تو قرآن شریف نے کیا جواب دیا۔ یہی سہل اور ناقابلِ انکار جواب دیا۔ یا اسی بات کو منوانا چاہا۔ جس پر ان کو اعتراض تھا۔ اور جسے وہ بعید از عقل جانتے تھے۔ بس اس سے مسئلہ صاف ہو جائے گا۔ اور ہمیں زیادہ کاوش کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔"

ایسے مقامات قرآن مجید میں بہت ہیں۔ لیکن ہم ان میں سے سورت یٰس اور سورت قٓ کے دو

Marfat.com

مقام ذکر کرتے ہیں۔ جو اپنے مطلب میں بالکل صاف و واضح ہونے کے علاوہ مضمون میں جامع اور کئی قسم کے شکوک کے دور کرنے والے بھی ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰي ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

(سورہ یٰسٓ)

(پ ۲۳)

کیا دیکھتا نہیں آدمی کہ بنایا ہم نے اس کو ایک بوند سے پھر وہ صریحاً جھگڑا کرتا ہے۔ اور ہماری مثالیں گھڑتا ہے۔ اور اپنی پیدائش کو بھول گیا ہے۔ کہتا ہے کہ کون جلا سکتا ہے ہڈیوں کو در آنحالیکہ وہ کھوکھری ہوگئی ہوں گی۔ تو کہہ ان کو جلاوے گا وہ جس نے پیدا کیا تھا۔ ان کو پہلی بار اور وہ سب طرح کا بنانا جانتا ہے۔ جس نے بنادی تمہارے لیے سبز درخت سے آگ۔ پھر تم اس سے سلگاتے ہو۔ کیا وہ خدا جس نے آسمان اور زمین (ایک کلمہ کن سے) پیدا کر دیئے۔ وہ اس بات پر قادر نہیں ہے؟ کہ وہ ان (لوگوں) کی مثل بھی بنالے کیوں نہیں؟ وہ ہے اصل بنانیوالا سب کچھ جاننا۔ بس اس کا حکم یہی ہوتا ہے کہ جب کسی شئے کو بنانا چاہتا ہے۔ تو اُسے کہتا ہے "ہو جا" پس وہ ہو جاتی ہے۔

اسی طرح سورۃ قٓ میں فرمایا ہے کہ منکر کہتے ہیں کہ:۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۔

(سورۃ قٓ)

(پ ۲۶)

کیا جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے۔ (تو پھر زندہ ہوں گے) یہ رجوع تو بہت بعید ہے۔ (خدا فرماتا ہے) ہم کو خوب معلوم ہے۔ وہ سب کچھ جو زمین ان سے کم کرے گی۔ اور ہمارے پاس ہے کتاب حفاظت والی۔

ان ہر دو مقامات سے صاف ظاہر ہے کہ منکرین قیامت بوسیدہ ہڈیوں کے زندہ ہونے کو

Marfat.com

اور خاک شدہ اجزا کے مجتمع ہو کر قابلِ زندگی ہونے کو بعید جانتے تھے۔ خدا تعالےٰ نے ہڈیوں کی زندگی کے متعلق یہ جواب دیا کہ جس ذات پاک نے ان کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ یعنے جب وہ نہ تھیں تو ان کو موجود کیا تھا۔ وہی قادرِ قیوم ان کو دوسری دفعہ زندہ کرے گا۔ یعنے اس زندگی کے وقت تو کسی نہ کسی حالت میں ان کی ہستی موجود ہو گی۔ پس ان کا دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟

اور سورۂ قٓ کی آیت میں جہاں منکروں کا یہ عذر مذکور ہے۔ کہ جب ہم خاک ہو جائیں گے تو پھر زندہ ہونا بعید از عقل ہے اس کے جواب میں فرمایا کہ ان کے اجزا میں سے جو کچھ زمین میں مل کر کم ہو جاتا ہے۔ وہ سب ہمارے علم میں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ اجزا کہاں ہیں۔ اور کس حالت میں ہیں۔ ان کا جمع کر لینا۔ ہم پر کچھ بھی دشوار نہیں؟

ان مقامات سے قرآن کا مذہب تو بالکل واضح ہو گیا کہ حشرِ اجساد کا ہے۔ اب اس کے امکان کے دلائل اور منکرین کے سوالات و اشکالات کا حل سنیئے جو قرآن نے خود بیان کیا ہے۔ اوّل یہ فرمایا کہ بوسیدہ ہڈیوں کو وہ ذات برحق زندہ کرے گی۔ جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ پیدا کرنا بہ نسبت زندہ کرنے کے مشکل ہے۔ جب پیدا کر کے دکھا دیا۔ تو زندہ کیوں نہ کر سکے گا۔ چنانچہ اسی مطلب کو سورۂ روم میں یوں فرمایا:۔

وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۔ (پ۲۱) یعنی دوبارہ زندہ کر لینا اس پر زیادہ آسان ہے"

دوم یہ کہ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ فرما کر سمجھایا کہ پہلی دفعہ جب پیدا کیا تھا۔ تو وہ بھی ایک طریق تھا۔ اور پھر دوسری دفعہ پیدا کرے گا۔ تو وہ بھی ایک طریق پیدائش ہو گا۔ اور اُسے پیدائش کے ہر طریقے کا پورا پورا علم ہے۔ کیونکہ وہ علیم کل ہے۔

سوم یہ کہ سبز درخت سے آگ[1] پیدا کرنے کے ذکر سے سمجھایا کہ آگ اور رطوبت دو ضدیں ہیں لیکن تم واقعہ میں دیکھ رہے ہو بلکہ استعمال کر رہے ہو کہ تم سبز درخت سے آگ حاصل کرتے ہو۔ تو جس ذات کی قدرت تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ضد سے ضد پیدا کر دی، تو اس کے نزدیک بوسیدہ ہڈیوں میں جان ڈال دینا کون سی بڑی بات ہے۔ بلکہ ضد سے ضد پیدا کرنے سے آسان ہے"

---

[1] عرب میں مَرخ اور عفار دو درخت ہیں۔ اہل عرب کو سفر کی حالت میں جب آگ کی ضرورت ہے تو وہ ان درختوں کی ہری ٹہنیاں کاٹ کر ایک کو دوسری پر رگڑتے ہیں تو وہ جل اٹھتی ہیں یہ اس کی طرف اشارہ ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

چہارم یہ کہ زمین آسمان کی پیدائش سے حشرِ اجساد پر دلیل پکڑی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش انسان کی پیدائش سے بڑی ہے۔ تو جس نے بڑا کام کر دکھایا۔ تو وہ چھوٹا کام بطریق اولیٰ کر سکتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔۔۔۔ (پ ۲۴) یعنے زمین و آسمان کی پیدائش لوگوں کی پیدائش سے بڑی ہے۔ لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔

پنجم یہ کہ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ کے بعد وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ دوبارہ کہہ کر ایک زائد نکتہ کی طرف اشارہ کیا کہ جسم اجزائے متفرقہ کے اجتماع سے بنتے ہیں۔ اور زندگی جسم میں روح پھونکنے سے ہوتی ہے۔ پس جب وہ خلّاق ہے۔ یعنے اجزا کا جمع کرنا۔ اور ان میں جان ڈالنا اس کا کثیر الوقوع فعل ہے۔ اور تم اس کو روزمرّہ دیکھ رہے ہو تو قیامت کو بھی یہی ہوگا۔ کہ خدا تعالےٰ اجزائے متفرقہ کو جمع کرے گا اور پھر ان میں جان ڈالے گا۔ ہاں یہ شبہ پڑ سکتا تھا کہ اجزائے متفرقہ کہاں کہاں سے آئیں گے۔ تو اس کی نسبت فرمادیا کہ وہ اَلْعَلِیْم بھی ہے۔ پس جسموں کا زندہ ہونا کوئی بھی خدا کے نزدیک بعید و عجیب امر نہیں ہے۔

ششم سب کے بعد اصل رازِ حیات کا انکشاف کیا کہ سب چیزوں کا وجود خدا کے امر کے تابع ہے۔ جب کسی امر کی نسبت وہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ وجود میں آئے تو اس کی اس صورت کو جو اس کے علم ازلی میں موجود ہے فرماتا ہے کہ تو خارجی وجود میں آجا۔ تو وہ خارج میں وجود میں آجاتی ہے۔ بس یہی اصل رازِ حیات و بقا ہے۔ یہی بات قیامت کے روز ہوگی۔ کہ خدا تعالےٰ ان سب ذرّات کو فرمائے گا کہ جمع ہو جاؤ۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے تو وہ جمع ہو جائیں گے اور ان اجسام میں نفخِ ارواح کا حکم دے گا۔ تو وہ سب زندہ ہو جائیں گے۔ اسی کا نام قیامت ہے۔ اور اسی کا نام بعث و نشور ہے۔ اس کے بعد حساب کتاب وغیرہ ہوگا۔ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

تَمَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ

رَدِّ تناسخ

موت کے بعد روح ایک جسم سے نکل کر اپنے اعمال مکتسبہ کے مناسب جزا سزا بھوگنے کے لیے دوسرے جسم میں جائے تو اسے تناسخ کہتے ہیں۔

ہم سابقاً پر لکھ آئے ہیں۔ کہ دنیا کی اکثر آبادی دو مذہبوں کی قائل ہے۔ قیامت کی اور

Marfat.com

تناسخ کی۔

قیامت کے قائل انبیاء علیہم السلام کی اُمتیں ہیں۔ اور تناسخ کے قائل کسی نبی کی اُمت نہیں۔ اس سے واضح گیا کہ انبیاء کا دین۔ قیامت کو ماننا ہے نہ تناسخ کو، پس تناسخ کا ماننا آسمانی وحی سے نہ ہوا۔ بلکہ وہ انسان کے اپنے توہمات کا اختراع ہے جیسا کہ انشاء اللہ آگے چل کر معلوم ہوجائیگا

؎ "چوں نہ بردند بحقیقت پئے رہ افسانہ زدند"

اور ظاہر ہے کہ ساری دنیا کے اعمال کی جزا و سزا کی نوعیت ہم اپنی شخصی عقل سے مقرر نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ اس کے اختیار میں ہے۔ جو ساری دنیا کا مالک ہے اور اس کا قانون و قاعدہ بغیر اس کے انبیاء کے معلوم نہیں ہو سکتا۔ پس جزا و سزا کی نوعیت کے متعلق سب عقلی فیصلے نادرست ہونے کی وجہ سے توہمات کہلائیں گے۔ اور اندھیرے میں لاٹھی چلانے سے بڑھ کر نہ ہوں گے کیونکہ جس طرح خداوند عالم نے اس عالم ظاہر میں بینائی بخشی ہے کہ ہم اس سے مبصرات کو دیکھ سکیں۔ لیکن اس بینائی سے یہ غرض حاصل کرنے کے لیے آسمانی روشنی آفتاب عالمتاب پیدا کیا ہے۔ کہ بغیر اس کے ہم اس بینائی سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اور اگر کوئی عقل کا پتلا یہ کہے کہ بس سورج کی روشنی کے سوا محض اپنی بینائی سے کام لے سکتا ہوں تو ہم اُسے دیوانہ سمجھیں گے۔ جو عقل کے پیچھے لٹھ لے کر پڑا ہوا ہے۔ اسی طرح عالم روحانی و ایمانی میں ہماری عقل کی رہبری کے لیے آسمانی وحی رکھی ہے کہ بغیر اس کے روحانی و ایمانی امور کی حقیقت معلوم نہیں کر سکتی جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص روحانیات و ایمانیات اور امور آخرت میں محض عقل کے فتوے پر چلے اور یہ کہے کہ میں درست چل رہا ہوں، تو ہم اس کے اس قول اور اس فعل کو اس شخص کے حال سے زیادہ نہ سمجھیں گے۔ جو بغیر آسمانی روشنی یا اس کے قائم مقام کے محض اپنی بینائی سے فائدہ اٹھانے اور مبصرات کی حقیقت معلوم کر لینے کا مدعی ہے۔ اس امر کو ہم انشاء اللہ آیت صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر میں بالتفصیل بیان کریں گے۔ سردست اس موقع کے مناسب اسی قدر اجمالی ذکر کافی ہے۔

غرضیکہ تناسخ کا یہ عقیدہ آسمانی وحی سے حاصل شدہ نہ ہوتے ہوئے قابل اعتبار نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ قائلین تناسخ نے اس کے ثبوت میں جو کچھ کہا ہے۔ وہ محض عقلی ڈھکوسلے یا توہمات ہیں۔ چنانچہ سوامی دیانند باقی آریہ سماج نے اپنی مایہ ناز کتاب "ستیارتھ پرکاش" اور دیباچہ تفسیر رگوید یعنے "رگویدآدی بھاشیہ بھومکا" میں جو کچھ بیان کیا ہے۔ وہ محض قیاسی

وہی ہے۔ ایک حرف بھی کسی صحیفۂ آسمانی سے نقل نہیں کیا۔ چنانچہ انہوں نے مجھوم کا میں تو صرف یہ دو دلیلیں بیان کی ہیں۔

اوّل مرنے کا عالمگیر خوف تناسخ کی تصدیق کرتا ہے۔ (صت ۱۳۲)

دوم دکھ سکھ کے نشیب وفراز سے تناسخ ثابت ہے۔ (صت ۱۳۲)

اور ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ یہ ہر دو دلائل محض قیاسی ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ یہ صحیح ہیں یا غیر صحیح۔

اور اس میں یہ یجر وید۔ رگوید وغیرہ کتب کے جو حوالے لکھے ہیں۔ ان میں تھوڑا سا تامل کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ سب اس خیال کے پیرو لوگوں کی دعائیں ہیں جو مصنّفین وید نے جمع کر دی ہیں۔ نہ کہ وحی آسمانی کی تعلیم اور اس میں ہم کو کلام نہیں کہ تناسخ کا عقیدہ ہندؤں میں بہت پرانا چلا آتا ہے۔ کسی رواج کی تاریخ قدامت امر دیگر ہے۔ اور یہ امر کہ اس کی بنا وحی آسمانی پر ہے دیگر ہے۔"

سوامی دیانند جی تو ہمارے اسی ملک میں زمانۂ حال ہی میں ہوئے ہیں۔ ان سے دور پہلے اور نہایت بعید ملک سپین میں حافظ ابن حزم رح ہوئے ہیں جو ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۴۵۶ھ میں فوت ہوئے۔ وہ اپنی بے نظیر کتاب کتاب الفصل میں فلسفیوں کی طرف سے ثبوت تناسخ کی جو دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہ قریبًا وہی ہے۔ جو ہم نے سوامی جی کی مجھوم کا سے نمبر ۲ پر ذکر کی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

واذ قد تعلق ھؤلاء القوم بالشریعۃ ان کل قول لم یأت عن نبی تلک الشریعۃ فھو کذب وفریۃ فاذا لم یأت عن احد من الانبیاء علیھم السلام القول بتناسخ الارواح فقد صار قولھم بہ خرافۃ وکذبا وباطلا وباللّٰہ التوفیق (کتاب الفصل جلد اوّل صت ۹۲)	اور اگر یہ قوم (قائلین تناسخ) کسی آسمانی شریعت کی قائل ہے تو شریعت کا حکم تو یہ ہے جو بات اس شریعت کے نبی سے ثابت نہ ہو۔ وہ کذب اور افتراء ہے۔ پس چونکہ کسی نبی سے تناسخ ارواح کا قول ثابت نہیں ہے۔ اس لیے ان (قائلین تناسخ) کا یہ قول سراسر خرافات اور بڑا جھوٹ اور بالکل باطل ہے۔"

اس کے بعد ہم ان (سوامی جی اور ان کے ہم مشربوں کے دلائل (شبہات) کا جواب دینے سے پہلے ایک اصولی بات سمجھاتے ہیں۔ جس کے سمجھ لینے سے خدا کے فضل سے سب توہمات

Marfat.com

دور ہو جائیں گے۔ اور معلوم ہو جائے گا۔ کہ ان عقل کے پتلوں نے تناسخ کے ماننے میں ایسی بھاری غلطی کھائی ہے۔ کہ حس اور عقل ہر دو کو زائل کر کے محض ظنون وتوہمات کے پیرو ہو گئے ہیں۔ وہ اصولی بات یہ ہے۔ کہ اس میں کسی معقولی کو کلام نہیں کہ جملہ نفوسِ بشریہ ایک نوع کے ہیں۔ جن کی حقیقت ایک ہی ہے۔ اور ضرورتِ حس اور مشاہدہ سے ماننا پڑتا ہے کہ دیگر حیوانات کے ارواح دیگر نوع کے ہیں۔ کیونکہ ہم خالق حکیم کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے ہر ایک نوع میں خاص امتیاز دیکھ رہے ہیں۔ انہی امتیازات سے ہر نوع دوسری سے جدا ہوتی ہے۔ اور اسی اختلافِ نوعیت کی بنا پر ہر ایک نوع کی حقیقت و ماہیت دوسری سے مختلف ہے۔ پس تناسخ کی تصدیق کرتے ہوئے ہم کو ماننا پڑے گا کہ انسان اور دیگر حیوانات کی ارواح ایک نوع کی ہیں۔ اور ان کی حقیقت و ماہیت ایک ہے۔ اور یہ باطل ہے۔

کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ انسان کی حقیقت و ماہیت یہ ہے کہ وہ حیوان ناطق ہے۔ یعنے صاحبِ علم اور مدرکِ کلیات و جزئیات ہے۔ اور دیگر حیوانات غیر ناطق ہیں۔ اور یہ بھی کہ روح انسانی فطرۃً ناطق ہے۔ اور دیگر حیوانات کی ارواح فطرۃً غیر ناطق ہیں۔ پس تناسخ کے ماننے کی صورت میں ہم کو اوّل تو یہ ماننا پڑے گا کہ ان سب ناطق و غیر ناطق کی ایک ہی حقیقت ہے اور یہ سراسر باطل ہے۔ اور پھر یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ غیر ناطق انسانی قالب میں آکر ناطق ہو جاتی ہے۔ اور ناطق دوسرے قالب میں جا کر غیر ناطق بن جاتی ہے۔ یہ الٰہی نظام کیا ہوا۔ معاذ اللہ مداری کا تماشا اور بچوں کا کھیل ہوا۔ پھر یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ روح میں بذاتہٖ علم و ادراک کی کوئی قابلیت نہیں۔ یہ سب کاریگری انسانی ڈھانچے کی ہے۔ کہ روح اس میں آ جائے تو مدرکِ کلیات وجزئیات ہو جائے۔ اور زمین و آسمان کے علوم حاصل کر سکنے کی قابلیت حاصل کر لے اور اگر اس سے نکل جائے اور دوسرے قالب میں چلی جائے تو پھر ویسی کی ویسی لاعلم ولاعقل ہو جائے۔ تو گویا یہ مٹی کا قالب نورانی جوہر روح پر موثر ہے۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔ تو اب خیال فرمایئے کہ ایک بیعقلی کتنی بیعقلیوں کا گھٹڑا اٹھواتی ہے۔ کیا ایسے اباطیل کی تصدیق کرنا عقل کا کام ہے۔ توبہ استغفر اللہ خدا تعالےٰ اس آفت سے بچائے ایسا نہ ہو کہ ہماری عقل ہی کو زائل کر دے۔ دیکھئے حافظ ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ جن کو قدرت نے فوق الفطرت ذہانت دی تھی[۱]۔ کیا فرماتے ہیں:۔

---

[۱] مولانا شبلی مرحوم الکلام میں علامہ موصوف کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔ علامہ ابن حزم ظاہری جو ۳۸۴ھ میں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ان الله خلق الانواع والاجناس ورتب الانواع تحت الاجناس وفصل كل نوع من النوع الآخر بفصله الخاص له الذي لا يشاركه فيه غيره وهذه الفصول المذكورة لانواع الحيوان انما هي لانفسها التي هي ارواحها فنفس الانسان حية ناطقة ونفس الحيوان حية غير ناطقة هذا هو طبيعة كل نفس وجوهرها الذي لا يمكن استحالته عنه فلا سبيل الى ان يصير غير الناطق ناطقا ولا الناطق غير ناطق ولو جاز هذا لبطلت المشاهدات وما اوجبه الحس وبديهة العقل والضرورة لانقسام الاشياء على حدودها۔

خدا تعالیٰ نے انواع اور اجناس پیدا کیں۔ اور انواع کو اجناس کے نیچے ترتیب دیا۔ اور ہر نوع کو دوسری نوع سے ایک خاص فصل (امتیاز) سے جدا کیا جو اسی سے مخصوص ہے۔ اور دوسری نوع کو اس میں قطعاً مشارکت نہیں ہے۔ اور انواع حیوانات کے یہ فصول مذکورہ یعنی امتیازات خصوصی صرف ان کے نفوس کی وجہ سے ہیں۔ جو ان کے ارواح ہیں۔ پس نفسِ انسانی زندہ اور ناطق یعنی مدرکِ جزئیات و کلیات ہے۔ اور دیگر حیوانات کے ارواح تو زندہ ہیں۔ لیکن غیر ناطق ہیں۔ یہی ہر نفس کی طبیعت اور اس کا جوہر ہے۔ جو اس سے مستحیل نہیں ہو سکتا۔ پس غیر ناطق کے ناطق ہونے اور ناطق کے غیر ناطق ہونے کی کوئی صورت نہیں (اور تناسخ کی صورت میں ایسا ماننا پڑتا ہے) پس اگر یہ جائز ہو تو اشیاء کے ان کی حدود پر منقسم ہونے کی وجہ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٢٥٠) قرطبہ (کارڈووا) میں پیدا ہوئے اور سلطان منصور محمد بن ابی عامر کے دربار میں وزارت کا رتبہ حاصل کیا۔ فقہ و حدیث کے امام تھے۔ محدثین عموماً ان کی جلالتِ شان کے معترف ہیں۔ محدث ذہبی نے طبقات الحفاظ میں ان کا نہایت مفصل تذکرہ لکھا ہے اور حدیث میں ان کو امام فن تسلیم کیا ہے۔ مسلمانوں میں جن لوگوں کا فضل و کمال معمولی طاقت بشری سے بالاتر خیال کیا گیا ہے۔ ایک ان میں علامہ موصوف بھی ہیں۔ ان کی تصنیفات قریباً چار سو (۴۰۰) ہیں اور اسی ہزار صفحوں میں ہیں" الکلام حصہ اول صفحہ ٥٢/٥٣) گویا بحساب اوسط ہر کتاب (٢٠٠) صفحات پر مشتمل ہے۔ عہدہ وزارت کے انصرام میں مصروف ہوتے تصنیفات کی یہ تعداد اور یہ ضخامت حیرت انگیز ہے۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو فوق الفطرت ذہانت دی تھی۔ طبیعت کیا تھی؟ ایک امڈا ہوا دریا تھا۔ خاکسار کے نزدیک علم کلام میں ان کا طریق نہایت سلامتی والا ہے سنت سے باہر قدم نہیں رکھتے اور منقولات کو بغیر تاویل کے ایسے طریق پر بیان کرتے ہیں۔ کہ پڑھتے پڑھتے ان کا عکس شیشۂ عقل میں صاف اترتا جاتا ہے۔ علامہ موصوف ۴۵٦ھ میں فوت ہوئے ١٢ منہ

Marfat.com

(جلد اوّل)
(صـ۹۲)

تمام مشاہدات اور وہ امور جن کو حس اور صریح عقل اور ضرورتِ داخلی واجب کرتی ہے۔ باطل ہو جائیں گے۔" (اور ان کا باطل ہونا بالکل باطل ہے۔ لہٰذا تناسخ باطل ہے)

دلائل تناسخ کے جواب

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ سوامی دیانند جی (بانی آریہ مت) نے ثبوتِ تناسخ کی دو دلیلیں ذکر کی ہیں۔[1]

اوّل یہ کہ مرنے کا عالمگیر خوف تناسخ کی تصدیق کرتا ہے"

سوامی جی اسے عنوان قرار دے کر اس کی توضیح میں پاتنجل یوگ شاستر سے مندرجہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں:-

"تمام جانداروں کو پیدا کرنے کے وقت سے ہی برابر مرنے کا خوف لگا رہتا ہے۔ جس سے اگلے اور پچھلے جنم کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ کیڑا بھی پیدا ہوتے ہی مرنے سے خوف کھاتا ہے۔ عالموں کو بھی خوف دامن گیر ہے پس ثابت ہوتا ہے۔ کہ جیو کئی جسم پاتا ہے۔ اگر گذشتہ جنم میں مرنے کا تجربہ نہ ہوا ہوتا۔ تو اس کا اثر یا خیال نہیں رہنا چاہیئے تھا۔ اور اثر یا خیال کے بغیر یادداشت بھی نہیں ہوتی۔ پھر پچھلی یاد کے بغیر مرنے سے کیوں خوف لگتا ہے۔ اس لیے ہر جاندار میں خوفِ مرگ کے دیکھنے سے اگلے اور پچھلے جنموں کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔" صـ۱۳۲ بھومکا)"

جواب۔ بیشک موت اور اُس سے ادھر کی جملہ تکلیفات مثلاً چوٹ۔ زخم۔ پھوڑا۔ پھنسی۔ درد۔ دکھ۔ بیماری۔ فاقہ حتّٰے کہ غم و فکر سب امور ناگوارِ طبع ہیں۔ لیکن اس ناگوارگی کا سبب سابقہ تجربہ قرار دینا سوامی جی اور مصنّف پاتنجل یوگ شاستر کی خوش خیالی ہے۔ یا موجبات اپنی مت ہی بانی ہوئی ہے۔ اس کا عکس ہے ورنہ اسے حقیقتِ واقعی سے کچھ بھی تعلّق و واسطہ نہیں۔"

---

[1] بھومکا مترجم اردو صـ۱۳۲ ۱۲ منہ

Marfat.com

کیونکہ موت یا کسی تکلیف کی ناگوارگی کے وقت کسی متنفّس کو بھی قطعاً اس کا تصوّر نہیں ہوتا کہ میں تکلیف یا موت سے اس لیے بھاگتا ہوں کہ مَیں سابقاً اس کا تلخ تجربہ کر چکا ہوں۔ تجربی علم میں سابقہ مجربہ امور کا علم ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ نفس انہی امورِ مجربہ میں تصرّف کر کے اور ان کو ترتیب دے کر آئندہ کی احتیاط اختیار کرتا ہے۔ تفصیلی علم نہ ہو تو اجمالی ہی سہی اور انکشافی نہ ہو تو خیالی ہی سہی۔ غرض کسی نہ کسی نوع کا ہونا ضروری ہے۔

لیکن یہاں یعنے موت یا تکلیف سے بچنے کی ناگوارگی کے وقت اس کا مطلقاً احساس یا تصور یا خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس عالم میں آنے سے پہلے کبھی ہم اس مصیبت میں گرفتار ہوئے تھے، اور ہمیں یہ تکلیف پہنچی تھی۔ اور آگے بھی ہم مرے تھے۔ جس کی تلخی سے ہمیں بچنا چاہیئے۔

اگرچہ یہ ایسی بات ہے جس کی شہادت ہر شخص کی ضمیر دے سکتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک وجدانی امر ہے۔ جو کسی خارجی دلیل کا محتاج نہیں۔ لیکن پھر بھی ہم سوامی جی کی اپنی عبارت سے دکھاتے ہیں۔ کہ وہ اپنے اس قول کے خلاف خود تسلیم کرتے ہیں۔ کہ انسان کا دماغ ان ان تصوّرات سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ عنوانِ مذکورہ بالا کے بعد ایک اور عنوان بدیں الفاظ مقرر کرتے ہیں۔

"انسان کا کمزور حافظہ پچھلے جنم کی بات یاد نہیں رکھ سکتا"

اگرچہ اس میں سوامی جی نے علم نہ ہونے کی وجہ حافظہ کی کمزوری بتائی ہے۔ لیکن ہمیں اس وقت وجہ سے بحث نہیں۔ وجودِ علم یا عدمِ علم سے بحث ہے۔ سو سوامی جی نے کھلے الفاظ میں تسلیم کر لیا۔ کہ ہمیں اس کا علم نہیں۔ اس کی توضیح میں سوامی جی فرماتے ہیں:-

"اسی جسم میں پیدا ہونے کے وقت سے پانچ برس کی عمر تک جو جو سکھ یا دکھ ہوا ہے۔ اور جو جو کام حالتِ خواب یا بیداری میں کئے ہیں۔ ان کی یاد نہیں رہتی۔ پھر پچھلے جنم کی بات یاد رہنے کا تو ذکر ہی کیا؟ (صـ۱۳۲ مجموعہ مکا)"

اس کے جواب میں اوّلاً تو یہ گذارش ہے کہ قبل از پنج سال بچپن کی عمر کی بعض باتیں بہت لوگوں کو یاد ہوتی ہیں۔ سوامی جی نے "یاد نہیں رہتی" کہاں سے کہدیا۔ مجھ عاجز کو اپنی عمر کے تیسرے اور چوتھے سال کے بعض واقعات اس طرح یاد ہیں۔ کہ گویا وہ اس وقت میری آنکھ کے سامنے واقع ہو رہے ہیں۔

Marfat.com

دیگر یہ کہ اگر بالفرض کچھ یاد نہ ہو تو اپنی ہستی اور بچپن کا تو علم یاد ہوتا ہے۔ لیکن یہاں تو بالکل ندارد کا خانہ ہے۔

دیگر یہ کہ واقعات کی تفصیل کا یاد نہ ہونا امر دیگر ہے۔ اور مطلقًا تصور و خیال کا بھی نہ ہونا امر دیگر ہے۔ بلکہ اپنی ہستی کی نسبت بھی خیال تک نہ ہو تو آپ اُسے بچپن کی یاد داشت کی کمزوری کی مثال نہیں بنا سکتے۔ خاص کر جب بموجب آپ کے قول انتر یکھش لوک۔ یا چندر لوک۔ یا سورگ سے واپس آکر انسانی قالب میں جنم لیتی ہے۔ تو یہ حالت کمال اور نجات کی ہوتی ہے۔ اس میں آکر سورگ آسائش و راحت کیسے بھول سکتی ہے۔ اور نجات یافتہ روح میں ضعفِ حافظہ کس طرح راہ پا سکتا ہے۔ فافہم۔

غرض سوامی جی کی دلیل بے بنیاد اور خود ساختہ وہم کی پیدائش ہے۔ جس کی شہادت عقل اور واقعات سے نہیں ملتی۔ اور اسی طرح حافظہ کی کمزوری کا عذر بھی بے موقع و غیر واقعی ہے جو قابل پذیرائی نہیں۔

کشفِ حقیقت

آیئے ہم آپ کو بتائیں کہ یہ خوف اور ناگواری تبقاضائے طبع ہے۔ کہ خالق حکیم نے جسم کی حفاظت و بقا کے لیے نفس میں اسے پیدا کر دیا ہے کہ ضرورت کے وقت قدرتی تحریک سے بغیر توجہ و ارادہ کے اس سے سرزد ہوتا رہتا ہے۔ اس کی بنا کسی سابقہ تجربہ پر نہیں ہے۔ اور نہ اب یہاں آکر اس کے لیے کوئی درسگاہ ہے۔ بلکہ بعض وقت یہی تقاضائے طبع دماغ کو اس درد دکھ کے دور کرنے کی تدبیر پر متنبہ کرتا ہے" اور آرام کے حاصل کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اگر آپ ایسے اوقات میں اپنے وجدان کی طرف رجوع کریں گے تو ہمارے بیان کی تصدیق کی آواز اپنے اندر ہی سے پالیں گے۔ بشرطیکہ آپ کا وجدان توہمات کی آفت سے سلامت ہو"

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ	الٰہی! تو ہمیں چیزوں کی حقیقت اسی طرح کی دکھا سمجھا جس طرح کہ وہ ہیں۔

۲- سوامی جی نے تناسخ کے ثبوت میں دوسری دلیل یہ ذکر کی ہے "دکھ سکھ کے نشیب و فراز سے تناسخ ثابت ہے"

Marfat.com

اس کی توضیح میں سوامی جی فرماتے ہیں۔

"کہ جس طرح ایک واقفِ طب کو بخار ہو تو وہ اس کی علت معلوم کر لیتا ہے اور اگر ناواقف کو ہو تو وہ اس کی علت کو معلوم نہ کر سکے۔ لیکن وہ علم طب سے ناواقف شخص بھی بخار کے موجود ہونے سے اتنا ضرور جان لیتا ہے کہ میں نے کوئی بدپرہیزی کی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ علت کے بغیر کوئی معلول نہیں ہوتا۔ اس لیے عادل و منصف ایشور پاپ اور پن کے بغیر کسی کو دکھ یا سکھ نہیں دیتا۔ دنیا میں سکھ اور دکھ کے نشیب و فراز کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پچھلے جنم میں ضرور پاپ اور پن کئے ہیں" (بھومکا صفحہ ۱۳۲)

جواب: در زیر بحث امر مطلق علت و معلول نہیں ہے۔ بلکہ سوامی جی کی معین کردہ علت ہے یعنے یہ کہ دنیا کا دکھ سکھ پچھلے جنم کی نیکی بدی کی وجہ سے ہے۔ اس تعیین کی کیا دلیل ہے؟ کیونکہ اس عالم امکان میں اسباب و مسببات اور علت و معلول کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ ایک معلول کی متعدد علتیں اور ایک مسبب کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں۔ دیگر یہ کہ ہم ہر روز اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ بلکہ ہماری جانوں پر گذر رہا ہے۔ کہ ہماری اس زندگی کے ہزارہا اعمال کا نتیجہ دم نقد اسی زندگی میں نکلتا رہتا ہے۔ عام اس سے کہ ہماری وہ غلط کاری یا خطا شرعی نقطۂ خیال سے گناہ ہو یا نہ ہو۔ اور ہماری حسن تدبیر یا حسن کارکردگی یا محنت و خدمت از روئے شریعت موجب ثواب ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ تمام دنیوی دکھ سکھ احکام شریعت پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ بعض امور طبی اور طبعی اصول پر مبنی ہیں۔ اور بعض تعامل پر اور بعض وقت شناسی پر اور بعض طریق کار اور تدبیر پر اور بعض ہماری اس زندگی کی نیکی بدی پر جیسا کہ سابقاً مفصل بیان کر چکے ہیں[۱]۔ ان میں سے بعض امور کو ہم مثالوں سے سمجھاتے ہیں:۔

مثال نمبر ۱ ایک شخص نے غلطی سے یا دیدہ دانستہ زہر کھا لیا یا اپنے پاؤں پر کلہاڑا مار لیا۔ تو زہر کے اثر اور کلہاڑے کے زخم کی نسبت یہ نہیں کہا جائے گا۔ کہ چونکہ اس نے پچھلے جنم میں پاپ کئے تھے اس لیے زہر نے اثر کیا۔ اور کلہاڑے سے زخم ہو گیا۔ اگر نہ کئے ہوتے۔ تو یہ اثر اور زخم نہ ہوتا۔

مثال نمبر ۲ ایک شخص نے کوئی ایسی غذا کھائی جو اس کے مزاج کے موافق نہ تھی۔ اُسے

---

[۱] دیکھو تفسیر ہذا فصل "دنیا میں جزوی اور عاقبت میں کلی جزا" میں۔

Marfat.com

اس سے تکلیف ہوگئی۔ تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ چونکہ اس نے پچھلے جنم میں پاپ کئے تھے۔ اس لیے اسے تکلیف پہنچی۔ ورنہ ایسا نہ ہوتا۔

مثال نمبر ۳ ایک شخص نے اپنی کھیتی یا باغ کی پرورش ہر مناسب تدبیر سے اچھی طرح کی۔ اس کی کھیتی یا باغ خوب بار آور ہوئے۔ دوسرے شخص نے ایسا نہ کیا بلکہ ہر مناسب تدبیر میں سستی کی۔ اور موقع شناسی سے کام نہ لیا۔ اور اس کی کھیتی باغ خشک ہو گئے۔ اور بار آور نہ ہوئے۔ تو پہلے شخص کی حسن تدبیر و حسن کارکردگی اور محنت کو اور دوسرے شخص کی سستی اور غلط کاری کو نظر انداز کر کے یہ نہیں کہا جائے گا۔ کہ اگر انہوں نے پچھلے جنم میں پاپ یا پن نہ کئے ہوتے۔ تو یہ نتائج بھی نہ نکلتے۔

حاصل یہ کہ پچھلے جنم کی تعیین خلاف واقعات روزمرہ اور خلافِ مشاہدات ہونے کی وجہ سے سراسر سوفسطائیت اور توہم پرستی ہے۔

تتمہ بحث تناسخ

بعض وقت آریہ صاحبان یہ بھی کہا کرتے ہیں۔ کہ ہم دنیا میں لوگوں کی حیثیتوں میں اونچ نیچ دیکھتے ہیں۔ ایک حاکم ہے۔ دوسرا رعیت ہے۔ ایک افسر و آقا ہے۔ دوسرا ملازم و ماتحت ہے ایک امیر ہے۔ ایک غریب ہے یہ سب کچھ بھی پچھلے جنم کے پاپ پن کا نتیجہ ہے۔ اس کا جواب بھی وہی ہے۔ کہ ایسے سب خیالات توہم پرستی اور حقیقت ناشناسی ہیں۔ دنیا میں مدارج کا تفاوت ایک قدرتی نظام ہے۔ اس کے بغیر دنیا قائم نہیں رہ سکتی۔ سب لوگ ویدوں کے مطابق دھارمک یا ان کے خلاف ناستک ہو جائیں۔ اور قدرت کے ہاں جزا سزا کا یہی دستور ہو تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہو گا۔ کہ یا تو سب ایک حیثیت کے انسان ہو جائیں گے اور دیگر حیوانات جو ہمارے طرح طرح کے منافع و فوائد کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔ نابود ہو جائیں گے۔ اور خدمتگار انسان بھی نہ ملیں گے۔ اور یا انسانی ہستی صفحہ دنیا سے نابود ہو جائے گی۔ اور اس پر صرف بندر وغیرہ جانور ہی ناچتے رہیں گے۔ غرض بہر دو صورت دنیا کا انتظام بگڑ جائے گا۔ اور یہ بالکل باطل ہے۔ دیکھئے خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں اس اونچ نیچ کا سچا فلسفہ بتایا ہے۔ کہ یہ تفاوتِ مدارج دنیا کا انتظام درست رکھنے کے لیے ہے چنانچہ فرمایا:۔

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ یعنی اور ہم نے بعض کے مدارج بعض پر فائق بنائے

Marfat.com

لِیَتَّخِذَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا۔ ہیں تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے سکے" (سورۂ زخرف) (اور دنیا کے سب امور) اس کے قیام تک یا انتظام (پ ۲۵) چلتے رہیں"

۲۔ قرآن شریف میں بعض قوموں پر ایسے عذاب کا ذکر ہے۔ وہ سور اور بندر بنا دیئے گئے اس پر آریہ صاحبان کہا کرتے ہیں کہ دیکھو تمہارے ہاں بھی تو ایسا لکھا ہے۔ پھر تم تناسخ کو کیوں نہیں مانتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ تناسخ نہیں ہے بلکہ مسخ صورت ہے۔ تناسخ تو یہ ہے۔ کہ مرنے کے بعد روح ایک قالب سے نکل کر دوسرے قالب میں داخل ہو۔ جیسا کہ سوامی دیانند جی نے ستیارتھ پرکاش میں تصریح کی ہے۔ اور یہ مسخ صورت اسی بدن میں رہنے سے فسادِ خون کی وجہ سے حلیہ کی تبدیلی ہے۔ نہ کہ روح کا انتقال۔

فافھم ولا تکن من القاصرین

سورتِ فاتحہ اور ذات و صفاتِ باریتعالیٰ

ذاتِ حق کی کُنہ گو ہمارے ادراک و قیاس سے بلند تر ہے۔ لیکن عیاں سے عیاں ہے کیونکہ اس کی ہستی کا اقرار ہماری فطرت و جبلّت میں ایسے طور پر مرکوز ہے۔ اور اس کی قدرت و حکمت کے آثار اتنے وافر اور ظاہر ہیں کہ ہم اس کی ہستی سے انکار نہیں کر سکتے۔ ع "انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا" اسی لیے کہا گیا ہے۔

ہاں! بعض وقت بعض طبائع پر کچھ حجاب غالب آجاتے ہیں۔ لیکن وہ سب عارضی ہوتے ہیں۔ جب وہ دُور ہو جاتے ہیں۔ تو فطرت اپنی جبلت پر ہو کر حقیقت کو دیکھنے سمجھنے لگتی ہے۔ اور ھوالحق! ھوالحق!! پکار اُٹھتی ہے۔ ان حجابات کے اٹھانے کے دو طریقے ہیں۔

اوّل مصنوعاتِ عالم کی ایجاد پر نظر کرنا۔ اور ان کی متناسب ترتیب اور ہر امر میں حکیمانہ تدبیر اور عالمِ بالا (آسمان) اور عالمِ زیرین (زمین) میں ایک با نظام ارتباط، اور ان کی تاثیر و تاثر سے گوناگوں باقاعدہ و مناسبِ ضروریات انقلابات پر فکر کرنا، یہ وہ عالمگیر امور ہیں۔ جن سے انکار نہیں ہو سکتا۔ ان کے سمجھ لینے اور تسلیم کر لینے کے بعد کسی قسم کا حجاب باقی نہیں رہ سکتا۔

اور اگر کسی کی شہادتِ فطرت فرعون کی طرح مختلف حجابات کے غلیظ پردوں میں پوشیدہ ہو

Marfat.com

گئی ہو۔ اور اس کی عقل پر بھی پردہ پڑ گیا ہو۔ کہ وہ نہ تو مصنوعاتِ عالم کی ایجاد پر نظر کرے۔ اور نہ دنیا جہان کے نظامِ تربیت میں فکر کرے۔ اور اس کی ذہنیت ایسی الٹی ہو چکی ہو۔ کہ وہ بغیر صانع کی صنعت کے نمودار پیدائش کو مانتا ہو۔ اور بغیر موجد کے ایجاد کا قائل ہو۔ اور بغیر صاحب قدرت و حکمت مدبر کی تدبیر کے کسی باقاعدہ نظام کو تسلیم کرتا ہو۔ تو ایسے کج فہم غافل کو ہشیار کرنے اور اور ایسے مستِ خوابِ بیہوشی کو بیدار کرنے اور ایسے سرکش ضدی کی ضد توڑنے کے لیے قدرت اپنے قہری ہاتھ سے کام لیتی ہے۔ چنانچہ دہریہ کے سمجھانے کو خدا تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ آپ نے خدا کی ہستی کے بارے میں نہایت مختصر دو حرفی بات میں ایک نہایت لطیف و زبردست دلیل پیش کی یعنے۔

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔ (طٰہٰ پ ۱۶)

یعنی ہمارا رب وہ ہے۔ جس نے ہر شے کو پیدا کیا۔ اور اُسے مناسب وضع میں رکھا۔ پھر (ان کو جو سمجھدار ہیں) سمجھ بخشی۔"

فرعون علمی طور پر تو اس دلیل سے بند پڑ گیا۔ لیکن چونکہ اس کا حجاب بہت غلیظ تھا۔ اور تمرد و سرکشی کا بھوت اس پر مزید سوار تھا۔ اس لیے موسےٰ علیہ السلام کی اس نرم پھونک سے نہ تو وہ حجاب دور ہوا۔ اور نہ وہ بھوت اترا۔ آخر لشکر خدا کے ایک ادنےٰ سپاہی پانی نے اس کا گلا گھونٹا اور اس کی ناک مروڑ کر اس کا دم ناک میں کیا تو اس کے سب حجاب چاک ہو گئے۔ اور حکومت کا جن اتر گیا۔ حقیقت کمال وضوح سے اس کے سامنے منکشف ہو گئی۔ اور فطرت نہایت صفائی سے گواہی دے اٹھی۔

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (سورۂ یونس پ ۱۱)

میں نے (دل سے) سچ مان لیا (اور زبان سے اس کا اقرار کرتا ہوں) کہ جس ذات پر (میرے مقہور و مظلوم) بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے سوائے کوئی بھی معبود نہیں ہے (نہ میں تو دونہ کوئی دیگر) اور میں اس (ذات برحق کے) تابع فرمان بندوں میں سے (ایک) ہوں۔"

÷ ÷ ÷ ÷ ÷

فرعون کو نہ صرف خدا کی ہستی کا اقرار کرنا پڑا۔ بلکہ یہ بھی تسلیم کرنا پڑا۔ کہ میں اس کے حکم کے ماتحت ہوں۔ اور یہ بھی کہ سب کوئی اس کے فرمان کے تابع ہیں۔ جن میں سے ایک میں

Marfat.com

بھی ہوں۔

جس طرح خدا تعالےٰ کی ذات کا اقرار فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ اُسی طرح اُس میں یہ اقرار بھی مرکوز ہے۔ کہ ہم اور دیگر سب اور تمام کائنات ارضی اور سماوی اس کے حکم کے ماتحت ہے۔ کوئی اُسے سعادت مندی سے طوع و رغبت سے قبول کرتا ہے۔ اور اس پر ایمان رکھتا ہے۔ اور کسی کو کرھًا اس کے ماتحت ہو کر اس کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ (پ ۳ ال عمران ع ۹)

اور اسی کے تابع فرمان ہیں۔ سب جو آسمان و زمین میں ہیں۔ (کوئی) طوع و رغبت سے اور (کوئی) مجبوری و مقہوری سے اور (آخر سب کو) اُسی کی طرف لوٹنا ہے" ع

"انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا" کی ایک یہ بھی صورت ہے۔

غرض خدا تعالےٰ کی ہستی کے اثبات میں فطرت کے سامنے سے حجاب اور عقل کے سامنے سے پردہ ہٹانے کا یہ دوسرا طریق ہے۔ کیونکہ جب پتھروں کی حس کمزور ہو گئی ہو۔ تو نرم مس کفایت نہیں کرتا۔ بلکہ سخت رگڑ کی ضرورت ہوتی ہے۔

باقی رہا مسئلہ صفات[1]۔ سو ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ ذاتِ برحق کے اقرار کی طرح اس کی صفات کمال اور نعوتِ جلال کا اقرار اور جملہ معائب و نقائص سے اس کے منزّہ و مبرّا ہونے کی شہادت بھی فطری ہے۔ اور جس طرح اقرارِ ذات کے سامنے بعض وقت حجاب آجاتے ہیں۔ اور ادراک حقیقت نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح اقرارِ صفات کے سامنے بھی جہالت و غباوت کے بادل چھا کر حقیقت چھپ جاتی ہے۔ اور حجابات کے اندھیروں میں انسان کا وہم پرست دماغ کچھ کا کچھ تراش لیتا ہے۔ انہی حجابات و اوہام سے شرک پیدا ہوتا ہے۔ اور انسان غیر اللہ کو دنیا جہان کے نظامِ تربیت، اور تدبیرِ عالم میں متصرف و قابض سمجھ لیتا ہے۔ سو اس کے حجاب کے اٹھانے کے لیے بھی قرآن شریف نے یہی مذکورہ بالا دو نسخے استعمال کئے ہیں۔

اوّل یہ کہ مصنوعاتِ عالم کی خلق و ایجاد میں نظر کرنی فرمائی۔ اور ہر شئے کو نظر کے سامنے

---

[1] حافظ ابن حزم قرطبیؒ خدا تعالےٰ کے لیے لفظ صفت کو پسند نہیں کرتے۔ بلکہ انہوں نے اس کی بجائے لفظ نعت اختیار کیا ہے (کتاب الفصل) ۱۲ منہ

Marfat.com

رکھ کر سمجھا دیا۔ کہ اُن کا خالق سوائے خدا کے اور کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۱) أَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ (سورۂ رعد) (پ ۱۳)

کیا ٹھہرائے ہیں۔ انہوں نے خدا کے شریک کہ پیدا کیا ہے انہوں نے مثل خدا کے پیدا کرنے کی، پھر مل گئی ہے پیدائش ان کی نظر میں (اے نبی!) تو کہہ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر شئے کا، اور وہ اکیلا ہے (اور) زبردست ہے۔"

(۲) اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (سورۂ روم) (پ ۲۱)

اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو روزی دی، پھر تم کو مارتا ہے۔ پھر تم کو زندہ کرے گا۔ تمہارے (مقرر کردہ) شریکوں میں سے کوئی ہے جو ان کاموں میں سے ایک بھی کر دکھادے۔ وہ نرالا ہے۔ اور بہت بلند ہے اس سے جن کو وہ شریک مقرر کرتے ہیں۔

(۳) خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (لقمان پ ۲۱)

بنائے اس نے آسمان بغیر ستونوں کے (جیسا کہ) تم ان کو دیکھتے ہو۔ اور زمین پر پہاڑوں کا بوجھ ڈال دیا کہ وہ تم کو لے کر جھک نہ پڑیں، اور بکھیرے اس میں سب طرح کے جانور اور اتارا ہم نے آسمان (کی طرف) سے پانی، پھر زمین میں ہر عمدہ جنس اگائی، یہ سب کچھ تو خدا کا بنایا ہوا ہے اب دکھاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے جو اس کے سوا ہیں۔ کوئی نہیں بلکہ یہ (مشرک) ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

اسی طرح دنیا جہان کے انتظام و تدبیر کی بابت فرمایا:۔

(۱) قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ

(اے نبی! ان سے) پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے، یا کون مالک ہے کانوں کا اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے جیتا مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ جیتے سے اور کون تدبیر

Marfat.com

فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ج فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ج فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ج فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ (پ۱۱ یونس)

کرتا ہے ہر کام کی، سو کہیں گے کہ اللہ تو تو کہہ کیا تم ڈرتے نہیں؟ سو یہی اللہ ہے رب تمہارا سچا پھر کیا رہا ہے بعد سچ کے سوائے بھٹکنے کے، سو کہاں سے پھرے جاتے ہو۔"

دوم یہ کہ خدا سے ادھر جن بزرگ ہستیوں کو لوگوں نے غلط فہمی سے دنیا جہان کے انتظام و تدبیر میں متصرف سمجھ لیا اور ان کی پرستش شروع کر دی۔ اور ان کی رضا حاصل کرنے اور ان کے قہر و غضب کی بلا سے بچنے کے لیے ان کی نذریں نیازیں دینے لگے۔ گویا عملاً ان کو شریک خدا ٹھہرا لیا۔ ہر چند کہ وہ بزرگ ہستیاں اس غلط علم اور نادرست فہم کی تعلیم سے پاک تھیں۔ لیکن خدا تعالےٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے ان پر ایسے ایسے واقعات گزارے۔ کہ انھوں نے ان میں اپنے حقیقی مولا و مالک خداوند تعالےٰ کی طرف رجوع کیا۔ اپنی حاجت اس کے حضور میں پیش کی۔ اور اپنی تکلیف کی دوری کے لیے اس سے دعا کی جس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ مقدس بزرگ نہ تو تدبیر عالم میں متصرف تھے۔ نہ اپنے نہ کسی اور کے نفع نقصان کے مالک تھے۔ نہ مشکل کشا و کارساز تھے۔

اُن کے ایسے واقعات و مصائب اور اُن کی دعائیں قرآن مجید میں جا بجا مذکور ہیں۔ اور ہم نے اُن میں سے بعض رب العالمین کی تفسیر میں بھی نقل کر دی ہیں۔ غرض علم ظاہر میں استدلال اور تنبیہہ کے یہی دو طریقے ہیں۔ جن کا ذکر قرآن کریم میں بیش از بیش ہے۔

مسئلہ:۔ صفات باری تعالےٰ کو اصولی طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان کی تقسیم سمجھ لی جائے۔ سو معلوم ہو کہ خدا تعالےٰ کی صفات دو۲ طرح پر ہیں۔ وجودیہ اور سلبیہ۔

وجودیہ یہ کہ ذات حق جملہ صفات کمال اور نعوت جلال و جمال سے متصف ہے۔ جس کی وجہ سے وہ لائق حمد و قابل ستائش ہے۔

سلبیہ سے یہ مراد ہے کہ ذات حق جملہ معائب و نقائص سے پاک ہے۔ پھر یہ کہ صفات وجودیہ میں سے بعض ذاتیہ و حقیقیہ ہیں۔ ان کو ازلیہ و قدیمہ (مطلقاً) بھی کہتے ہیں۔ مثلاً حیات، علم، قدرت وغیرہا کہ ان کا انفکاک ذات حق سے نہ ہوا نہ ہو سکے گا اور بعض دیگر صفات افعال سے ہیں۔ کہ ان کا ظہور بالفعل مخلوق کے ظہور و وجود سے ہوتا ہے۔ مثلاً خالقیت،

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

رازقیت، ربوبیت وغیرہا۔

نکتہ نمبر ۱ اس تمہید کے بعد معلوم ہو کہ چونکہ سورت فاتحہ قرآن شریف کا خلاصہ ہے۔ اور اس کے جملہ مضامین مقصودہ کا ایکسٹریکٹ (EXTRACT) یعنے عطر ہے اس لیے اس میں صرف صفاتِ وجودیّہ کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں صفاتِ سلبیہ کا رجوع بھی صفاتِ وجودیّہ کی طرف ہے۔ اور وہ ان کے ضمن میں التزاماً موجود ہیں۔ کیونکہ جب صفاتِ وجودیّہ صفاتِ کمال ہیں، اور کمال کی حقیقت یہ ہے۔ کہ اس میں کوئی کسر۔ کوئی نقص اور کوئی عیب نہ ہو، کیونکہ عیب ونقصان مانعِ کمال ہوتے ہیں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ صفاتِ سلبیہ ضمناً صفاتِ وجودیّہ میں موجود ہیں۔

نکتہ نمبر ۲ سورت فاتحہ میں صفاتِ وجودیّہ میں سے بھی صرف وہی ذکر کی ہیں۔ جن کے ضمن میں دیگر سب صفاتِ ذاتیّہ وافعالیّہ بھی آجاتی ہیں۔ اور اسی کی شرح وبسط اس وقت ہمیں مطلوب ہے۔ اس طریق بیان میں اختصار بھی رہا۔ جو خلاصہ کی شان ہے اور احتوائے مقاصد مہمہ بھی ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اس کا نام القرآن العظیم اور ام القرآن رکھا گیا۔ مثلاً رب العالمین اور الرحمٰن الرحیم کہ ان میں ارادہ، علم، حکمت، سمع، بصر، قدرت، رزاقیت موہبت۔ (بخشش وعطا) بسط (کشائش) رافت ورحمت۔ لطف وکرم۔ حلم وعفو۔ مغفرت و ہدایت۔ اجابت وحفاظت۔ ولائت ووکالت۔ حیات وبقا۔ وغیرہا۔ صفاتِ جمالیہ ذاتیّہ و

ؔ ایسی صفات کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت ذاتِ باری کی صفت ونعت ہونے کی دوسری مخلوق سے متعلق ہونے کی ذاتِ خداوندی سے تو ان کا تعلق حادث نہیں۔ یعنے ایسا کوئی وقت نہیں تھا۔ اور نہ ہو گا۔ کہ ذاتِ برحق ان سے عاری ہو۔ اسی معنے میں سیدنا حضرت امام ابو حنیفہ رہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ کان اللہ خالقاً قبل ان یخلق۔ (فقہ اکبر) یعنے خدا تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی خالق تھا یعنے اس میں قوت وقدرت موجود تھی۔ اور وہ اس صفت سے موصوف تھا امام غزالیؒ نے اقتصاد میں اسے نہایت صفائی سے بیان کیا ہے باقی رہی دوسری جہت یعنے مخلوق سے صفت کا تعلق سو وہ حادث ہے یعنی جب خدا نے چاہا کہ مثلاً کسی شئے کو ہستی میں لادے تو اپنی صفت خالقیت کو اس شئے کی صورت علمیہ سے متعلق کر دیا جو اس کے علم ازلی میں اشیاء کے ایجاد سے پہلے موجود ہے اور اس کو موجود بالفعل کر دیا۔ پس یہ تعلق اور متعلق بہ (مخلوق) ہر دو حادث ہوئے نہ کہ صفت الٰہی اسی نکتہ کو نہ سمجھ کر آریوں نے مسئلہ خلق ایجاد اور حدوث و قدامت دنیا کے متعلق غلطی کھائی ہے اور اسی کے نہ سمجھنے سے مرزا محمود قادیانی سلسلہ خلق وایجاد کی قدامت کے قائل ہو گئے۔
قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۱۲ منہ

Marfat.com

فعلیہ آجاتی ہیں۔ اور مالک میں عظمت و کبریائی و صمدیت وغیرہا۔ صفاتِ جلالیہ آجاتی ہیں۔ اور اسے یوم الدین کی طرف مضاف کرنے سے جبروت و سطوت، قہر و عدالت، وغیرہا آجاتی ہیں۔

نکتہ نمبر ۳ ذاتِ خداوندی تصور میں نہیں آسکتی۔ نہ اُس پر ماہیت کا سوال وارد ہو سکتا ہے۔ نہ اس کی کنہ ادراک میں آسکتی ہے۔ اسی لیے علمائے منطق کا قول ہے۔ لَا یُحَدُّ وَلَا یُتَصَوَّرُ (سلم) پس بعض وقت اس کی صفات کے بیان میں اس کی شان کو انسانی ذہن کے قریب کرنے کے لیے ایسا پیرایہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ جس سے انسانی دماغ مانوس ہوتا ہے۔ اور اُس پیرائے میں ایسے الفاظ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ جو مخلوق کی صفت و شان میں بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان آیات کو جن میں ایسا طریق بیان اور ایسے الفاظ وارد ہیں۔ متشابہات کہتے ہیں۔ نہ کہ حقیقت کے لحاظ سے۔

ایسی صفات کے متعلق علمائے سنت کے دو مسلک ہیں۔ تفویض یعنے ان کی حقیقت سپردِ خدا کرنا۔ اور تاویل یعنے ظاہری معانی کو چھوڑ کر مجازی وغیرہ معنے مراد لینے۔

مسلکِ تفویض سے تو صاف ظاہر ہے۔ کہ ان کی حقیقت ادراکِ انسانی سے پرے ہے۔ اور مسلکِ تاویل بھی بتارہا ہے۔ کہ اس میں کلام کرنا علمائے راسخین کا کام ہے۔ پس ہر دو صورت ان کی حقیقت یا ان سے مراد عوام کی رسائی سے بالا ہے۔ اس لیے سورتِ فاتحہ میں جو سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔ اور سب کے یاد کرنے کی چیز ہے۔ ایسی صفات کا مطلقاً ذکر نہیں کیا گیا۔

دیگر اس وجہ سے کہ قرآن نے خود فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ متشابہات کا رجوع محکمات کی طرف ہے۔ یعنی متشابہات کو محکمات کے ماتحت رکھ کر سمجھنا چاہیئے۔ تاکہ تشبیہ[1] کی افراط اور تعطیل[2] کی تفریط سے بچاؤ رہے۔ چنانچہ فرمایا۔

---

[1] تشبیہ یہ کہ صفاتِ خداوندی کو حقیقۃً مخلوق کی صفات جیسا سمجھ کر اسے (معاذاللہ) ایک جسم قرار دیں جیسا کہ مشبہین کا مذہب ہے اور [2] تعطیل یہ کہ تنزیہہ کرتے کرتے اس کو صفات سے معطل کر دیں۔ یعنے ذاتِ محض بغیر صفات کے اعتقاد کریں۔ یہ دونوں مسلک ضلالت ہیں۔ ایک میں افراط ہے تو دوسرے میں تفریط اور سلامتی اس میں ہے کہ خدائے تعالیٰ کو جملہ صفاتِ کمال اور نعوتِ جلال و جمال سے موصوف جانیں اور مخلوق کی مشابہت سے پرہیز کریں اور یہ کہیں کہ ان کی کیفیت اس کی ذات کی شان کے لائق ہے اور ہمارے علم و ادراک کی رسائی سے بہت پرے ہے۔ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا (طٰہٰ ع ۶)

Marfat.com

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۔ (آلِ عمران پ۳)

(اللہ) وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر یہ کتاب کہ اس کی بعض آیات محکمات ہیں۔ کہ وہ جڑ ہیں کتاب کی اور بعض دیگر متشابہات ہیں ؏

پس محکمات امّ الاصول ہوئیں، اور سورتِ فاتحہ میں بوجہ اس کے امّ القرآن اور خلاصہ قرآن ہونے کے انہی امّ الاصول محکمات کا بیان مناسب تھا۔ اس لیے متشابہات[1] کے بیان سے استغنا کیا گیا۔

نکتہ نمبر ۴ ذاتِ حق کی صفات کی ایک تقسیم یہ ہے کہ بعض ان میں سے جمالی ہیں مثلاً ربوبیّت۔ رحمانیّت۔ رحیمیت اور بعض دیگر جلالی ہیں۔ پھر یہ جلالی بھی دو طرح پر ہیں۔ ایک وہ جن میں عظمت وشان اور کبریائی پائی جاتی ہے۔ دیگر وہ جن میں سطوت و جبروت، قہر و غلبہ، اور مجرموں پر غضب پایا جاتا ہے۔ جمالی کا ذکر تو معلوم ہو چکا۔ لیکن جلالی میں سے عظمت وشان والی کو تو صراحۃً ذکر کیا۔ اور غضب و قہر کا ذکر ضمناً کیا۔ جس کا مشرح ذکر انشاء اللہ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اور غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ میں آئے گا۔

ان ہر چہار صفات کی ترتیب

اسم ذات کے بعد اختصاص حمد میں چار صفات ذکر کی گئی ہیں۔ (۱) ربّ العالمین (۲) الرّحمٰن (۳) الرحیم (۴) مالک یوم الدین۔ ان کو اس ترتیب میں اس لیے رکھا کہ اقرارِ فطرت کے بعد میدان نظر واستدلال میں سب سے پہلے خدا تعالےٰ کی عالمگیر ربوبیّت کا نظارہ سامنے آتا ہے۔ دماغ اس کی علّت ووجہ معلوم کرنی چاہتا ہے۔ کہ یہ سلسلہ تربیت کیوں ہے۔ تو جواب ملتا ہے کہ محض رحمت کے تقاضے سے ہے۔ پھر رحمت عام بھی ہے۔ اور خاص بھی، عام وہ جس سے ایجاد وبقائے عالم ہے۔ اور یہ تقاضا اسم رحمٰن کا ہے اور خاص یہ کہ عاجز بندوں کی سعی وعمل کو رائگاں نہ کھوئے بلکہ تقاضائے فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل پ۱۵) اسے باثمر کرے اور یہ تقاضا ہے اسم رحیم کا۔ چنانچہ فرمایا۔ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ۝ (پ۲۲) پھر اتنے افضال پر اگر اعمال کی باز پرس، اور مطیع ونافرمان

---

[1] آیات متشابہات کے متعلق مفصّل ذکر انشاء اللہ تعالےٰ سورت آل عمران میں اس آیت کی تفسیر میں ہوگا ۱۲ منہ۔

Marfat.com

میں امتیاز، اور مظلوم کا انصاف نہ ہو تو یہ سارا سلسلہ عبث و بے کار سمجھا جائے اس لیے دین
(انصاف و جزا) کا ذکر کیا اور "انصاف کے دن کو" اپنے اسم مالک کی طرف مضاف کر کے اور حمد
کے ماتحت رکھ کر جلال و جمال ہر دو امر ظاہر کر کے حامدین۔ عابدین۔ صالحین۔ کو امیدِ فضلِ عظیم و
کرم عمیم دلائی۔ اور جاحدین، غافلین۔ فاسقین کو ڈرایا دھمکایا۔ لیکن لطف یہ ہے کہ ربوبیت عامہ،
رحمانیتِ عامہ اور رحیمیتِ خاصہ سب صفات ظاہر الفاظ میں بیان کیں اور انذار اور ڈراوے
کو لفظ دین یعنے انصاف و جزا کے لپیٹ میں مخفی رکھا۔ اور اس میں بھی ایک تصور لطف و کرم کا بھی
رکھا۔ پس ساڑھے تین رحمت اور شفقت کے لیے اور صرف آدھا اظہارِ غضب کے لیے
گویا رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ۔ (اعراف پ ۹) اور حدیث قدسی اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ
غَضَبِیْ ۔ (بخاری) کی شان اس میں بھی ملحوظ رکھی اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنَا ، آمین، پس ہر چہار صفات
میں نہایت لطیف ترتیب ہے۔

ہدایت رب العالمین میں نعمتِ بقا کی طرف اشارہ ہے کہ سب جہان و جہانیان کا بقا و قیام
اللہ ذوالجلال کی ربوبیت کا کرشمہ ہے اور الرحمٰن الرحیم (ثانی) میں جہان کی پیدائش و
پرورش کا سِرّ بتایا ہے۔ کہ وہ محض رحمت کے تقاضے سے ہے۔ کسی سابقہ خدمت یا استحقاق
سے یا مخلوق سے آئندہ نفع کی توقع پر نہیں۔ جو مربوب ہے۔ وہ حادث و مخلوق بھی ہے۔ پس
بسم اللہ میں جو الرحمٰن الرحیم ہے۔ وہ تیمن و تبرک کے لیے ہے۔ اور یہاں وجہ و سِرّ ربوبیت
اور اختصاصِ محمودیت کے لیے ہے۔ اور جب مقاصد مختلف ہوں گو الفاظ ایک ہی
ہوں۔ تو تکرار ممنوع اور مخلِ فصاحت و بلاغت نہیں ہوتا۔[1] اس کے بعد مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ
میں جزا و سزا عادل و انصاف اور مکافاتِ عمل کا ذکر کر کے انتہا اور رجوع کی طرف اشارہ کیا۔ کہ
آخر کار تم کو اپنے اعمال کی جوابدہی کے لیے اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا
اس دن سوائے اس کے کسی کی مالکیت کسی کا حکم اور کسی کا کچھ اختیار نہیں ہوگا۔ گویا یہ تینوں
آیتیں منہ الابتداء و بہ البقاء والیہ الانتہاء کے بیان میں ہیں۔ صوفیائے کرام
کے نزدیک معرفت کے یہی تین گر ہیں۔ اور یہی اصل توحید ہے۔ جب ان امور میں کوئی بھی اس کا
شریک نہیں۔ تو دوسروں میں جو انہی کی شاخیں ہیں۔ کوئی کیوں ہونے لگا؟

---

[1] نہایۃ الایجاز للامام الرازی رح ۱۲ منہ

Marfat.com

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ان ہر سہ صفات کی ترتیب میں فرماتے ہیں :۔

حضرت حق تعالے حمد را اوّل باسم ذات متعلق فرمودہ و بعد ازاں سہ صفت آوردہ اوّل صفتِ ربوبیت، دوم صفتِ رحمت، سوم صفتِ جزاء، ودرآوردن ایں سہ صفت نکتہ ایست دقیق، و آں آنست کہ در عالم ہر کہ ستائش و ثنائے کسے میکند از سہ چیز بیروں نمی باشد، یا آنکہ در زمان سابق پروردۂ نمک و مشمول نعمت او بودہ است، گو حالا از وے نفعے ندارد و نہ آیندہ توقع فائدہ، ویا آنکہ بالفعل از وے انتفاع دارد، گو در زمان سابق نداشت، ونہ آیندہ متوقع است یا آنکہ توقع نفعے از آنکس دارد گو در زمان سابق وحال باو منتفع نشدہ است و ایں ہر سہ چیز در عالم دنیاداری و دنیاداری بہ تجربہ میرسد چنانچہ پوشیدہ نیست، پس در آوردن ایں سہ صفت اشارہ بآنست کہ اگر بندگان راہ مروت روند، و حمد خدائے خود را بملاحظہ نعمتہائے سابقہ نمایند، نیز جائے آں دارد کہ مرا صفتِ ربوبیت ثابت است از سابق نعمتہائے بیشمار برایشاں دارم واگر بنعمتہائے عاجل نمایند آں نیز لفد و قت است کہ رحمان و رحیم ام۔ واگر آنحو بینی و دور اندیشی پیش گیرند، نیز شایان آنم، کہ کار خانہ جزاو البتہ بمن است واو باز گشت نقیر و قطمیر بسوئے من پس بہر صورت مستوجب حمد و ثنا و ام۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

ارتباط مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک صفات و محامد الٰہیہ کے جملہ اصول مذکور ہو چکے، اور دین اسلام کے اعتقادی اصل الاصول (توحید مع صفات) کا بیان ختم ہوا۔ کہ ذاتِ حق الوہیت میں متفرد ہے۔ پس برکت اسی کے نام میں ہے۔ اور سزا وارِ حمد بھی وہی ہے۔ ربوبیت میں واحد ہے۔ پس وہی مستحق عبادت ہے۔ محض شفقت و رحمت سے تم پر مہربانیوں کا سایہ کئے ہوئے ہے۔ اپنے سوا تمہیں کسی کے رحم پر نہیں چھوڑ رکھا۔ اعمال کی جزا کے لیے جس دن تم حاضر کئے جاؤ گے انصاف اسی صاحب حمد و ثنا کے ہاتھ میں ہو گا۔ اس کے سوا کوئی دوسرا مالک و مختار نہیں ہو گا۔ پس اس کے دروازے سے ہٹ کر کسی اور کے دروازے پر جانا جائز نہیں۔ اس کے بعد عملی حصّے کا بیان شروع کیا۔ اور عمل میں سب سے بڑی چیز عبادتِ الٰہیہ ہے کیونکہ ایسے مہربان مالک کی تعظیم سے بڑی نسبت اسی امر کو ہے۔ اس لیے فرمایا :۔

Marfat.com

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ

یعنے خداوندا! جس کی یہ شان ہے جو بیان ہو چکی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

اور اس میں صیغہ غائب سے صیغہ خطاب کی طرف التفات[1] اس سبب سے کی، کہ خدا تعالےٰ کی صفات مذکورہ بالا کے تصور استغراقی سے خصوصاً قیامت کی حاضری کے خیال سے ایک حالت کشفی وحضوری طاری ہو جاتی ہے۔ یا ہو جانی چاہیئے۔ یا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ یَّوۡمَ یَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝

(سورت تطفیف پ۳۰)

کیا ان لوگوں کو کھٹکا نہیں، کہ اس بڑے دن میں جب تمام لوگ اللہ رب العالمین کے حضور میں کھڑے ہوں گے، تو یہ (کم تولنے والے) بھی سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔

پس استغراق تصور سے کشفی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور تجلیات الٰہیہ نازل ہو کر حضور کا رتبہ حاصل کراتی ہیں۔ اور اس حضوری کی حالت[2] میں صیغہ خطاب ہی مناسب ہے۔

دیگر یہ کہ جو ذات ہمارے وہم سے پرے اور خیال سے بالا، اور جنس ومثال سے پاک ہے اور ہم اُسے اپنے ان حواس سے نہیں پا سکتے۔ یا یوں کہیئے کہ جب انسان کو ان دیکھے اور بے مثال خدا کی پرستش مشکل نظر آئی (اور اس سے انکار کی صورت تو ممکن نہیں کیونکہ اس کا اقرار ہماری فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔) تو انسان کے وہم پرست دماغ نے وحی ربانی کی رہنمائی کے خلاف خدا کی صفات کی تصویریں بنائیں۔ بت تراشے، مقدس انسانوں کو اس کا اوتار و مظہر و بروز قرار

---

[1] علم معانی میں التفات یہ ہے کہ متکلم و مخاطب و غائب کے صیغوں کو کسی نکتے کے لیے ایک دوسرے کی بجائے استعمال کیا جائے اس کی تفصیل و قواعد کتب بلاغت مثل مطول، مختصر معانی وغیرہما میں مذکور ہیں ۱۲ منہ

[2] اسی مقام پر نماز میں وہ حالت ہو سکتی ہے۔ جس کی نسبت حدیث جبرئیل میں وارد ہے۔

ان تعبد ربک کانک تراہ۔ (مشکوٰۃ ص۳)

یعنے تو اپنے رب کی عبادت ایسے طور پر کرے۔ کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔

اور اس مقام کے حاصل کرانے والی آیت یہی اِیَّاکَ نَعۡبُدُ ہے۔ اور یہ سب راز کافِ خطاب میں مرکوز و مضمر ہیں۔

اللھم ارزقنا منہ اللھم اعتقنی لکاتبہ ولمن سعی فیہ۔

Marfat.com

دیا اور کائنات ارضی و سماوی میں ان کو مختار و متصرف اعتقاد کیا۔ اور ان کی پرستش شروع کر دی پھر اس اس سے گذر کر طرح طرح کی عناصر پرستی جاری ہو گئی۔ کہ دریاؤں (گنگا، جمنا) پہاڑوں (دیوالا کھی) درختوں (پیپل) چوپایوں (گائے) پرندوں (نیل کنٹھ) سورج، چاند۔ اور ستاروں بلکہ پتھروں کی بھی عبادت ہونے لگی۔ قرآن شریف نے انسانی دماغ کو ان سب کی بابت سمجھا دیا کہ بلکہ دماغ میں اتار دیا کہ یہ سب خداوند تعالےٰ کے انعامات ہیں جن سے وہ اپنے بندوں کی تربیت کرتا ہے۔ اس نے ان کو اسی ارادے سے پیدا کیا۔ اور ان میں یہ منافع رکھے ہیں۔ یہ سب فوائد کے پہنچانے میں خدا کے حکم کے ماتحت ہے۔ پس ان انعاموں سے فائدہ اٹھا کر اس منعم سے لو لگاؤ۔ اور اسی کے گیت گاؤ۔ اور اُسی کا احسان مانو۔ جس نے ان سب کو تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیا۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَمِنْ اٰيَاتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔

(حٰم فصّلت پ۲۴)

یعنی "اور خدا کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی۔ اور سورج بھی اور چاند بھی، (تو) تم سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو (اور صرف) خدا کو سجدہ کرو۔ جس نے ان کو پیدا کیا۔ اگر تم اسی کی عبادت کا دعوےٰ کرتے ہو"

اوّل تو نماز کی ہیئت ترکیبی (دست بستہ قیام، رکوع اور سجود) ہی ایسی بتائی کہ تواضع و انکساری خشوع و خضوع اور مسکنت و خشیت، اس کی وضع سے ظاہر ہے۔ پھر اس میں سورت فاتحہ کی قراءت سکھائی کہ اس میں تمام عالم میں خدا کی ربوبیت کی جلوہ نمائی اس کی رحمانیت اور رحیمیت کی کرم فرمائی سامنے آکر اس کی عظمت و کبریائی کا شہود ہونے لگتا ہے۔ اور محاسبۂ اعمال کے لیے اس کے حضور میں کھڑا ہونا یاد آکر اس مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ کہ بس ہم اُس کے سامنے ہی کھڑے ہیں۔ اور عرض و معروض کر رہے ہیں۔ حقیقی حضورِ قلب واقعی سکونِ خاطر اور خشیت کے پیدا کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر پاک اور بے لوث موثر نہیں ہو سکتا۔ اور یہ سب کچھ سورت فاتحہ کی ان مختصر آیتوں میں ہے۔ اور اس سارے مضمون کی وسعت اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے صیغہ خطاب میں سمیٹ دی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ نے خدا کے بے مثال کی معرفت و عبادت۔ بغیر کسی خارجی صورت و نمونہ کے خود اس کے جلال و جمال اور عظمت و کمال

Marfat.com

سے سمجھائی۔ اور پھر یہ کہ اس راہ کے سالکین کو منزلِ مقصود کی اعلےٰ اسٹیج پر پہنچا بھی دیا۔ جس سے گوہرِ مقصود بھی ہاتھ آ گیا۔ اور شرک نہ تو ہمات کی بلا سے بھی محفوظ رہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ قرآن شریف کے اس طریقِ تعلیم کا رتبہ بہت بلند ہے اور ان جملہ طریقوں سے از بس بالا ہے۔ جو انسانی دماغ نے اختراع کئے کیونکہ خدا تعالےٰ بے مثال کی صفات کی تصویریں بنا کر اور انبیاء اور فرشتوں اور صالحین کو اس کے مظہر و بروز یا اوتار قرار دے کر اور ان کے ارواح کو حاضر ناظر سمجھ کر عبادت کرنے میں شرک تو ظاہر ہے لیکن اس کے علاوہ یہ خرابی بھی ہے کہ ان سب صورتوں میں علو سے پستی کی طرف تنزل ہوتا ہے۔ اور ان سب مادی چیزوں اور وہمی باتوں سے بالاتر ہو کر خدا کی ربوبیت اور رحیمیت اور اس کی مالکیت کے دروازے سے اس کے حریم پاک یا حظیرۃ القدس میں داخل ہونا یا اس کی ان صفات کے آئینہ سے اس کے جلال و جمال اور عظمت و کمال کا مشاہدہ کرنا حقیقی معرفت ہے اور اس میں دماغ کی ترقی و بلندی ہے اسی لیے نماز کے لیے کہا گیا ہے۔ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ بلکہ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ روحِ انسانی کو اس کے حقیقی مرتبہ کے مناسب طائرانِ قدس کی مجلس میں شامل کر دیا۔ نہ یہ کہ اسے اس کے مرتبے سے گرا کر اسفل سافلین بنا دیا چنانچہ دوسرے موقع پر اس کی حقیقت کو یوں ظاہر کیا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الآیۃ (سُوْرَۃُ التِّیْنِ) (پ ۳۰)

یعنے ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت میں پیدا کیا ہے۔ پھر اُسے (اس کی پست خیالیوں کی پاداش میں) پست سے پست کر دیا۔ مگر ان لوگوں کو جو (ہماری ہدایت کے مطابق) ایمان رکھتے ہیں۔ اور نیک اعمال بجالاتے ہیں۔ الخ

فائدہ حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس سورت (فاتحہ) کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی زبان پر نازل فرمایا کہ وہ اس طرح کہا کریں ''۔

ـــاِیَّاکَ نَعْبُدُ میں مفعول کو یعنے کاف ضمیر کو اس کے عامل نعبد پر مقدّم کیا۔ واسطے حصر اور اختصاص کے جس کے رو سے معنے یہ ہو گئے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ نہ کسی اور کی، یہ قاعدہ بلاغتِ کلام میں داخل ہے (مختصر معانی)

لفظِ اِیَّا کے متعلق ائمہ نحاۃ کے تین قول ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ ضمیر منفصل منصوب ہے۔

Marfat.com

اور کاف اور یٰ اور ہٰ، جو اُس کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں۔ وہ تعیین خطاب و تکلم و غیبت کے لیے ہوتے ہیں۔ دوم یہ کہ ضمیریں تو کاف اور یٰ اور ہٰ ہی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ اپنے عامل سے منفصل ہو کر اور اکیلی رہ کر تلفظ میں کمزور تھیں، اور ابتدا میں کمزور کلمہ مناسب نہیں۔ اس لیے ان کو پُر وزن اور مضبوط کرنے کے لیے اِیَّا کا سہارا دیا گیا۔ تاکہ ان کی کمزوری بھی دور ہو جائے اور اپنے عامل سے منفصل و مقدم ہو کر مفید حصر بھی ہو سکیں۔ سوم یہ کہ اِیَّا اور کاف ہر دو مل کر مجموعۃً ضمیر ہے اور اسے کئی طرح پر پڑھنا جائز ہے۔ اِیَّا (بکسر الہمزۃ و تشدید الیا) اِیَا (بکسر الہمزۃ و تخفیف الیا) اَیَّا (بفتح الہمزۃ و تشدید الیا) ھِیَّا (بابدال الہمزۃ ہاءً و تشدید الیاء) (ابی السعود و تشریح ما)

اور اس جگہ تقدیم مفعول کی وجہ یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اس لیے کہ خالق و پروردگار وہی ہے۔ نیز عبادت کی جزا کا مالک بھی وہی ہے۔ ان امور میں کسی اور کو کچھ بھی دخل نہیں نہیں۔ نہ خالقیت میں نہ ربوبیت میں اور نہ مالک جزا ہونے میں۔

چنانچہ فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ[1] رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ

(سورۃ البقرۃ)

(پ ۱)

اے لوگو! عبادت کرو اپنے پروردگار کی۔ جس نے تم کو (بھی) پیدا کیا اور تم سے پہلوں کو (بھی) تاکہ تم (عذاب سے) بچ جاؤ (اس کے بعد سلسلۂ ربوبیت کی تفصیل ذکر کی اور فرمایا) جس (خدا) نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا، اور آسمان کو چھت، اور آسمان (کی طرف) سے پانی اتار کر تمہاری روزی کے لیے اناج اور قسم قسم کے میوہ جات پیدا کئے پس تم خدا کے شریک نہ بناؤ۔ اور تم (یہ سب کچھ) جانتے ہو۔

نیز فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ

اے لوگو! یاد کرو خدا کی نعمت جو تم پر ہے۔ کیا سوائے خدا کے کوئی (دوسرا) خالق ہے؟ جو تم کو آسمان

---

[1] لفظ ثمرات درختوں کے میوہ جات اور زراعت ہر دو قسم پر بولا جاتا ہے (قرآن شریف) ۱۲ منہ

Marfat.com

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ۔

(پ۲۲، سورہ فاطر)

سے اور زمین سے روزی پہنچا دے۔ اس کے سوائے کوئی بھی لائق عبادت نہیں مگر وہی۔ پس تم کدھر بھٹکے جا رہے ہو۔"

نیز فرمایا:۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ٥ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ۔

(پ۲۳)

(زمر)

(اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ مجھے تو یہ حکم ہوا ہے کہ میں صرف خدا کی عبادت کروں۔ خالص کرتا ہوا واسطے اسی کے دین کو اور مجھے (یہ بھی) حکم ہوا ہے۔ کہ میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ (اے پیغمبر! ان سے یہ بھی) کہدو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے"

چونکہ اس جگہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ سے پیشتر اسی ربوبیت عامہ اور رحمانیت و رحیمیت اور روزِ جزا کی خصوصی مالکیت کا ذکر ہے۔ اس لیے اس موقع پر حصرِ عبادت کی صورت نہایت موزوں و مناسب ہے۔

دوسری وجہ حصر کی یہ ہے کہ آدمی کے احوال تین زمانوں کے متعلق ہیں، اوّل ماضی میں، دوم حال میں، سوم استقبال میں، اور ان تینوں میں وہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اور ان میں اس کا نگران حال سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں، اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ زمانہ ماضی میں ایک وقت تھا۔ کہ اس میں انسان بالکل موجود نہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے کرم سے اُسے نطفۂ آب اور مُضغۂ گوشت کی صورت میں بنایا۔ اور اس میں جان ڈالی اس وقت یہ نہایت ضعیف و ناتوان اور بالکل نادان تھا۔ خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اُسے توانائی اور دانائی بخشی، اور نیکی بدی۔ اور نفع نقصان کی تمیز عطا کی، اور ہر طرح کی نعمت سے نوازا۔ اب انسان زمانہ حال میں یعنے اس عالم میں خدا تعالیٰ کی ظاہری و باطنی نعمتوں میں زندگی گذارتا ہے۔ جن میں وہ خدا کا بے حد محتاج ہے۔

اس کے بعد اُسے سفرِ عاقبت یعنی عالمِ جزا پیش آنے والا ہے جس کی بابت ارشاد ہے جب کہ یہ کارخانۂ دنیا درہم برہم ہو جائے گا۔ تو انسان اپنے اعمال کی جزا کے لیے اپنے خداوند کے حضور پیش ہوگا۔ چنانچہ فرمایا:۔

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۔ (انشقاق پ۳۰)

اے (غافل) انسان تجھے ضرور ضرور اپنے پروردگار کے حضور گھسٹ گھسٹ کر پہنچنا ہے ۔ اور پھر اس سے ملنا ہے ۔

ان ہر سہ زمانوں میں انسان خدا کے قبضے اور اختیار میں ہے ۔ اور ان ہر سہ میں اسی کا محتاج ہے ۔ پس سوائے خدا کے کسی اور کی عبادت کی کوئی وجہ اور گنجائش نہ ہو سکی ۔ لہٰذا عبادت کو صرف خدا تعالےٰ کے لیے حصر کرنا ضروری ہوا ۔

ان ہر سہ زمانوں کے متعلق قرآن شریف میں بکثرت سے آیات ہیں ۔ لیکن ہم طوالت کے خوف سے ان کو نقل نہیں کر سکتے ۔

عبادت نہایت درجے کی عاجزی اور تذلل کو کہتے ہیں چنانچہ اس راستے کو جو بہت پامال ہو اور اس پر گذر زیادہ ہو ۔ طریق معبّد ای مذلل کہتے ہیں ۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے ۔ المعبّد المذلل وَالتَّعبید التذلل ، نیز کہا ہے ۔ طریق معبّد مسلوک) اور ظاہر ہے کہ نہایت درجے کی عاجزی نہایت درجے کی شان والی ذات کے سامنے چاہیئے ۔ اس لیے اسلام نے یہ تذلل و عاجزی سوائے ذاتِ حق کے کسی اور کے لیے جائز نہیں رکھی ۔ پس ذاتِ حق کے لیے حصر عبادت کی یہ بھی ایک وجہ ہے ۔

اس بیان سے واضح ہو سکتا ہے ۔ کہ عبادات ۔ عبادت کنندہ کے لحاظ سے تو نہایت درجے کی عاجزی ہوتی ہے ۔ لیکن اس میں معبود کی نہایت درجے کی تعظیم ہوتی ہے ۔ پس ہر امر و ہر حالت جس سے یہ مفہوم ظاہر ہو کہ اس میں عابد کی نہایت درجے کی ذلت اور معبود کی نہایت درجے کی عزت و تعظیم پائی جائے ۔ وہ عبادت ہے ۔ اور یہ تین طرح پر ادا ہو سکتی ہے ۔

اوّل ۔ زبان سے ، جیسے حمد و ثنا ، ذکر و وظیفہ اور دُعا وغیرہا ۔
دوم ۔ بدن سے ۔ جیسے سجدہ ۔ نماز ۔ روزہ ۔ حج ۔ طواف وغیرہا ۔
سوم ۔ مال سے ، جیسے زکوٰۃ صدقہ ۔ خیرات ۔ قربانی ۔ نذر نیاز وغیرہا ۔

یہ سب اقسام صرف اللہ تعالےٰ کے لیے یعنے اس کی رضا اور قرب حاصل کرنے کے لیے ادا کرنی چاہئیں ۔ ان میں کسی غیر کی شرکت جائز نہیں اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں حصر کا مفاد یہی ہے ۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے اس کے یہ معنے منقول ہیں :-

Marfat.com

نعبدک ولا نعبد غیرک - یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں - اور تیرے سوا کسی اور کی نہیں کرتے "
(ابی السعود ص۱۵۶)

تشہد نماز میں جو وظیفہ آنحضرت صلعم نے سکھایا ہے - اس میں یہ سب اقسام خدا تعالیٰ سے مخصوص کر دیئے ہیں - التحیات یعنی جملہ تحیات یعنی زبان کی حمد و ثنا اور اوراد و وظائف للہ خاص خدا کے لیے ہیں - والصلوات اور سب بدنی عبادات بھی مثلاً نماز، حج اور سفر زیارت وغیرہا - والطیبات اور سب مالی صدقات و خیرات نذر و نیاز - قربانی اور چڑھاوے بھی جو پاک مال سے دیئے جائیں (سب خاص اللہ ہی کے لیے ہیں) -

وایاک نستعین - اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں -

اس میں بھی ایاک کو مقدم ذکر کیا - کہ عبادت کی طرح استعانت بھی ذات باری سے مختص ثابت ہو - اور ایاک کو مکرر بھی ذکر کیا - کہ عبادت و استعانت ہر دو مقصود بالذات ظاہر ہوں - نیز اس لیے کہ یہ وقت خدا کے سامنے حاضری اور مناجات و خطاب کا ہے - جیسا کہ سابقاً ذکر التفات میں گذر چکا اور مقام حضور و مناجات میں صیغہ خطاب کو مکرر لانے میں متکلم کو لذت حاصل ہوتی ہے - اور اس کا شوق و ذوق بڑھتا ہے - حاصل یہ کہ نہ خدا کے سوا کسی کی عبادت جائز اور نہ ان امور میں جو اس سے مخصوص ہیں - کسی اور سے استعانت و استمداد روا - جیسا کہ انشاء اللہ مفصل مذکور ہو گا -

عبادت کے بعد استعانت کے ذکر کی دو وجہیں ہیں -

اوّل یہ کہ مقام عبادت و عبودیت میں قائم ہونا اور اُسے کماحقہٗ انجام دینا - خدا تعالےٰ کی مدد و توفیق کے سوا نہیں سکتا - اس لیے نعبد کے بعد خدا تعالےٰ سے مدد طلب کرنے کے لیے نستعین کہا -

دوم یہ کہ طلب مدد اور دعا بھی عبادت کی ایک قسم ہے - اور امر عبادت میں نہایت مہتم بالشان ہے اس لیے اسے خصوصیت سے ذکر کیا - چنانچہ حدیث میں وارد ہے -

الدعاء مخ العبادۃ - (بلوغ) یعنی دعا عبادت کا گودہ ہے -

نیز فرمایا :-

الدعاء ھو العبادۃ - (حصن) یعنی دعا ہی عبادت ہے -

پھر آپ (صلعم) نے یہ آیت پڑھی :-

Marfat.com

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ۔ (مومن پ ۲۴)

تمہارے رب نے فرمایا ہے۔ کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ بیشک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب نہایت خواری کی حالت میں جہنم میں پڑیں گے "

اس آیت میں دُعا کو عبادت کہا ہے۔

دعا کے عبادت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بندے کا تعلق قلبی خدا کے ساتھ اسی وقت درست و مضبوط ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی حاجات و مشکلات میں صرف اسی کی طرف رجوع کرے، اور ہر نبی کی دعوت تھی۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔ (ہود پ ۱۲)

یعنے میرے بھائیو! تم خدا کی عبادت کرو۔ اس کے سوائے تمہارا کوئی بھی (سچا) معبود نہیں ہے "

نیز تصریحاً فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۔ (انبیاء پ ۱۷)

یعنے اے پیغمبر! تجھ سے پیشتر ہم نے جو بھی پیغمبر بھیجا۔ ہم اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے ہیں کہ میرے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں ہے۔ پس تم میری ہی عبادت کرو"

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۔ (مزمل پ ۲۹)

یعنے اپنے پروردگار کے اسم کا ذکر کر۔ اور سب سے توڑ کر اسی سے جوڑ لے۔

کا حکم اسی رابطہ کو قائم کرنے کے لیے ہے۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۔ (مومن پ ۲۴)

یعنے اللہ تعالےٰ سے دعا کرو۔ خالص کرتے ہوئے واسطے اسی کے دین (اطاعت و بندگی) کو"

کی حقیقت یہی ہے۔

اسی اختصاص وحصر کے لیے کلمہ توحید میں تمام غیر اللہ کی نفی کر کے الوہیت کو صرف خدا کے لیے ثابت رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ (محمد پ ۲۶)

یعنے اے پیغمبر! تو یقین کر کہ خدا کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے "

Marfat.com

پس جب تک انسان تمام غیر اللہ سے توڑ کر مقام الوہیت کو ذاتِ حق سے مخصوص نہ کر دے اور تمام ان امور میں مختص بذاتِ باری ہیں استمداد و استعانت، اور استغاثہ و فریاد خاص خدا تعالےٰ سے نہ کرے، وہ خدا کی منشاء کے مطابق خاص اس کا پرستار نہیں کہلا سکتا۔ اور آیت اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے دعوے میں سچا نہیں اتر سکتا۔"

رسومِ شرکیہ اور مذہبِ حنفی

چونکہ عوام میں یہ غلطی عام طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ کہ حضرات انبیاءؑ اور اولیائے کرام اور ان کی قبور بالخصوص تعزیہ حضرت امام حسین رضؓ اور ان کی نذر و نیاز کے متعلق جو جو امور (شرکیہ) اور رسوم (بدعیہ) مروج ہیں وہ سب حنفی مذہب میں درست ہیں۔ اس لیے ہم اس غلطی کو رفع کرنے کے لیے حنفی مذہب کے حوالے ذکر کرتے ہیں، جس میں ایسے امور کو بالکل باطل و حرام قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح مالا بد منہ میں فرماتے ہیں:۔

بندگانِ خاصِ الٰہی را در صفاتِ واجبی شریک داشتن یا آنہا را در عبادت شریک ساختن کفر است چنانچہ دیگر کفار با نکار انبیاء کافر شدند، ہمچناں نصاریٰ حضرت عیسےٰؑ را پسر خدا و مشرکانِ عرب ملائکہ را دختران خدا گفتند و علمِ غیب با نہا مسلم داشتند کافر شدند" انبیاء و ملائکہ را در صفاتِ الٰہی شریک نباید کرد، و غیر انبیاء را در صفاتِ انبیاء شریک نباید کرد، (کتاب الایمان صفحہ ۱۱)"

(۲) واعلم ان النذر الذی یقع للاموات اکثر العوام وما یوخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربًا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام۔

درمختار صفحہ ۹۶

اور جان تو کہ نذر جو اکثر عوام کی طرف سے مردوں کے لیے واقع ہوتی ہے۔ اور جو کچھ اولیائے کرام کی قبروں پر پیسے اور موم بتی اور تیل وغیرہ کی جنس سے لے جائے جاتے ہیں۔ تاکہ ان (اولیاء) کا قرب حاصل ہو سو یہ سب بالاتفاق باطل اور حرام ہے۔"

ازالۂ شبہات

بعض لوگ جو جہالت کے باعث یا مشرک قوموں میں بود و باش رکھنے کی وجہ سے شرکی توہمات میں مبتلا ہیں اور توحید کے متعلق اسلام کی امتیازی تعلیم سے ناآشنا ہیں۔ وہ کہا کرتے ہیں۔ کہ ہم بزرگوں کو صرف خدا کی درگاہ میں وسیلہ گردان کر ان سے دُعا کرتے ہیں۔ وہ ہماری سفارش کرتے ہیں تو ان کے ذریعے سے دعا جلد

Marfat.com

قبول ہو جاتی ہے ۔ نیز ان کے نام کے چڑھاوے ، اور نذریں نیازیں حاصل کرنے کے لیے دیتے ہیں ۔ ورنہ یہ تو ہم بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ سوائے خدا کے کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا اور اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے ۔

یہ ایک شبہ ہے جو ان بیچاروں کو جہالت کی وجہ سے عارض ہو گیا ہے ، اور اس کا ازالہ یوں ہے کہ انہوں نے دیگر مشرک قوموں کے حالات و توہمات پر تنقیدی نظر نہیں کی ، اور اس بات کو کبھی نہیں سوچا کہ اگر یہ صورت پسندیدہ خدا کی تھی تو آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے کی کیا حاجت تھی ۔ اور قرآن کریم کے نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی ۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کے متعلق دنیا میں کیا اصلاح کی ؟ کیونکہ یہ سب توہمات اور رسوم شرکیہ اسلام سے پیشتر عرب و ایران ۔ مصر و یونان ۔ چین و ہندوستان وغیرہ وغیرہ تمام ممالک میں موجود تھے ۔ اور سب مشرک قومیں اپنے مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ معبودوں کی نسبت یہی اعتقاد و خیال رکھتی ہیں ۔ اور اسی خیال سے ان کی پرستش کرتی ہیں کہ یہ خدا کے اور ہمارے درمیان واسطہ ہیں ۔ اور اس کے ہاں ہماری سفارش کرتے ہیں ۔ ان کی رضا جوئی خدا کی رضا جوئی ہے ، اور ان کی معرفت دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں ۔ اور حاجات فوراً پوری ہو جاتی ہیں ۔ چنانچہ مشرکین مکہ کی بابت فرمایا :۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

(یونس پ ۱۱)

اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا ان چیزوں کو جو نہیں ضرر دیتیں ان کو اور نہ نفع دیتیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں خدا کے پاس (اے پیغمبر !) ان سے کہو کیا تم بتاتے ہو خدا کو وہ شے جسے وہ آسمانوں میں اور زمین میں نہیں جانتا ۔ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے ۔ اس سے جو تم شریک ٹھہراتے ہو ؟

۲ ۔ اسی طرح سورہ زمر میں فرمایا :۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ

(اے پیغمبر !) ہم نے یہ کتاب تیری طرف بتحقیق اتاری ہے بس تو عبادت کر خدا کی اخلاص کرتے ہوئے واسطے اسی کے بندگی کو ۔ یاد رکھو ! واسطے اللہ ہی کے ہے خالص بندگی ۔ اور جن لوگوں نے اس

Marfat.com

اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی۔ (سورۃ الزمر) (پ ۲۳)

کے سوا حمائتی گردان لیے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو قرب میں خدا کے نزدیک کر دیں"۔

ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے۔ کہ مکہ کے مشرک اپنے غیر اللہ معبودوں کی عبادت ان کو خدا سمجھ کر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کو خدا کے اور اپنے درمیان واسطہ اور سفارشی جانتے تھے۔ لیکن خدا تعالےٰ نے اسے شرک اور توحید خالص کے خلاف قرار دیا!

اسی خیال سے غیر اللہ کی پرستش ہوتی ہے اور اسی سے بت پرستی تک نوبت جا پہنچتی ہے۔ خدا تعالےٰ کو ایسی عبادت ہرگز منظور نہیں، وہ بلا شرک کے خالص عبادت چاہتا ہے۔ اسی کے لیے آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے، اور اسی کے لیے آپ پر چشمۂ ہدایت کتاب قرآن مجید اترا۔ جیسا کہ سورۂ زمر کی آیت میں خود خدا تعالیٰ نے فرما دیا۔

نکتہ غریبہ واسطہ اور ذریعہ ہدایت میں ہوتا ہے۔ نہ کہ عبادت میں، مشرک قوموں کو غلطی ہو گئی تو اسی سے لگی۔ کہ انہوں نے عبادت اور ہدایت میں فرق نہ کیا۔

انبیاء علیہم السّلام خدا کی شریعت اور اس کی عبادت کا طریق حاصل ہونے میں واسطہ ہوتے ہیں کہ وہ خدا کی وحی سے علم پا کر خلقت کو بتاتے ہیں۔ وہ اس لیے نہیں آتے کہ ان کی تصویر یا بت یا قبر کو سامنے رکھ کر عبادت کی جائے یا ان کی ارواحِ طیبہ کو حاضر ناظر جان کر ان کی درگاہ میں استغاثہ و فریاد کر کے دعاء والتجا کی جائے۔ اور ان کو خدا اور بندے کے درمیان دربارۂ عبادت واسطہ قرار دے کر نفس عبادت میں ان کو ساجھی و حصہ دار ٹھہرا لیا جائے۔ چنانچہ نہایت تفصیل سے فرمایا:۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ

کسی بشر کا کام نہیں کہ دیوے خدا اس کو کتاب اور دانائی اور نبوت، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا سے ادھر میرے بندے بن جاؤ۔ لیکن (کہے گا) ہو جاؤ تم ربانی موافق اس کے جو تم تعلیم کرتے رہے کتاب (خدا) کی اور مطابق اس کے جو تم (کتاب اللہ میں) پڑھتے رہے۔ اور نہ یہ کہہ سکتا

Marfat.com

أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّيْنَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔ (آلِ عمران پ۳)

ہے کہ اگر دانو تم فرشتوں کو اور انبیاء کو ربّ۔ کیا حکم کرے گا تم کو کفر کا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔"

یہی وہ شرک ہے، جس کے مٹانے کے لیے آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے۔ اور اسی سے بچانے کے لیے آپ نے اپنی ذاتِ گرامی کی بابت بھی عبدہٗ و رسولہٗ کا اقرار سکھایا۔ اور اسے کلمۂ شہادت کی جزو لازم قرار دیا کہ بغیر اس کے قعدۂ نماز تمام نہیں ہوتا۔ اور قعدہ نماز کا ایک عظیم رکن ہے۔ اور یہی وہ شرک ہے۔ جس سے آنحضرت صلعم نے اگلی گمراہ اُمتوں کے حالات سے متنبہ کر کے ڈرا دیا۔

عن عائشۃ رضؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی لم یقم منہ لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد۔ الحدیث (بخاری صـ۱۵۹)

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی اس بیماری میں جس میں آپ کی وفات ہوئی فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔

(۲) عن عائشۃ رضؓ قالت لما اشتکی النبی صلعم ذکرت بعض نسائہ کنیسۃ رأینھا بارض الحبشۃ یقال لھا ماریۃ وکانت ام سلمۃ وام حبیبۃ رضؓ اتتا ارض الحبشۃ فذکرتا من حسنھا وتصاویر فیھا فرفع راسہ فقال أولئك اذا مات منھم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا ثم صوروا فیہ تلك الصورۃ اولئك شرار الخلق عند اللہ۔

(بخاری صـ۱۵۲)

(۲) نیز انہی سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلعم بیمار ہوئے تو آپ کی ازواج میں سے بعض نے ارضِ حبشہ کا گرجا ماریہ نام جو دیکھا تھا اس کا ذکر کیا کیونکہ حضرات اُمِ سلمہ رضؓ اور اُمِ حبیبہ رضؓ ہجرتِ حبشہ میں وہاں گئی تھیں۔ اور انہوں نے اس کی خوبصورتی اور تصویروں کا ذکر کیا تھا۔ تو آپ نے (اسی بیماری کی حالت میں) اپنا سر مبارک اٹھا کر فرمایا کہ ان لوگوں کا دستور تھا کہ جب ان میں سے کوئی صالح شخص فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے، پھر اس میں تصویریں کھینچتے، وہ لوگ خدا کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔

(۳) عن ابن عباس رضؓ قال قال رسول اللہ صلعم لعن اللہ زائرات القبور والمتخذین علیہ المساجد والسرج۔

(۳) نیز حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو عورتیں قبروں میں جاتی ہیں۔ ان پر اور جو ان پر مسجدیں بناتے

Marfat.com

(ذکرہ السیوطی فی الجامع الصغیر و صححہ) | ہیں، اور چراغ جلاتے ہیں ان سب پر خدا کی لعنت ہے۔"

غرض اسی غلط فہمی سے کسی نے تو اپنے انبیاء کو خدا کے فرزند قرار دیا اور کسی نے سمجھا کہ خود ذات برحق نے جسم اختیار کیا۔ اور ان کے روپ اور صورت میں ظاہر ہوا۔ اور انہیں خدا کے بروز اور اوتار۔ اور مظہر قرار دیا۔ اور کسی نے ان کے بت اور تصویریں بنا کر ان کی عبادت شروع کر دی۔ اور ان سے حاجات طلب کرنے اور مشکلات کے وقت پکارنے اور ان کے اسماء کے ورد و ظیفے پڑھنے اور ان کے نام کی قربانیاں اور نذریں چڑھانے اور اپنی تکالیف اور مصائب میں ان سے استغاثہ و فریاد کرنے لگے۔

پھر یہ وہم انبیاء سے نیچے اولیاء و صلحاء تک آ پہنچا۔ کہ ان کی بزرگی و تقدس کے خیال سے ان کو بھی تدبیر عالم میں متصرف سمجھا گیا۔ بلکہ بڑھتے بڑھتے بد عمل بلکہ شریعت کے منکر پیروں فقیروں کی بھی پوجا ہونے لگی۔ بلکہ آگ پانی (گنگا جمنا) پہاڑوں (جوالا مکھی) جیوا آوں دگائے) درختوں (پیپل) سورج، چاند، اور دیگر ستاروں۔ جن بھوت۔ پریوں، وغیرہ مادی اشیاء کی بھی پرستش ہونے لگی، کسی نہ کسی وجہ سے اور کسی نہ کسی صورت میں ان کو قابل تعظیم قرار دے کر اعتقاداً یا کم از کم عملاً الوہیت کا مرتبہ دیا گیا۔ گویا تمام عالم کو بلکہ ہر ذرۂ عالم کو خدا بنا دیا گیا۔ اور اللہ رب العالمین کے ساتھ عبادت کا ساجھی اور حصے دار قرار دیا گیا۔ ایسے ہی وہم پرستوں کی بابت فرمایا کہ وہ قیامت کے دن اپنے باطل معبودوں سے خطاب کر کے کہیں گے:۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (شعراء پ ۱۹) | خدا کی قسم ہم اس وقت صریح گمراہی میں تھے۔ جب تم کو رب العالمین کے برابر گردانتے تھے۔"

غرض ان وہم پرستوں کے دماغ یہاں تک ماؤف ہوتے گئے کہ بعض مقامات کو جن بھوت اور چڑیلوں کا مسکن قرار دے کر اور ان کو اپنے امور میں متصرف سمجھ کر ان مقامات پر ان کے نام کی قربانیاں۔ بھینٹے۔ اور نذریں چڑھانے لگے۔ اور یہ اعتقاد رکھنے لگے کہ اگر ہم ان کے نام کی قربانیاں نہ چڑھائیں، اور ان کی نیازیں نہ دیں۔ تو ہم پر ان کا غضب ٹوٹ پڑتا ہے۔ اور ہمارے مال مویشی، آل اولاد، فصل و زراعت۔ آرام آسائش، کسب و روزگار۔ بلکہ صحت بدن اور جان پر طرح طرح کی آفتیں آ جاتی ہیں۔

Marfat.com

فائدہ قوتِ واہمہ سلطان القویٰ ہے۔ دماغ کی دیگر سب قوتیں اس کے تابع ہیں۔ جس طرح دنیوی سلطان اگر امورِ مفوّضہ اور فرائضِ متعلّقہ کو اعتدال و قاعدے سے انجام دیوے تو اس کی رعیّت کا انتظام درست رہتا ہے۔ اور اگر وہ اعتدال کو چھوڑ دے، اور قواعد کی پابندی سے باہر ہو جاوے۔ تو سارا انتظام بگڑ کر سلطنت کی بربادی و تباہی ہو جاتی ہے اسی طرح یہ سلطان القویٰ اگر اعتدال پر رہے، اور خدا کے مقرر کردہ آئین کی ہدایت کے مطابق چلے تو اس کے ماتحت قویٰ کا انتظام درست رہتا ہے۔ ورنہ سارا تانا بانا برباد ہو کر روح کی ہلاکت پر انجام ہوتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہا۔

اسلام نے نہایت صفائی اور سادگی سے سمجھایا کہ یہ چیزیں معبودیت کے رتبہ اور خدائی کے مرتبہ میں خدا کے ساتھ نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو جو امور تم ان میں واقعی قابلِ عزت سمجھتے ہو۔ اور جن جن وجوہات سے تم اپنے منافع و مضار کو ان سے وابستہ جانتے ہو ان کا سارا سلسلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اور ربّ العالمین ہونے کے یہی معنے ہیں۔ اس نے کسی کو تو تمہاری ہدایت کے لیے مبعوث کیا جیسے انبیاء اور کسی کو تمہاری تعلیم و ارشاد کے لیے تم پر فوقیت دی، جیسے ائمہ و صلحاء اور کسی کو تمہارے کسی فائدے کے لیے۔ اور کسی کو کسی نفع کے بنایا، پس ان کو عبادتِ خدا میں واسطہ بنا کر ان کو استحقاقِ عبادت میں اس کا ساجھی اور حصّے دار نہ بناؤ، بلکہ سب سے الگ ہو کر اس ہدایت کے مطابق جو اس نے اپنے پیغمبروں کی معرفت قائم کی، براہِ راست خالصًا خدا کی عبادت کرو، یہ ایسی بات ہے۔ جس میں کوئی الجھن نہیں، کسی قسم کا ایچ پیچ نہیں۔ سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں پڑتی۔ دل میں بٹھانے کے لیے کوئی قلق و اضطراب پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہموں کے بادل چھٹ کر مطلع بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ دل کے غبار اور زنگ دور ہو کر وہ مثل آئینہ کے مجلّیٰ ہو جاتا ہے۔ اور سینہ انوارِ الٰہیہ کا محل و خزینہ بن جاتا ہے، اسی حالت کے سمجھانے کے لیے فرمایا:۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ	یعنے جس کا سینہ خداوند تعالےٰ اسلام کے لیے
فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔	کھول دیتا ہے۔ وہ اپنے پروردگار کی طرف
(زمر پ ۲۳)	سے نور پر ہو جاتا ہے“

اور اسی حالت کے سمجھانے کے لیے مثال کے طور فرمایا:۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ	اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اس کے نور کی

Marfat.com

نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ
فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ
دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ
زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ
يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ
نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ
مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ
لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔

(سورہ نور)

مثال جیسے ایک طاق ہو اس میں ایک چراغ ہو۔ وہ چراغ ایک شیشے (چمنی) میں دھرا ہو۔ وہ شیشہ ایسا ہو جیسے چمکتا ستارہ (وہ چراغ) جلایا جائے برکت والے درخت زیتون (کے تیل) سے جو نہ سورج نکلنے کی طرف کا ہو اور نہ ڈوبنے کی طرف کا اس کا تیل اس قابل ہے کہ سلگ اٹھے اگرچہ نہ لگے اس کو آگ (وہ) "نورٌ علیٰ نور" ہے۔ راہ دیتا ہے اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہے اور بناتا ہے۔ اللہ مثالیں لوگوں کے (سمجھنے کے) لیے اور اللہ ہر شے سے واقف ہے۔"

اس کے بعد کفار و مشرکین کے اعمال کا حال بتایا۔ جو انہوں نے ہدایتِ ربّانی کی روشنی کے سوا کیے کہ ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ وہ سراسر وہمی اور خیالی ہونے کی وجہ سے بالکل بے سود و بے ثمر ہیں۔ اور انہیں مخلص موحدین کے نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کے مقابلے میں ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ قرار دیا۔"

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ
بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي
اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ
عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ۙ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ
يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ
سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ
اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ
لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ
نُّوْرٍ ۔

(نور، پ۱۸)

اور جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے اعمال میدان کی ریت کی طرح ہیں۔ جسے کوئی پیاسا پانی خیال کرے۔ یہاں تک کہ جب پہنچا اس پر کچھ نہ پایا اس کو، اور پایا خدا کو اپنے پاس۔ پس اس نے پورا دیا اس کو حساب اس کا، اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب" یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں، چڑھی آتی ہے اس پر لہر، اس پر ایک اور لہر (پھر) اس کے اوپر بادل (بھی) ہے۔ (گویا) کئی اندھیرے ہیں۔ ایک پر ایک (چڑھا ہوا) جب نکالے اپنا ہاتھ نہیں قریب کہ دیکھ پائے اس کو اور جسے اللہ (تعالیٰ) نور نہ دے۔ تو اس کے لیے کوئی نور نہیں۔"

Marfat.com

غرض جس عمل میں شرک کی آمیزش ہو۔ خدائے تعالیٰ اس کو ہرگز قبول نہیں کرتا۔ اسی معنے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

انا اغنی الشرکاء عن الشرک من عمل عملا اشرک فیہ معی غیری ترکتہ وشرکہ وفی روایۃ فانا منہ بری ھو للذی عملہ۔ رواہ مسلم۔
(مشکوٰۃ شریف)
(ص۴۵۴)

میں تمام شرکاء کی نسبت شرک سے بہت بے نیاز ہوں کوئی شخص ایسا عمل کرے جس میں وہ میرے ساتھ کسی اور کو شریک رکھے تو میں اس کو اور اس کے عمل کو ترک کر دیتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس سے بری ہوں اور وہ عمل اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے کیا۔

اسی طرح قرآن شریف میں بھی فرمایا ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔
(کہف پ۱۶)

یعنے جس کسی کو اپنے رب سے ملنے کی امید ہو تو اُسے چاہیئے کہ وہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کا ساجھا نہ رکھے!!

اسلام میں سب سے بڑی اور جامع اور اہم عبادت نماز ہے۔ امیر ہو غریب ہو، بادشاہ ہو، رعیت ہو، صحیح ہو مریض ہو۔ مسافر ہو حاضر ہو۔ عورت ہو مرد ہو۔ دیہاتی ہو شہری ہو۔ زمین پر ہو۔ سمندر میں ہو۔ کوئی بھی ہو۔ اور کسی حال میں بھی ہو۔ ہر با ہوش بالغ مرد و عورت پر فرض ہے اس میں نہ تو خدا کے سوا کسی کی صفت و ثنا کا کوئی کلمہ ہے۔ اور نہ کسی کے نام کا ورد وظیفہ ہے اور نہ کسی سے دعا اور التجا ہے اور نہ اس کے انتقالات میں خدا کے سوا کسی اور کی تعظیم کا کوئی فعل و حرکت ہے۔ شروع سے اخیر تک صرف اللہ رب العالمین کی کبریائی اور بڑائی محض اسی کی حمد و ثنا، تمہاری اسی کی ذات پاک کی تسبیح و تقدیس۔ اور اسی سے دعا و التجا ہے۔ اس کے جملہ انتقالات اور تمام افعال و حرکات سے خدائے قدوس کے سامنے اظہار عجز و نیاز اور تواضع و انکساری مقصود ہے۔ غرض ہماری کی ساری نماز دل کے رجوع اور زبان کے کلمات اور اعضائے بدن کے افعال سے شہادت دے رہی ہے کہ وہ صرف خدائے قدوس کی تعظیم کے لیے ہے اور اس میں کسی اور کا کوئی حصہ بخرہ نہیں ہے۔ وہ اللہ کے نام سے شروع ہوتی ہے۔ اور اللہ ہی کے نام پاک پر جا ختم ہوتی ہے۔ یعنے اللہ اکبر سے شروع اور السلام علیکم و رحمۃ اللہ پر ختم ۔!

Marfat.com

فائدہ نماز کے خاتمے کے قریب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف سکھایا ہے سو وہ بطور شکریہ کے آپ کے حق میں خدا تعالے سے دعا ہے کہ خداوندا! جس ذات بابرکات کے ذریعے ہم کو ایسی ہدایت نصیب ہوئی۔ کہ ہم ہر طرح کے شرک اور توہمات سے بچ کر تیری خالص عبادت کر سکے۔ تو اس ذات گرامی پر کروڑہا رحمتیں بھیج"

اور ظاہر ہے کہ اس میں بھی صرف خدا تعالے سے دعا ہے۔ یعنے اَللّٰھُمَّ کہہ کر خدائے تعالیٰ سے سوال کیا گیا ہے۔ کہ خداوندا! تو ایسا کر"

بلکہ عین حالتِ نماز میں درود شریف تعلیم کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت مرحومہ کو اس گمراہی سے بچا لیا۔ جس میں اگلی اُمتیں پڑ کر راہِ حق سے بھٹک گئیں۔ اس سِر کا کشف یوں ہے کہ اگلی اُمتوں نے اپنے ہادیوں اور پیغمبروں کو خدا کے فرزند اور اوتار قرار دے کر ان کو عبادت میں ساجھی اور حقدار بنا دیا۔ لیکن آنحضرت صلعم نے درود شریف تعلیم کر کے بتا دیا کہ میں عبادت کا حقدار نہیں ہوں۔ بلکہ خدا کی درگاہِ بے نیاز کا نیاز مند ہوں سو تم عام طور پر بھی اور خاص اس حالت میں بھی کہ جب تم کو نماز میں قربِ حضوری کی مجلس نصیب ہو۔ میرے لیے اس کا فضل و کرم اور رحمت و برکت طلب کیا کرو۔ اور اسی حقیقت کے ظاہر کرنے کے لیے آپ نے فرمایا تھا:۔

اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ — یعنے میرے اعمال بھی مجھے نجات نہیں دلا سکتے الا اس صورت میں کہ خدا تعالے مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لیوے"

اور اس قول کو سامعین کے فہم کے زیادہ قریب کرنے کے لیے آپؐ نے اپنا دستِ مبارک پھیلا کر اور اپنے سرِ مبارک پر رکھ کر اس معنے کو محسوس طور پر بھی سمجھا دیا تھا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدِنِ الَّذِیْ ھَدَیْتَنَا بِہٖ مِنَ الضَّلَالَۃِ۔

درود شریف کے اس لطیف نکتے کے علاوہ آپؐ نے نہایت مصرح طور پر بھی اپنی عبودیت کا اقرار جزوِ ایمان قرار دیا۔ کہ کسی امتی کو اس میں کلام و تردد کی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ کلماتِ تشہد میں کلمۂ شہادت کو بھی داخل کیا۔ جو یہ ہے۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ — یعنی (میں صدقِ دل سے) گواہی دیتا ہوں۔ کہ اللہ کے سوائے کوئی بھی لائقِ عبادت نہیں ہے۔ اور میں

Marfat.com

(صحیح بخاری) (ایسے ہی اس امر کی بھی) گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کا بندہ اور رسول ہے"

اس میں بھی یہی حکمت ہے۔ کہ جن شبہات کی وجہ سے گذشتہ امتیں گمراہ ہوئیں۔ یہ امت مرحومہ اُن سے بچی رہ کر ضلالت سے محفوظ رہے۔ اور رسالت کا اقرار اس لیے کرایا۔ کہ یہ آپ کا حقیقی رتبہ ہے۔ اس کا اقرار واجبات سے ہے۔ اور اس کا انکار کفر و ضلالت ہے مثلاً حضرت عیسےٰؑ کی نسبت نصاریٰ اس افراط میں پڑ گئے کہ وہ ابن اللہ اور اللہ ہیں۔ اور یہود نے سرے سے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا۔ اور تفریط میں پڑ گئے۔ پس امتِ محمدیہ اپنے پیغمبرؐ کی بابت مغضوب علیہم یہود کی تفریط اور ضالین نصاریٰ کی افراط سے سلامت رہ کر صراط مستقیم پر قائم رہی کہ آپ کو خدا کا بندہ جانا اور اس کا رسول اعتقاد کیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ! ثُمَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ!!"

نکتہ کلمۂ شہادت میں عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کے جمع کرنے میں یہ بھی نکتہ ہے کہ رسالت کے ساتھ عبودیت کا اجتماع ہوتا ہے نہ کہ الوہیت کا۔ کیونکہ رسول عبد ہوتا ہے نہ کہ معبود۔ اسی نکتہ کے لحاظ سے خاص حضرت مسیح علیہ السلام کی بابت فرمایا:۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (پ نساء) یعنی حضرت مسیحؑ اور ملائکہ مقربین کو خدا کا بندہ بننے سے ہرگز عار نہیں"

تنبیہہ بعض جاہل لوگ جو یہ کہتے ہیں، کہ اگر آنحضرت صلعم کو بندہ کہیں تو اس میں آپ کی کسرِ شان ہے، وہ اس آیت پر غور کریں۔ ۱۲ منہ

اسی طرح سورۂ مریم کے آخری رکوع میں اپنے لیے نسبتِ فرزندی کی تردید میں فرمایا:۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۔ (پ۱۶ مریم) یعنی ہر کوئی جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے خدائے رحمٰن کے سامنے بندہ بن کر آنے والا ہے"

ان آیات سے صاف ثابت ہے کہ عبودیت والوہیت جمع نہیں ہوسکتیں"

فائدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نسبتِ عبدیت و عبودیت کو خاص خدا تعالےٰ سے مخصوص کرتے ہیں یہاں تک اہتمام کیا کہ لفظ عبد جو زبانِ عرب میں ہر چند کہ وسیع معنے رکھتا ہے۔ اور زر خرید غلام پر عام طور پر بلا روک بولا جاتا تھا۔ اس کی بابت منع فرما دیا۔ کہ کوئی شخص اپنے زر خرید غلام اور لونڈی کو عبدی اور امتی کے الفاظ سے اپنی

Marfat.com

طرف نسبت نہ کرے۔

لا یقولن احدکم عبدی و امتی کلکم عبید اللہ و کل نسائکم اماء اللہ ولکن لیقل غلامی و جاریتی و فتای و فتاتی ولا یقل العبد ربی ولکن لیقل سیدی۔ رواہ مسلم۔ (مشکوٰۃ ص۱۷۱)

تم میں سے کوئی بھی (اپنے زرخرید غلام کو) عبدی اور امتی کے لفظ سے نہ پکارا کرے، کیونکہ تم سب مرد خدا کے عبد ہو اور تمہاری سب عورتیں خدا کی بندیاں ہیں۔ لیکن میرا لڑکا اور میری لڑکی کہا کرو اور کوئی زرخرید غلام (اپنے خریدنے والے کو) ربی (میرا مالک) کے لفظ سے نہ پکارا کرے بلکہ میرا سردار کہا کرے۔"

نکتہ دماغ کو روشن کرنے والا

اس حدیث میں علاوہ شریعت و طریقت کے نقطۂ نگاہ کے کہ عبودیت کی نسبت سوائے ذات حق کے کسی اور کی طرف کسی صورت میں بھی پسند نہیں کی۔ اور اپنا رب سوائے رب العالمین کے کسی اور کو کہنا گو مجازی طور پر ہی ہو۔ مناسب نہیں سمجھا۔ سیاسی نقطۂ نگاہ سے بھی اور علم سائیکالوجی (فلسفہ ذہنیات) کے رو سے بھی نہایت لطیف نکتہ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہر طرح سے مشرکانہ توہمات کا سدباب کر کے اور انسانی دماغ کو غیر کی غلامی کے تصور سے بھی پاک صاف کر کے اس کی ذہنیت اور ہمت کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔ اور مقام حریت و خودداری پر کھڑا کر کے صرف ایک اللہ کا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ اور انسان کی شرافت و نجابت کو غیر اللہ کے سامنے گرنے کی ذلت سے بچانا چاہتے ہیں۔ انسانی دماغ پر یہ آپ کا بڑا بھاری احسان ہے۔ جس کی نظیر دنیا میں مل نہیں سکتی۔

اسی طرح آپ ان نومسلموں کے نام بدل دیا کرتے تھے جن میں عبودیت و عبدیت کی نسبت غیر اللہ کی طرف ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا پہلا نام عبد شمس (سورج کا بندہ یا پرستار یا پروردہ) تھا۔ جب وہ اسلام لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ (تقریب التہذیب)

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) نے عبدیت و عبودیت کی کوئی بھی نسبت غیر اللہ کی طرف نہ ہو سکنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ کہ بقول
"اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ"

Marfat.com

وہم پرست طبیعتیں اسے ایک بہانہ بنالیں۔ چنانچہ آپ نے مشرکانہ توہمات کی بابت فرمایا کہ وہ چیونٹی کی چال چل کر انسان (کے دل و دماغ) میں اثر کر جاتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى نَبِيِّكَ وَصَفِيِّكَ مُحَمَّدِ نِ الَّذِيْ
هَدَيْتَنَا بِهٖ مِنَ الضَّلَالَةِ وَاَبْصَرْتَنَا بِهٖ مِنَ الْعَمٰى

الغرض شانِ الوہیت اور مقامِ عبودیت کے سب مراتب سورتِ فاتحہ کی اس آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں آجاتے ہیں۔ اور ان سب کا مرکز و محور اِيَّاكَ کی تقدیم میں ہے۔ سبحان اللہ!"

یہ آیت اس سورت کا قلب ہے اور اِيَّاكَ کی تقدیم اس قلب کی روشنی یا نور و ضیا ہے۔ اسی حدیث قدسی میں اس آیت کی بابت وارد ہے۔ کہ جب بندہ (نماز میں) کہتا ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ تو خداوند تبارک وتعالےٰ فرماتا ہے۔ هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ (مسلم) یعنی یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان نصفا نصفی ہے۔ کہ وہ میرا عابد و عبد ہے اور میں اس کا معبود ہوں۔ وہ مجھ سے طالب امداد ہے۔ تو میں اس کا مددگار ہوں۔ عبادت کرنا اس کا فرض ہے۔ تو اعانت کرنا میری شان۔ سبحان اللہ! کیا راز و نیاز کی باتیں ہیں۔ اور کیا سرور و حظ کی مناجاتیں ہیں یہ سب کچھ نسبتِ عبدیت و عبودیت کو خاص خدا تعالےٰ سے مخصوص کرنے اور اپنی حاجات و مشکلات میں صرف اسی کی طرف رجوع کرنے اور اسی سے امداد طلب کرنے کی برکت سے ہے۔

علامہ ابو السعود حنفی رح اس آیت کی تفسیر میں خطاب اِيَّاكَ کے لطائف سے مسرور و محظوظ ہو کر لکھتے ہیں۔

ولعل هذا هو السر في اختصاص السورة الكريمة بوجوب القراءة في كل ركعة من الصلوٰة التي هي مناجاة العبد لمولاه ومظنة لتبتل اليه بالكلية۔ (ص۱۵۲ بہامش الکبیر)	یعنے نماز جو بندے کی اپنے مالک کے سامنے مناجات ہے اور سب سے ہٹ کر کلیۃً اسی کی طرف ہو جانے کی علامت ہے۔ اس کی ہر رکعت میں خاص اسی بزرگ سورت کی قراءت کے واجب ہونے میں غالباً یہی بھید ہے۔

الحاصل آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ الخ کے مشرح معنے اس کے ماقبل کو ملحوظ رکھ کر یہ ہیں۔ کہ (صرف ایک خدا کا پرستار بندہ) زینہ برہان سے طبقۂ عیان پر ترقی کر کے اور عالمِ غیبت سے

Marfat.com

شہود میں انتقال کرکے اور اپنے آپ کو خدا کے دربارِ عالی میں حاضر سمجھ کر اور صورتِ سوال اور تصویرِ عجز و مسکنت بن کر اپنے مولا کے سامنے دست بستہ یوں عرض معروض کرتا ہے۔ کہ اسے وہ ذات پاک جس کا نام برکت والا ہے اور جو رب العالمین ہے۔ اور رحمٰن و رحیم ہے اور روزِ جزا کا اکیلا مالک ہے۔ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ کسی اور کی نہیں:

۱۔ نہ کسی فرشتے کی، نہ پیغمبر کی، نہ پیر کی نہ فقیر کی۔ نہ حضرت مسیحؑ کی، نہ رام چندر جی کی اور نہ کرشن جی کی۔

۲۔ نہ کسی اوتار و پیر و ز کی۔ نہ جن کی، نہ بھوت کی۔ نہ پری کی۔

۳۔ نہ کسی دیوتا کی نہ دیوی کی۔ نہ کسی ٹھاکر کی، نہ بت کی۔ (نہ قبر کی نہ تعزیہ کی)

۴۔ نہ کسی جانور کی، نہ کسی درخت کی۔

۵۔ نہ کسی پہاڑ کی۔ نہ کسی دریا کی۔

۶۔ نہ سورج کی نہ چاند کی، نہ کسی اور ستارے کی۔

غرض ہم جملہ غیر اللہ سے الگ ہو کر صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور اپنی حاجات و مشکلات میں صرف تیری ہی طرف رجوع کرکے محض تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

یہی معنے کلمۂ توحید لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ میں رکھے گئے ہیں کہ غیر اللہ کی نفی کے بعد الوہیت کو یعنے معبودیت کو خاص خدا کے لیے ثابت کیا گیا ہے۔

فائدہ اسلام کا مایۂ ناز و طرۂ امتیاز یہی خالص توحید ہے۔ جو ہر قسم کے شرک کی ملاوٹ سے پاک ہے۔ ورنہ شرک کی ملاوٹ والی توحید تو اسلام سے پیشتر بھی سب قوموں میں تھی۔ اور اب بھی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ۔ (یوسف پ۱۳) یعنے اور نہیں ایمان لاتے اکثر لوگ مگر دور آنحالیکہ وہ شریک گردانتے ہیں۔

اور اسی خالص توحید سے کفار مکہ چڑتے تھے۔ اور اسی کی وجہ سے آنحضرت صلعم سے عداوت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ نے نیا دین نکالا ہے۔ ہمارے باپ دادے اس طریق پر نہ تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ کفار مکہ نے آنحضرت صلعم کی تبلیغ پر کہا:۔

أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلٰهًا وَاحِدًا إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ (ص پ۲۳) کیا کر ڈالی اس نے ایک کی بندگی، بہتوں کی بندگی کے بدلے، بیشک یہ تعجب کی بات ہے۔

Marfat.com

پھر اس کے ایک آیت بعد فرمایا کہ کفّار نے یہ بھی کہا۔

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ إِنْ هٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ۔ (صٓ پ۲۳)

نہیں سنی ہم نے یہ بات پچھلی ملت میں نہیں یہ بات مگر بنائی ہوئی۔

۲۔ آنحضرت صلعم کی تبلیغ توحید کے وقت مشرکین کے دل پر جو کیفیت طاری ہوتی تھی۔ اس کی بابت فرمایا۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْاٰخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ۔ (پ۲۴ زمر)

یعنے جب خدا کی توحید کا ذکر ہوتا ہے۔ تو ان لوگوں کے دل جو عاقبت پر یقین نہیں رکھتے۔ بھچنے لگتے ہیں اور جب ان کا ذکر ہو جو اس کے سوا ہیں۔ تو وہ خوش ہوتے ہیں "

۳۔ قیامت کے دن جب مشرک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ تو ان سے کہا جائے گا:۔

ذٰلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِنْ يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ۔ (سورۃ مؤمن) (پ۲۴)

یہ (عذاب تم کو) اس لیے ہے۔ کہ جب کسی نے پکارا اللہ کو اکیلا تو تم منکر ہوئے۔ اور اگر اس کا شریک گردانا جاتا۔ تو تم یقین لاتے تھے۔ سو (اب) عالی ذات کبیر الشان خداوند (تعالے ہی) کا حکم ہے "

یعنے جن کو تم خیال کرتے تھے ان کا کچھ بھی اختیار نہیں۔ آج صرف خدا کا حکم چلتا ہے پس اس نے جہاں تم کو دھکیل دیا۔ وہیں رہنا ہو گا۔ وہاں سے نکالنے والا کوئی بھی نہیں۔ الغرض آنحضرت صلعم کی بعثت سے خداوند تعالے کا سب سے بڑا اور ضروری مقصد ہی خالص توحید تھی اور بس۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

چلائے رکھ ہم کو سیدھی (اور پختہ) راہ پر۔

ارتباط انابتِ قلبی و خلوص اور عبادت و استعانت میں دل کا رجوع جس کا ذکر اوپر ہوا تب حاصل ہوتا ہے۔ جب استقامت حاصل ہو۔ کیونکہ استقامت یہ ہے کہ عمل کے شروع سے اس کے اخیر تک عزم قوی باقی رہے (عزیزی ص) وہ انسان

Marfat.com

ادھر ادھر کی کشمکشوں سے پریشان ہو کر خدا کی راہ سے بھٹک جاتا ہے اور بسا اوقات مبتلائے توہمات ہو کر شرک میں جا گرتا ہے۔ اس لیے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے بعد حصولِ استقامت کی دعا سکھائی، کہ یوں کہا کرو۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ

نیز چونکہ علم عمل سے مکمل و پختہ ہوتا ہے۔ اور عملی قوت کا منتہائے ترقی استقامت ہے اس لیے استعانت کے ذکر کے بعد تحصیل استقامت کے لیے دعا تعلیم کی۔

حلِ لغات اِهْدِنَا مصدر ہدایت یا ہدیٰ سے امر حاضر کا صیغہ ہے امع ضمیر مفعول (نا) کے۔ لغت میں ہدایت مشترک المعنٰے ہے ( ) اس کے معنے رستہ دکھانا بھی ہیں، جیسے آیت :-

اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ۔ (فصلت پ۲۴)

یعنے ہم نے قوم ثمود کو (صالح پیغمبر کی تبلیغ سے) رستہ دکھایا تھا۔ لیکن انہوں نے اس ہدایت پر اندھاپن کو پسند کیا ؛

یہاں پر ہدایت سے مراد صرف رستہ دکھانا مراد ہے۔ کیونکہ اگر اس کے معنے منزل پر پہنچانا ہوں۔ تو اس کے بعد اندھاپنے کو پسند کرنا متصور نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے معنے راہ پر لے آنا رستے پر چلا دینا۔ اس پر قائم رکھنا۔ اور منزلِ مقصود پر پہنچا دینا بھی ہیں۔ جیسے آیت :-

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۔ (عنکبوت پ۲۱)

یعنے اے نبیؐ! تم اُسے جسے تم پسند کرو راہ پر نہیں لا سکتے۔ لیکن اللہ تعالےٰ جسے چاہے اُسے راہ پر لے آئے۔

ہدایت پر لے آنا اور راہ پر چلا دینا۔ اور منزل پر پہنچا دینا۔ تمہارا کام نہیں ہمارا کام ہے اس جگہ یعنے آیت انک لا تھدی میں یہی دوسرے معنے یعنی راہ پر لے آنا مراد ہیں ورنہ آیت

وانك لتهدى الى صراط مستقيم ۔ (شوریٰ پ۲۵)

یعنے (اے نبی!) تم تو سیدھے رستے کی طرف "ہدایت کرتا" یعنے "راہ دکھاتا ہے"

سے اس کا تعارض ہوگا۔ اور قرآن شریف اختلافِ تعارض و تناقض سے پاک ہے۔ ایک جگہ ایک شئے کا اثبات کیا ہو۔ تو اسی حیثیت و حالت میں دوسری جگہ اس کی نفی قرآن میں نہیں ہے، قرآن مجید خود اپنی شان بتاتا ہے۔

افلا يتدبرون القرآن ولو كان من

تو کیا یہ (منکر) لوگ قرآن میں تدبّر نہیں کرتے۔ اگر وہ

Marfat.com

عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔ (النساء پ۵)
غیر اللہ کی طرف سے ہوتا۔ تو وہ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔"

پس جس جگہ آنحضرت صلعم کی نسبت ہدایت کرنے کو ثابت کیا ہے۔ اس جگہ صرف "رستہ دکھانا، دعوت و ارشاد سے راہِ حق سمجھا دینا، تعلیم و تبلیغ سے راہِ حق کی رہنمائی کر دینا مراد ہے چنانچہ دوسرے موقع پر اِنَّكَ لَتَهْدِي کی بجائے اِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ وارد ہے چنانچہ فرمایا:۔

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُوْنَ ۝ (مومنون ۳)
اور (اے نبیؐ!) البتہ تو تو ان کو صراط مستقیم کی بلاتا ہے۔ لیکن جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ اُس رستے سے ٹیڑھے جا رہے ہیں۔"

اور جس جگہ آنحضرت صلعم سے نفی کی ہے۔ وہاں پر دوسرے معنے یعنے ہدایت پر لے آنا اور منزل پر پہنچا دینا مراد ہے۔ کیونکہ یہ خدا کے اختیار میں ہے۔ پس ہر دو موقع یعنے اثبات اور نفی کے مقام میں فرق معلوم ہو گیا اور تعارض و تناقض نہ رہا۔

اَلصِّرَاطَ اصل میں سراط (سین سے) تھا۔ اور رؔ اور طؔ کی تفخیم کی موافقت کے لیے سین کو صاد سے بدل دیا۔ اس کے معنے ہیں طریق واضح یعنے "شاہراہ" (لسان العرب وغیرہ)

اَلْمُسْتَقِيْمَ اسم فاعل کا صیغہ ہے، مصدر استقامت سے جس کے معنے ہیں، افراط تفریط سے بچ کر معتدل حالت پر قائم ہونا۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے۔ "والاستقامۃ الاعتدال ×× وقام الشیئ واستقام اعتدل واستوی۔"

تفسیر بشہادت آیات

ہدایت الٰہی کئی قسم پر ہے، اوّل وہ جو بغیر ادراک و شعور کے بتقاضائے فطرت ہے۔ مثلاً بچہ پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کی چھاتی چوسنے لگتا ہے۔ اور اپنی حاجت کے مناسب غذا حاصل کرتا ہے۔ اس حقیقت کے سمجھانے کے لیے فرمایا:۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝[1]
کیا ہم نے انسان کی دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے؟ اور ہم نے اُسے دو بلندیوں کی

---

[1] اس آیت میں مفسرین نے نجدین (دو بلندیوں) سے مراد ماں کی دو چھاتیاں بھی لی ہیں۔ جو نہایت پاک اور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

رہنمائی نہیں کی؟

(البلد پ ۳۰)

دوسری ہدایت حواس وشعور اور ادراک کی ہدایت ہے۔ اس کی نسبت فرمایا:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝ (الدھر پ ۲۹)

تحقیق ہم نے انسان کو ملے ہوئے نطفہ سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو سنتا دیکھتا بنایا، بیشک ہم نے اُسے رستہ بھی سمجھا دیا اب وہ دیکھیں کر بالکل اپنی ذمہ داری پر) یا تو شاکر ہوتا ہے یا کافر"

ہدایت

اس مقام پر ہدایت سے مراد قسم سوم اور چہارم کی ہدایت بھی ہو سکتی ہے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ قسم اوّل اور دوم ہر دو کی ہدایت انسان اور دیگر حیوانات میں مشترک ہے۔ فرعون نے جب حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے کہا۔

فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی ۔

یعنے اے موسیٰ (میرے سوا) تم دونوں (بھائیوں) کا رب کونسا ہے؟"

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

تو حضرت موسےٰ کلیم اللہ ؑ نے جواب میں کہا۔

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۔ (طٰہٰ پ ۱۶)

یعنے ہمارا ربّ وہ ہے جس نے ہر شئے کو پیدا کیا پھر اسے سمجھ بخشی"

اس مقام پر ہدایت سے مراد یہی قسم دوم کی ہدایت ہے۔ جو انسان اور دیگر حیوانات میں مشترک ہے"

تیسری قسم کی ہدایت

عقلی ہدایت ہے۔ جو انسان سے مختص ہے۔ کہ وہ حواس سے اوپر اپنی قوتِ عاقلہ سے بھی کام لیتا ہے۔ اور یہ ہدایت پہلی دونوں ہدایتوں پر کنٹرولر اور ضابطہ ہے۔ اسی کی رہنمونی میں وہ بعض وقت حواس کی غلطی کو سمجھتا ہے۔ اور حقیقت پر آگاہ ہوتا ہے۔ اور اسی کی روشنی سے وہ جزئیات محسوسہ میں تصرف کر کے کلیات کا ادراک کرتا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے وہ خدا کی گرانبہا امانت (تحملِ شریعت) کا حامل و ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ اسی کی رو سے اس پر حجّتِ الٰہی کی ایک شق پوری ہوتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۲۹۰) مہذب استعارہ ہے اور نیکی اور بدی کی دو گھاٹیاں بھی مراد لی ہے لیکن ہم نے متن میں پہلے معنی مراد لے کہ اس آیت کو مثال میں بیان کیا ہے اور دوسرے معنے کے رو سے یہ آیت قسم سوم چہارم کی ہدایت کی مثال ہوگی جن کا ذکر آگے آتا ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

اور اسی کی وجہ سے وہ اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیا جا کر جزا سزا کے لائق ٹھہرتا ہے۔ نیکی پر شاباش و تحسین کے قابل اور برائی پر نفرین کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی سے اُسے دیگر حیوانات سے امتیاز و شرف حاصل ہے اور اسی کی وجہ سے اُسے قرآن شریف میں بار بار کبھی تو لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ سے خطاب کیا گیا ہے۔ اور کبھی اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ سے تنبیہ کی گئی ہے۔

چوتھی قسم کی ہدایت

ارشاد و وحی نبوت کی ہدایت ہے۔ اور یہ جملہ مذکورہ بالا اقسام سے اشرف و اعلےٰ ہے۔ اور یہ مرتبہ نوع انسانی کے چند مخصوص افراد کے لیے ہے۔ باقی تمام نفوس کو ان مقدس ہستیوں کے ظل میں رہنے کا حکم ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (بقرہ پ ۱)

پس اگر پہنچے تم کو میری طرف سے ہدایت پس جس نے پیروی کی میری ہدایت کی پس نہیں ہوگا ان پر کوئی خوف اور نہ وہ غم کھائیں گے، اور جنہوں نے میری آیات سے کفر کیا اور ان کو جھٹلا دیا۔ تو وہ دوزخی ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

اس قسم کی آئتیں بکثرت ہیں۔ مثال کے لیے ایک مقام کافی ہے۔

پانچویں قسم کی ہدایت

ہدایتِ توفیق و عنایت ہے۔ چنانچہ اس کی نسبت فرمایا:۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۔ (سورۃ عنکبوت) (پ ۲۱)

جو لوگ ہماری جستجو میں اپنی ہمت بھر کوشش کریں گے۔ ہم ضرور ان کو اپنی راہیں دکھا دیں گے اور یقین جانو کہ خدا تعالےٰ (ہر دم) مخلص نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔

خاکسار کے نزدیک آیت زیر تفسیر یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں اسی مرتبہ ہدایت یعنی توفیق و عنایت کی استدعا ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا آیتِ سورتِ عنکبوت میں اس مرتبہ کے لیے مجاہدات و ریاضات کو بمنزلہ شرط قرار دیا ہے۔ اور انسان مجاہدات و ریاضیات کے ترازو میں بغیر استقامت کے پورا نہیں اتر سکتا۔ (والحمد للہ الملہم)

Marfat.com

(۱) وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى (مریم پ ۱۶)

(۱) اور زیادہ کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہدایت یافتہ لوگوں کو ہدایت میں۔

(۲) وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ۔ (محمد پ ۲۶)

(۲) اور جن لوگوں نے پائی ہدایت ان کو زیادہ کی ہدایت اور دی ان کو پرہیز گاری (مناسب اُن کے حال کے)۔

استقامت کیا ہے؟

استقامت دین میں ایک بڑا درجہ ہے جو حضرات انبیاء علیہم السّلام کو عطا ہوتا ہے۔ اور ان کے لازم حال ہوتا ہے۔ اور اُن کے ظِلّ میں ان کے کامل تابعداروں کو بھی اس سے بہرہ ملتا ہے۔ اور یہ درجہ سب رکاوٹوں اور مزاحمتوں پر غالب آنے سے حاصل ہوتا ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ سب رکاوٹوں میں سے گذرتے ہوئے دین کو بچائے رکھنے یا دین پر قائم رہنے کا نام استقامت ہے۔ بعض رکاوٹیں مخالفین کی طرف سے ہوتی ہیں۔ بعض وقت واقعاتِ پیش آمدہ ہی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ بعض وقت اپنا نفس اور اس کی خواہشیں اور زن وفرزند کی الفت اور مال ومتاع کی محبّت مزاحم ہوتی ہے۔ بعض وقت کسی کا خوف یا اُمید سدِّراہ ہو جاتی ہے۔ خدا تعالےٰ کے فرمودے پر قائم رہتے ہوئے ان سب اُمور پر غالب آئے۔ تو کہا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص صاحبِ استقامت یا مستقیم الحال ہے۔

چنانچہ اسی معنے میں فرمایا:۔

(۱) فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ۔ (ھود پ ۱۲)

اے نبیؐ! جمارہ جس طرح تجھے حکم کیا گیا۔ اور جو (کفر سے) توبہ کر کے تیرے ساتھ ہوئے ہیں۔ (وہ بھی جمے رہیں)۔

نیز فرمایا:۔

(۲) فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَّاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ۔

(اے نبیؐ!) پس تو جمارہ جس طرح تجھے حکم کیا گیا ہے اور ان (منکر) لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا، اور (ان سے یہ بھی) کہدے کہ خدا نے جو کتاب بھی نازل کی ہے۔ میرا اس پر ایمان

Marfat.com

(سورۂ شوریٰ) (پ۲۵) ہے اور مجھے یہ بھی حکم ہوا ہے کہ تم میں عدل[1] قائم کروں۔

اسی استقامت کا دوسرا نام صبر وثباتِ قدم ہے۔ چنانچہ میدانِ جنگ میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہنے کی بابت فرمایا:۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (انفال پ۱۰)

مسلمانو! جب تمہارا کسی جماعت سے مقابلہ ہو پڑے تو تم جمے رہو۔ اور خدا تعالےٰ کو بہت بہت یاد کرتے رہو تاکہ تم اپنے مقصد کو پہنچ جاؤ۔

اسی طرح غازی انبیاء اور ان کی مجاہد افواج کی دعاؤں بیان فرمائی ہے:۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ (پ۴ آلِ عمران)

(دشمنوں کے مقابلہ کے وقت) ان کا (ورد) یہی کلمہ ہوتا تھا۔ کہ خداوندا! ہمارے گناہ اور ہماری زیادتی جو ہم سے کسی معاملہ میں بھی ہو گئی ہو بخش دے اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور ہمیں منکروں پر مدد دے۔"

اسی طرح حضرت طالوت اور ان کے مجاہد لشکریوں کی دُعا ذکر کی کہ انہوں نے میدانِ مقابلہ میں یوں کہا:۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ (البقرہ پ۲)

اے ہمارے پروردگار ومالک! ڈال دے ہم پر صبر (حوصلہ وبرداشت) اور محکم رکھ ہمارے قدم اور ہم کو منکر لوگوں پر فتح دے۔"

غزوۂ احزاب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم بنفسِ نفیس خندق کھودتے وقت مٹی اٹھاتے تھے۔ اور نہایت ذوق وشوق سے یہ رجز پڑھتے تھے:۔

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا فانزلن سکینۃ علینا ٥

خدا کی قسم اگر خدا تعالےٰ ہم کو راہِ راست پر نہ لاتا تو ہم نہ ہدایت پا سکتے، اور نہ صدقہ وخیرات

---

[1] مجموعہ بائیبل میں کتاب یسعیاہ نبی کے باب ۴۲ میں جو پیشگوئی آنحضرت صلعم کی نسبت ہے۔ اس میں آپ کی صفت عدالت صاف مذکور ہے ۱۲ منہ۔

Marfat.com

بخاری شریف

کر سکتے۔ اور نہ نماز پڑھ سکتے، سوائے خداوندا)

ہم پر سکونِ (خاطر) نازل کر۔"

اس مقام پر استقامت اور ثبات قدم کو سکینۃ (سکونِ خاطر) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس استقامت ایک ایسا امر ہے۔ جو خدا کی توفیق و مدد کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ شروع آیت میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے بعد اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دعا کے ربط کی نسبت اوپر گذر چکا ہے۔"

خشکی چھانٹنے والے بے ذوق لوگ جو درجۂ عبودیت و نیازمندی، اور عبد و معبود کے روابط و تعلقات اور عنایاتِ ایزدی کے لطف سے ناواقف ہیں وہ ان باتوں کی حقیقت سے بے بہرہ اور اس لذّت سے ناآشنا ہیں، جس شخص کی زبان کا ذائقہ صفرا کے غلبہ سے بگڑ گیا ہو۔ وہ شیرینی کی حلاوت سے کس طرح خوش کام ہو سکتا ہے۔ صدق رسول اللہ صلعم ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا۔ الحدیث (مشکوٰۃ)

پس اس آیت پر آریوں اور عیسائیوں کا یہ اعتراض کہ مسلمانوں کو ابھی تک صراط مستقیم کا پتہ بھی نہیں ملا۔ کیونکہ وہ اس کے لیے ابھی تک دعائیں ہی کر رہے ہیں۔ درست نہیں۔ کیونکہ اس جگہ ہدایت کے دوسرے معنے یعنے ایصال الی المطلوب مراد ہیں۔ جس کے لیے استقامت شرط ہے۔ اسی لیے اس مقام پر صراط کو مستقیم سے موصوف کیا۔

دیگر یہ کہ استقامت کوئی ذہنی تھیوری (   ) نہیں ہے۔ بلکہ وہ عملی جدو جہد میں شروع سے اخیر تک عزم قوی کے قائم رہنے کا نام ہے۔ اور اس کے لیے خدا تعالیٰ سے دعا کرنا اور توفیق مانگنا، درجۂ عبودیت کو سمجھنا ہے۔ پس اعتراض بےجا ہے۔

دیگر یہ کہ امام ابو جعفر طبری رح نے نہایت زور اور وضاحت سے لکھا ہے۔ کہ اس جگہ ہدایت سے مراد توفیق اور ثبات ہے۔ اور حضرت ابن عباس رض سے یہ بھی معنے روایت کئے گئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

(اِھْدِنَا) قال ابو جعفر ومعنی قولہ اھدنا الصراط المستقیم ھٰذا الموضع عندنا وفقنا للثبات علیہ کما روی ذالک عن ابن عباسؓ (تفسیر ابن جریر طبری جلد اول صفحہ ۵)

کہ اس موقع پر اھدنا الصراط المستقیم کے معنے ہیں۔ کہ خداوند! ہم کو ہدایت پر ثابت رہنے کی توفیق عنایت کر۔ جیسا کہ ابن عباس رض سے مروی ہے۔"

پھر اس کے بعد کلام عرب میں سے یہ شعر شہادت میں لکھا ہے؂

لا تعرہنی ھداک اللہ مسئلتی - ولا اکونن کمن اودی بہ السفر

یعنے شاعر کا مقصود یہ ہے کہ خدا تجھے میرا سوال پورا کرنے اور میری حاجت روائی کی توفیق دے۔

پھر کہا ہے کہ قرآن شریف میں وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ وغیرہا آیات میں بھی ہدایت سے مراد توفیق ہے۔ یعنی خدا تعالےٰ ایسے ضدیوں، ظالموں، فاسقوں، کافروں کو قبولِ ہدایت کی توفیق نہیں دیتا، پھر بہت تفصیل سے بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ ربط و نظم عبارت سے بھی صاف کھل جاتا ہے کہ اس سے مراد توفیق ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے بندہ ایاک نستعین سے خدا تعالےٰ کی عبادت پر مدد طلب کرتا ہے۔ تو اب جتنی عمر اس کی باقی ہے۔ اس میں اللہ الہادی سے ہدایت پر ثابت رہنے کا سوال کرتا ہے۔"

اصحابِ استقامت کی قدر و منزلت

مستقیم الحال مومنوں پر قیامت کے روز پے در پے فرشتے نازل ہو کر ان کو تسلیاں دیں گے چنانچہ فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ (حٰمٓ فصلت پ ۲۴)

(۱) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب (مالک و پروردگار) اللہ ہے پھر (اس پر) مستقیم (پختہ) رہے ان پر پے در پے فرشتے نازل ہوں گے۔ کہ تم کوئی خوف نہ کرو بلکہ اس جنت (کی کامیابی) سے خوش ہو، جس کا وعدہ تم سے (دنیا میں) کیا جاتا تھا۔

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (احقاف پ ۲۶)

(۲) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب (مالک و پروردگار) اللہ ہے پھر (اس پر) قائم رہے۔ پس ان پر نہ تو کسی طرح کا خوف ہو گا۔ اور نہ وہ غم کریں گے۔"

صراطِ مستقیم کیا ہے؟

صراطِ مستقیم مجموعہ ہے عقائد حقہ اور اعمالِ صالحہ کا، جن کا رکن رکین صرف خدائے واحد کو اپنا رب (مالک و پروردگار) جاننا اور صرف اسی کی عبادت کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ کی

Marfat.com

زبانی ذکر کیا۔ کہ انہوں نے بحکم خدا بنی اسرائیل سے کہا تھا۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ۔ (پ۳) — پس تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی صراطِ مستقیم ہے"

عقائد حقہ کی بنیاد یہ ہے کہ دل وجان سے خدائے واحد کی ربوبیت کا اقرار کیا جائے اور زبان سے اس کی شہادت دی جائے۔ سو اس کی نسبت فرمایا اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ اور اعمالِ صالحہ کی بنیاد عبادتِ خدا ہے۔ سو اس کی نسبت فرمایا فَاعْبُدُوْهُ اور ان دونوں کو ملا کر بتایا هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ اس سے صاف معلوم ہوگیا۔ کہ یہ دونوں امر صراط مستقیم ہیں۔ اسی طرح سورۂ یٰسٓ پ۲۳ میں مذکور ہے کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن کفّار سے کہے گا۔

وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ۔ (یٰسٓ پ۲۳) — یعنی دکیا میں نے تم سے یہ بھی نہ کہدیا تھا) کہ میری ہی عبادت کرنا، یہی صراطِ مستقیم ہے"

اسی طرح توحید الٰہی پر جمے رہنے اور شرک نہ کرنے، باپ ماں سے نیکی کرنے، اولاد کو قتل نہ کرنے۔ ظاہری اور باطنی فواحش کے قریب تک نہ پھٹکنے، ناحق خون نہ کرنے، طاقت بھر ماپ اور تول کے پورا کرنے، یتیموں کے مال میں بے جا تصرف نہ کرنے، عدل و انصاف کی بات کہنے اور عہد کے پورا کرنے کی تاکیدات بلیغہ کرنے کے بعد فرمایا۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (انعام پ۸) — یعنی نیز یہ کہ یہی میری سیدھی راہ ہے جس کی پیروی کرنی ہوگی"

توضیح استقامت اعوجاج یعنے کجی کی ضد ہے۔ اور اس سے مراد ہے کسی چیز کا اپنی اصل حالت پر قائم ہونا۔ اور اس کی ضرورت ہر امر میں ہے۔ اعتقاد میں بھی۔ عمل میں بھی اور قول میں بھی، تعلّم میں بھی، اور تعلیم میں بھی (سیکھنے سمجھنے میں بھی، اور سکھانے سمجھانے میں بھی) دین میں بھی، دنیا میں بھی، صنعت و دستکاری میں بھی۔ اور دیگر کام کاج میں بھی۔ استدلال میں بھی، دعوت اور ارشاد میں بھی، اشتغال میں بھی اور فراغت میں بھی۔ معاشرت خانگی اور بال بچوں کی تربیت میں بھی، اور تمدن و سیاست میں بھی۔ حتےٰ کہ طبعی تقاضاؤں یعنی نیند اور بیداری اور کھانے پینے میں بھی۔ اور اپنی ہر حالت یعنے اُٹھنے بیٹھنے، کھڑا ہونے اور چلنے پھرنے میں بھی، غرض ہمارے لیے نہایت ضروری ہے۔ کہ ہماری زندگی کے ہر امر اور ہر حال اور ہماری ماند و بود کے ہر طریقے اور ہر کیف میں ہمارا طریق کار درست اور باقاعدہ ہو۔ سو اسی امر کے لیے

Marfat.com

جنابِ خداوندی میں دعا کی جاتی ہے۔ اور اس سے توفیق طلب کی جاتی ہے۔ کہ الٰہی تو ہمیں ہمارے ہر کام میں جو ہمیں پیش آوے یا ہم اس میں پڑیں صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما۔

اس وقت ہم بیان کر رہے ہیں کہ بغیر کجی کے اصلی حالت پر قائم ہونے کو استقامت کہتے ہیں۔ اسے ہم مثال سے سمجھاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انسان کی قامت سیدھی کھڑی بنائی ہے جو اس طرح ہے۔ کہ سر اوپر کو ہے اور پاؤں زمین سے لگے رہتے ہیں۔ پس کھڑا ہونے اور چلنے کے وقت سیدھا قیام اور سیدھی چال یوں ہوگی۔ کہ سر اوپر کو ہو اور جس طرف کو آنکھیں ہوں اُس طرف کو قدم اٹھائیں، اور الٹی چال یہ ہوگی کہ پاؤں اوپر کو کرکے اور منہ نیچے کرکے ہاتھوں کے بل چلیں۔ یا پشت کی طرف الٹے پاؤں چلیں، قرآن شریف نے اسی مثال کو ذکر کے دینی صراط مستقیم سمجھایا ہے چنانچہ فرمایا:

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (الملک پ۲۹)	تو کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا ہوا چلتا ہے درستکار ہے۔ یا وہ جو سیدھا کھڑا ہو کر سیدھی راہ پر چل رہا ہے!!

اسی طرح دوسرے امور و حالات میں سمجھ لیجئے۔

اسلام کی ہر تعلیم اور آنحضرت صلعم کی ہر سنت مستقیم ہے۔ یعنی اصل اور مناسب حالت پر ہے۔ نہ اس میں افراط ہے نہ تفریط ہے۔ کیونکہ یہی دو صورتیں اصلی حالت کو بگاڑتی ہیں اسی معنے میں آنحضرت صلعم خطباتِ جمعہ و عیدین میں اعلاناً فرمایا کرتے تھے۔

ان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (صحیح مسلم جلد اوّل)	کہ سب کلاموں سے بہتر خدا کی کتاب ہے اور سب دستوروں سے بہتر محمد صلعم کا طریقہ کار ہے!

ہم اسے چند مسائل ذکر کے سمجھاتے ہیں۔

۱۔ حفظِ بدن کے لیے خوراک کی ضرورت ہے اور تحصیل خوراک کے لیے کسب و روزگار کی۔ اور بقائے نسل کے لیے بیوی کی!!

بعض لوگ ان ضرورتوں کے پورا کرنے میں منہمک ہو کر حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتے۔ اور بعض ان سے ایسے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ کہ راہب و درویش بن کر تارک الدنیا بن جاتے ہیں پہلے لوگ افراط میں ہیں اور دوسرے تفریط میں۔

Marfat.com

اسلام نے نکاح کو مقرر کیا۔ اور سفاح (بدکاری) سے منع کیا۔ اور حلال کی روزی کھانے کا حکم کیا، اور حرام سے منع فرمایا۔ یہ اس امر میں صراط مستقیم اور حالتِ اعتدال ہے۔

۲۔ دن معاش کمانے کے لیے اور رات سونے اور آرام کرنے کے لیے ہے لیکن روزی کے پیدا کرنے والے اور اس کے کمانے کی قوت و قابلیت عطا کرنے والے اور رات کو آرام دینے والے کا بھی حق ہے۔ اور بیوی کا بھی حق ہے۔ پس اگر کوئی شخص سارا دن معاش کے کمانے ہی لگا رہے۔ اور رات کو ساری رات سویا رہے۔ یا بہیمیت میں رہے تو وہ حقِ نفس میں افراط کرتا ہے۔ اور جانبِ خدا میں تفریط۔ اور اگر کوئی شخص دن اور رات عبادت ہی میں مشغول رہتا ہے۔ اور زن و فرزند کے حقوق اور اپنی جان کے حقِ آرام میں تغافل و کسلمندی کرتا ہے۔ تو وہ ان حقداروں کی جانب میں تفریط کرتا ہے۔ اسلام توسط کی راہ بتاتا ہے۔ کہ کماؤ بھی اور نماز بھی پڑھو۔ اسی لیے نماز فجر کے بعد سے دن ڈھلنے تک کوئی نماز فرض نہیں کی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے رات تک علے التواتر چار نمازیں مقرر کر دیں۔ کہ دنیا کے کام کاج میں بھی حرج نہ ہو۔ اور عبادت بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہے۔ تاکہ امورِ دنیا میں انہماک نہ ہو جائے پھر رات کے وقت نماز عشاء کے بعد سو جانے اور حقوقِ زوجیت کی ادائیگی کو پسند فرمایا۔ پھر اس آرام و آسائش کے بعد پچھلی رات میں نماز تہجد کی ترغیب دی۔ پس رات کے وقت بھی سب کام مستقیم و درست رہے اور افراط و تفریط کی جانب بھی نہ ہوئی۔

۳۔ کھانا قیامِ زندگی کے لیے ضروری ہے۔ لیکن اس میں انہماک بہیمیت کی ترقی ہے۔ نہ انسانیت کی "تنورِ شکم دم بدم تافتن" میں افراط ہے۔ اور اس کے مقابلے میں نفس کشی کے خیال سے ہمیشہ روزہ رکھنے میں ایک طرف سے تو افراط ہے۔ اور دوسری جانب سے تفریط۔

اسلام نے روزہ بھی سکھایا۔ لیکن ہمیشہ نہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے فرمایا تھا۔

صم وافطر وقم ونم فان لجسدك عليك حقا وان لعينيك عليك حقا وان لزوجك عليك حقا وان لزورك	تو روزہ بھی رکھ۔ اور افطار بھی کر۔ رات کو نماز تہجد میں) قیام بھی کر اور سو بھی، کیونکہ تجھ پر تیرے جسم کا بھی حق ہے۔ اور تیری آنکھوں کا بھی حق ہے

Marfat.com

علیک حقا لاصام من صام الدھر صوم ثلاثۃ ایام من کل شھر صوم الدھر کلہ۔ صم کل شھر ثلاثۃ ایام و اقرء القرآن فی کل شھر الحدیث متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۱۷۸

جس نے سدا روزہ رکھا۔ اس کا کوئی روزہ نہیں ہر مہینے میں تین (نفلی) روزے ہمیشہ کے روزے کی بجائے ہیں۔ پس تو ہر مہینے میں تین دن (نفلی) روزہ رکھا کر[1] اور ہر مہینے میں قرآن کا ختم کیا کر۔"

ہدایت ضروری اسی ضمن میں ہم اخراجات میں کفایت شعاری اور میانہ روی کے متعلق اسلامی تعلیم کو الگ سرخی سے لکھنا چاہتے ہیں کیونکہ مسلمان عموماً اس امر میں کوتاہ اندیشی سے فضول خرچی کی وجہ سے زیر بار ہو ہو کر اپنے آپ کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ اگر ان کی زندگی کسی حالت میں گذر بھی رہی ہے۔ تو دوسروں کی ماتحتی و محتاجی میں گذر رہی ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ مال جمع کرنے کے لیے نہیں۔ بلکہ حاجات میں خرچ کرنے کے لیے کمایا جاتا ہے۔ بعض حاجتیں تو پیش افتادہ ہوتی ہیں۔ اور بعض آیندہ پیش آنے والی ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض یقینی ہوتی ہیں۔ اور بعض کی توقع ہوتی ہے۔ اور بعض کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور بعض ناگاہ آپڑتی ہیں۔ اور ایک اور ہے جو ایک کونے میں پوشیدہ ہے۔ اور نظر نہیں آتی۔ اور مسلمان اس سے سخت غفلت میں ہیں۔ اور وہ ان کو گھن کی طرح دن بدن کھا رہی ہے۔ وہ قرض اور پھر سودی قرض کی زیرباری ہے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم حاجات میں خرچ نہ کرو۔ بلکہ اوّل تو یہ کہتا ہے کہ سب حاجات کو نگاہ میں رکھو۔ جو پیش آنے والی ہیں۔ ان کے لیے ابھی سے پس انداز کرو۔ دیگر یہ کہ حاجت پیش آئے۔ تو حسب بالا اس میں خرچ تو کرو۔ لیکن اپنی طبیعت اور بے لگام خواہش سے خود حاجتیں پیدا نہ کرو۔ اور غیر ضروری کو ضروری کا درجہ نہ دو۔ مسلمانو! خدا تم کو سمجھ دے۔ تم تو ضروری و غیر ضروری کی تمیز سے بھی بالا جا رہے ہو۔ تم اپنی ناجائز خواہشوں میں ایسے تیز رَو ہو۔ کہ سراسر ناجائز اور قطعی حرام اور دین و دنیا کو تباہ بلکہ روسیاہ کرنے والے اخراجات کو نہایت بے باکی و نا عاقبت اندیشی سے نہایت شوق بلکہ فخر سے اپنے سر لے رہے ہو۔ خداوندا! ہمیں اس امر میں بھی صراطِ مستقیم کی سمجھ دے۔ اور اس پر چلنے کی توفیق عطا کر۔ آمین۔"

---

[1] ہر چاند کی تیرھویں۔ چودھویں۔ اور پندرھویں تاریخ کو ۱۲ منہ

Marfat.com

اسراف کے بُرے انجام سے بے پرواہ مسلمانو! اسکو خدا تعالےٰ کیا فرماتا ہے۔

(۱) وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔

(سورۂ فرقان)

(پ ۱۹)

"اور (رحمٰن کے بندے) وہ لوگ (ہیں) کہ جس وقت وہ خرچ کرنے لگتے ہیں۔ تو نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں۔ اور نہ کنجوسی کرتے ہیں بلکہ (ان کا خرچ) اس کے درمیان ایک سیدھی گذران ہوتا ہے۔

(۲) وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝

(۲) اور دے تو قرابت مند کو حق اس کا اور مسکین کو بھی اور مسافر کو بھی اور مت اڑا بکھیر کر۔ بیشک اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔"

(۳) وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۔

(بنی اسرائیل پ ۱۵)

(۳) اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ یعنی کنجوسی نہ کر، اور نہ کھول دے اس کو پورا کھولنا۔ پھر تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا حسرت خوردہ ہو کر۔"

ان آیتوں میں جائز ضرورتوں میں کفایت شعاری اور میانہ روی سے خرچ کرنے کا حکم بھی کیا ہے۔ اور فضول خرچی اور کنجوسی ہر دو امروں سے منع بھی کیا ہے۔ کیونکہ فضول خرچی افراط ہے۔ اور کنجوسی تفریط ہے اور جائز ضرورتوں میں کفایت شعاری سے خرچ کرنا جس سے اپنی حالت قائم رہے۔ میانہ روی اور اعتدال ہے۔ جو صراط مستقیم ہے۔

مسلمانو! اگر تم ان آیات پر عمل کر کے اپنی آمدنی میں سے آئندہ پیش آنے والی ضرورتوں کے لیے بچا رکھا کرو۔ تو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ ورنہ خلاف ورزی کی صورت میں جو کچھ تم پر گذر رہا ہے۔ وہ تمہارے سامنے ہے۔ واللہ الہادی۔

غرض ہمیں ہر امر میں صراط مستقیم کے لیے خدا تعالےٰ سے ہدایت و توفیق مانگنے کی حاجت ہے۔ اور وہ صراط مستقیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وفقنا اللہ لاتباعہا

امام رازی رح نے اس جگہ صراط کو مستقیم سے موصوف کرنے کی وجہ میں لکھا ہے۔ کہ

Marfat.com

اہلِ ہندسہ کے نزدیک دو نقطوں کو ملانے میں جس قدر خطوط کھینچے جائیں۔ اُن میں سے جو سب سے چھوٹا خط ہوگا۔ وہ مستقیم ہوگا۔ باقی سب منحنی یعنے ٹیڑھے ہوں گے۔ پس بندہ خدا تعالےٰ سے صراط مستقیم کی التجا چند وجوہ کرتا ہے۔

اوّل اس لیے کہ چونکہ بندہ عاجز وضعیف ہے۔ اس لیے اس کے ضعف کے مناسب یہی مختصر طریق یعنے صراط مستقیم ہی ہے۔

دوم اس لیے کہ خط مستقیم صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ اور منحنی یعنے ٹیڑھے کئی ایک ہوتے ہیں۔ جو ٹیڑھا ہوتے ہیں یا ہم متشابہ ہوتے ہیں۔ اور سالک کو اس تشابہ کی وجہ سے راہ اختیار کرنے میں حیرت و تردد ہوتا ہے۔ اور صراطِ مستقیم بوجہ ایک ہونے کے کسی سے متشابہ نہیں۔ اس لیے وہ خوف و آفت سے دُور اور امن وامان کے قریب ہوتا ہے۔

سوم اس لیے کہ طریقِ مستقیم منزلِ مقصود پر یقیناً پہنچا دیتا ہے۔ اور ٹیڑھا رستہ (یقیناً) نہیں پہنچا سکتا۔

چہارم اس لیے کہ مستقیم متغیر نہیں ہوتا۔ اور ٹیڑھا متغیر ہوجاتا ہے۔

پس ان وجوہ کی بنا پر بندہ خدا تعالےٰ سے صراط مستقیم (پر چلنے کی توفیق) طلب کرتا ہے۔ (مترجماً بزیادۃ)

پھر چونکہ صراطِ مستقیم کی عملی نشاندہی اور تعیین بھی ضروری ہے۔ تاکہ وہ محض ذہنی ہونے کی صورت میں محلِّ نظر و نزاع نہ ہوجائے۔ اس لیے اس کے بعد کہا صِرَاطَ الَّذِینَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ الآیۃ

کیونکہ جس طریق پر عمل کرنے سے پہلے لوگ کامیاب ہوچکے ہوں۔ اور وہ ضلالت و غضب سے سلامت رہ کر خدا تعالےٰ سے انعام پا چکے ہوں۔ اس طریق کے مستقیم ہونے میں کوئی شک نہیں ہوسکتا۔

صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ

راہ اُن لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا۔

ترکیب نحوی ارتباط ولطائف ادبیّہ

(۱) صِرَاطَ الَّذِیۡنَ الخ بدل ہے اَلصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ سے اور فائدہ اس کا یہ ہوا۔ کہ صراط لمستقیم کی تفسیر معلوم ہوگئی۔ اور اس بدل اور مبدل منہ

ہر دو کے لانے سے کلام میں نہایت درجے کی وضاحت ہو گئی ۔ کہ استقامت و اعتدال والی اور سیدھی راہ وہ ہے ۔ جس پر خدا تعالیٰ کے انعام یافتہ صالحین عمل پیرا ہے نہ وہ جو کوئی ذہنی طور پر اپنے دماغ سے تراش کر مقرر کرلے ۔

۲ ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ کہا ہے ۔ صِرَاطَ مَنْ نہیں کہا ، حالانکہ اَلَّذِيْنَ اور مَنْ ہر دو اسم موصول ہیں ۔ اس لیے کہ اَلَّذِيْنَ مشخص و معیّن کے لیے آتا ہے اور مَنْ کبھی نکرہ موصوفہ بھی آجاتا ہے ۔ چونکہ اس موقع پر صراط مستقیم کی تعیین و تشخیص مطلوب ہے ۔ اس لیے اَلَّذِيْنَ بہت موزوں ہے ۔ اور بلاغت کی جان یہی ہے کہ امر مقصود کو ملحوظ رکھا جائے[1]

۳ ۔ اَنْعَمْتَ کو فعل معروف کی صورت میں ذکر کر کے انعام کی اسناد ذاتِ حق کی طرف کی ، تاکہ توجّہ و عنایت ایزدی ظاہر ہو کہ سب کچھ اُسی کے فضل سے حاصل ہوا ہے ۔ اس کی توفیق کے سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتا ؎

جو کچھ کہ ہوا ، ہوا فضل سے تیرے　　　　ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہو گا

اور یہ بھی ایک قرینہ ہے اس بات کا کہ اس سے پہلی آیت میں اِهْدِنَا سے مراد یہ ہے کہ الٰہی ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرما[2] ۔ جیسا کہ دوسرے موقع پر اسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے :۔

رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ ۔	اے میرے پروردگار میری قسمت میں کر کہ میں تیری نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے شکر کروں اور یہ کہ میں ایسا نیک کام کروں جو تجھے پسند ہو“
(نمل ۱۹ ، احقاف ۱۵)	

۴ ۔ اِيَّاكَ سے اَنْعَمْتَ تک سب صیغے جو ذاتِ حق کے لیے ہیں سب مخاطب صورت میں ہیں ۔ اس لیے کہ جب اِيَّاكَ میں حضوری کی وجہ سے صیغۂ خطاب سے عرض کی تو اب اس کے بعد حضور سے ہٹ کر غائب ہونا تنزّل کا درجہ ہے ۔ نہ کہ ترقی کا اور بلاغت کی جان مقتضائے حال اور مقصود اصل کی رعایت ہے ۔ خذہ فانہ دقیق و لطیف ۔

---

[1] عزیزی مع الزیادۃ ۱۲ منہ ۔

[2] عزیزی و ابن جریر مخلصاً ۱۲ منہ ۔

Marfat.com

۵۔ اَنْعَمْتَ بصیغہ ماضی ذکر کیا۔ نہ تُنْعِمُ مضارع۔ اس لیے کہ زمانہ مستقبل کے لوگ ابھی موجود نہیں اور زمانہ حال کے لوگ محلِ ابتلا ہیں۔ لہٰذا ان کے انجام ہمیں معلوم نہیں، ہاں زمانہ ماضی کے صالحین کی بابت خدا اور اس کے رسولؐ کی خبر سے ہمیں علم ہو چکا ہے۔ کہ وہ فائز المرام ہو چکے ہیں۔ پس انہی کے طریق کی پیروی کی توفیق مانگنی مناسب ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودرضؓ کی روایت ذیل میں یہی نکتہ ملحوظ ہے۔ جو آپ نے فرمایا:۔

من کان مستنا فلیستن بمن قدمات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ۔ ابرھا قلوبا واعمقھا علماً واقلھا تکلفا اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوا علی اثرھم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم وسیرھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم۔ (رواہ رزین مشکوٰۃ ص۲۲)	جو شخص اقتدا کرنا چاہے سو اقتدا کرے ان لوگوں کو جو فوت ہو گئے۔ کیونکہ زندہ شخص فتنہ (ابتلا) سے امن میں نہیں ہے۔ اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔ جو اس امت میں سے سب سے افضل تھے۔ دلوں کے سب سے نیک اور علم میں سب سے گہرے اور تکلف میں سب سے کم۔ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنے نبیؐ کی صحبت کے لیے اور اپنے دین کے قائم کرنے کے لیے منتخب فرما لیا تھا۔ پس تم ان کی فضیلت کو پہچانو اور ان کے قدموں پر چلو اور جہاں تک تم سے ہو سکے ان کے اخلاق اور ان کی سیرت کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ کیونکہ وہ ضرور ضرور ہدایت مستقیم پر قائم تھے۔

اسی اصول کی بنا پر حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کئی ایک انبیاء کا ذکر کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم کیا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ (انعام پ۷)	یعنے یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت بخشی تھی سو (اے نبیؐ) تو بھی انہی کی اقتدار کر یعنی ان کی راہ پر چل۔

تبصرہ اس مقام پر صراط ہدایت یافتہ لوگوں یعنے مُنْعَمْ عَلَیْهِمْ کی طرف مضاف کیا اور آیات ذیل میں اپنی طرف مضاف کیا:۔

Marfat.com

(۱) وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا۔ (انعام پ)

(۱) یہ ہے تیرے رب کی راہ جو سیدھی ہے

(۲) وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا (انعام پ)

(۲) یہ ہے میری راہ جو سیدھی ہے۔

(۳) وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ (شوریٰ)

(۳) اور (اے پیغمبر!) تم تو (لوگوں کو) سیدھی راہ کی رہنمائی کرتے ہو۔ وہ راہ جو اللہ کی راہ ہے جس کی ملک ہے ہر شے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔

اِن ہر سہ آیات میں صراط ذاتِ حق کی طرف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ تقرر کے لحاظ سے تو صراطِ مستقیم کی اضافت خدا تعالےٰ ہی کی طرف درست ہے۔ کہ وہ اس کا مقرر کردہ ہے لیکن عمل وروش کے رُو سے کہ کون لوگ اس پر چلتے رہے۔ اُسے مُنْعَمْ عَلَیْهِمْ کی طرف مضاف کیا۔ پس الگ الگ اضافتیں اعتبارات کے جدا ہونے کی وجہ سے ہیں۔ اہلِ منطق کہتے ہیں۔

لَوْلَا الْاِعْتِبَارَاتُ لَبَطَلَتِ الْحِكْمَةُ۔

یعنے اگر اعتبارات کا لحاظ نہ ہو تو حکمت و دانائی بیکار ہو جائے۔ (میر والحمد للہ)

توضیح خدا تعالےٰ کے انعامات دو طرح کے ہیں۔ ظاہری اور باطنی چنانچہ فرمایا:۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ۔ (لقمان پ)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا تعالےٰ نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں کامل طور پر پوری کی ہیں۔ اس پر بھی بعض لوگ بغیر علم اور ہدایت اور کسی (آسمانی) روشن کتاب کے خدا کے بارے میں ناحق جھگڑا کرتے ہیں۔

خدا تعالےٰ کے ظاہری یعنے عالمِ اجسام کے متعلق انعامات کی تفصیل قرآن شریف میں بیش از بیش ہے۔ لیکن سورت فاتحہ کی آیت زیرِ تفسیر میں جس انعام کا ذکر ہے اس سے باطنی اور دینی نعمت یعنی خدا تعالےٰ کی مرضی پر چلنے کی توفیق مراد ہے کیونکہ جب قرآن شریف کی تصریح کے

Marfat.com

مطابق منعم علیہم سے انبیاء، صدیق، شہید اور صالحین مراد ہیں۔ تو جو خصوصی نعمت ان پر ہوئی ہے یہاں پر وہی مراد ہو سکتی ہے۔ اور صراط مستقیم سے اسی نعمت کو تعلق ہو سکتا ہے۔ ورنہ دنیوی انعامات تو کافر و مومن، فاسق و صالح سب پر عام ہیں۔ چنانچہ اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت فرمایا:۔

شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ (النحل پ۱۴)

اس کی نعمتوں کا شکر گذار تھا۔ خدا نے اُسے انتخاب کر لیا تھا۔ اور اُسے راہ راست پر ڈال دیا تھا۔

اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ پر خدا تعالےٰ کے انعامات کا بھی ذکر ہے۔ اور ہدایت صراطِ مستقیم کا بھی۔

اسی طرح سورت انعام میں کئی انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر کے فرمایا:۔

وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ (انعام پ۷)

ان میں سے بعض (جن کے) باپ اور اولاد اور بھائی بھی تھے۔ ان میں سے بعض کو ہم نے فضیلت بھی بخشی تھی اور منتخب بھی کیا تھا۔ اور ان کو راہ راست پر بھی ڈال دیا تھا۔

اسی طرح سورۃ نساء کے اخیر میں فرمایا:۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا۔ (نساء پ۶)

لیکن جو لوگ خدا پر ایمان لائے اور انہوں نے اُسی کا سہارا پکڑا تو خدا تعالےٰ ان کو اپنی رحمت میں اور فضل میں داخل کرے گا۔ اور ان کو سیدھی سڑک پر ڈال دے گا جو اس تک جا پہنچتی ہے

ان آیات میں صراطِ مستقیم کی ہدایت کو انعاماتِ دینیہ میں گنا ہے۔

دیگر یہ کہ دنیا میں ایسے اشخاص کثرت سے ہوئے ہیں کہ ان پر خدا تعالےٰ کی ظاہری نعمتیں بیش از بیش ہوئیں۔ لیکن وہ خدا کی رضا جوئی کے رستے پر نہ چلے اور اس سے بہک گئے تو ان پر خدا کا غضب ٹوٹا۔ پس ان کی روش صراطِ مستقیم پر نہیں ہو سکتی۔ اور ہدایت الٰہی کا طالب ان کی راہ اختیار نہیں کر سکتا۔ اس لیے یہاں صرف وہی لوگ مراد ہیں۔ جن پر خدا تعالےٰ کی باطنی و روحانی نعمتیں ہوئیں اور وہی اس قابل ہیں۔ کہ خدا تک پہنچنے کے لیے ان کی راہ

Marfat.com

اختیار کی جائے اور وہی اس لائق ہیں کہ ان کی اقتدا کی جائے اسی لیے اس کے بعد ان کی صفت میں غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کہا گیا ہے۔ کہ نہ تو ان پر خدا کا غضب ہوا اور نہ وہ راہِ مستقیم سے بھٹک کر کسی اور طرف کو گئے۔ جیسا کہ اس کے بعد انشاءاللہ مفصلاً مذکور ہو گا۔

صراطِ مستقیم والے اور انعام والے کون ہیں؟

صراطِ مستقیم والے اور انعام والے لوگ وہ ہیں۔ جو خدا کے حکموں پر چلتے ہیں اور وہ چار گروہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ پ ۵

اور اگر وہ بجا لاتے وہ امر جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے۔ تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اور ثابتی میں بہت مضبوط اور پھر ہم ان لوگوں کو اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا کرتے۔ اور صراطِ مستقیم پر بھی پہنچا دیتے۔ اور جو کوئی فرمانبرداری کرے اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے انعام کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید۔ اور دیگر صالحین اور یہ لوگ رفیق بننے میں بہت ہی اچھے ہیں۔"

مقاماتِ اربعہ مذکورہ بالا

۱۔ نبوت

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر کے ذیل میں حقیقتِ نبی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

انسان (نبی) کو حق تعالیٰ کسی بشر کی تعلیم و تربیت کے سوا بلاواسطہ کامل کرتا ہے۔ بدیں طور کہ نور القدس کی تاثیر اس کی قوتِ نظری (دماغی) میں ایسے طور پر واقع ہوتی ہے۔ کہ اس کے معلومات میں اشتباہ والتباس کا دخل ہرگز نہیں سکتا۔ اور اس کی

Marfat.com

قوتِ عملی میں ایسا ملکہ (راسخہ) پیدا کرتا ہے کہ اس سے اعمالِ صالحہ بکمالِ رغبت (و سہولت) صادر ہوتے ہیں۔ اور برے اعمال سے بکمالِ نفرت محفوظ (و معصوم) رہتا ہے۔ اور جب اس کے بدنی قویٰ کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور اس کی تجربی عقل بھی نہایت کو پہنچ جاتی ہے۔ تو خدا تعالےٰ اُسے دیگر لوگوں کی تکمیل کے لیے مبعوث کرتا ہے اور معجزات سے اس کی صداقت ظاہر کرتا ہے اور معجزہ کبھی تو جنسِ قول سے ہوتا ہے جیسے قرآن مجید اور کبھی جنسِ فعل سے جیسے انگلیوں سے پانی کا جاری ہو جانا اور اس کو ان (قولی و فعلی) معجزات کے ساتھ عقلی نشانات بھی دیئے جاتے ہیں۔ جو خواص کے لیے موجبِ ایمان ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ معجزات عوام کے ایمان کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ عقلی نشانات کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ ازاں جملہ اخلاقِ کریمہ ہیں۔ اور علومِ صادقہ (و حقہ) بھی ہیں۔ اور بیانِ شافی اور حجّتِ واضحہ بھی اور ازاں جملہ انوارِ صحبت ہیں۔ کہ جس طرح کمتر درجے والے (عام) لوگ معجزات سے (صداقتِ نبوت پر) استدلال کرتے ہیں اسی طرح کامل لوگ ان کمالات سے استدلال کرتے ہیں خصوصاً جب کہ امراضِ روحانیہ کا علاج اور ناقص لوگوں کی تکمیل اور ہم صحبت لوگوں پر انوارِ (ایمانیہ) کی شعاعوں کا فیضان ان سے مشاہدے میں آتا ہے بعض کی عقل بھی کرتی ہے۔ جیسے خدا تعالےٰ کی ہستی اور اس کی ذات و صفات کے (اقرار کے) متعلق بعض وقت وہ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں۔ جن کو عقل بالاستقلال حاصل نہیں کر سکتی۔ مثلاً مخلوق کے متعلق خدا تعالےٰ کے ربانہ احکام (تکلیفی) اور اعمالِ صالحہ پر ثواب اور برے اعمال پر عذاب و سزا کی تفصیلات نیز ان افعال کا بیان کرنا جو (بعض لوگوں کے نزدیک گا ہے (ایک اعتبار سے) نیک شمار ہوتے ہیں اور گا ہے (دوسرے اعتبار سے) برے ہوتے ہیں۔ پس اگر معجزات و نشاناتِ عقلیہ (مذکورہ بالا) کی تصدیق ہمراہ نہ ہو تو محض عقل خصوصاً عوام النّاس کی عقل ان امور کا اعتبار نہ کرے۔ اور اُن کے مبعوث ہونے کا فائدہ متحقق نہ ہو۔

(انتہیٰ مترجماً ص۱ تفسیر عزیزی)

حافظ ابن حزم قرطبی رح نے کتاب الفصل میں امام غزالی[۲] رح نے مختلف کتب میں، امام[۳] رازی رح نے تفسیر کبیر اور دیگر کتب میں، اور[۴] شاہ ولی اللہ صاحب رح نے حجۃ اللہ میں حقیقتِ نبوت کے متعلق نہایت مفید بحثیں لکھی ہیں۔ لیکن شاہ عبدالعزیز رح کی مذکورہ بالا عبارت

Marfat.com

حقیقت و شانِ نبوت کے سمجھانے میں سہل اور جامع ہے۔ اس لیے ہم نے اسی کو منتخب کیا ہے۔ رحمہما اللہ اجمعین۔

تفہیم جیسا کہ قاعدہ ہے کہ ہر سلسلے کی ابتدا بھی ہوتی ہے۔ اور انتہا بھی۔ اسی طرح سلسلۂ نبوت کی ابتدا ابوالبشر آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ اور اس کی انتہاء فخرِ عالم محمد رسول اللہ علیہ وسلم پر ہوگئی۔ ان ہر دو انبیاء کے درمیان کتنے نبی اور رسول ہوئے؟ اس کی صحیح تعداد خداوند تعالےٰ کو معلوم ہے۔ جن روایتوں میں تعداد مذکور ہے۔ وہ سنداً صحیح نہیں۔ قرآن شریف میں صاف میں فرمایا:۔

(۱) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ۔ (نحل پ۱۴)

اس میں شک نہیں کہ ہم نے ہر امّت میں رسول برپا کیا۔ کہ (صرف) خدا کی بندگی کرو، اور طاغوت سے الگ رہو۔"

(۲) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ مِنْھُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْھُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ۔ (مومن پ۲۴)

اس میں بھی شک نہیں کہ ہم نے تجھ سے پہلے کئی ایک رسول بھیجے ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے بعض کا ذکر ہم نے تجھ پر کر دیا۔ اور بعض کا نہیں کیا۔"

پس جس نبی کا ذکر قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔ اس پر تفصیلی ایمان ہے اور جس کا نام مذکور نہیں اس پر اجمالی ایمان چاہیئے۔ کہ اگر وہ نبی تھا۔ تو ہمارا اس پر ایمان ہے ورنہ خدا جانے۔

سب انبیاء و رسل پر ایمان رکھنا واجبات سے ہے

حضرت آدم علیہ السّلام سے آنحضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلّم تک جس قدر انبیاء و رسل ہوئے ان سب پر ایمان لانا اور ان کو منجانب اللہ جاننا واجبات سے ہے ان میں سے کسی ایک سے بھی انکار کرنا ویسا ہی کفر و ضلالت ہے جیسا کہ سارے سلسلے سے انکار چنانچہ خدا تعالےٰ قوم مسلمین کو ارشاد فرماتا ہے:۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ

(مسلمانو!) تم اقرار کرو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو ہماری طرف اتارا گیا۔ اور اس پر بھی

Marfat.com

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔

(سورۃ البقرہ)

(پ۱)

جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور اور یعقوبؑ پر اتارا گیا۔ اور اس پر بھی جو موسٰیؑ اور عیسٰیؑ کو دیا گیا۔ اور (اس پر بھی) جو دیگر انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم سب اسی (ایک خدا) کے فرمانبردار ہیں۔"

دوسرے موقع پر اپنی ذاتِ خداوندی پر اپنے رسول پاک (محمد) پر اور آپ کی پاک کتاب (قرآن مجید) پر اور اس سے پہلی کتابوں پر اور روزِ قیامت پر ایمان لانے کا حکم کیا۔ اور جو انکار کرے اسے گمراہ قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۔

(سورۃ النساء)

(پ۵)

اے ایمان لانے والے لوگو! ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول (محمد) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (محمد) پر نازل کی۔ اور اس کتاب پر بھی جو اس نے اس سے پہلے نازل کی۔ اور جو شخص خدا سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور پچھلے دن (روز قیامت سے) کفر کرے تو (سمجھو کہ) وہ (ایمان سے) نہایت دور کی گمراہی میں پڑ گیا۔"

۳۔ تیسرے موقع پر اس ضلالت (کفر) کو اختیار کرنے والے اور بعض انبیاء کو ماننے اور بعض سے انکار کرنے والوں کو تحقیقی کافر قرار دیا۔ اور ان کی نسبت خواری کے عذاب کی خبر دی۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ

بیشک جو لوگ خدا سے اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ (ایمان کے بارے میں) خدا میں اور اس کے رسولوں میں تفریق کریں اور کہتے ہیں۔ کہ ہم بعض (انبیاء) کو مانتے ہیں۔ اور بعض کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں۔ کہ اس کے

Marfat.com

الکٰفِرُوْنَ حَقًّا ج وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔

درمیان ایک (نئی) اختیار کریں وہ لوگ سچ مچ کافر ہیں اور ہم نے ان کفار کے لیے نہایت خوار کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(پ ۶)

توضیح اس آیت میں کفر کی کئی ایک صورتیں بیان کی گئی ہیں جو کسی اور مقام پر یکجا بیان نہیں ہوئیں۔ ہم ان کو واضح کرنے کے لیے نمبروار بیان کرتے ہیں۔"

۱۔ خدا تعالےٰ اور اس کے پیغمبروں ہر دو سے انکار جو ہمارے نزدیک دہریہ لوگوں کا مسلک ہے کہ وہ نہ ذات حق کے قائل اور نہ اس کے رسولوں کے معتقد۔

۲۔ امرِ ایمان میں خدا تعالےٰ اور اس کے پیغمبروں میں تفریق کرنا یعنے خدا تعالےٰ پر تو ایمان رکھنا، لیکن اس کے پیغمبروں سے انکار کرنا۔ اس کی مثال میں ہم آریوں کو پیش کر سکتے ہیں۔ کہ وہ ذاتِ حق کے تو قائل ہیں۔ لیکن سلسلۂ نبوّت کے قائل نہیں۔ چنانچہ امام رازی رح فرماتے ہیں:-

ای یریدون ان یفرقوا بین الایمان باللہ ورسلہ۔

یعنے وہ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے میں خدا تعالےٰ اور اس کے رسولوں میں جدائی کریں۔

اور علامہ زمخشری کہتے ہیں۔

الذین آمنوا باللہ وکفروا برسلہ۔

یعنے جن لوگوں نے خدا تعالےٰ کو مانا اور اس کے پیغمبروں سے انکار کیا وہ سب کافر ہیں۔

۳۔ بعض انبیاء کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا، اس طریق پر یہود و نصاریٰ ہیں۔ کہ وہ بعض کو مانتے ہیں۔ اور بعض کو نہیں مانتے، مثلاً یہود آنحضرت صلعم کو اور حضرت عیسےٰؑ کو اور حضرت یحییٰؑ کو اور حضرت زکریاؑ کو نہیں مانتے، اور نصاریٰ آنحضرت صلعم کو، اور بعض دیگر انبیاء کو نہیں مانتے۔

۴۔ کفر اور ایمان کے درمیان ایک تیسری راہ اختیار کرنا، کہ نہ صریحاً کفر و تکذیب پائی جائے اور نہ ایمان و تصدیق کی حقیقت کا اظہار ہو۔

اس کی صورت ہمارے ذہن میں یہ آتی ہے۔ کہ کسی خاص نبی مثلاً آنحضرت صلعم یا سلسلہ نبوّت کی تکذیب و تحقیر نہ کی جائے۔ بلکہ ان کی اصلاح کو قدردانی کی نظر سے دیکھا جائے، اور ان کی تعلیم کی تحسین کرتے ہوئے ان کی شخصیت کی تعریف کی جائے

Marfat.com

اور ان کو تعظیم و تکریم سے یاد کیا جائے، اور ان سے خصوصی عقیدت کے بغیر جہاں تک ہو سکے اپنی اصلاح بھی کر لی جائے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یا کسی اور پیغمبر برحق کو یا سارے سلسلۂ انبیاء کو اپنے اپنے وقت کے ریفارمر اور مصلح تو جانا جائے، لیکن ان کی نسبت اس اعتقاد کو ضروری نہ جانا جائے، کہ وہ خدائے تعالےٰ کے رسول ہیں اور ان کی تعلیم خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ جس کی پیروی ہر مکلّف پر واجب ہے۔ اور ان کو خدائے تعالےٰ اور اس کے بندگان کے درمیان سفیر اور قبولیتِ اعمال کے لیے ضروری واسطہ و ذریعہ نہ سمجھا جائے۔ اور سب سے الگ ہو کر ان کے مصدّقین کے زمرہ میں شامل نہ ہوں۔ اور ان پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کو نجات اخروی کے لیے ضروری و لازم نہ سمجھیں"

یہ ایک ایسی راہ ہے۔ جو ظاہراً کفر و تکذیب ہے۔ اور نہ اس میں ایمان و تصدیق کی حقیقت پائی جاتی ہے۔ اس کی مثال میں ہم یورپ کے اکثر مستشرقوں کو اور اپنے ملک کے برہم سماجیوں کو پیش کر سکتے ہیں۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نہایت تعریف کرتے ہیں۔ اور آپ کی اصلاح کو نظرِ عزّت سے بھی دیکھتے ہیں اور آپ کو دنیا بھر کا بزرگ ترین مصلح بھی جانتے ہیں۔ لیکن نہ تو خود مسلمان اور آپ کے اُمّتی کہلاتے ہیں۔ اور نہ آپ کے دعوے رسالتِ الٰہی کی تصدیق کرتے ہیں۔

آیت مذکورہ بالا میں ان ہر چہار اصناف کی نسبت فرمایا۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ — یعنے یہ سب لوگ سچ مچ کے کافر ہیں یعنے ان کے کافر ہونے میں کچھ بھی شک نہیں۔

وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا — یعنے ہم نے ان سب کفار کیلیے سخت خوار کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۱) پہلی جماعت یعنے خدائے تعالےٰ اور حضرات انبیاء علیہم السّلام کے منکروں (ملحدوں اور دہریّوں) کے کافر ہونے میں کیا کلام ہے۔ کسی مُوجد کے بغیر کسی ایجاد کو موجود ماننا عقل کے پیچھے لٹھ لے کر پھرنا۔ بلکہ عقل سے بے بہرہ ہونا نہیں تو اور کیا ہے؟ کیونکہ دلالتِ عقلی کی ایک صورت یہ ہے کہ مصنوعات سے صانع کے وجود پر استدلال کیا جائے

Marfat.com

چنانچہ فرمایا:۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔

(پ ۲)
(بقرہ ع)

تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے سوائے اس رحمٰن ورحیم کے کوئی دوسرا لائق عبادت نہیں ہے۔ بیشک زمین وآسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں اور کشتیوں میں جو دریا میں لوگوں کے نفع کی اشیاء لے کر چلتی ہیں اور بارش میں جس نے خدا تعالےٰ آسمان کی طرف سے نازل کرتا ہے تو اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور اس میں ہر قسم کے جانور بکھیر دیتا ہے اور (مختلف قسم اور اطراف کی) ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادل میں جو آسمان وزمین کے درمیان ٹھہرایا ہوتا ہے البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"

اس آیت میں بعض مصنوعاتِ عالم کو پیش کر کے فرمایا ہے کہ ان میں عقل کے استعمال کرنے والوں کے لیے ذاتِ برحق کے موجود[1] ہونے[2] اور اس کی توحیدِ الوہیت اور اُس[3] کے رحمٰن ورحیم ہونے کے دلائل ونشانات ہیں۔ ایسی دلیل کو منطقی علماء برہانِ اِنّی کہتے ہیں۔ دنیا کو مخلوق ومصنوع مان کر اس کے خالق وصانع سے انکار کرنا اس امر کے کفر ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟

(۲) دوسری قسم کے لوگوں کے کافر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو جملہ موجوداتِ عالم کا خالق ومالک جان کر اور اس کے نظامِ تربیت کو مان کر سلسلۂ نبوّت سے انکار کرنا جس پر

---

[1] اس آیت کی پوری تفسیر مع مفصل کوائف ووجوہات کے اس کے اپنے موقع پر یعنی دوسرے پارے میں بیان کی گئی ہے۔ جس کا بیاض تیار ہے۔ لیکن ابھی طبع کی نوبت نہیں آئی۔ وہ بیان ایسا لطیف ہے کہ خدا کے فضل سے ناظرین کے دماغ روشن اور سینے ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ اور وہ خود ہزار جان سے قرآن شریف کے اسلوبِ بیان کے عاشق ہو جائیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ ۱۲ منہ

Marfat.com

روحانی تربیت کا انحصار ہے۔ خدائے حکیم کے سارے کارخانۂ قدرت کو بیکاری کا شغل سمجھنا ہے۔ اور یہ صریحاً کفر ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (ص پ ۲۳)

اور ہم نے آسمان اور زمین کو باطل (بیکار) نہیں بنایا۔ یہ ان لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہو گئے۔

اس کی توضیح دنیا دار الاسباب ہے، جس طرح خدا تعالےٰ نے اس کی جسمانی پیدائش و پرورش کے لیے جسمانی اسباب بنائے ہیں۔ اس طرح انسانوں کی روحانی تربیت کے لیے انبیاء علیہم السّلام کو تہذیب اخلاق اور ہدایت کا سبب بنایا ہے اگر ان کو تسلیم نہ کیا جائے تو انسان اور بہائم میں تمیز نہ رہے۔ دنیا میں جس قدر بھی اخلاقی یا روحانی برکات پائی جاتی ہیں وہ سب حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے ہیں۔ اور ان کا وجود قلبی نورانیت کے لیے ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ جسمانی نورانیت کے لیے آفتاب کا۔ جو لوگ خدا کی اس نعمت سے متمتع نہیں ہوتے، اور انسانی پیدائش کی غرض و غایت محض تمتعاتِ دنیویہ میں منہمک رہنا اور انہی میں ترقی حاصل کرنا سمجھتے ہیں۔ ان کی نسبت فرمایا:-

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ۔ (پ ۲۶)

اور جو لوگ کہ کافر ہو گئے وہ (اسباب دنیا سے) فائدہ اٹھاتے اور کھاتے ہیں جس طرح کھاتے ہیں چوپائے۔ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔

تذکیر نظامِ نبوت کے اثبات کے لیے نظامِ دنیویہ سے استدلال کرنے کی کسی قدر وضاحت ہم سابقاً پ رب العالمین کی تفسیر کے ضمن میں کر چکے ہیں۔

۳- تیسری قسم کے لوگوں کے کافر ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ جملہ انبیاء علیہم السّلام خدا کے پیغمبر ہونے میں ایک جیسے ہیں۔ ذاتِ حق سے جو نسبت و اضافت ایک کو ہے وہی دوسرے کو ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی نسبت سے انکار کرنا ویسا ہی کفر ہے جیسا کہ سب کی نسبت سے انکار کرنا۔ کیونکہ سب کی نسبت ایک ہے۔ پس ان میں یہ تفریق کرنا کہ بعض کو مان لیا جائے۔ اور بعض کو نہ مانا جائے۔ درست نہیں۔ اسی لیے قرآن مجید میں سورہ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران میں لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ کے

Marfat.com

بعد وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ کہہ کر اس نکتے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ کہ چونکہ وہ سب خدا کے رسول ہیں اور ہم اُسی (خدا) کے حکم بردار ہیں۔اس لیے ہم ان کا اقرار کرتے ہیں۔ جن کے اسمائے گرامی معلوم ہیں۔ان کو توصراحتہً ان کے اسماء سے اور جن کی شخصیت معلوم نہیں ان کو ان کے وصف سے، یعنے اجمالاً یوں کہتے ہیں کہ اگر وہ خدا کے رسول تھے۔ تو ہمارا ایمان ہے۔ورنہ خیر۔

مسلمان ہونے میں ایمانی ترقی

یہ عقیدہ صورتِ واقعی کے رُو سے سوائے اُمّتِ محمّدیہ (علی صاحبہا السّلام والتحیہ) کے دنیا کی کسی دیگر ملّت میں نہیں پایا جاتا۔ باقی تمام مذاہب سلسلۂ نبوّت کو مانتے ہوئے بھی بعض کو مانتے ہیں جیسا کہ ہم اوپر یہود و نصاریٰ کو مثال میں پیش کر کے بیان کر چکے ہیں۔ پھر غضب یہ کہ جن کو انہوں نے خدا کے رسول اعتقاد بھی کر لیا ہے۔ انہیں غیر معصوم جانتے ہیں۔ گویا کہ خدا کی وحی کے امین انبیاءؑ اور وہ اُمّتی جن کی اصلاح کے لیے وہ مبعوث ہوئے معاذ اللہ خدا تعالےٰ کے احکام سے عمداً بے پرواہ ہو جانے میں برابر ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔

لیکن ان کے مقابلے میں ہم مسلمان (اُمّتِ محمدیہ) شروع سلسلہ یعنے آدمؑ سے لے کر آخرِ سلسلہ یعنے محمد صلے اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء کو برحق جانتے ہوئے سب کو ان احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی سے بالکل معصوم مانتے ہیں۔ جن کی تبلیغ کے لیے وہ مبعوث ہوئے اور ان جملہ گناہوں سے پاک صاف جانتے ہیں۔ جن کی اصلاح کے لیے وہ نبی بنائے گئے۔ پس نبوّتِ محمّدیہ کی تصدیق میں یہ فضیلت ہے کہ اس میں ہر اس نبی کی تصدیق لازم ہے جو کسی زمانے میں بھی، اور کسی قوم میں بھی مبعوث ہوا۔ اور ہر اس تعلیم پر ایمان لانا واجب ہے۔ جو کسی نبی پر کسی زبان میں بھی نازل ہوئی۔ اور ہمارے ہاں اس امر میں آنحضرت صلعم پر اور قرآن مجید پر ایمان لانے میں اور آنحضرت صلعم کے ادب و تعظیم میں اور کسی دیگر نبی پر ایمان لانے اور اس کے ادب و تعظیم اور اس کی تعلیم و کتاب پر ایمان لانے میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔

(بقرہ پ ۱)

اور جو ایمان رکھتے ہیں اس پر جو (اے پیغمبر!) تم پر اتارا گیا اور جو تم سے پہلے (دیگر انبیاء پر) اتارا گیا۔"

Marfat.com

اس کی توضیح میں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اگر کوئی عیسائی مسلمان ہو جائے۔ تو چونکہ حضرت عیسٰیؑ خدا کے سچے رسول ہیں۔ اور خدا کی طرف سے ان پر کتاب انجیل اتری۔ اس لیے اُسے نبوت محمدیہ کا اقرار کرتے ہوئے حضرت عیسٰےؑ اور انجیل سے برگشتہ ہونا نہیں پڑے گا۔

اسی طرح کوئی یہودی مسلمان ہو تو اُسے حضرت موسیٰؑ اور توریت سے منحرف نہیں ہونا پڑے گا۔ بلکہ ان سب کی نبوت کی تصدیق پر بحال رہ کر مکمل سلسلۂ نبوت پر اپنے ایمان کو پورا کرنا ہوگا۔ جو ترقی کا درجہ ہے۔ اور اگر خدانخواستہ ہم مسلمان آریہ ہو جائیں۔ تو معاذ اللہ خدا تعالےٰ کی بعض صفات مثلاً خالقیت اور جملہ پیغمبروں اور اُس کے فرشتوں اور اس کی جملہ کتابوں (توریت، زبور، انجیل اور قرآن شریف) سے انکار کرنا پڑے گا، اور اسی طرح یہود ہو جانے کی صورت میں بھی بعض انبیاء سے جن سے یہود انکار کرتے ہیں۔ خصوصاً سید المرسلین صلعم سے جن کی خبر خود موسٰی علیہ السلام دیئے گئے ہیں انکار کرنا پڑے گا۔ اور اسی طرح نصاریٰ ہو جانے کی حالت میں اصل ایمان یعنے توحید الٰہی کی بجائے تثلیث کا قائل ہونا پڑے گا۔ اور ان پیغمبروں کا قائل ہونا پڑے گا۔ اور ان پیغمبروں سے جن سے عیسائی انکار کرتے ہیں۔ بالخصوص خاتم النبیین صلعم سے جن کی خوشخبری خود حضرت عیسےٰؑ دیئے گئے ہیں انکار کرنا پڑے گا۔ ان ہر سہ مذاہب میں داخل ہونے سے ایمان میں ترقی کیا الٹا تنزل ہوگا۔ اور یہ ایمان کیا ہوگا؟ ایک مجموعہ کفریات ہو جائیگا۔ ونعوذ باللہ من ذالک۔

پس ایمانی کمال و ترقی نبوت محمدیہ کی تصدیق میں ہے۔ نہ کہ کسی اور مذہب میں اور یہ مذہبی دنیا پر آنحضرت صلعم کا بڑا بھاری احسان ہے۔ اور کمال درجے کی رواداری اور فراخدلی اور حق پرستی ہے۔ کہ کسی صداقت سے بھی جو دنیا کے کسی گوشے میں کسی زمانے میں بھی خدا کی طرف سے نازل ہوئی انکار نہیں کیا اور اپنے پیروؤں کے دل میں تعصب و ضد کو ہرگز داخل نہیں ہونے دیا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ

تفہیم کم علمی اور کوتاہ فہمی بھی ایک آفت ہے۔ کہ اس سے کسی شئے کی حقیقت اس کے اپنے درجے پر نہیں سمجھی جاسکتی۔ اور اگر تیغ تعلی بھی ساتھ شامل ہو جائے۔ تو آفت پر آفت سوار ہو جاتی ہے۔ اور انسان کے لیے ہدایت کا رستہ

Marfat.com

بند ہو جاتا ہے۔ یہی حال اس گروہ کا ہے جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں۔ اور آنحضرت صلعم کو قرآن شریف سے جدا رکھ اس کے معانی و تفسیر کو اپنی رائے اور خواہش میں ڈھالنا چاہتے ہیں وہ آنحضرت صلعم کو قرآن شریف کے خدا کی طرف سے نازل ہونے میں تو واسطہ جانتے ہیں۔ لیکن اس کے معانی و تفسیر اور مراد الٰہی کے تقرر کے لیے واسطہ نہیں گردانتے، گویا کہ آنحضرت صلعم پر تفہیم معانی کے بغیر محض الفاظِ قرآنی کی وحی ہوتی تھی۔ اور خدا تعالےٰ آپ کو اپنی مراد نہیں سمجھاتا تھا۔ اس کی مثال تو معاذ اللہ یہی ہوئی۔ کہ کوئی مسجد نشین ملّا کسی بچے کو محض الفاظِ قرآنی پڑھا دے۔ یا حفظ کرا دے۔

اس خیال نے ان لوگوں کو ایسا پھسلایا کہ نصوصِ قرآنیہ پر بھی نہ ٹھہر سکے۔ اس کی مثال یہ دیکھئے کہ انہوں نے کہیں قرآن شریف میں لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ دیکھ لیا اور ادھر مسلمانوں کی زبانی سن لیا کہ وہ آنحضرت صلعم کو تمام انبیاء سے افضل جانتے ہیں۔ جو احادیث کو اور آنحضرتؐ کی فضیلتِ کلی کو اس آیت لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کے خلاف سمجھ کر اس سے انکار کر دیا۔ اور یہ نہ سمجھے کہ تفاضلِ انبیاء کا مسئلہ تو نصِ قرآنی میں دو جگہ مذکور ہے۔ یعنے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ پ۳) میں اور۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ۔ — یعنے ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ (بنی اسرائیل پ۱۵)

تو اگر تفاضلِ انبیاء کا مسئلہ آیت لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کے مفہوم کے خلاف ہے۔ تو جن آیات مذکورہ بالا میں تفاضلِ انبیاء کو بالصراحۃ ذکر کیا گیا ہے۔ ان کا مطلب کیا ہوگا؟ اور یہ آیت ان سے کس طرح جمع ہو سکے گی؟ پھر تو معاذ اللہ آیاتِ قرآنیہ میں صریح اختلاف ہوگا۔ جو اسے کلام الٰہی ہونے سے گرا دے گا۔ چنانچہ فرمایا:۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ (النساء پ۵) — تو کیا یہ لوگ قرآن میں سوچ نہیں کرتے، اگر یہ قرآن خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے لیکن اس میں تو مطلقاً اختلاف نہیں ہے۔

فہم سلیم ہو اور طبع مستقیم ہو تو اس مسئلے کا حل یوں ہے کہ سب نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ کو اپنے

Marfat.com

اپنے محل پر رکھا جائے، اس کی صورت یوں ہے۔ کہ آیت لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ میں مسئلہ تفاضل انبیاء ملحوظ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں جس تفریق کی نفی کی گئی ہے وہ وصف ایمان کے متعلق ہے۔ کہ بعض انبیاء کو مانا جائے اور بعض کو نہ مانا جائے، جیسا کہ چھٹے پارے کی آیت میں جس کی توضیح میں ہم یہ طویل تقریر لکھ رہے ہیں۔ صاف مذکور ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ۔ (پ ۶) یعنے کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں۔ اور بعض کو نہیں مانتے۔

پس تفریق بین الرسل دیگر امر ہے۔ اور تفاضل انبیاء دیگر امر ہے۔ اور اختلاف و تناقض ایک ہی امر میں نفی اثبات کے اختلاف سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ مسئلہ کتب منطق میں مع شرائط کے مفصل مذکور ہے۔ پس ہر ایک آیت اور ہر ایک مسئلہ اپنے اپنے حال پر قائم ہے۔ اور درست ہے۔ والحمد للہ۔

اور جب تفاضل انبیاء نص قرآنی سے ثابت ہو گیا۔ تو کوئی ایک فرد ایسا بھی ماننا پڑے گا۔ جو سب سے افضل ہو۔ اور وہ آنحضرت صلعم ہیں۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آچکا ہے[1]۔ پس وہ احادیث بھی اپنے حال پر قائم ہیں اور سب درست اور صحیح ہیں۔

اس کی توضیح یوں ہے کہ فضیلت دو قسم پر ہے۔ جزوی اور کلی، جزوی تو افراد انبیاء میں منتشر ہے۔ کوئی نبی کسی امر میں خاص فضیلت رکھتا ہے۔ اور کوئی کسی دیگر میں۔ لیکن فضیلت کلی، تکمیل شریعت، اور کمالات علمیہ و عملیہ، اور عموم دعوت اور ختم نبوت اور حفاظت قرآن اور بقائے فیض اور آپ کی سنت و شریعت کے تبدیل و تحریف سے محفوظ رہنے کی وجہ سے ذات اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ اور اس کا مجمل ذکر تفاضل انبیاء والی آیت میں بھی مذکور ہے۔ چنانچہ فرمایا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ (بقرہ پ ۳)

یہ پیغمبر (جن کا ذکر اوپر ہوا) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ان میں سے بعض سے تو خدا نے کلام کیا اور بعض کے درجات بلند کر دیئے اور عیسیٰ ابن مریم کو ہم نے روشن نشانات دیئے۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین صلعم میں بعض احادیث مذکور ہیں ۱۲ منہ۔

Marfat.com

اس آیت میں تفاضل انبیاء کے ذکر کے بعد موسےٰ ؑ کے لیے کلام اور عیسےٰ ؑ کے لیے معجزات کا ذکر کیا یعنے حضرت موسےٰ ؑ اور حضرت عیسےٰ ؑ کے لیے ایک ایک وجہ فضیلت کا ذکر کیا ہے۔ جو فضیلتِ جزوی پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن ایک فرد خاص کے لیے بغیر ذکر اسم کے فرمایا:۔ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ اس میں نہ تو کسی خاص جزوی امر کا ذکر ہے۔ اور نہ درجات کی تحدید ہے۔ اور یہ امر فرد اکمل کے لیے ہی ہو سکتا ہے۔ اور فرد اکمل کی پہچان کے لیے اس کے اسم کی تصریح ضروری نہیں ہوتی۔ بلکہ اُس کا وصفِ عنوانی ایسا معروف اور طبائع میں ایسا مرکوز ہوتا ہے۔ کہ ذہن اس کے سوائے کسی اور طرف نہیں جا سکتا۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے خطاب اور ندا کے متعلق آنحضرت صلعم کی نسبت اس امر کو خصوصیت سے ملحوظ رکھا ہے۔ آدم علیہ السلام سے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام تک بہت سے جلیل القدر انبیاء کو لفظ یا سے خطاب اور ان کا نام نامی بالصراحت ذکر کیا ہے۔

۱۔ چنانچہ آدم ؑ کی نسبت فرمایا:۔ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔

(سورۂ بقرہ، پ)

۲۔ حضرت نوح ؑ کی نسبت فرمایا:۔ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ط (هود، پ ۱۲)

۳۔ حضرت ابراہیم ؑ کی نسبت فرمایا:۔ يَا اِبْرَاهِيمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔ (ہود پ ۱۲)

۴۔ حضرت موسےٰ ؑ کی نسبت فرمایا:۔ يَا مُوسٰى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي۔ (اعراف پ ۹)

۵۔ حضرت عیسےٰ ؑ کی نسبت فرمایا:۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسٰى اِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ۔ (پارہ ۳)

ان آیات میں حرفِ ندا کے ساتھ اسماء کی تصریح ہے۔

لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایک جگہ بھی یا محمّد کر کے نہیں کہا۔ بلکہ جہاں کہیں آپ کے لیے حرف ندا سے ذکر کیا ہے۔ تو آپ کے عہدہ نبی اور رسول پر ذکر کیا ہے"

۱۔ چنانچہ فرمایا:۔ يَا اَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ۔

(مائدہ پ ۶)

Marfat.com

۲ - نیز فرمایا :- یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۔ (مائدہ پ۶)

۳ - نیز فرمایا :- یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ ۔ (احزاب پ۲۱)

۴ - نیز فرمایا :- یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ ۔ (احزاب پ۲۱)

۵ - نیز فرمایا :- یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۔ (احزاب پ۲۲)

۶ - نیز فرمایا :- یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ ۔ (احزاب پ۲۲)

۷ - نیز فرمایا :- یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ ۔ (احزاب پ۲۲)

۸ - نیز فرمایا :- یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ ۔ (ممتحنہ پ۲۸)

۹ - نیز :- یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ۔ (طلاق پ۲۸)

۱۰ - نیز :- یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۔ (تحریم پ۲۸)

یہ دس مقامات ہیں جن میں آنحضرت صلعم کو نبی اور رسول کے وصف سے ندا کی گئی ہے اور قرآن شریف میں ایک مقام بھی نہیں جس میں آپ کا اسم پاک ذکر کر کے یا محمد یا یا احمد کر کے پکارا ہو۔

ہم نے یہ سب مقامات اس لیے ذکر کر دیئے ہیں کہ اس التزام میں پایا جاتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے ندا کے وقت اس امر کو خصوصیت سے ملحوظ رکھا ہے۔ اگر ایک آدھ موقع پر ہوتا تو شاید کوئی کہہ دیتا کہ یہ اتفاقی بات ہے۔ لیکن اس کثرت سے ایک بات کا التزام متکلم کی نظر میں خصوصیت کے ساتھ ملحوظ ہونے کی دلیل ہے۔

منادے معرف باللام کی خصوصیت

جب کسی ایسے اسم کو منادیٰ بنایا جائے جس پر الف لام تعریفی داخل ہو تو اس اسم اور یا حرف ندا کے درمیان ایُّ (اسم مبہم) اور کلمہ ھا زیادہ کیا جاتا ہے۔ یہ کلمۂ ھا حسب موقع خاص خاص فائدے کے لیے ہوتا ہے۔ اگر وہ اسم صفت کا صیغہ ہو اور وہ صفت کسی اچھے وصف پر دلالت کرتی ہو۔ تو کلمۂ ھا منادی کی تعظیم یا محبوبیت یا شفقت پر (جیسا کہ موقع ہو) دلالت کرتا ہے۔ جیسے یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ اور یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ اور تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ (نور پ۱۸) اسی قبیل سے ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، اور اگر وہ صفت کسی برے وصف پر دلالت کرتی ہو۔ تو یہ کلمہ ھا منادی کی زجر و توبیخ

کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے:-

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ۔ (زمر پ ۲۴)

یعنے (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہدو کہ اے نادان لوگو! کیا تم مجھے یہ امر کرتے ہو کہ میں خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کروں؟

نیز قولہ یَآ اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور اسی قبیل سے ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ (تحریم پ ۲۸) اور اگر منادیٰ معرف باللام غافل و بے خبر ہو تو کلمۂ ھا اُسے تنبیہ کرنے اور خبردار و ہوشیار کرنے کے لیے لایا جاتا ہے۔ جیسے:-

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ۔ (بقر پ)

یعنے اے غافل لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔"

اور:-

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ (اعراف پ ۹)

یعنے اے نبی! ان سے کہدو کہ اے تمام لوگو! (تم سب کو اطلاع ہو کہ) میں تم سب کی طرف خدا کا پیغمبر ہوں۔"

رجوع بمطلب

چونکہ مقامات عشرہ مذکورہ بالا میں یعنے یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ اور یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ کے خطاب والی آیات میں رسول اور نبی صفت کے صیغے ہیں۔ اور رسالت الٰہی اور نبوت نہایت عظمت و عزت کا درجہ ہے۔ اور کسی مخلوق کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ اس لیے حسب تشریح بالا ان آیات میں کلمۂ ھا عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کے لیے ہوگا۔ اور ان کے معنے ہوں گے اے عظیم الشان رسول! اور اے جلیل القدر نبی!

نتیجہ تفصیل

اس تطویل و تفصیل سے غرض یہ ہے کہ آیت وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ میں بَعْضَهُمْ سے مراد بنا بر آپ کے فرد اکمل ہونے کے ذاتِ اقدسِ آنحضرت صلعم ہے۔ چنانچہ علامہ زمخشری رح نے جو علوم ادبیہ میں مسلّم امام ہیں۔ اس آیت کے ذیل میں علم بلاغت کے اس نکتے کو ملحوظ رکھ کر کہ فرد اکمل کے نام کی تصریح ضروری نہیں ہوتی بہت طویل عبارت لکھی ہے۔ ہم بنظرِ اختصار اس میں سے بعض اقتباسات نقل کرتے ہیں۔"

Marfat.com

(۱) والظاهر انه اراد محمدا صلی اللّٰہ علیہ وسلم لانہ هو المفضل علیهم الخ۔

اور ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ آنحضرت صلعم مراد ہیں۔ کیونکہ آپ ہی سب انبیاء سے افضل ہیں۔

(۲) وفی هذا الابهام من تفخیم فضله واعلاء قدره ما لا یخفی لما فیه من الشهادة علی انه العلم الذی لا یشتبه والمتمیز الذی لا یلتبس الخ۔

(۲) اور اس عدم تصریح میں آپ کی فضیلت کی عظمت ہے اور آپ کی قدر کی ایسی بلندی ہے جو پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ اس میں اس کی شہادت ہے۔ کہ آپ ایسے مخصوص فرد ہیں جو مشتبہ نہیں ہو سکتا۔ اور ایسی متمیز و ممتاز ہیں کہ التباس نہیں پڑ سکتا۔

÷ ÷ ÷

(۳) فیکون افخم من التصریح به وانوه لصاحبه الخ

(کشاف جلد اوّل ص۲۷۷)

(۳) پس ایسا ذکر کرنا تصریح سے بڑھ کر شان والا ہے اور اس کے صاحب یعنے آنحضرت صلعم کے حق میں زیادہ رفعت والا ہے۔

اسی طرح علامہ ابوالسعود رح بھی یہ ذکر کرنے کے بعد کہ اس آیت میں بَعْضَهُمْ سے مراد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس ہے۔ فرماتے ہیں:۔

والابهام لتفخیم شانه وللاشعار بانه العلم الفرد الغنی عن التعیین

(جلد دوم ص۲۳۰)

اور غیر مصرح ذکر کرنا آپ کی عظمتِ شان کے لیے ہے اور یہ معلوم کرانے کے لیے کہ آپ ایسے خاص فرد ہیں جسے تعیین کی حاجت نہیں۔

تائیدِ مزید جو وجوہِ سیادت سابقًا مذکور ہو چکے ہیں۔ یعنے تکمیلِ شریعت و عمومِ دعوت و ختمِ نبوت وغیرہا ان کے علاوہ یہاں پر دو امر اور بیان کئے جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی نہایت دلچسپ ہیں۔

اوّل یہ کہ اصل سیادت (سرداری) یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے ہاں قرب و منزلت سب سے زیادہ ہو سو یہ بات آنحضرت صلعم کی نسبت قرآن مجید میں خصوصیت سے مذکور ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ (پ۱۵)

(اے پیغمبر!) قریب ہے کہ تم کو تمہارا پروردگار مقامِ محمود میں کھڑا کرے گا۔

اس آیت میں آنحضرت صلعم کو مقامِ محمود میں کھڑا کرنے کا وعدہ ہے۔ اور اس میں آپ کے

Marfat.com

اسم پاک محمدؐ اور احمدؐ کی مناسبت ہے۔ اور یہ بھی ملحوظ ہے کہ قیامت کے دن آپ اس مقام میں خدا تعالےٰ کی حمد بیش از بیش کریں گے اور یہ مقام صرف آپ کی ذات گرامی کے لیے مخصوص جیساکہ صحیح بخاری وغیرہ میں وارد ہے۔ نیز فرمایا:۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ۔ (والضحیٰ پ۳۰) یعنے (اے پیغمبرؐ) ضرور ہے۔ کہ تم کو تمہارا رب عطا کرے گا۔ پس تم راضی ہو جاؤ گے۔"

اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کچھ عطا کرنے کا وعدہ ہے، اور اس پر آنحضرت صلعم کے راضی ہونے کی خبر بھی ہے۔ سو اس میں اوّل تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ یُعْطِيكَ کا مفعول ثانی مذکور نہیں۔ یعنے یہ ذکر نہیں کیا۔ کہ کیا چیز عطا کی جائے گی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر مفعول ثانی بدو وجہ حذف کر دیا جاتا ہے۔ اوّل اس وجہ سے کہ وہ شئے متکلم و مخاطب ہر دو کے نزدیک معلوم و مقرر ہوتی ہے۔ پس ذکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسے معہود ذہنی کہتے ہیں۔ دوم اس وجہ سے کہ اگر مفعول ثانی کو ذکر کر دیا جائے۔ تو وہ چیز متعیّن ہو جاتی ہے۔ اور وعدہ اسی کے متعلق رہتا ہے۔ لیکن اگر حذف کر دیا جائے۔ تو فائدہ عموم کا دیتا ہے۔ جیساکہ کتب بلاغت (مطول وغیرہ) میں مذکور ہے۔

پس اگر اس آیت میں پہلی وجہ سمجھی جائے۔ تو خود آنحضرت صلعم کے بیان کے مطابق اس عطا سے مراد مرتبہ شفاعت ہے۔ اور اگر حذف کی دوسری وجہ سمجھی جائے۔ تو بے نہایت عطایا کا ملنا ثابت ہوتا ہے۔ پس بہر دو وجہ ہمارا مقصود صاف ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کی قدر و منزلت خدا کے ہاں سب سے زیادہ ہے۔ اِسی معنے میں آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔

انا اکرم الاولین والآخرین علی اللہ ولا فخر۔ (مشکوٰۃ ص۵۰۶) یعنے میری قدر و منزلت خدا کے نزدیک سب اوّلین و آخرین سے بڑھ کر ہے اور میں اس پر فخر نہیں کرتا کیونکہ یہ اس کا فضل ہے۔

دیگر یہ کہ اس آیت میں فَتَرْضَىٰ پر فَ کا لانا اس بات کی دلیل ہے کہ تَرْضَىٰ اس عطائے ربانی کا نتیجہ ہے۔ تو چونکہ اللہ حکیم ہے۔ اور اس کا علم قدیم اور محیطِ کُل ہے۔ اس لیے آنحضرت صلعم کی یہ رضامندی خدا تعالےٰ کے علم اور ارادے میں خاص طور پر ملحوظ و مقصود سمجھی جائے گی۔ چنانچہ تحویلِ قبلہ کے حکم میں بھی اسے ملحوظ رکھا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

Marfat.com

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا۔ (سورۃ بقرۃ) (پ۲)

یعنے (اے پیغمبر!) ہم تمہارے چہرے کو دمبدم آسمان کی طرف پلٹتے ہوئے دیکھتے رہتے ہیں سو ہم تم کو ضرور ضرور اس قبلہ کا والی (حاکم) بنادیں گے۔ جسے تم پسند کرتے ہو۔"

پس اس وجہ سے بھی ہمارا مقصود یعنے اثباتِ سیادتِ آنحضرت صلعم حاصل ہے۔ والحمد للہ ؏

دوسرا امر یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی شان میں فرمایا:۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ (انشرح پ۳۰)

یعنے (اے نبی!) ہم نے تمہارا ذکر بہت بلند کیا ہے۔"

خدا تعالےٰ نے آپ کا رفع ذکر ایسی صورت میں کیا کہ اس کی نظیر کسی دیگر کے لیے نہیں پائی گئی۔ دنیا کے ہر حصے میں مخلوقات کے جاگنے سے اس کے سونے تک پانچوں وقت اذان میں بلند آواز سے آپ کی رسالت کی شہادت پکاری جاتی ہے۔ یہ چیز کسی دیگر کو حاصل نہیں ہوئی انسانوں کے جاگنے سے انکے سونے تک کیا نمازمیں اور کیا نماز سے باہر آپ کے نام لیوا آپ کے احسانات کے عوض میں آپ پر درود شریف پڑھتے رہتے ہیں۔ جس سے آپ کا ذکر خیر بھی جاری رہتا ہے اور آپ کے درجات بھی بلند ہوتے رہتے ہیں۔ اور آپ کی امّت کے مدارج بھی بڑھتے رہتے ہیں۔ کما ورد فی الحدیث ۔

چاردانگ عالم میں اصلاحِ عالم اور تہذیبِ اخلاق اور اقامتِ عدل کا ڈنکا آپ کے نام پاک کا بج رہا ہے۔ ذات پات کے بندھن توڑ کر اور کالے گورے کے امتیاز سے منہ موڑ کر سب بنی آدم میں مساوات کو قائم کرنے کی وجہ سے دنیا جہان میں آپ کے نام کے گیت گائے جارہے ہیں۔ مظالم وفواحش کے دور کرنے میں جو کامیابی آپ کو حاصل ہوئی اس کی وجہ سے دنیا جہان ممنون ہوکر آپ کو نیکی سے یاد کررہا ہے۔ جس سے آپ کی شان رحمۃ للعالمین کی حقیقت مہر نیمروز کی طرح جلوہ دکھارہی ہے۔

یہ امور کیا انفراداً اور کیا اجتماعاً کسی دیگر کو حاصل نہیں ہیں۔ پس رفع درجات کی صورت کذائی صرف آپ کی ذات گرامی سے مخصوص ہوئی اور اس میں وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ کی حقیقت صاف صاف نمایاں ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی خبر یا وعدہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ میں ہے

Marfat.com

اُسے ہم واقعات کی صورت میں عیاناً دیکھ رہے ہیں۔ والحمد للہ، "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ"

العرض آنحضرت صلعم کی سیادتِ کلی کے دلائل خاص قرآن مجید میں بھی بیش از بیش ہیں، اور احادیثِ صحیحہ میں انہی کی توضیح وتشریح نہایت کثرت سے ہے۔"

تنبیہہ آنحضرت صلعم کی فضیلت کلی کا مسئلہ ضمناً درمیان میں آگیا تھا۔ جس کا بیان ہم نے اصل مضمون کی مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس موقع پر ضروری سمجھا، ع

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم — چنانکہ حرفِ عصا گفت موسیٰ اندر طور

اَعِدْ ذِکْرَ نُعْمَانٍ لَنَا اِنَّ ذِکْرَہٗ — ھُوَ الْمِسْکُ کُلَّمَا کَرَّرْتَہٗ یَتَضَوَّعُ"

رجوع بمطلب اس کے بعد ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ:-

۴۔ چوتھی قسم کے لوگ جو درمیانی روش پر ہیں کہ نہ تو وہ انبیاءؑ خصوصاً آنحضرت صلعم کی تحقیر و تکذیب کرتے ہیں اور نہ ان کی نبوت و رسالت کا اقرار و تصدیق کرتے ہیں۔ یہ لوگ بھی تین گروہوں کی طرح دائرہ کفر سے باہر نہیں ہوئے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کے نزدیک انبیاءؑ خصوصاً آنحضرت صلعم کی وہ تعظیم و تکریم مثمر و مقبول اور موجب نجات ہے۔ جو ان کی رسالت و نبوّت کے اقرار و تصدیق کے ساتھ ہو۔ شریعت کی زبان میں اسی کو ایمان کہتے ہیں اور اگر یہ نہ ہو تو اس کی نقیض (لاایمان) لازماً متحقق ہو جائے گی۔ دوسرے الفاظ میں اسی کا نام کفر ہے چنانچہ آنحضرت صلعم کی نسبت فرمایا:۔

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (اعراف پ۹)

پس جو اس (نبی آخر الزمان) پر ایمان لائے، اور انہوں نے اس کا ادب بھی کیا۔ اور اس کی مدد بھی کی اور اس نور کی پیروی بھی کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا۔ وہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

اس آیت میں وعدہ نجات ان چار امروں پر کیا ہے۔

۱۔ آنحضرت صلعم پر ایمان لانا یعنے ان کے دعوے رسالت میں ان کی تصدیق کرنا۔

۲۔ آپ کا ادب و تعظیم بجالانا۔

۳۔ آپ کے مقاصد میں آپ کی مدد کرنا۔

۴۔ احکام قرآن شریف کی عملی پیروی کرنا۔

Marfat.com

اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ادب و تعظیم اور مقاصد میں امداد اور تعلیم پر عمل ان سب امور کے علاوہ نجات کے لیے آنحضرت صلعم کی رسالت پر ایمان لانا بھی واجب و ضروری ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسالت پر ایمان لائے بغیر محض ادب و تعظیم پر نجات کا وعدہ نہیں ہے۔

اسی طرح سورۂ تغابن میں فرمایا:-

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا۔ (تغابن پ۲۸)

پس ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول (محمدؐ) پر اور اُس نور (قرآن شریف) پر جو ہم نے (اس پر) اتارا۔

اس آیت میں جس طرح اپنی ذات والوہیت پر ایمان لانے کا امر کیا ہے۔ اُسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور آپ کی رسالت پر اور اُس کلام پر جو آپ پر اتارا گیا ہے۔ ایمان لانے کا امر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کے امر کی تعمیل واجب ہے۔

اسی طرح سورۂ حجرات میں اس سے بھی زیادہ صفائی سے بیان کیا:-

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ (حجرات پ۲۶)

بدویوں نے کہا کہ ہم مومن ہو گئے ہیں، اے پیغمبر! ان سے کہو تم مومن نہیں ہوئے۔ لیکن تم کہو کہ ہم زیر فرمان ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں نہیں گیا۔ اور اگر تم اللہ تعالےٰ کی اور اس کے رسول (محمد صلعم) کی فرمانبرداری کرو گے۔ تو خدا تعالےٰ تمہارا کوئی عمل بھی ضائع نہیں کرے گا۔ بیشک اللہ تعالےٰ غفور رحیم ہے مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جو (دل سے) خدا تعالےٰ پر اور اس کے رسول (محمد صلعم) پر ایمان لائے پھر انہوں نے (اس میں) شک نہیں کیا۔ اور انہوں نے خدا تعالےٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا۔ وہی (دعوےٰ ایمان میں) سچے ہیں۔

اس آیت میں دعوےٰ ایمان کی صداقت اور خدا تعالےٰ کے ہاں اس کی قبولیت کو ان امور

Marfat.com

پر موقوف رکھا ہے:۔

۱۔ خدا تعالےٰ اور اُس کے رسول پاک (محمد صلعم) پر دل و جان سے ایمان رکھنا۔

۲۔ اس امر میں شک اور تردد ہر گز ہر گز نہ کرنا (کیونکہ شک منافی تصدیق ہے)۔

۳۔ عملی طور پر خدا تعالےٰ اور اس کے رسول پاک (محمد صلعم) کے احکام کی تعمیل کرنا۔

۴۔ خدا تعالےٰ کی راہ میں یعنے خدا تعالےٰ کے کلمہ کو بلند کرنے اور دین حق کے قائم کرنے اور اسلام و مسلمین کی آزادی اور ان سے مظالم کے دور کرنے میں بوقت ضرورت مالی و جانی قربانی تک دریغ نہ کرنا۔

اسی طرح سورہ بقر پ۲ میں اس سے بھی زیادہ تفصیل سے بیان کیا:۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ پ۲)

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف کرلو۔ بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ کوئی خدا تعالےٰ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور تمام انبیاء پر ایمان لائے۔ اور مال خدا کی محبت پر اپنے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں اور غلاموں کے آزاد کرنے میں دیوے۔ اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ بھی ادا کرے۔ اور وہ اپنے عہد پورے کریں۔ جب عہد کریں۔ خصوصاً وہ جو مصیبتوں اور بیماریوں اور لڑائی کے وقت صبر کریں۔ وہی لوگ (دعوے ایمان میں) سچے ہیں۔ اور وہی (عمل میں) متقی ہیں۔"

اس آیت میں دعوے ایمان کی صداقت کو ان امور پر موقوف رکھا ہے:۔

۱۔ جملہ ایمانیات کو بالتفصیل ماننا مثلاً خدا تعالےٰ کو، روز آخرت کو، اس کے جملہ فرشتوں کو، اُس کی جملہ کتب سماویہ کو اس کے جملہ انبیاء کو،

۲۔ جملہ نیک اعمال کا بجالانا خواہ از قسم عبادات ہوں۔ یا معاملات یا حالات و واردات۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ایمان کی شرعی حقیقت یہ ہے۔ کہ جملہ ایمانیات کی دل و جان سے تصدیق کی جائے اور زبان سے ان کی شہادت دی جائے۔ اور عملیات میں جملہ

Marfat.com

فرائض کو بجالایا جائے۔ اور منہیات سے پرہیز کی جائے ان ہر دو آیات میں بھی رسالت پر ایمان لانا بالنصریح مذکور ہے۔

اس مضمون کی آیات قرآن شریف میں اس قدر بکثرت ہیں کہ ان کا بیان کرنا دوپہر کے سورج کا دکھانا ہے۔ قرآن شریف کے پڑھنے والے کو اس میں ہرگز ہرگز تردد نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلعم پر ایمان لائے بغیر صرف ادب و تعظیم اور آپ کی اصلاح کی تحسین وغیرہ امور مذکورہ بالا نجات کے لیے کافی نہیں ہیں۔ بلکہ آپ کی رسالت کا اقرار و تصدیق نجاتِ اخروی اور قبولیت درگاہِ ایزدی کے لیے لازمی شرط ہے۔

ازالۂ شبہ

ہم نے خود بعض لکھے پڑھے آزاد خیال لوگوں کو کہتے سنا کہ نجاتِ اخروی کے لیے کسی معین گروہ میں شامل ہونا ضروری نہیں۔ مسلمان ہو یا یہودی، عیسائی ہو یا صابی، ہر کسی نسل و قوم سے ہو، کسی نام سے پکارا جاتا ہو، لیکن اگر وہ خدا پرست اور نیک عمل ہے۔ تو دین الٰہی پر چلنے والا ہے۔ اور اس کے لیے نجات ہے۔ ہر چند کہ ان کا یہ خیال اُن کے اپنے دماغ کی تراش اور ان کے دل کی خواہش سے ہے لیکن غلط فہمی یا کج روی سے انہوں نے ایک آیت کو سہارا بھی بنا لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اس اعتقاد کی دلیل یہ آیت ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَ النَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (بقرہ پ۱)	بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی، جو کوئی بھی خدا پر اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے پس ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ اور ان پر کسی طرح کا خوف نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ غم کھائیں گے۔"

یہ مضمون سورۂ مائدہ پ۶ میں بھی وارد ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ان ہر دو آیات میں خدا تعالےٰ نے صرف اپنی الوہیت پر اور روزِ آخر پر ایمان رکھنے اور نیک کام کرنے پر اجر دینے اور خوف و خطر سے امن میں رکھنے کا وعدہ کیا ہے اور کسی خاص یا عام نبی پر ایمان رکھنے کو اس فہرست میں شمار نہیں کیا۔ بلکہ نجاتِ اخروی کو مسلمانوں

Marfat.com

یہودیوں، عیسائیوں اور صابیوں میں سے کسی خاص گروہ سے مخصوص نہیں کیا بلکہ اُسے مشترک وراثت قرار دے کر ان سب کو اس میں برابر کا حصے دار ٹھہرایا ہے۔ بشرطیکہ وہ خدا تعالےٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھیں اور نیک عمل کریں۔

اختصار در اختصار ان ہر دو آیات میں ایمان بالرسل مذکور نہ ہونے سے بعض خوش فہموں نے تو اسے فہرستِ امورِ ایمان سے کاٹ دیا۔ لیکن مولانا آزاد صاحب ان سے بھی آزادی سے کام لینا چاہتے معلوم ہوتے ہیں کہ وہ اس آیت کو نقل کرنے کے بعد بضمنِ لفظ یعنی اس کا حاصل جو کچھ فرماتے ہیں اس میں ایمان بالآخرت کو بھی حذف کر دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"یعنی دین سے مقصود تو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ تھی اور کسی خاص حلقہ بندی کا نام نہ تھا۔ کوئی انسان ہو۔ کسی نسل و قوم سے ہو۔ کسی نام سے پکارا جاتا ہو۔ لیکن اگر خدا پرست اور نیک عمل ہے۔ تو دین الٰہی پر چلنے والا ہے۔ اور اس کے لیے نجات ہے۔ (ترجمان القرآن[۱۷۹])"

ترجمان القرآن میں اس قسم کے اقتباسات بیش از بیش ہیں۔ جن پر بعض علمائے زمانہ نے مولانا موصوف پر نقض بھی کیا ہے۔ ہم انشاء اللہ اس موضوع پر اس سے آگے الگ عنوان سے بحث کریں گے۔ سردست ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اس آیت مذکورہ بالا سے بعض ان پڑھ مجتہدوں[۱] نے جو یہ سمجھ لیا کہ "نجات کے لیے ایمان بالرسل ضروری نہیں صرف خدا پرستی اور نیک عملی کی ضرورت ہے۔ چاہے کسی دین پر ہو کر کی جائے" یہ درست نہیں انہوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔

حفظت شیئا وغابت عنک اشیاء

قرآن شریف کی کثیر التعداد نصوص بینہ کو جو ایمان بالرسل کے متعلق ہیں۔ نظر انداز کر دیا ہے اور خدا تعالےٰ سے قلبی تعلق کے پیدا کرنے، اور صحیح طریق پر اس کی عبادت کرنے اور تہذیبِ اخلاق، اور معاملات کی درستی۔ اور صحیح قانونِ عدالت سے جو خود غرضی اور تغلب

---

[۱] مولانا ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی ایسے لوگوں کو جو آلات و قواعدِ اجتہاد سے بے بہرہ ہو کر برخلاف نصوص اجتہاد کر کے انتزاعِ مسائل کرتے ہیں ان پڑھ مجتہد کہا کرتے تھے۔ یعنی نہ لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل ۱۲ منہ

کے داغ پاک سے پاک ہو اور انصاف و مساوات کے قیام اور اس سے لوگوں کی جانوں اور ان کے ناموس اور اموال و حقوق کی حفاظت کرنے اور بزرگوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر شفقت کرنے، اور امانتداری اور وفا شعاری اور ضعفاء پر رحمت و شفقت وغیرہ نیک امروں کے اجرا کے لیے۔

۲۔ اور ہر قسم کی فواحش و بے حیائی اور ظلم و تعدی اور غضب و خیانت اور سرقہ و رہزنی اور شراب خوری و قمار بازی وغیرہ منکر امور جو مخرب اخلاق اور مفسد نظام عالم ہیں ان سب کے استیصال و انسداد کے لیے۔

۳۔ خاص کر ان سب نیک امور کے عمل میں لانے اور سب بُرے افعال سے اجتناب و پرہیز کرنے میں اپنا عملی نمونہ پیش کر کے لوگوں کی اصلاح کرنے کے لیے۔ خدا کے رسول و نبی کی جو ضرورت ہے۔ اُسے ہرگز خیال نہیں رکھا۔ اور نہایت بے باکی و دلیری اور کوتاہ فہمی سے چھوٹے منہ سے بڑی بات کہہ دی ہے۔

اس کا جواب ہم کسی قدر تفصیل سے ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ علاوہ ان آیات کے جو متفرق طور پر جا بجا قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اور بعض ان میں سے سابقاً ذکر ہو چکی ہیں۔ خاص اسی آیت کا ایک ایک امر انبیاء اللہ کی ضرورت کی شہادت دے رہا ہے۔ لیکن دکھائی اُسے دے جس کی آنکھیں ہوں۔ اور سمجھے وہ جس کے دماغ میں ادراک ہو۔

اس کی تفصیل سمجھنے کے لیے ایک تمہید کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ علم بلاغت میں ایجاز و اطناب دو اصطلاحیں ہیں۔ ایجاز اختصار کو کہتے ہیں۔ کہ مقصود کو کمتر عبارت میں پورا پورا ادا کر دیا جائے۔ اور اطناب درازی کو کہتے ہیں۔ کہ کسی زائد فائدے اور نکتے کے لیے قدر متعارف سے لمبی عبارت میں بیان کیا جائے۔ اور قدر متعارف عبارت میں بیان کیا جائے تو اُسے مساوات کہتے ہیں۔

ان ہر سہ کے قواعد کتب بلاغت میں مذکور ہیں۔ اور قرآن مجید میں یہ ہر سہ وارد ہیں۔ لیکن قرآن شریف کا غالب حصہ کلام موجز ہے۔ کہ اس میں بلاغت کے جوہر سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اور ایجاز کی صورتوں میں سے ایک صورت حذف کی ہے۔ کہ اگر کسی شے کے وجود پر کوئی قرینہ عقلی یا نقلی یا حالی یا مقالی دلالت کرتا ہو۔ تو ان قرائن پر اعتماد کر کے اُسے عبارت میں ذکر کرنے کی بجائے حذف کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں علاوہ اختصار کے دماغ کا حظ

بھی ہوتا ہے۔ اور تصریح بیں یہ حظ حاصل نہیں ہوتا اس کی مثالیں قرآن شریف میں بیش از بیش ہیں"

اس تمہید کو ملحوظ رکھتے ہوئے اب گنتے جایئے۔ کہ اسی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الآیۃ میں ایمان بالرسل کے لیے کتنے قرینے ہیں۔

سب سے اول یہ کہ قرآن شریف کی اس آیت کو آپ کلام اللہ ہونے کی حیثیت میں بطور دلیل پیش کر رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کلام اللہ کے ظہور کا ذریعہ صرف خدا کا رسول ہے۔ یہ نہایت درجے کی نادانی ہے کہ قرآن شریف کو کلامِ خدا تسلیم کریں اور حضرت محمد صلعم پر نازل شدہ بھی مانیں، لیکن آپ کو رسول اللہ اعتقاد نہ کریں ع

"بریں عقل و دانش بباید گریست"

جناب! اگر آپ محمد صلعم کی رسالت پر اعتقاد نہ رکھیں گے۔ تو قرآن مجید کو کلامِ خدا کس طرح تسلیم کریں گے۔ اور پھر قرآن مجید سے دلیل کس طرح پکڑیں گے؟ ہوش کرو! آنکھیں کھولو! عقل سے کام لو! اور اپنے ایمان کو سنبھالو!

دوم یہ کہ اس آیت میں جن فرقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ سب انبیاءؑ کی اُمتیں ہیں (علی اختلاف فی الصابئین) اٰمَنُوْا میں مسلمان دین محمدی والے ہیں۔ چنانچہ مولانا ابو الکلام صاحب آزاد اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:۔

۱۔ جو لوگ (پیغمبر اسلام پر) ایمان لائے ہیں" (ترجمان صفحہ ۱۴۱)

۲۔ جو لوگ (پیغمبر اسلام پر) ایمان لا چکے ہیں" (ترجمان صفحہ ۱۹۰)

۳۔ جو لوگ (قرآن پر) ایمان لائے ہیں" (ترجمان صفحہ ۴۰۲)

وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی یہود و نصاریٰ علی الترتیب حضرات موسےٰؑ اور عیسےٰؑ کی اُمتیں ہیں۔

وَالصّٰبِئِیْنَ امام ابن جریر طبری رح نے ابو العالیہ وغیرہ سے نقل کیا کہ صابئین اہل کتاب میں سے ایک گروہ تھا۔ جو زبور کا قائل تھا۔ اور قاموس میں لکھا ہے۔ کہ وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ ہم حضرت نوحؑ کے دین پر ہیں۔ اور حافظ ابن حزم رح نے کتاب الفصل میں لکھا ہے۔ کہ صابئین اور مجوس بعض انبیاء کی تصدیق میں ہمارے ساتھ ہیں۔ (جلد اول صفحہ ۹۵)

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا۔ کہ مذکورہ بالا سب فرقے انبیاء علیہم السلام کی اُمتیں ہیں۔ خواہ کسی

Marfat.com

حال میں ہوں، لیکن ان کے نام لیوا ضرور ہیں۔ پس جس امر کا اقرار ان فرقوں کے نام میں ملحوظ ہے اس کا الگ ذکر کرنا ضروری نہ ہوا۔ لہٰذا ایمان بالرسل فہرست ایمانیات سے خارج نہیں ہوسکتا۔

سوم یہ کہ اگر متکلم کسی جگہ اختصار کرے۔ تو سب سے پہلے اس کی تفصیل اس کے اپنے کلام و تصریحات میں تلاش کرنی چاہیئے۔ اس بنا پر ہم کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ کلامِ خدا یعنی قرآن شریف اور نبی قرآن یعنی آنحضرت صلعم نے ایمان باللہ کی تشریح کیا کی ہے؟
سو معلوم ہو کہ قرآن شریف میں اس مضمون کی آیات بکثرت ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ کے نزدیک وہ ایمان موجب نجات ہے۔ جو ان جملہ امور سے پاک ہو جو منافی ایمان ہیں۔ اور جملہ ایمانیات پر شامل و حاوی ہو۔ مثلاً شرک ایک ایسا امر ہے کہ اگر ایمان کے ساتھ مل جائے تو یہ پاک نہیں ہوگا۔ البتہ ایمان برباد ہو جائے گا۔

چنانچہ فرمایا۔

(۱) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ

(انعام پ۷)

(ترجمہ مولانا آزاد صاحب)
جن لوگوں نے خدا کو مانا اور اپنے ماننے کو ظلم یعنی شرک سے آلودہ نہیں کیا۔ تو انہی کے لیے امن ہے اور وہی ٹھیک راستے پر ہیں۔"

(۲) وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ۔ (یوسف پ۱۳)

اور اکثر ان میں سے خدا پر ایمان تو لاتے ہیں مگر اس حال میں کہ وہ شرک بھی کرتے ہیں۔"

(۳) وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔

(انعام پ۷)

اور اگر یہ لوگ (توحید کی راہ چھوڑ کر) شرک کرتے، تو (یقین کرو) کبھی فلاح وسعادت کی راہ نہ پاتے اور ان کا سارا کیا دھرا ضائع جاتا۔"

(۴) وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔

(زمر پ۲۴)

اور (اے پیغمبر!) یہ تحقیق بات ہے کہ تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے انبیاء کی طرف بھی یہی وحی ہوتا رہا ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اور تو زیاں کاروں سے ہو جائیگا۔

اسی طرح رسالت محمدی اور قرآن شریف پر ایمان لانے کی بابت فرمایا۔

(۱) یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ

اے (بے خبر) لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی

Marfat.com

بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔

سورۃ النساء

پ ٦

طرف سے ایک خاص رسول (محمد صلعم) حق لے کر آچکا ہے پس تم (اس پر) ایمان لے آؤ۔ یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہوگا۔ اور اگر تم نے (اس سے) انکار کردیا تو (پرواہ نہیں کیونکہ) جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے اور خدا تعالےٰ بڑا صاحب علم اور صاحب حکمت ہے۔

(٢) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا

(ہردو سورت النساء)

(پ ٦)

(٢) اے (بے خبر) لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے برہان (روشن دلیل) آچکی ہے، یعنے محمد صلعم اور ہم نے تمہاری طرف نور مبین یعنے قرآن شریف بھی نازل کردیا ہے۔ تو جو لوگ خدا پر ایمان لے آئیں گے۔ اور اسی کا سہارا پکڑیں گے۔ ان کو عنقریب خدا اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا۔ اور اپنی طرف سیدھی راہ پر ڈال دے گا"

اسی طرح سورۂ تغابن میں فرمایا:۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا۔

(تغابن پ ٢٨)

پس ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول (محمد صلعم) پر اور اس نور پر جو ہم نے (اس کی طرف) اتارا یعنے قرآن شریف پر"

اس کے بعد فرمایا:۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔

(تغابن پ ٢٨)

اور جو کوئی (اس کے مطابق) خدا پر ایمان لائے گا، اور نیک عمل بھی کرے گا۔ خدا تعالےٰ اس کی برائیاں دور کردے گا اور اسے جنتوں میں لے جا داخل کردے گا۔ جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ در ہمیشہ رہیں گے۔ بڑی کامیابی یہی ہے"

تنبیہہ نمبر ا اوپر کی آیت میں تین چیزوں پر ایمان لانے کا حکم کیا خدا تعالےٰ[1] پر۔ اپنے[2] رسول

Marfat.com

مقبول آنحضرتؐ پر، اپنی پاک کتاب قرآن شریف پر۔ اس کے بعد دوسری آیت میں ایمان باللہ اور عمل صالح پر نجات اور جنت کا وعدہ کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اوپر کے ایمانی امور ایمان باللہ میں شامل ہیں۔ ورنہ ایک آیت میں ایک چیز کا حکم دینا اور دوسری سطر میں اس حکم کو نظر انداز اور فراموش کر دینا لازم آئے گا اور خدا کا کلام اس سے پاک ہے۔

تنبیہہ نمبر ۲ سورۂ تغابن کے اس مقام میں ایمان کے امور صرف تین گنے ہیں۔ یعنے خدا تعالےٰ پر ایمان۔ رسول اللہ صلعم پر ایمان اور قرآن شریف پر ایمان، اور اس جگہ یوم آخرت (قیامت) پر ایمان لانے کا ذکر نہیں کیا۔ تو کیا اس عدم ذکر سے یہ لازم آنا چاہیئے۔ کہ قرآنی نقطۂ نگاہ میں یوم آخر پر ایمان لانا ضروری نہیں؟ حالانکہ اس پر ایمان لانا سورۂ بقرہ اور سورۂ مائدہ کی آیات زیر بحث میں امور نجات کی فہرست میں داخل ہو چکا ہے۔ تو جس طرح آپ سورۂ تغابن کی آیت میں حسب تصریح سورۂ بقرہ و مائدہ۔ ایمان باللہ میں ایمان بالآخرت کو بھی داخل فہرست سمجھتے ہیں اُسی طرح حسب تصریح سورۂ تغابن وغیرہ ایمان بالرسل کو سورۂ بقرہ اور مائدہ میں بھی داخل سمجھیں۔ پس خدا تعالےٰ پر ایمان اس کے رسولوں پر ایمان لانے کے بغیر موجب نجات نہیں ہوگا" واللہ الہادی،

ان آیات مذکورہ بالا کے بعد ہم سورتِ بقرہ کی بعض ابتدائی آیتوں پر کسی قدر تفصیل سے لکھ کر مسئلہ ایمان بالرسول کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ شروع میں پختہ مومن متقیوں کی صفات یہ ذکر کی ہیں:۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝ (بقرہ پ ۱)

وہ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اس میں سے جو ہم نے ان کو دے رکھا ہے خرچ کرتے ہیں اور جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو (اے پیغمبر!) تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا۔ اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

پھر ان مومنوں کی نجات کی بابت فرمایا:۔

اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (بقرہ پ ۱)

وہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور وہی نجات پانے والے ہیں"

اس کے بعد خالص کفار کا ذکر کیا، جو نہ خدا کی توحید کے پابند ہوں، نہ کسی رسول اور صحیفۂ آسمانی

Marfat.com

کے قائل ہوں۔ نہ یوم آخر کو مانیں۔ سو اُن کی نسبت فرمایا کہ اُن کو بڑا عذاب ہو گا۔

چنانچہ فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔

بقرہ پا ع ۱

بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا، ان پر برابر ہے چاہے تو ان کو ڈرا دے، چاہے نہ ڈرا دے، وہ تو ایمان لائیں گے نہیں، خدا نے (ان کے کفر کی وجہ سے) ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر (ایک قسم کا) پردہ پڑا ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا جو مذکورہ بالا امور ایمان میں سے صرف بعض کا اقرار کرتے ہیں، اور ان کی نسبت فرمایا۔ کہ یہ ہرگز مومن نہیں ہیں، جھوٹ اور فریب سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۔

بقرہ پا ع ۱

اور بعض وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر بھی اور پچھلے دن پر بھی ایمان لے آئے ہیں۔ باوجود اس کے یہ لوگ ہرگز مومن نہیں۔

ان لوگوں نے مذکورہ بالا امور ایمان میں سے ایمان باللہ کا بھی اقرار کیا، اور یوم آخر کا بھی اقرار کیا۔ لیکن پھر بھی خدا تعالےٰ نے اُن کی نسبت بتاکید فرمایا کہ وہ ہرگز مومن نہیں ہیں۔

اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں، اول وہ جو بہت مشہور ہے۔ کہ وہ صرف زبان سے بغیر خلوصِ قلب کے ایسا کہتے تھے اس لیے خدا تعالےٰ نے ان کو حقیقی مومن نہیں جانا۔ اس سے بھی ہمارا مدعا حاصل ہے۔ کہ ایمان باللہ کے معنے یہ ہوئے کہ وہ ایمان جو خدا کے ہاں قابل منظوری ہے۔ اور یہ ایک شرط زائد ہے جو آیت میں مذکور نہیں ہے۔

اسی طرح ایمان بالرسل کو مذکور نہیں ہے۔ لیکن بتصریح آیات دیگر اور بلحاظ قرائن یہ ذکر کیے جا رہے ہیں ضروری ہے۔ اور ان پر ایمان لائے بغیر خدا پر ایمان لانا درست نہیں ہوتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ خدا کے نزدیک اُس ایمان کا اعتبار ہے۔ جو جمیع ایمانیات پر شامل ہو اگر بعض کو مانا اور بعض کو نہ مانا تو وہ ایمان معتبر نہیں۔ اور ایسے لوگ مومن نہیں ہیں۔ چونکہ

Marfat.com

اُنہوں نے امورِ ایمان میں سے صرف دو باتوں کا یعنے خدا تعالےٰ کا اور قیامت کا اقرار کیا ہے اور خدا کے پیغمبروں اور اس کی کتابوں کا اقرار نہیں کیا۔ جن کی تعلیم و ہدایت سے خدا پر ایمان صحیح ہوتا ہے۔ اور اس کی عبادت درست طور پر ہوسکتی ہے۔ اور اعمالِ صالحہ جو قیامت کو کام آئیں گے معلوم ہوتے ہیں اس لیے وہ خدا کے نزدیک ہرگز مومن نہیں۔ اور ان کا ایسا ناقص ایمان کسی کام کا نہیں۔ اس کی تائید اگلی آیت سے ہوتی ہے:۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۔

(البقرہ)

(پلہ)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس طرح پر ایمان لاؤ۔ جس طرح پر دوسرے لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کیا ہم اس طرح پر ایمان لائیں جس طرح جاہل لوگ ایمان لائے"

اس آیت میں بتایا گیا ہے۔ کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس طرح پر ایمان لاؤ جس طرح پر دیگر مومن ایمان لائے۔ یعنے اپنے ایمانیات میں خدا کے جملہ پیغمبروں اور کتابوں خصوصًا محمد صلعم اور قرآن پر ایمان لانے کو بھی شامل کرو۔ تو وہ اسے سفاہت و جہالت قرار دے کر انکار کر دیتے ہیں۔ اس آیت میں النّاس سے مراد آنحضرت صلعم کے اصحاب ہیں۔ اور کما امن سے رسول اللہ صلعم پر ایمان لانا مراد ہے۔ اور ایسا کہنے والے غالبًا مدینہ شریف کے یہود و نصاریٰ تھے۔ جو عربوں کو امّی سمجھ کر جاہل کہتے تھے اور اپنے آپ کو اہلِ کتاب و اہلِ انشاد جانتے ہوئے ان سے فائق سمجھتے تھے۔ کیونکہ سورت بقرہ مدنی ہے۔

چنانچہ مفسّر ابن جریر طبری اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

یعنی واذا قیل لھؤلاء الذین وصفھم اللہ ونعتھم بانھم یقولون امنّا باللہ والیوم الاٰخر وماھم بمومنین صدقوا بمحمدؐ وبماجاء بہ من عند اللہ کما صدق بہ الناس یعنی بالناس المومنین الذین امنوا بمحمد ونبوّتہ وماجاء بہ من عند اللہ۔

(صفحہ ۹۸ جلد اوّل)

یعنے جس وقت ان لوگوں سے جن کی بابت خدا تعالیٰ نے بیان کیا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں یہ کہا جاتا ہے کہ محمد صلعم کی اور اُس کتاب کی جو وہ خدا سے لے کر آئے تصدیق کرو۔ جس طرح دیگر لوگوں نے آپ کی تصدیق کی یعنے وہ مومن جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی نبوت پر اور اس کتاب پر ایمان لائے۔ جو آپ خدا کے پاس سے لائے"

Marfat.com

اس کے بعد مفسّر ابن جریر نے اس تفسیر و مراد الٰہی کو حضرت ابن عباس سے با اسناد نقل کر کے لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا :-

عن ابن عباس فی قولہ و اذا قیل لھم امنوا کما امن الناس یقول اذا قیل لھم صدقوا کما صدق اصحاب محمد قالوا انہ نبی و رسول و ان ما انزل علیہ حق و صدق الخ - (صفحہ ۹۰ جلد اوّل)

کہ قولِ الٰہی و اذا قیل لھم امنوا الخ کے معنے یہ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اس طرح تصدیق کرو جس طرح محمد صلعم کے اصحاب نے تصدیق کی کہ آپ خدا کے رسول اور نبی ہیں - اور نیز اس کی کہ جو کچھ آپ پر نازل ہوا وہ سب حق اور سچ ہے -

سورہ بقرہ کی ان آیات اور ان کے سلسلۂ بیان سے واضح ہو گیا - کہ امورِ ایمان میں سے اگر کسی امر کا انکار کیا جائے خصوصاً آنحضرت کا انکار کیا جائے - تو خدا تعالےٰ اور قیامت کا ماننا عاقبت کی نجات کے لیے کافی نہیں - کیونکہ شریعت کی زبان میں کافر اسے بھی کہتے ہیں جو کسی رسول برحق کا خاص کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے چنانچہ صحیح مسلم میں آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے :-

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ھذہ الامۃ یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحٰب النار (مشکوٰۃ کتاب الایمان)

خدا کی قسم جس کے قبضے میں محمد (صلعم) کی جان ہے کہ جس یہودی یا نصرانی نے میری پیغمبری کی آواز سن لی پھر وہ مرگیا - اور میری رسالت اور میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان نہ لایا - تو وہ ضرور ضرور دوزخوں میں ہوگا (اعاذنا اللہ منہا)

اِسی طرح صحیح بخاری و مسلم میں وفد عبد القیس والی مشہور حدیث ہے جس میں آنحضرت صلعم نے ایمان باللہ کی تفسیر میں فرمایا -

شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ الخ (مشکوٰۃ صفحہ ۵)

یعنے خدا کی توحید الوہیت کی گواہی اور محمد صلعم کی رسالت کی گواہی وغیرہ امور کو ایمان باللہ میں شامل فرمایا -

اس دفعہ سوم کی تائید میں دیگر بہت سی آیات صریحہ و احادیث صحیحہ ہیں - جن کے ذکر سے مضمون میں طوالت ہو جاتی ہے اس لیے ہم ان میں سے صرف تین آیتیں اور ذکر کر کے اس دفعہ کو ختم کر دیتے ہیں -

۱ - پہلے پارے کے اخیر پر یہود و نصاریٰ کے ذکر کے بعد فرمایا :-

Marfat.com

قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰۤی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَا اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ۔

(سورۃ بقرہ)

(پ ۱)

(مسلمانو!) تم کہو کہ ہم ایمان لائے خدا پر اور اُس شریعت پر جو ہم پر نازل ہوئی اور جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولاد یعقوب پر نازل ہوئی اور اس پر جو موسےٰؑ اور عیسےٰؑ کو دیا گیا، اور جو کچھ دیگر انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی جدائی نہیں کرتے اور ہم تو اسی (خداوند تعالےٰ) کے فرمانبردار ہیں۔

اس آیت میں سب رسولوں کی رسالت پر ایمان لانے کا حکم کیا ہے۔ اور اس کے بعد یہود و نصاریٰ کی بابت فرمایا:۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِہٖ فَقَدِ اھْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا ھُمْ فِیْ شِقَاقٍ ج

پس اگر یہ (یہود و نصاریٰ) بھی اس طرح ایمان لے آئے جس طرح تم (آنحضرت صلعم کے اصحاب) ایمان لائے ہو۔ تو (سمجھو کہ) وہ ہدایت پر آ گئے، اور اگر وہ (اس سے) پھر گئے تو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ صریح مخالفت میں ہیں۔"

اس میں صاف الفاظ میں بتا دیا کہ راہ ہدایت یعنے سیدھا اور راست ایمان وہی ہے۔ جو پیروان محمدؐ صلعم یعنے آپ کے اصحاب کا ہے۔ اور اگر یہ یہود و نصاریٰ اس طریق ایمان سے کہ سب انبیاء اللہ کو ماننا چاہئے انحراف کریں۔ تو اس کی نسبت فرمایا کہ وہ شقاق میں ہیں۔ اور شقاق کے متعلق دوسرے موقعوں پر فرمایا:۔

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۔

(سورۃ النساء)

(پ ۵)

اور جو کوئی اس رسول (محمد صلعم) کی مخالفت کرے گا، بعد اس کے کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی اور مومنین (مصدقین) کی راہ کے سوائے دوسری راہ کی پیروی کرے گا تو ہم اُسے اسی طرف دھکا دیدیں گے اور جہنم میں لے جا داخل کریں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

دوسرے موقع پر فرمایا:۔

Marfat.com

(۱) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۤقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔
(انفال پ ۹)

یہ اس لیے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول پاک محمدؐ (صلعم) کی، اور جو کوئی خلاف چلے گا اللہ کے اور اس کے رسول (محمد صلعم) کے تو بیشک خدا تعالٰے سخت عذاب والا ہے۔

(۲) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۤقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۤقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ
(حشر پ ۲۸)

(۲) یہ اس لیے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اور جو کوئی مخالفت کرے گا اللہ کی تو بیشک اللہ سخت عذاب والا ہے۔

ان آیات کے مجموعہ سے واضح ہوگیا ہے کہ جو کوئی تمام رسولوں پر خصوصاً اُس کے آخری رسول محمد صلعم پر ایمان نہ لائے وہ جہنّم اور سخت عذاب کا مستوجب ہے۔ اور اس کی نجات ہرگز نہیں ہوگی۔

امام ابو جعفر طبری آیت فان امنوا بمثل ما امنتم بہ میں لکھتے ہیں:۔

فدال تعالیٰ ذکرہ بھذہ الاٰیۃ علی انہ لم یقبل من احد عملا الا بالایمان بھذہ المعانی التی عدھا قبلھا۔
(جلد اول صفحہ ۴۴۲)

خدا تعالیٰ نے اس آیت سے یہ بتا دیا کہ وہ کسی شخص کا کوئی عمل قبول نہیں کرے گا۔ مگر اس صورت میں کہ وہ ان امور پر جو سابقاً شمار کیے گئے ہیں۔ ایمان لاوے۔"

اس نئے سلسلے میں دوسری آیت یہ ہے جس میں صیغہ حصر سے فرمایا:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (نور پ ۱۸)

یعنے مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جو خدا اور اس کے رسول (محمدؐ) پر ایمان لائے۔

تیسری آیت یہ ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا۔
(حجرات پ ۲۶)

مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جو خدا پر اور اس کے رسول (محمد صلعم) پر ایمان لائے۔ پھر ان کو اس بارے میں شک نہیں ہوا۔"

اس آیت میں تو تصریح کر دی کہ اگر کسی شخص کو ایمان لانے کے بعد بھی رسول اللہ صلعم کی رسالت کے متعلق شک اور تردّد بھی ہو جائے تو وہ بھی مومن نہیں رہتا چہ جائیکہ سرے سے مانتے ہی نہیں اور مومن لا کر نجات ہو سکے۔" الامان الامان۔

Marfat.com

۴ - رسول اللہ صلعم پر ایمان لائے بغیر نیک اعمال بھی قبول نہیں ہوتے تو عاقبت کی نجات کیسی؟ چنانچہ فرمایا۔

(۴) وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ - الآیۃ (توبہ ۱۰)

اور نہیں روکا ان کو اس بات سے کہ قبول کیے جائیں ان کے نفقات (اخراجات خیراتی) مگر اس بات نے کہ انہوں نے کفر کیا ساتھ اللہ کے اور اس کے رسول (محمد صلعم) کے۔

۵ - رسول اللہ صلعم کی رسالت کے منکر کا جنازہ بھی جائز نہیں عاقبت کی نجات کیسی؟ چنانچہ فرمایا:۔

(۵) وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ (توبہ پ۱۰)

اور کبھی نہ پڑھ جنازہ ان میں سے کسی کا جو مر جاوے اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر (دعا مانگنے کو) کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا۔

ان آیات سے ثابت ہو گیا۔ کہ منکر رسول کا نہ جنازہ جائز نہ اس کی عبادت منظور، پھر اس کی نجات کیسی؟ پس رسول خدا صلعم پر ایمان لانا ضروری ہے۔

چوتھا قرینہ اس آیت زیر بحث یعنے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا میں انبیاء اللہ علیہم السلام پر ایمان کے ضروری ہونے کا یہ ہے۔ کہ اس میں روز قیامت پر ایمان رکھنا ایمانیات و موجبات نجات میں شمار کیا گیا ہے۔ اور روز قیامت پر ایمان بغیر کسی رسول برحق کی تعلیم کے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اوّل تو قیامت کا واقعہ ہونا آیندہ پیش آنے والے امور میں سے ہے۔ اور اس کا علم خدا تعالےٰ کے بتانے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور خدا تعالےٰ اپنے مغیبات سوائے انبیاء علیہم السلام کے کسی دیگر کے ذریعے کے ظاہر نہیں کرتا۔

دیگر یہ کہ قیامت کا تقرر خدا کے حکم سے ہے۔ عقل سے نہیں ہے اور خدا کے تقرر کا علم بغیر کسی نبی برحق کے واسطے کے نہیں ہو سکتا۔ یہ امر ایسا ظاہر ہے کہ اس پر کچھ اور لکھنے کی حاجت نہیں، پس انبیاء ؑ پر ایمان لانے سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے قیامت پر ایمان سوائے انبیاء کی اُمتوں کے کسی کا نہیں۔

پانچواں قرینہ یہ ہے کہ امور نجات میں اعمال صالحہ کو بھی گنا ہے۔ اور اعمال صالحہ کا علم اور تقرر اور ان کی عملی کیفیت بغیر نبی اللہ کی تعلیم و ارشاد کے معلوم نہیں ہو سکتی، اور نہ وہ طریق سُنت

Marfat.com

کی موافقت کے بغیر موجب آخرت ہو سکتے ہیں۔ لہذا ان کے ضمن میں بھی ایمان بالرسالۃ ملحوظ ہے۔ اس لیے رسالت پر ایمان لانے کے سوا نجات نہیں ہو سکتی۔

اس کی توضیح یوں ہے کہ اعمالِ صالحہ دو طرح پر ہیں، عبادات و معاملات اور ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کی عبادت کا طریق ہم از خود وضع نہیں کر سکتے۔ اور نہ ایسی عبادت خدا کے ہاں موجب ثواب ہو سکتی ہے۔ بلکہ لازم ہے کہ وہ طریق خود خدا تعالےٰ کا تعلیم کردہ ہو۔ اور خدا تعالےٰ کی تعلیم بغیر نبی برحق کے معلوم نہیں ہو سکتی اور یہ بات ان لوگوں کے نزدیک بھی مسلّم ہے۔ جن کی تفہیم کے لیے ہم یہ زحمت گوارا کر رہے ہے۔ اور یہ بھی عیاں ہے کہ معاملات جن کا تعلق بظاہر مخلوق سے ہے۔ حقیقت میں ان کا رجوع بھی خدا تعالےٰ کی طرف ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ

۱۔ شریعت میں کسی نیکی کے موجب اجر ہونے کے لیے ضروری شرط یہ ہے کہ وہ خاص خدا تعالےٰ کی رضا جوئی کے لیے کی جائے۔ اور اس میں ریاکاری، نام آوری، فخر و مباہات، شیخی و تکبّر، اور غیر اللہ کی رضا جوئی اور قرب طلبی نہ پائی جائے۔ پس اگر ان اعمالِ صالحہ کی وضع و تقرر خدا کی طرف سے نہ ہو۔ تو نہ تو ان میں خدا تعالےٰ کی رضا جوئی اور اخلاصِ نیت کی ضرورت ہے اور نہ ان پر خدا تعالےٰ کے ہاں سے اجر و ثواب کا وعدہ ہو سکتا ہے ورنہ ماننا پڑے گا کہ ریاکار جو نام آوری کے لیے، اور ہر مشرک و مبتدع جو غیر اللہ کی رضا جوئی کے لیے اور سرکاری تو شادی جو قرب شاہی حاصل کرنے کے لیے ہزار ہا روپے خرچ کر ڈالتا ہے۔ سب نیکو کار اور قابلِ نجات ہیں، اور یہ بالکل باطل ہے۔ اس کے متعلق قرآن شریف میں بہت سی آیات ہیں مثلاً یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا (مائدہ پ ۶) اور وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۵ حُنَفَاءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ [illegible]

۲۔ دیگر یہ کہ انسانی عقل نجاتِ اُخروی کے لیے کوئی بھی نظام و آئین نہیں بنا سکتی کیونکہ وہ عالم اس کی نظر سے پوشیدہ ہے۔

۳۔ دیگر یہ کہ اگر اعمال کو بغیر خدا تعالےٰ کے مقرر کرنے کے موجب نجات سمجھا جائے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ ہم اعمال کی دستاویز و فہرست از خود بنا کر خدا تعالےٰ کے ہاتھ میں دیں کہ لیجیے اس کے مطابق ہمارا فیصلہ کیجیے۔ اور ہمیں مناصب و

Marfat.com

درجات عطا کریں اور یہ نظارہ نہایت ہی بھیانک و گستاخانہ ہوگا۔ اعاذنا اللہ منہا جو کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں خدا آشنا لئے پر حکم ہوگا۔

۴۔ دیگر یہ کہ انسانی طبائع فطرۃً مختلف ہیں، ہر ایک کی خواہش اور مذاقِ طبع جدا ہے۔ پھر ہر ایک کی نیّت و قصد دوسرے سے الگ ہے۔ پھر یہ کہ مقام رضا و محبّت اور محلِ غضب و انتقام میں ان کی کیفیّت جدا ہوتی ہے۔ کوئی افراط میں ہوتا ہے۔ تو کوئی تفریط میں اور اعتدال پر تو بہت کم رہ سکتے ہیں۔ پھر یہ کہ اتباعِ خواہشات میں حیلہ باز طبائع کئی ایک بہانے بنا کر محرّمات کو حلال و جائز اور واجبات کی ادائگی میں تساہل و تغافل کی صورتیں بنا لیتی ہیں۔ ان سب امور کو بانظام رکھنے اور انسان کو مقامِ اعتدال پر قائم رکھنے کے لیے ایک ایسے قانون کی سخت ضرورت ہے جس سے دنیا میں تہذیبِ اخلاق اور حفاظتِ حقوق زبانوں سے باہر عمل میں بھی پائی جائے اسی قانونِ عدالت کا دوسرا نام شریعتِ الٰہی ہے۔ جو نبی برحق کے ذریعے قائم ہوتی ہے۔ اور وہ ضرورتِ زمانہ کے مطابق عمل صالح اور اس کی عملی کیفیّت پر حاوی ہوتی ہے۔

پھر یہ کہ سب سے آخر ان سب امور مذکورہ بالا کے لیے زبانی وعظ و تذکیر کے علاوہ کوئی نمونہ عملی بھی ضروری ہے، جو اپنے طریق عمل اور فیضِ صحبت سے صِبْغَةَ اللّٰهِ کا رنگ چڑھا جائے اور بے لگاموں کو ناجائز خواہشات پر کنٹرول کرنا سکھائے اور ناقصین کو کمال تک پہنچائے اور یہ سوائے نبی برحق اور پھر اس کے بعد اس کے کامل تابعدار کے ممکن نہیں۔ اسی لیے دنیا میں جب کبھی کسی نے اصلاح کا جھنڈا اٹھایا۔ اور اخلاقی انقلاب پیدا کیا۔ تو وہ حضراتِ انبیاء علیہم السّلام یا ان کے کامل تابعدار ہی ہوئے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۗ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ۝

(ھود پ۱۲)

پس کیوں نہ ہوئے تم سے پہلے زمانوں میں صاحبانِ دانائی جو منع کرتے زمین میں فساد کرنے سے اگر (ہوئے تو وہی) تھوڑے سے (لوگ ہوئے) جن کو ہم نے ان میں سے عذاب (عالمگیر) سے بچالیا تھا اور ظالموں نے تو آسودگی (یعنی خواہشاتِ نفس) کی پیروی کی اور وہ مجرم ہو گئے۔

Marfat.com

چھٹا قرینہ یہ ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت اور اعمالِ صالحہ پر اجر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور یہ وعدہ نہیں ہو سکتا جب تک خدا تعالےٰ ان سب کی تعلیم اور ان کے حدود اور کوائف اور ان کے متعلق اپنی رضا کا طریق مقرر نہ کرے، اور ان سب کے بیجے نبی برحق کی سخت ضرورت ہے جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ تَمَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰہ"

یہ وہ قرینے ہیں جو نفس آیت میں ہیں۔ اور دیگر مقامات پر ایمان بالرسل کی جو آیات ہیں ان میں سے بعض چوتھی قسم کے کفار کے ضمن میں اوپر گذر چکی ہیں۔ ایک آدھ اس وقت بھی ذکر کر کے اس مضمون کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ جو بالخصوص آنحضرت صلعم کی نسبت ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کی بعثت پر جملہ سابقہ کتابوں کی اصل تعلیم قرآن شریف میں آ چکی ہے۔ اور آنحضرت صلعم پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السّلام کو برحق مانا جائے۔ جیسا کہ سابقاً مفصل گذر چکا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ۔

(محمدؐ پ ۱ ع ۲۶)

اور جو لوگ کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور وہ ایمان لائے اس (کتاب) پر جو محمد صلعم پر اتاری گئی۔ اور وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے دور کر دیں (خدا نے) ان کی برائیاں اور سنوار دیا ان کا حال"

اس آیت میں خدا تعالےٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی وحی پاک قرآن شریف پر ایمان لانے پر گناہوں کی معافی اور دین دنیا کی حالت کے سنوارنے کا وعدہ کیا ہے۔ اور یہی معنے نجات و سعادت کے ہیں۔ پس نجات و سعادت کی راہ آنحضرت کی پیروی میں ہے اور بس اسی لیے خدا تعالےٰ نے اسی سورہ کے آخری رکوع میں فرما دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْــًٔا وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ۔

بیشک وہ لوگ جو کافر ہو گئے اور انہوں نے اور دوسرے لوگوں کو خدا کی راہ سے روکا۔ اور انہوں نے ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد اس رسول (محمد صلعم) کی مخالفت کی وہ خدا تعالےٰ کا کچھ بھی بگاڑ نا نہیں سکیں گے۔ اور خدا تعالےٰ ان کے سب اعمال ضائع کر دے گا۔ اے مسلمانو! تم فرمانبرداری اللہ تعالےٰ کی

Marfat.com

(سورۃ محمدؐ) (پ ۲۶) اور فرمانبرداری کرو اس رسول (محمد صلعم) کی اور اپنے اعمال کو ضائع مت کرو۔"

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح کفر وغیرہ امور سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس طرح آنحضرت صلعم کی مخالفت سے بھی ضائع ہو جاتے ہیں اور کفار کے ذکر کے بعد خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے اپنی فرمانبرداری اور اپنے رسول محمد صلعم کی فرمانبرداری کا حکم کیا ہے اور اس کی خلاف ورزی کی صورت میں اعمال کے ضائع کرنے سے منع کیا ہے۔ یعنی یہ کہ تم نے کفار کا طریق یعنے نافرمانی اور مخالفتِ رسولؐ اختیار کر کے اپنے اعمال برباد نہ کر لینے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کی قبولیت کے لیے آنحضرت صلعم کی ضرورت ہے۔ یا یوں سمجھو کہ صرف وہ اعمال قابلِ قبولیت ہیں جو موافق و مطابق سنت ہوں نہ وہ جو ہم اپنے خیال و قیاس سے تراش لیں اسی معنے میں آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

والذی نفس محمد بیدہ لو بدا لکم موسٰی فاتبعتموہ و ترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیا و ادرک نبوتی لاتبعنی۔
(رواہ الدارمی)
(مشکوٰۃ صـ۳۲)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے کہ اگر تمہارے لیے حضرت موسٰیؑ بھی حاضر ہو جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی تابعداری اختیار کر لو تو (خدا کی) سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ۔ اور وہ (موسٰی) زندہ ہوں اور میری نبوت (کا زمانہ) پالیں تو ضرور ضرور میری پیری اختیار کریں۔

اس مضمون کو حضرت شیخ سعدی رحؒ نے بوستاں میں یوں بیان کیا ہے۔

دریں بحر جُز مردِ داعی نہ رفت گم آں شد کہ دنبالِ راعی نہ رفت
کسانے کہ زیں راہ برگشتہ اند برفتند بسیار و سرگشتہ اند
خلافِ پیمبر کسے راہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
مپندار سعدیؒ کہ راہِ صفا تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

پیغمبر خداؐ کا ادب و احترام

رسولِ برحق پر ایمان لانا تو بڑی شے ہے۔ اور اُس کی پیروی کے سوا عمل کی قبولیت

Marfat.com

ناممکن ہے لیکن خدا تعالےٰ کے ہاں رسول خدا کا ادب و احترام بھی یہاں تک ملحوظ ہے کہ وہ رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت جانتا ہے۔ اور رسولؐ کی نافرمانی کو دنیا و عاقبت کی زیان کاری کا موجب گردانتا ہے۔ اور اپنے رسول کے امر کی مخالفت کو موجب فتنہ و باعث عذاب الیم فرماتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک کے متعلق نمبروار آیات ملاحظہ کرتے جائیں۔

(۱) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

(النساء پ۵)

(۱) جو شخص اس رسول (محمد صلعم) کی فرمانبرداری کرے گا۔ تو تحقیق اس نے خدا تعالےٰ کی فرمانبرداری کی۔

(۲) وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۔ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۔ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۔ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔

(سورۃ الطلاق)

(پ۲۸)

(۲) اور بہت بستیاں ہوئیں جنہوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا سخت حساب لیا۔ اور ان کو بہت برا عذاب کیا۔ پس انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا اور ان کے اعمال کا انجام نرا نقصان زیان ہی ہوا تو اللہ تعالےٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے پس اے عقل والے لوگو! جو ایمان لا چکے ہو خدا نے تمہارے سمجھانے کو تمہاری طرف ایک (بڑا) رسول (محمد صلعم) بھیجا ہے جو تم پر خدا کی روشن آیتیں پڑھتا ہے تاکہ ایمان والوں اور اعمال صالحہ والوں کو (کفر) کے اندھیروں سے نور (اسلام) کی طرف نکال لاوے۔"

(۳) اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۔ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا۔

(مزمل پ۲۹)

(۳) ہم نے تمہاری طرف ایک (عظیم الشان) رسول بھیجا ہے۔ جو تم پر شاہد ہے۔ جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ پس فرعون نے اس رسول (موسےٰؑ) کی نافرمانی کی، تو ہم نے اُس (فرعون) کو وبال ناک گرفت میں پکڑا۔

(۴) فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً۔ (الحاقہ پ۲۹)

(۴) پس انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے ان کو دم چڑھتی پکڑ میں پکڑا۔

Marfat.com

(۲) يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ۔ (النساء پ۵)

(۲) اس روز وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اس رسول (محمد صلعم) کی نافرمانی کی یہ آرزو کریں گے کہ کاش ہمیں مٹی کر کے زمین کے برابر کر دیا جائے۔

(۳) فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (نور پ۱۸)

(۳) پس چاہیئے کہ ڈریں وہ لوگ جو اس (رسول صلعم) کے امر کی مخالفت کرتے ہیں کہ ان کو پہنچے کوئی فتنہ یا پہنچے ان کو عذاب دردناک "

اسی معنے میں آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قِيْلَ وَمَنْ اَبٰى قَالَ مَنْ اَطَاعَنِيْ فَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى۔ (رواہ البخاری۔ مشکوٰۃ) (ص ۱۹)

میری ساری اُمّت داخل جنّت ہو جائے گی۔ سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ عرض کیا گیا (امت میں سے) آپ کا منکر کون ہے؟ آپ نے فرمایا جس نے میری فرمانبرداری کی وہ داخل جنت ہوگا۔ اور جس نے نافرمانی کی اس نے انکار کیا"

نبی صلعم کی اطاعت سے اوپر مقام ادب ہے کہ وہ بھی خدا تعالےٰ کو از حد منظور ہے اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جب تک نبی برحق یا کسی دوسری قابل تعظیم بزرگ ہستی کی ذات سے خصوصی انس اور قلبی رغبت و محبّت نہ ہو اور دماغ میں اس کی عظمت، ووقار کا نقشہ نہ جما ہو اُس کے مرتبہ کی رعایت اور اس کے حکم کی عقیدتمندانہ اطاعت متصوّر نہیں ہوسکتی۔ جو لوگ اس نکتے کو نہ سمجھ کر نبی یا اُس کے خلیفہ برحق کے منصب اور اس کی ذات کے ادب میں فرق کرتے ہیں۔ ان سے عموماً اقوال میں بے باکی اور تعمیل ارشاد میں تساہل و بہانہ جوئی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن جسے پیغمبر برحق سے والہانہ عقیدت اور بے چون وچرا اطاعت کا تعلق ہو جاتا ہے۔ اس کے ایمان کی کیفیت پر فرشتے بھی غبطہ کھاتے ہیں۔ اُسے نبی کریم صلعم سے ایسی قلبی اور معنوی نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ اس کا دل انوار الٰہیہ کے اترنے کا محل ہو جاتا ہے۔

چنانچہ شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی ان کے شیخ حدیث حضرت حاجی محمد افضل صاحب[۱] سیالکوٹی رحمۃ اللہ کے حلقۂ درس کی

---

[۱] حاجی صاحب ممدوح رح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح کے بھی استادِ حدیث ہیں۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

نسبت فرماتے ہیں:-

حضرت ایشاں (مرزا مظہر صاحبؒ) می فرمودند۔ اگرچہ از آنحضرت (حاجی صاحب ممدوح) درظاہر استفادہ کردہ نشد لیکن در ضمن سبق حدیث فیوض از باطن شریف ایشاں فائض می شد، و در عرض نسبت قوت ہم می رسید۔ ایشاں را در ذکر حدیث در نسبت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم استغراقے دست مے داد و انوار و برکات بسیار ظاہر می شد گویا در معنے صحبت پیغمبر خدا صلعم حاصل می شد و دریں اثنا توجہ و التفات نبوی مشہود می گشت و نسبت کمالات نبوت در غائت وسعت و کثرت انوار جلوہ گرمی شد در معنے حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء علیہم السلام واضح می شد ایشاں (حضرت حاجی صاحب موصوف رح) بشیخ الحدیث (از روئے صحبت پیر فقیر اند) فوائد بسیار در ظاہر و باطن تا بست سال از خدمت ایشاں حاصل نمودہ ایم (مقامات مظہریہ ص ۲۲/۲۳)"

یہ مقام بہت بلند ہے۔ اور ہم جن لوگوں کی تفہیم کے در پے ہیں۔ ان کی سمجھ سے بہت بالا ہے اور کچھ عجیب نہیں کہ وہ اپنی بدذوقی کی وجہ سے اس کا انکار کر دیں۔ کیونکہ جب تک سطح کو مصفّا و مجلّٰے نہ کیا جائے۔ نقش و نگار کی زینت کماحقہ صورت نہیں پکڑ سکتی۔ اسی طرح جب تک ایمان میں وہ کیفیت نہ ہو جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ دل اس حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ ذائقہ کی لذت سے متمتع ہونے کے لیے قوتِ ذائقہ کی سلامتی شرط ہے۔ رنگ کی دلفریبی سے مسرت حاصل کرنے کے لیے نورِ بصارت ضروری ہے۔ وٰھکذا

اس لیے ہم مقام کی ظاہری سطح پر اکتفا کرتے ہوئے بعض آیات و احادیث پر بس کرتے ہیں:-

آنحضرت صلعم کے وقارِ ذاتی اور ادب کی نسبت فرمایا:-

(۱) فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(اعراف پ ۹)

(۱) پس جو ایمان لائے اس (رسول محمد صلعم) پر اور انہوں نے ادب کیا اور اس کے مقاصد میں) اس کی مدد بھی کی اور اُس نور کی جو اس کی طرف اتارا گیا۔ پیروی کی وہی لوگ نجات پانے والے ہیں"

(۲) اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ

(۲) (اے نبیؐ) بیشک ہم نے تجھے شاہد اور مبشر اور نذیر کر کے بھیجا ہے تا کہ تم (اے مسلمانو!) اللہ پر

Marfat.com

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔

پر اور اس کے رسول (محمد صلعم) پر ایمان لاؤ اور اس کا ادب و توقیر کرو۔ اور صبح و شام اس خدا کی تسبیح پکارو۔"

(الفتح پ۲۶)

نبی اللہ خدا کے بزرگ نشانوں میں سے ہے اور خدا کے نشانوں کی تعظیم دل کے تقویٰ کی دلیل و شہادت ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔

یہ یونہی ہے۔ اور جو کوئی خدا کے نشانوں کی تعظیم کرے گا۔ تو یہ بات دلوں کے تقوے (کی وجہ) سے ہوگی۔"

(الحج پ۱۷)

اسی ضمن میں خانہ کعبہ، قرآن شریف اور دیگر کتب دینیہ) اور سب مساجد جو خدا کے ذکر کے لیے تیار کی جاتی ہیں اور سب ائمہ محدّثین و مجتہدین اور دیگر بزرگان دین اور اولیائے کرام قابل ادب و لائق تعظیم ہیں، کہ وہ سب شعائر اللہ ہیں۔

اسی ادب و تعظیم کا ایک اور بہت نازک درجہ ہے۔ جس کے نہ ہونے سے ساری عمر کے اعمال تباہ و برباد ہو جاتے ہیں:۔

چنانچہ فرمایا:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔

اے مسلمانو! نہ بلند کرو اپنی آوازیں اس نبی (محمدؐ) کی آواز سے اور اُسے اس طرح پر بھی ظاہر پکار سے (نام لے کر) نہ پکارو جس طرح تم اپنے ایک دوسرے کو پکارتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو شعور بھی نہ ہو۔"

(حجرات پ۲۶)

تنبیہ

ایک مسلمان جس کے دل میں آنحضرت صلعم کی رسالت و نبوّت پر ایمان ہے اس کے لیے نہایت خوف کا مقام ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم کا ادب یہاں تک ملحوظ ہے۔ کہ آپ کی مجلس میں آپ صلعم کی آواز سے اونچی آواز کرنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ تو جو لوگ آنحضرتؐ کی تعلیم و ارشاد اور آپ کی صحیح حدیث و سیرت ثابت کے مقابلہ میں اپنے کلام یا کسی اور کے قول کو فروغ دیتے ہیں۔ اور اس کی پیروی کرتے ہیں وہ اس آیت کو سامنے رکھ کر اپنے ایمان و اعمال پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ واللہ الھادی۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا۔

Marfat.com

آنحضرت صلعم نے اپنی محبت کے درجے کی نسبت فرمایا:۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ۔ (تجرید البخاری ص۸)

خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ مجھ سے اپنے والد اور اپنے فرزند سے بڑھ کر محبت کرے۔

والد بڑوں میں سے قابلِ تعظیم وجائے محبت ہے۔ اور فرزند چھوٹوں میں سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ اس لیے آپ نے فرمادیا۔ کہ میری محبت ہر بڑے اور ہر چھوٹے سے زیادہ ہو تو ایمان ہے ورنہ خیر نہیں۔ نبی کریم صلعم کا تو بہت اونچا مقام ہے۔ یہ محبت و ادب تو ایسا وسیع امر ہے۔ کہ جن لوگوں کو آنحضرت صلعم سے سچی محبت و عقیدت ہو گئی۔ اُن سے بھی محبت کرنا ایمان کی نشانی قرار پائی اور ان سے بغض کرنا نفاق کی علامت ٹھہری۔ چنانچہ فرمایا:۔

آیۃ الایمان حب الانصار وآیۃ النفاق بغض الانصار (تجرید البخاری ص۹)

ایمان کی نشانی انصار کی محبت ہے۔ اور نفاق کی نشانی انصار کا بغض ہے۔

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد اور صراطِ مستقیم

مولانا ابوالکلام صاحب نے ترجمان القرآن میں آیت اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی تفسیر بہت بسط سے لکھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زورِ کلام اور عبارت آرائی میں مولانا ممدوح کا اندازِ بیان ایک خاص وقعت رکھتا ہے گو بیان بہت طویل اور اس میں تکرار بکثرت ہے۔ لیکن پھر بھی اس میں بہت سے قیمتی جواہر بھی ہیں۔ جن کی قدر دانی اہلِ ذوق کا کام ہے۔ (فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء)

ہاں اس میں بعض عبارتیں ایسی خطرناک بھی ہیں۔ کہ اگر ان کا مفہوم وہی ہے جو بعض احباب نے سمجھا ہے۔ تو یہ اس دورِ آزادی میں اسلام کے لیے سخت صدمے کا باعث ہے۔

۱۲۸ - ۱۹۹ ترجمان القرآن کی طباعت سے تھوڑی مدت بعد مجھے لاہور سے ایک عزیز نے بعض دیگر احباب کے مشورے سے لکھا کہ میں ترجمان القرآن کو ص۱۲۸ سے ص۱۶۹ تک بغور مطالعہ کر کے اس کے متعلق اپنی رائے ظاہر کروں کہ مولانا موصوف کا مقصود یہی ہے۔ کہ کوئی

ہندو یا عیسائی اپنے دین کی اصلی حقیقت (توحید الٰہی اور اعمال صالحہ) معلوم کر کے اس پر قائم ہو جائے۔ اور آنحضرت صلعم کو رسول من عند اللہ قبول نہ کرتا ہوا آپ کی بعثت کا شکریہ صرف اسی قدر ادا کر دے کہ مجھے اپنے دین کی اصل حقیقت معلوم ہو گئی ہے۔ تو کیا ہم مسلمان اس کے بعد کسی کو اسلام کی دعوت دے سکیں گے و ہٰکذا۔

میں نے ان احباب کی فرمائش کی تعمیل کی۔ لیکن اس کے متعلق احتیاطاً اپنی رائے محفوظ رکھتے ہوئے، صرف اتنے الفاظ پر اکتفا کی کہ مولانا صاحب کے اس کلام میں مرزا صاحب قادیانی کے دعوئے نبوّت کی طرح ہر دو پارٹیوں کے لیے کافی مسالہ (مصالح) ہے ایک بھولا بھالا مبلغ اسلام ترجمان القرآن کو ہاتھ میں لے کر قرآن مجید اور نبوّت محمدیؐ کے کمالات بھی پیش کر سکتا ہے۔ اور ایک شوخ و شاطر غیر مسلم بھی خدا کی توحید کا قائل ہوتا ہوا اور اپنی روش آزادی کو عمل صالح سمجھتا ہوا کہہ سکتا ہے۔ کہ بیشک قرآن مجید ایک علمی کتاب ہے اس کی نصائح بہت عمدہ ہیں۔ اور آنحضرت صلعم نے زمانہ کی بہت سی تاریکیاں دور کیں اور اخلاق کی بھی اصلاح کی۔ بس آپ کی بعثت سے یہی منشا تھا۔ کسی خاص گروہ میں شامل ہونا آپ کی روا داری اور وسیع النظری کے خلاف ہے۔ بلکہ آپ نے اور قرآن مجید نے تحزّب و تشیع کو اسباب فساد و تخریب میں شمار کیا ہے۔ اس لیے ہم کسی خاص گروہ میں شامل نہیں ہو سکتے (و ہٰکذا)

لیکن میں (خاکسار میر سیالکوٹی) یہ بدگمانی بھی نہیں کر سکتا کہ ایک مسلمان عالم قرآن (مولانا آزاد صاحب) غیر مسلم دنیا کے سامنے یہ نظریہ پیش کرے کہ تم خدا رسی کے لیے محمد رسول اللہ صلے اللہ وسلم سے مستغنی رہ سکتے ہو اس لیے میں نے اپنی رائے رکھی۔ اور اس میں جلدی نہیں کرنا چاہتا۔ تا آنکہ اللہ تعالےٰ حقیقت حال مجھ پر منکشف کر دے۔

زمانہ میں جن علماء کی تقریر کا غلغلہ پڑ جاتا ہے۔ اور ان کا سیاسی یا مذہبی چرچا بہت بڑھ جاتا ہے تو لوگ ان کے متعلق تین طرح کے ہو جاتے ہیں۔ محبّ مفرط، جو ان کی ہر تحریر و تقریر کو اعتقادی نظر سے دیکھ کر واجب القبول جان لیتے ہیں اور ان کے خلاف کوئی بھی آواز نہیں سن سکتے دشمن و معاند جو ان کی ہر تحریر و تقریر کو بدظنی سے دیکھ کر اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اور ڈٹ کر مخالفت کرتے ہیں۔ تیسرے وہ جو ان کے غلط و صحیح کو تحقیقی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کہتے ہیں۔

Marfat.com

مولنا آزاد صاحب نے موجودہ سیاسی تحریکوں میں جو کام کیا۔ اور اُن میں جو نام پایا وہ کسی بیان کا محتاج نہیں۔ ہندوستان کی اکثر آبادی ان کی نسبت پہلی قسم کے لوگوں کی سی رائے رکھتی ہے۔ (جن احباب نے مجھے تحریراً اور تقریراً ترجمان القرآن کے صفحاتِ محولہ بالا کے مطالعہ کی فرمائش کی تھی۔ وہ بھی انہی محبّین مفرطین میں سے تھے) دوسری قسم کے لوگ بہت کم ہیں۔ اور تیسری قسم کے لوگ تو شاید انگلیوں پر بھی نہ گنے جاسکیں۔ ہاں اتنا عرض کر دینا ضروری ہے۔ کہ یہ خاکسار اس قسم سوم میں سے ہے۔ کہ نہ میں ان کا مُرید ہوں اور نہ حاسد و مُعاند۔

مُرید تو اس لیے نہیں کہ کمالات دو طرح کے ہیں۔ علمی اور عملی۔ میں اپنی علمی و عملی ہر دو طرح کی بے بضاعتی کا اقرار کرتے ہوئے اور ہر عالم سنت کی قدر و عزّت کرتے ہوئے اتنا ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے حضرت میاں صاحب مرحوم دہلوی کے بعد جن علماء کو دیکھا ان میں سے مولنا مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی کے برابر علمی کمال میں اور اپنے استاد مکرم جناب مولنا مولوی غلام حسن صاحبؒ سیالکوٹی کے برابر عملی کمال میں کسی کو نہیں دیکھا۔ اس لیے میں کسی کا مرید نہیں ہو سکا"

اور حاسد و معاند اس لیے نہیں کہ میں پیشہ وَر اور گروہ ساز مولوی نہیں ہوں۔ کہ مجھے کسی سے حسد و عناد ہو سکے۔ اور کسی دوسرے کی ناموری اور شہرت اور قبولیت سے میرے مقاصد کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہو سکے۔ گھر کی سادہ روٹی کھاتا ہوں اور ٹھنڈا پانی پی کر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں"

۳۔ میں اسی حالتِ توقّف میں تھا کہ اتّفاق سے ایک شخص گوجرانوالہ سے میرے پاس اپنے کسی دنیوی مطلب کے لیے آئے۔ اُس شخص کی آواز اور طرزِ گفتگو سے میں نے معلوم کیا کہ وہ آزاد رَو ہے میں نے تحقیقِ حال کے خیال سے اُسے چابی لگائی تو معلوم ہوا کہ وہ اس آزادی میں مولنا آزاد صاحب کے والہانہ پابند ہے۔ میں نے اُسے خوب فِیٹ کر کے ذرا اور کسا تو صاف الفاظ میں کھل پڑے کہ ہاں اگر کوئی ہندو خدا پرست و نیکوکار ہو اور نیک نیّتی سے آنحضرت صلعم کی رسالت کا اقرار نہ کرے تو اس کی نجات ہو سکتی ہے۔ اس پر میں نے خاص اُسی شخص پر افسوس نہ کیا کہ اسے مولوی آزاد صاحب کا زہر چڑھا ہوا ہے۔ بلکہ یہ خیال گذرا کہ خدا جانے یہ زہر ان کے کتنے

Marfat.com

معتقدوں کے ایمان کے لیے مہلک ہوا ہوگا۔ فیاتاَ ﷲ ۔"

اس پر بھی میں جناب مولٰنا صاحب کی ذات پر بدظنی کی جرأت نہ کرسکا۔ اور خیال کیا۔ کہ چونکہ خدا کے فضل سے ابھی مولٰنا ممدوح زندہ ہیں۔ اور خوش قسمتی سے آج کل آنا دبھی ہیں اس لیے ان عبارات مشکوکہ کی بابت خود ان سے دریافت کرلوں۔ کہ آپ کا مقصد کیا ہے؟ سو میں نے مولٰنا صاحب کی خدمت میں اس مضمون کا خط لکھا۔ کہ آپ کی تفسیر فاتحہ میں آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے ذیل میں بعض عبارتیں (مثلاً ص۔ و ص۔ و ص۔) ایسی سمجھی گئی ہیں۔ جن سے آپ کا منشاء معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسے شخص کے لیے کہ وہ...

۱۔ اسلام سے پیشتر کے کسی مذہب کی اصلی تعلیم پر قائم ہوکر ایمان باللہ و اعمال صالحہ کا مالک ہو۔

۲۔ بشرطیکہ وہ کسی نبی خاص کی آنحضرت صلعم کی تکذیب نہ کرتا ہو۔ اگرچہ آپ کے رسول من عند اللہ ہونے کے اقرار کو نجات کے لیے ضروری بھی خیال نہ کرتا ہو۔

۳۔ قرآن مجید کے اوامر و نواہی کا وہ نصاب جو جملہ مذاہب میں مشترک ہے۔ اپنے دین کے رُو سے اس کا پابند ہو۔ اور اسلامی نماز روزہ اور حج وغیرہ طرق عبادت کو منہاج شریعت سمجھتا ہو جو پہلے مذہبوں سے صرف صورۃً مختلف ہیں۔ نہ کہ اصل مقصد میں) اور ان عبادات کا پابند نہ ہوکر ان کو بھی جائز جانتا ہو۔ نہ واجب۔

۴۔ قرآن مجید کی اصلاح و تعلیم کی قدر کرتا ہو۔ لیکن اُسے منزل من عند اللہ نہ جانتا ہو۔ آپ ایسے شخص کے لیے دینِ محمدیؐ میں داخل ہونا ضروری نہیں جانتے۔ اور آپ کے نزدیک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی اس کی نجات اخروی اس کے اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے سے ہوسکتی ہے۔ بلکہ ہو جائے گی۔ اور آپ کے نزدیک آنحضرت صلعم پر ایمان لانے کے معنے بدرجۂ کفایت اسی قدر ہیں۔ کہ کوئی آپ کی تعلیم سے مذاہب سابقہ کی اصلی حالت کو سمجھ کر اس پر قائم ہو جائے، اور بس۔

کیا عبارات محولہ بالا (مندرجہ ترجمان القرآن) میں آپ کا مطلب یہی ہے؟ میرا حُسن ظن جو جناب کی ذات سے ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ لیکن چونکہ لوگ مجھ سے دریافت کرتے ہیں۔ اور میں اتفاق سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھ رہا ہوں۔ اس لیے یہ چاہتا ہوں کہ اس میں یہ

Marfat.com

مسئلہ صاف کردوں۔ اگر آپ پر بدظنی لے جا رہا ہے۔ تو ایک مسلمان کی بریّت ہو جائے۔ اور اگر بجا ہے تو میں اپنے طور پر اس مسئلہ کو واضح طور پر بیان کردوں۔ (وہکذا)

اس مضمون کا خط لکھ کر اور جواب کے لیے ٹکٹ بھی رکھ کر دہلی میں مولانا صاحب کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اور باہر لفافہ پر یہ بھی لکھ دیا کہ مولانا صاحب دہلی میں تشریف نہ رکھتے ہوں تو کلکتہ میں یا جہاں کہیں ہوں وہاں جاوے۔ آج ۲۱ر جولائی ۱۹۴۲ء تک اس قضیے کو کئی مہینے گذر گئے۔ نہ میرا خط واپس آیا نہ جواب ملا۔ اور میرا ظن غالب یہی تھا۔ کہ مولانا صاحب اس کا صاف جواب ہرگز نہیں دیں گے کیونکہ جیسا کہ میرا خیال ہے مولانا صاحب نے یہ مسئلہ کسی مصلحت کے لیے نہایت احتیاط سے بے ضرورت طوالت اور طول کن تکرار سے پیچیدہ عبارت میں لکھا ہے۔ وہ اسے کبھی بھی واضح نہیں کریں گے۔ الّا اس وقت کہ ان کو بارگاہِ ایزدی سے لِمَ قُلْتَ وَمِنْ اَیْنَ قُلْتَ سے سوال کیا جائے۔ لیکن پھر بھی اس کے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے عنداللہ و عندالنّاس بری الذّمہ ہونے کے لیے مولانا صاحب سے استفسار کرلینا ضروری خیال کیا۔

جو باتیں ہم نے مولانا آزاد صاحب کے خط میں لکھی ہیں۔ وہ سب آج کل بعض آزاد رو کج فہم بے علم و عمل انگریزی دانوں میں گشت کر رہی ہیں۔ اور یہ سب کچھ ہندوستان کے نئے مذہب برہم سماج کی صدائے بازگشت ہے۔ جو فونوگراف کی طرح بعض نام کے مسلمانوں کے حلقوں سے سنائی دے رہی ہے۔ اور مولانا آزاد صاحب کی سُریلی بربط کی باریک تاروں سے بھی یہی آواز نکل رہی ہے۔ لیکن ان کی نغمہ سرائی کے شیدائیوں کو نغمہ کی شیرینی نے السلب خود کر رکھا ہے کہ وہ اس کیفیّت کے ہوتے مضمون کی حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ اور مولانا کی شخصیّت کے بوجھ نے ان کے سروں کو اتنا بوجھل کر رکھا ہے۔ کہ اُن کے دماغ صحیح سمجھنے سے معطّل ہو چکے ہیں۔ سچ ہے۔

حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ۔ یعنی افراطِ محبّت اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد صاحب ہندو برہم سماج سے الگ ایک اسلامی برہم سماج قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی جس طرح راجہ رام موہن رائے صاحب نے ہندوئیت کو قائم رکھتے ہوئے ہندو مذہب میں ایک اصلاحی سکیم پیش کی ہے۔ اور ہندوؤں میں سے بہت سے لوگوں نے ہندو کہلاتے ہوئے اُسے منظور کر کے ایک الگ جماعت قائم کرلی

Marfat.com

ہے اسی طرح حضرت مولانا آزاد صاحب اسلامی نیشنلٹی کو قائم رکھتے ہوئے اسی ترمیم کو بنام صراطِ مستقیم اور حزب اللہ (برہمو سماج) ملّتِ اسلام میں رواج دینا چاہتے ہیں۔

لیکن تھوڑے سے غور سے دیکھا جائے، تو راجہ رام موہن رائے صاحب آنجہانی کے کام اور حضرت مولانا کے کام میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ترقی و تنزّل کا سوال ہے۔ اصلاح و فساد کا نظارہ ہے۔ کیونکہ راجہ صاحب نے ہندو مذہب کی بت پرستی اور بعض رسوم جاہلیّت کو ناپسند کرتے ہوئے۔ اس قوم کی اصلاح کرنی چاہی۔ جس میں وہ ایک حد تک کامیاب ہو گئے کہ آج سو سال کا عرصہ گذر گیا ہے کہ ان کی آواز کی قبولیت سے ہندوستان کے بہت سے بڑے بڑے شہروں میں اس مذہب کی سماجیں قائم ہو گئی ہیں۔ جن کو بت پرستی سے بڑی نفرت ہے۔ لیکن قومیت الگ نہ ہونے کی وجہ سے تعلّقاتِ رشتہ ناطہ اور اکل و شرب اور زیّ و لباس، اور ملکی نفر شماری میں وہ ویسے کے ویسے ہندو ہیں۔

دیگر یہ کہ راجہ صاحب موصوف نے یہ اصلاح ترجمہ قرآن کریم کے مطالعہ سے متاثر ہو کر کرنی چاہی تھی۔ جیسا کہ انہوں نے خود ذکر کیا ہے۔ اور ان کی زندگی کے واقعات اور بعض پنڈتوں اور پادریوں سے ان کی خط و کتابت اور گفتگو سے ظاہر ہے۔

لیکن مولانا ابوالکلام صاحب یہ ترمیم دین محمدی کے انتہائی کمال پر پہنچ جانے اور نبوّت کے ختم ہو جانے، اور قرآن کریم کے من و عن محفوظ ہونے کے بعد کرنا چاہتے ہیں (والعیاذ باللہ) اگر کہا جائے کہ حضرت مولانا صاحب اسلام میں کوئی ترمیم نہیں کرنا چاہتے اور نہ وہ اسے جائز جانتے ہیں۔ بلکہ صرف اسی حقیقت کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ جو آنحضرت اور قرآن کریم نے تعلیم کی، تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر یہ حقیقت ایسی واضح تھی تو کیا سبب ہے کہ ساڑھے تیرہ سو سال تک یہ حقیقت کسی صحابی، کسی تابعی، کسی امام مجتہد، کسی محدّث کسی فقیہہ، کسی متبع سنّت متکلّم، کسی صاحب کشف و الہام عارف و ولی اللہ پر نہ کھلی۔ اگر یہ حقیقت واضح تھی۔ تو سب مسلمانوں کو اس کا علم ہوتا اور اسی پر سب کا اعتقاد ہوتا۔ اور اگر کوئی ایسی باریک گرہ تھی جسے صرف نہایت باریک بین اور حقیقت شناس افراد ہی کھول سکتے ہوں۔ تو ایسے بڑے بڑے کامل بزرگوں میں سے جو آسمانِ علم و عمل اور ایمان و عرفان کے آفتاب و ماہتاب ہوئے ہیں۔ اسے کوئی بھی کیوں نہ کھول سکا۔ اور اگر کہا جائے کہ اس معمّا کا حل قدرت نے صرف مولانا کے لیے ودیعت کر رکھا تھا۔ ان سے پہلے جملہ کاملین لکیر کے فقیر ہوتے رہے

Marfat.com

ہیں۔ تو بلا نزاع فیصلہ کی یہی بات ہے۔ کہ ہمیں اسی لکیر پر چلنا چاہیئے جو صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین اور صالحین امت کھینچ گئے۔ دیکھئے! زیر تفسیر یہی آیت ہے:۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (الفاتحہ)

یعنی خداوندا! ہمیں اس رستے کی رہنمائی کر اور اس پر چلنے کی توفیق عنایت فرما جو تیرے منعم لوگوں کا ہے۔

اور معلوم ہے کہ اس امت محمدیہ میں وہ لوگ وہی ہیں جن کے علم و عمل اور ایقان و عرفان کو ہم مولانا صاحب کے مقابلہ میں پیش کر رہے ہیں۔ اور ان میں اور مولانا صاحب میں از روئے علم و عمل و اخلاص زمین آسمان کا فرق ہے۔

خوب یاد رکھیئے! قرآن شریف معما اور چیستان نہیں ہے۔ اس کا بیان غیر واضح نہیں ہے اس کی عبارت پُر پیچ و خمدار نہیں ہے۔ وہ اپنے مقصود کو گو مگو حالت میں نہیں رکھتا بلکہ وہ کتاب مبین ہے وہ قول فصل ہے۔ وہ نور مبین ہے۔ جس میں تاریکی اور دھندلا پن نہیں ہے وہ ایک ہی دو ٹوک بات کہتا ہے۔ جس میں شک اور تردد کی گنجائش نہیں ہوتی۔

آنحضرت صلعم اپنے صحابہ رضہ کو صراط واضح اور ملت بیضا پر قائم کرنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ لہذا صحابہ رضہ آپ صلعم کے مقصد اور حقیقت دین سے ناآشنا نہیں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ آپ صلعم نے اپنی اس زندگی کے آخری ایام میں ان کو خطاب کر کے بطور وصیت کے فرمادیا تھا۔

قد ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها لا یزیغ عنها بعدی الا هالك ومن یعش منکم فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بما عرفتم من سنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ الحدیث۔

(کنز العمال ج اوّل) (ص ۴۶)

میں تم کو روشن (حالت یا طریق) پر چھوڑ چلا ہوں جس کی رات بھی مثل اس کے دن کے روشن ہے میرے بعد اس سے کوئی بھی سوائے ہلاک ہونے والے کے ٹیڑھا نہیں ہوگا۔ اور جو کوئی تم میں سے میرے بعد (لمبی) عمر پائے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تم نے اُسے لازم پکڑے رکھنا جو تم میری سنت سے معلوم کر چکے ہو۔ اور (اگر اس میں نہ ملے تو) ہادایت خلفاء راشدین کے طریق کو لازم پکڑنا اسی (حالت وطریق) کو نہایت مضبوطی سے اپنی داڑھوں سے پکڑے رکھنا۔

الغرض مولانا کی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے۔ کہ وہ ہندوؤں کے جواب میں ایک اسلامی برہمو سماج

Marfat.com

قائم کریں۔ سو یہ بالکل خیالِ خام اور بے سود کوشش ہے۔ کیونکہ اسلام کی اندرونی اور بیرونی اور علمی و عملی پالیسی وہی ہے۔ جس پر آنحضرت صلعم صحابہ رض کو چھوڑ گئے۔ اور وہ طریق علماً و عملاً صالحین کی وساطت سے ہم تک عہد بعہد متوارث چلا آیا ہے اس میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں اور آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد کسی شخص کی عبارت آرائی سے اس کی حقیقت نہیں بدل سکتی۔

خود مولانا صاحب نے ترجمان القرآن کے مقدمہ میں بضمن عنوان "اصول ترجمہ و تفسیر" متاخر مفسرین پر بڑا اعتراض یہی کیا ہے۔ کہ انہوں نے اپنی تفاسیر میں سلف صالحین کے اصول کو ملحوظ نہ رکھا۔ اور قرآن کو وضعیت و صناعیت کے مصنوعی لباس میں چھپا دیا۔ چنانچہ ان کی بعض تصریحات حسب ذیل ہیں:

۱۔ سلف صالحین کی طبیعتیں وضعی طریقوں میں نہیں ڈھلی تھیں اس لیے وہ قرآن کی سیدھی سادھی حقیقت بے ساختہ پہچان لیتے تھے۔ خلف کی طبیعتوں پر یہ بات شاق گذرنے لگی۔ کہ قرآن اپنی سیدھی سادھی شکل میں نمایاں ہو۔ ان کی وضعیت پسندی اس پر قانع نہیں ہو سکتی تھی۔ (ص ۹۵)

۲۔ یہی زمانہ ہے جب امام فخر الدین رازی رح نے تفسیر کبیر لکھی اور پوری کوشش کی۔ کہ قرآن کا سراپا اس مصنوعی لباس وضعیت میں سرتاپا پوشیدہ ہو جائے۔ اگر امام صاحب کی نظر اس حقیقت پر ہوتی تو ان کی پوری تفسیر نہیں تو دو تہائی حصہ یقیناً بے کار ہو جاتا۔" (ص ۹۶)

میر سیالکوٹی۔ مولانا آزاد صاحب نے امام رازی رح پر نہایت کرم فرمائی کی کہ ان کی بے مثل تفسیر کی ایک تہائی کو محض اپنی مہربانی سے کسی قدر کار آمد کہہ دیا۔ اور حضرت امام رازی رح کی حقیقت شناسی کے متعلق جو کچھ چبھتے ہوئے پیرائے میں بیان فرمایا ہے اس کا جواب آگے آئے گا۔

۳۔ جب کسی کتاب کی نسبت یہ سوال پیدا ہو کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ تو قدرتی طور پر ان لوگوں کے فہم کو ترجیح دی جائے گی۔ جنھوں نے خود صاحب کتاب سے مطلب سمجھا ہو۔ قرآن ۲۳ برس کے اندر بہ تدریج نازل ہوا وہ جس قدر نازل ہوتا تھا، صحابہ کرام سنتے تھے۔ نمازوں میں دہراتے تھے۔ اور جو کچھ پوچھنا ہوتا تھا۔ خود پیغمبر اسلام (صلعم) سے پوچھ لیتے تھے اُن میں بعض افراد خصوصیت کے ساتھ فہم قرآن میں ممتاز ہوئے۔ اور خود پیغمبر اسلام (صلعم)

Marfat.com

نے اس کی شہادت دی مذہبی جوش اعتقادی کی بنا پر نہیں۔ بلکہ قدرتی طور پر ان کے فہم کو بعد کے لوگوں کے فہم پر ترجیح ہونی چاہیئے۔ لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں سمجھا گیا۔ بعد کے لوگوں نے اپنے اپنے عہد کی فکری مؤثرات کے ماتحت نئی نئی کاوشیں شروع کر دیں اور صریح سلف کی تفسیر کے خلاف ہر گوشے میں قدم اٹھا دیئے گئے" (صـ ۶۸)

مولانا آزاد صاحب کی ان تصریحات سے بغیر کسی قسم کی کھینچ تان کے صاف روشن ہے۔ کہ آپ قرآن شریف کی تفسیر میں سلف صالحین کو نمونہ مانتے ہیں۔ اور انہی کو حقیقت شناس سمجھتے ہیں۔ اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا۔

اب سوال یہ ہے کہ صراط مستقیم کی تشریح وتعیین میں جناب مولانا صاحب جو کچھ فرما رہے ہیں اور خاتم النبیین صلعم کے پیش کردہ اسلام کی حقیقت پر راجہ رام موہن رائے بنگالی کے برہم سماج کی جو رنگت چڑھا رہے ہیں۔ اس رنگ سازی میں سلف صالحین میں سے آپ کے ساتھ کون ہے؟

دیگر یہ کہ امام رازیؒ وغیرہ نے باوجود حقیقت شناس ہونے کے ہم کو آنحضرت صلعم کی دہلیز سے مستغنی نہیں کیا۔ اور ہمارے ہاتھ سے آنحضرت صلعم کا دامن نہیں چھڑایا۔ لیکن آپ حقیقت شناس ہو کر ہمیں یہ زہر پلانا چاہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم کے ماننے کی حد کفایت یہی ہے۔ کہ اصولاً کسی سابق مذہب کی اصلی تعلیم پر کاربند ہو کر ہر نہجیکہ خدا کی عبادت کریں اور نیکوکار بن جائیں۔ مندر میں جا کر سندھیا کر لیں تو کیا۔ اور گرجے میں جا کر پادری صاحب کا لیکچر سننے کے بعد ذرہ سر جھکا کر دعا مانگ لیں تو کیا۔ اور مسجد میں جا کر رکوع وسجود سے بجملہ آداب نماز ادا کر لیں تو کیا۔ سب خدا پرستی کے وسائل ہیں۔ جن میں نزاع نہیں چاہیئے۔ نزاع کرو گے تو تحزّب وتشیع کے نقرے میں آ کر بے دین بن جاؤ گے وغیرہ وغیرہ۔

بس جناب! ازراہ کرم فرمائی ہمارے دماغوں کو اس حقیقت شناسی سے معذور سمجھیں جس سے ہم سلف صالحین کے طریق سے ہٹ جائیں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تو وضعیت وصناعیت کے لباس میں بھی سلف صالحین کے سے ایمان کو نہیں چھوڑا۔ لیکن آپ حقیقت شناسی کے ایسے مقام پر پہنچ گئے۔ کہ وہاں جا کر سلف صالحین کا دامن صاف صاف ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے

" ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا" ؎

Marfat.com

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی   کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

جناب والا! ہم آپ کو بتائیں، لقمان را حکمت آموختن کی مثل ہے۔ اسلام اپنی ذات میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ جو کفر کے کسی بھی شعبہ سے نہیں مل سکتی۔ برہم سماجیوں کی طرح بین ذالك سبیلاً اور باریک ہو۔ یا بت پرستوں اور صلیب پرستوں کی طرح نمایاں ہو۔"

قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا۔
(بقرہ پ ۳)

(آنحضرت صلعم کی آمد پر) ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے۔ پس جو شخص طاغوت سے انکار کرے اور اللہ پر ایمان لاوے اس نے ایسی محکم دست پناہ کو پکڑ لیا۔ جو کبھی ٹوٹنے کی نہیں۔"

اس کا اعلان ہے اور

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ
(بقرہ پ ۳)

اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے گا تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں ٹوٹا پانے والوں میں ہو گا۔

اُس کا قانون ہے۔ پس جس کو روشنی کی طلب ہے۔ اور دارین کی نجات و سعادت کی ضرورت ہے۔ وہ ہر طرف سے منہ موڑ کر اس کے سامنے آئے۔ اور نور سعادت پائے اور جسے راہِ حق کی تڑپ ہے۔ وہ سب سے الگ ہو کر اس کی رہنمائی سے راہ پائے۔ چنانچہ وہ پکارتا ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا
(روم پ ۲۱)

یعنے قائم کر تو اپنے منہ کو دین الہٰی کے لیے یک رخ ہو کر اور سب سے الگ ہو کر۔

تتمہ بحث

مولانا آزاد صاحب کی اس آزادی کے جواب میں ہماری اسی تفسیر واضح البیان کو وہاں سے بحصہ پڑھیں۔ جہاں ہم نے چوتھی قسم کے کفار کا ذکر کیا ہے۔ جو تکذیب و اقرار بالرسل کے درمیان رہ کر خدا پرستی کے مدعی ہیں۔ کیونکہ ہم نے وہاں پر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ آزادروی یا میانہ روی کو خصوصیت سے ملحوظ رکھ کر لکھا ہے۔

Marfat.com

اس کے بعد ہم مولانا ممدوح کے ترجمان میں سے بعض اقتباسات نقل کرتے ہیں۔ جو ان کے لیے اور ان کے بعض محبین مضطربین کے لیے ٹھوکر کا باعث ہوئے ہیں۔ مولانا آزاد صاحب کی تصریحات (نمبرا) مولانا صاحب آیت اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی تفسیر کے ضمن میں سورہ مائدہ کی آیت لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّمِنْھَاجًا " نقل کرکے فرماتے ہیں۔

۱۔ اس آیت پر سرسری نظر ڈال کر آگے نہ بڑھ جاؤ۔ بلکہ اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرو۔ قرآن کا جب ظہور ہوا تو دنیا کا یہ حال تھا کہ تمام پیروان مذہب، کو صرف اس کے ظواہر رسوم ہی میں دیکھتے تھے۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ کہ نہیں یہ اعمال و رسوم نہ تو دین کی اصل وحقیقت ہیں۔ نہ ان کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہے۔ چونکہ یہ اصل دین ہے اس لیے نہ تو اس میں تغیر ہوا اور نہ کسی طرح کا اختلاف، اعمال و رسوم فرع ہیں۔ اس لیے ہر زمانے اور ہر ملک کی حالت کے مطابق بدلتے رہے، الخ (ص ۱۳۷)

۲۔ اگر خدا چاہتا تو تمام نوعِ انسانی کو ایک ہی قوم و جماعت بنا دیتا۔ اور فکر و عمل کا کوئی اختلاف وجود ہی میں نہ آتا۔ لیکن معلوم ہے کہ خدا نے ایسا نہیں چاہا۔ اس کی حکمت کا مقتضا یہی ہوا کہ فکر و عمل کی مختلف حالتیں پیدا ہوں۔

(ترجمان القرآن ص ۱۳۷)

عرض از جانب خاکسار

جناب مولانا صاحب! آپ نے اس آیت محوّلہ کے ایک ایک لفظ پر غور کرنے کی جو تاکید فرمائی ہے۔ خدا کے فضل سے اس سے پیشتر ہی اس کا ایک ایک لفظ ہمارے ذہن میں ہے لیکن اس ادّعا سے جو آپ نے عنوان "اصولِ ترجمہ و تفسیر" کے ضمن میں کیا ہے۔ مثل غنچہ لب بستہ ہیں۔ اور خدا کا شکر ہے۔ کہ باوجود کم بضاعتی کے ہمارے یقین میں شک کا کوئی بھی کانٹا کبھی نہیں چبھا۔ اور ہمارا اعتقاد انکار کی آزمائش میں کبھی مبتلا نہیں ہوا۔ جیسا کہ آپ اپنی بابت اسی عنوان کے ص ۶ میں بتلاتے ہیں۔

آپ نے صفحہ ۵، ۷ پر اپنی قرآن دانی اور مطالعۂ تفاسیر و کتب مطبوعہ اور علوم قدیمہ و جدیدہ کے احتوا کا جو ادّعا کیا ہے۔ وہ کسی صاحبِ علم و عمل امام نے نہیں کیا۔ یا کم از کم کسی کا ایسا دعوےٰ ہماری نظرِ ناقص سے نہیں گذرا، حالانکہ ان کی جلالتِ شان اور وسعتِ علم اور تقوےٰ و دیانت

Marfat.com

کا قائل ہر کوئی ہے۔

ہاں مرزا صاحب قادیانی کو بھی اپنی بابت یہی گمان تھا اور ان کے بعد آپ کے رشحاتِ قلم سے بھی ایسی تراوش ہوئی۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ مرزا صاحب قادیانی علوم درسیہ پڑھے بغیر اپنے زعمی فضل و کمال کی تحصیل کو خدا کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور آپ شک و افکار کی جملہ وادیوں کی سیر کر چکنے کے بعد جس مقام پر پہنچے ہیں۔ اُسے اپنی علمی تحقیقات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہم انکار و شک میں پڑنے کے بغیر اور ایسے باطل اِدّعا کے سوا جملہ آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ آں مکرّم نے نسخ و تبدیل شرائع کی صرف صورت دیکھی ہے۔ اور (گستاخی معاف!) حقیقت نہیں سمجھی جو یہ ہے کہ کسی شریعت میں نسخ و تبدیل اللہ ربّ العالمین کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور کسی نبی برحق کی معرفت ہوتی ہے۔ نہ کہ لوگوں کی راؤں سے کہ وہ خود اس میں تنسیخ و ترمیم کر لیں۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا۔ کہ اصل دین ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی ہے۔ بالکل درست ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی خیال رہے کہ خدا کی عبادت کا طریق اور نیک عملی کی زندگی خدا تعالےٰ کے ہاں وہی مقبول ہے جو اس کے نبی برحق کی معرفت تعلیم کی گئی ہو۔ ورنہ سلسلۂ رسالت و نبوّت کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔ پس اگر خدا تعالےٰ نے کسی سابق نبی کی شریعت کا کوئی طریق بتقاضائے مصلحتِ وقت کسی متاخر نبی کی معرفت منسوخ کر دیا۔ یا اس میں کوئی تبدیلی کر دی۔ تو خدا کی خوشنودی اور اس کی درگاہ میں قبولیت اسی متاخر نبی کی پیروی سے حاصل ہوگی۔ نہ کہ منسوخ شدہ شریعت کی پیروی سے۔ لہٰذا آپ کے اقوال مثلاً (قرآن شریف) ہر گروہ سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ کہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہو جائے وہ کہتا ہے۔ اگر تم نے ایسا کر لیا۔ تو میرا کام پورا ہو گیا (ترجمان صفحہ ۱۵۷)

۲۔ اور یہ کہ اس (قرآن شریف) نے جب کبھی لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی ہے تو یہی کہا ہے اپنے اپنے مذہبوں کی حقیقی تعلیم از سرِ نو تازہ کر لو، تمہارا کرنا ہی مجھے قبول کر لینا ہے (ترجمان صفحہ ۱۶۰) وغیرہ وغیرہ سب کے سب قرآنی دعوت کے خلاف ہیں اور چونکہ شریعت محمدیہ آخری شریعت اور سب شرائع سابقہ کی ناسخ ہے۔ اس لیے اس وقت خدا کی رضامندی اسی کی پیروی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ورنہ آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین کہنا بے معنے ہوگا۔ (والعیاذ باللہ)

Marfat.com

گو اس مضمون کی آیات بکثرت ہیں۔ لیکن ہم مثال کے طور پر صرف ایک آیت ذکر کر کے اس بات کو سمجھائے دیتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے سورۂ نور پ۱۸ میں فرمایا:۔

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

یعنے نماز اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ اور اس رسول (محمد صلعم) کی اطاعت کرو اور امید رکھو کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔"

(نور ع۷)

اس میں شک نہیں کہ اس جگہ الرَّسُوْل سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے نماز کے قائم رکھنے، زکوٰۃ کے ادا کرنے اور رسول اللہ صلعم کی اطاعت کرنے کا حکم کیا۔ اور ان احکام کی تعمیل پر رحمت کی امید دلائی اور معلوم و مسلّم ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے نماز کی ایک خاص صورت اور ہیئت اور زکوٰۃ کا ایک خاص نصاب اور طریق ادا تعلیم کیا ہے۔ اچھا اگر اب کوئی یہودی یا عیسائی نماز اور زکوٰۃ کے متعلق اس حکم اَطِیْعُوا الرَّسُوْل کو نظر انداز کرتے ہوئے نسخ قبلہ صخرہ کے بعد آنحضرت صلعم کے طریق سے جدا ہو کر اور کعبۃ اللہ سے منہ موڑ کر صخرہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اور آنحضرت صلعم کے مقرر کردہ نصاب اور طریق ادا کو چھوڑ کر زکوٰۃ ادا کرے تو کیا آپ اسے آنحضرت صلعم کا مطیع و فرمانبردار قرار دے سکیں گے؟ اگر نہیں دے سکیں گے تو آپ نے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی سے کاربند ہو جانے کی اجازت کے کیا معنے؟ اور اگر دے سکیں گے تو ان امور میں آنحضرت صلعم کی فرمانبرداری کہاں ہوئی۔ جو خدا تعالیٰ نے بالتخصیص فرمائی ہے۔ اور آنحضرت صلعم کو اپنے طریق خاص کی طرف دعوت دے سکنے کا حق کیسے رہا؟ اور اس آیت قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (آل عمران پ۳) کے کیا معنے ہوئے؟ اور خطبات میں صدہا آدمیوں کے سامنے آپ کے اعلان کی کیا حقیقت؟

اِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرُ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

یعنے سب کلاموں سے بہتر کلام خدا کی کتاب (قرآن شریف ہے) اور سب سیرتوں سے بہتر سیرت روش محمد صلعم کی ہے۔

اللھم انا نعوذ بک من وساوس الصمنا

مولانا! آپ کا یہ وسوسہ انہی شکوک و انکار کا اثر و بقیہ ہے۔ جن کا آپ نے صٹ پر

Marfat.com

ذکر کیا ہے۔

اچھا یہ تو بتایئے، کہ خلیفہ اوّل جناب صدیق اکبر رضؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جو جہاد کیا اس میں حضرت صدیق اکبر رضؓ حق پر تھے یا معاذ اللہ ظالم وجابر تھے۔ کیا مانعینِ زکوٰۃ دینِ اسلام سے برگشتہ ہو گئے تھے یا زکوٰۃ کی فرضیّت سے منکر ہو گئے تھے۔ نہیں ان دونوں صورتوں سے کوئی بھی نہ تھی۔

بلکہ وہ اُس طریق پر جو آنحضرت صلعم کے عہد کا معمول تھا۔ آپ کے خلیفہ برحق کے ہاتھ پر زکوٰۃ ادا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ جس پر حضرت صدیق رضؓ نے ان کے برخلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ اور ان کو گردنوں سے پکڑ کر ان سے اُسی طریق کی تعمیل کروائی۔ جو آنحضرت صلعم کے عہد کا معمول تھا۔ اُمید ہے کہ آپ حضرت صدیق رضؓ کے اس کام کو ان کی خلافت کے نمایاں کارناموں میں نمایاں حیثیت میں جگہ دیتے ہوں گے۔ تو کیا آپ نے باوجود تفاسیر وکتب مطبوعہ کے ذخیرہ کا بیشتر حصّہ نظر سے گذار دینے کے کبھی اس حقیقت پر بھی غور فرمایا کہ جناب رسالت پناہ صلعم کو حق حاصل نہیں کہ کسی یہودی یا عیسائی سے ان کی توریت وانجیل سے زائد اطاعت کرا سکیں۔ تو آپؐ کے خلیفہ کو آپؐ کے طریق خصوصی کی حمایت میں کلمہ گو۔ پابندِ صوم وصلوٰۃ مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کا حق کہاں سے مل گیا ؎

من نگویم این مکن آں کن ! حق بہ بین و کار آساں کن

(۴) اور صـ۱۳۷ کے دوسرے میں آپ نے جو لِیَبْلُوَکُمْ کے مفہوم میں "فکر وعمل کی مختلف حالتیں" لکھ کر لفظ فکر کو مفہوم قرآنی پر بڑھایا ہے اس سے مقصود قرآنی میں بہت تغیر پیدا ہو گیا ہے اور اس آیت کا جو ترجمہ آپ نے صـ۱۳۶ پر ارقام فرمایا ہے یہ تشریح اس سے بہت دور جا پڑی ہے اور آپ کی اُس تحریر کے ماتحت ہو گئی ہے۔ جو آپ نے اصول ترجمہ وتفسیر کے ضمن میں صـ۱۷ پر لکھی ہے۔ کہ تفسیر بالرائے سے مقصود ایسی تفسیر ہے۔

"جو اس لیے نہ کی جائے کہ خود قرآن کیا کہتا ہے۔ بلکہ اس لیے کی جائے کہ ہماری کوئی ٹھہرائی ہوئی رائے کیا چاہتی ہے۔ اور کس طرح قرآن کو کھینچ تان کر اس کے مطابق کر دیا جا سکتا ہے۔" (صـ۱۷) "

قرآن شریف کا مقصود وہی ہے جو آپ نے ترجمہ میں لکھا کہ (ہر وقت وحالت کے مطابق)

Marfat.com

نہیں جو احکام دیئے گئے ہیں ۔ان میں تمہاری آزمائش کرے (ص ۱۳۶) لیکن اس کی تشریح میں لفظ نکر کو داخل مفہوم قرآنی کر کے آپ قرآن شریف کو کھینچ تان کر اپنی کانگرسی ذہنیت کے مطابق کرنا چاہتے ہیں ۔ جو درست نہیں ۔اور اسی طرح ص ۱۳۸ میں آیت سورۂ یونس پ۱۱ دَ لَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ الایۃ کے ترجمہ میں بین القوسین جو یہ بڑھایا ہے ۔

"لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا ۔کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے)"

اور اس کی تشریح میں جو آپ نے فرمایا ہے ۔

"پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس بارہ میں روا داری اور وسعتِ نظر پیدا کرو۔"

آپ کی ایسی سب تحریریں کتاب اللہ میں زیادتی اور قصرِ نبوت پر کاری ضرب ہے ۔اور یہ سب کانگرسی ذہنیت کا اثر ہے ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ"

(۲) مولٰنا صاحب کی تصریح نمبر ۲

مولٰنا صاحب اسی آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی تفسیر کے ضمن میں سورۂ بقرہ کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا ۔ الایۃ نقل کر کے اس کی تشریح میں فرماتے ہیں :۔

"یعنی دین سے مقصود تو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ تھی وہ کسی خاص حلقہ بندی کا نام نہ تھا ۔کوئی انسان ہو کسی نسل و قوم سے ہو ۔کسی نام سے پکارا جاتا ہو ،لیکن اگر خدا پرست اور نیک عمل ہے ۔تو دینِ الٰہی پر چلنے والا ہے ۔اور اُس کے لیے نجات ہے ۔ الخ ص ۱۴۱)

ہماری غرض اس آیت کی پوری .... ہماری اسی تفسیر واضح البیان میں ملاحظہ فرمائیں ۔ اس وقت ہم مولٰنا صاحب کے الفاظ "کسی نام سے پکارا جاتا ہو" کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں سو واضح ہو کہ اس نام سے مولٰنا کی مراد ذاتی نام زید ۔بکر وغیرہ نہیں ،بلکہ یہودی یا نصرانی[له]

له مولٰنا المکرم ! یہودی اور نصرانی نام بھی تو لوگوں کی بدعات مستحدثہ میں سے ہیں ۔آپ نے ان سے پکارے جانے کو کیوں گوارا کر لیا ۔حضرت نوحؑ سے لے کر آنحضرت صلعم تک تمام انبیاء کے حالات قرآن شریف میں سے پڑھیں خدا تعالیٰ نے ہر نبی کا مذہب اسلام اور اس کی امت کا نام مسلمان بتایا ہے ۔ ۱۲ منہ ۔

Marfat.com

یا مسلمان مذہبی نام مراد ہیں۔ گویا مولانا صاحب کے نزدیک انبقاءنا ہے۔ وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (حٰم سجدہ پ۲۴) اسلام کا اقرار کر کے مسلمان نہ بھی کہلاتا ہو تو وہ بھی نجات پا سکتا ہے گویا حضرات موسیٰ ع و عیسیٰ ع کی شریعت کے بعد برعایت مصلحت زمانہ شریعت محمدیہ میں خدا کی وحی سے جس قدر اضافے کیے گئے۔ اور پچھلی شریعتوں کے جس قدر مسائل منسوخ ہوئے۔ جن کی تکمیل سے اس شریعت کو مکمل اور ہمیشہ کے لیے غیر مبدل کر دیا گیا۔ اور آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (مائدہ پ۶) نازل کر کے آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین کیا گیا معاذ اللہ وہ سب بے سود و لا حاصل ہیں۔ آنحضرت صلعم کے سامنے یہودیت و نصرانیت پر قائم رہنا (گو ان کی حقیقی تعلیم موجود بھی ہو) آفتاب عالم کی موجودگی میں چراغ لے کر بیٹھنا ہے۔ حضرت عمر رضہ نے آنحضرت صلعم کے سامنے توریت کے کچھ اجزاء پیش کئے۔ تو آپ نے اس پر جو کچھ فرمایا تھا وہ پہلے پر گذر چکا ہے۔ اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ صاحب توریت موسیٰ ع بذات خود بھی تشریف فرما ہوں۔ تو وہ بھی آنحضرت کی ذات اقدس سے نہ خود بے نیاز ہو سکتے ہیں نہ دوسروں کو بے نیاز کر سکتے ہیں۔ یہی حال صاحب انجیل حضرت عیسیٰ ع کا ہے۔ کہ وہ بھی جب آخر زمانہ میں آسمان سے نازل ہوں گے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کریں گے۔ کیونکہ یہ شریعت کامل و عالمگیر ہے اور تا قیام قیامت دائم و قائم رہنے والی ہے۔ اور اس سے پیشتر کی سب شریعتیں خاص خاص امتوں اور مخصوص و محدود زمانے کے لیے تھیں اور کامل بھی نہ تھیں۔ (فافہم)

اس کی ایک مثال اور سن لیجئے کہ بچپن کے زمانہ میں ہر سال کے لیے پارچات پوشیدنی کا ناپ بڑھتا رہتا ہے۔ لیکن جب انسان بالغ ہو کر طول و عرض میں پورا بڑھ چکتا ہے۔ تو اس حالت کا ناپ تا قیام زندگی ہمیشہ کے لیے رہتا ہے۔ اس وقت بچپن کے کپڑے پہننے خواہ وہ بعین بعین موجود بھی ہوں۔ عقلمندی نہیں۔ یہی حال شریعت محمدیہ ؐ اور شرائع سابقہ کا ہے۔ کہ یہ دائم قائم و کامل و مکمل ہے۔ اور وہ صرف اس وقت کے لیے تھیں۔ وہ بلوغ و کمال سے پیشتر زمانہ کی ہیں۔ اور یہ بلوغ و کمال کے وقت کی ہے۔ فافہم لعلک ترشد۔

لہٰذا ہم آج محض یہودیت و نصرانیت پر یا معاذ اللہ ہندو ازم پر (خواہ وہ اصلی حالت پر ثابت بھی ہو جائیں) قائم ہو کر بلوغت کے وقت بچپن کے کپڑے نہیں پہن سکتے۔ اور

قرآن شریف اور سیرت محمدیہ سے مستغنی ہو کر ان پر عمل پیرا ہو کر نجات نہیں پا سکتے۔ خدا تعالٰے ہمیں اپنی صراط مستقیم کی سمجھ عطا کرے۔ آمین،

مولانا کی تصریح نمبر ۳

مولانا صاحب نے صفحہ ۱۴۹ پر ایک بغلی شرحی قرآن کی دعوت باندھی ہے اور اس میں بعض وہ آیتیں نقل کی ہیں۔ جن میں یہ مذکور ہے کہ اے نبیؐ! ہم نے تیری طرف اسی طرح وحی کی ہے جس طرح تجھ سے پہلے انبیاء کی طرف تھی۔ اور نیز یہ کہ اے نبیؐ! تو بھی ان انبیاءؑ کی ہدایت کی پیروی کر۔ مولانا آزاد صاحب ان آیات سے اپنے مطلب نکالنے ہیں۔ مقصود کو ذہن میں رکھ کر اور مقصود خداوندی کو ایک طرف رکھ کر رقم طراز ہیں:۔

"اسی لیے اس (قرآن شریف) کی پہلی بنیاد ہی یہ ہے۔ کہ تمام بانیان مذاہب اور تمام آسمانی کتابوں کی یکساں طور پر تصدیق کی جائے۔ یعنی یقین کیا جائے۔ کہ سب حق پر تھے۔ سب خدا کی سچائی کے پیغمبر تھے اور ان سب کی متفقہ تعلیم پر کاربند ہونا ہی ہدایت و سعادت کی حقیقی راہ ہے (صفحہ ۱۵۰)

مولانا صاحب نے "متفقہ تعلیم" کے الفاظ اور جگہ بھی دہرائے ہیں اور اس مضمون کو حسب عادت بتکرار بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵۹ سطر ۲، اور صفحہ ۱۹۳ سطر ۲۳/۲۰ ضمن تو۔

ہماری غرض یہ ہے کہ سب کی "متفقہ تعلیم" سے مولانا کی مراد کیا ہے؟ اگر سب کا مشترک نصاب تعلیم مراد ہے۔ یعنے دین و شریعت کا وہ حصہ جو سب میں مشترک ہے مراد ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ بعض وہ امور جو ایک شریعت میں بوجہ عدم اقتضائے وقت و مصلحت تعلیم نہیں کئے گئے۔ اور اس سے بعد کی شریعت میں کئے گئے۔ یا کسی پہلی شریعت میں تعلیم تو کئے گئے۔ لیکن اس سے پچھلی شریعت میں بنا بر حکمت و مصلحت منسوخ کر دیئے گئے، جیسے مولانا صاحب بھی آیت مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ الآية (بقرہ پ) کے ترجمہ پر بغلی تشریح میں تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی تصدیق و تعمیل واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر واجب نہ ہوگی تو ان کے نازل کرنے سے کیا فائدہ؟ اور شریعت کی تکمیل و ارتقا جن کا ذکر آپ صفحہ ۲۰۴ کی بغلی تشریح میں کرتے ہیں کس طرح متصور ہوگا؟ اور اگر واجب ہوگی (جیسا کہ فی الواقعہ ہے) تو مصدقین مومنین کے مقابلہ میں جو لوگ اس نسخ و اضافہ کے قائل نہ ہو کر اپنی پہلی شریعت پر قائم رہیں گے۔ ان کا حکم

Marfat.com

کیا ہوگا؟ مثلاً اگر بالفرض یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس اصل توریت وانجیل جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھیں موجود بھی ہوں (جو واقعہ میں نہیں ہیں) اور حضرات موسےٰؑ اور عیسےٰؑ کی سیرت وطریق عمل پوری حفاظت سے اور معتبر وسائل سے ان کے پاس مکتوب ومحفوظ بھی ہو۔ (جو واقعہ میں نہیں ہے) اس لیے کہ شریعت محمدیہ کامل ہے۔ اور سب شرائع سابقہ کی ناسخ ہے۔ ان یہود ونصاریٰ کو اس شریعت پر عمل کرنا واجب ہوگا یا نہیں؟ اگر واجب نہیں تو شریعت محمدیہ کو کامل وناسخ بنانے سے کیا حاصل؟ اور اگر واجب ہے تو اپنی اپنی شریعت پر قائم رہنے کی اجازت کے کیا معنے؟

مولانا صاحب! تصدیق کے معنے یہ ہیں۔ کہ اُن سب شرائع کو خواہ وہ برقرار ہوں خواہ منسوخ خدا تعالےٰ کی طرف سے منزل جانا جائے۔ اور تعمیل کے معنے یہ ہیں کہ منسوخ کو ترک کردیا جائے اور ناسخ پر عمل کیا جائے اور پہلی غیر کامل شریعت کے بعد دوسری کامل شریعت کے خداوندی اضافات کو قبول کرکے ان پر بھی عمل کیا جائے۔ یہ صورت آپ کے ذہن شریف میں آجائے۔ تو آپ کے سامنے سوائے امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کے کوئی جماعت بھی صحیح معنوں میں خدا کی پرستار اور اس کی شریعت کی تابعدار نظر نہ آئے یہی صحیح ایمان کی صورت ہے اور یہی سعادت ونجات کی حقیقی راہ ہے اور بس۔

مولانا صاحب کی تصریح نمبر۴

مولانا صاحب اپنے ترجمان میں صـ۱۵۴ پر رقمطراز ہے:۔

"یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اُن راستباز انسانوں کے ایمان وعمل کا پوری فراخ دلی کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ جو نزولِ قرآن کے وقت مختلف مذاہب میں موجود تھے اور جنہوں نے اپنے مذہبوں کی حقیقی روح ضائع نہیں کی تھی"۔ (صـ۱۵۴)

اس کے بعد مولانا صاحب نے بعض وہ آیتیں لکھی ہیں۔ جو بعض اہل کتاب کی تعریف میں ہیں۔ مثلاً لَيْسُوا سَوَاءً (آل عمران پ۴) اور مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ۔ (مائدہ پ۶)

ہماری عرض۔ مولانا صاحب نے اس مقام پر یہی عبارت۔

"مختلف مذاہب میں موجود تھے اور جنہوں نے اپنے مذہبوں کی حقیقی روح ضائع نہیں کی تھی"

Marfat.com

اپنے خاص مقصود یعنے اسلامی برہم سماج قائم کرنے کے خیال کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور واقعات کو نظر انداز کرتے ہوئے قرآن شریف کی تصریحات کے خلاف از خود بڑھادی ہے کیونکہ ان آیتوں میں اور ان جیسی دیگر آیات میں جن میں اہل کتاب کی تعریف وارد ہے۔ ان سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو آنحضرت صلعم پر اور قرآن شریف پر ایمان لے آئے تھے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی یہود میں سے اور نجاشی اور اس کے ساتھی عیسائیوں میں سے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ میں پارہ ہفتم کے شروع میں فرمایا:۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝	اور جب انہوں نے اس کلام کو سنا جو اس (حاضر الوقت) رسول (محمد صلعم) پر اتارا گیا ہے تو تو دیکھتا ہے کہ ان کی آنکھیں آنسو بہانے لگ گئیں۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے الحق کو پہچان لیا، اور وہ (بے اختیار) بول اٹھے، خداوندا! ہم ایمان لے آئے ہیں۔ پس ہم کو بھی (شاہدوں میں لکھ لے، اور (وہ یہ بھی کہنے لگے) ہمیں کیا ہے؟ کہ ہم خدا تعالےٰ پر اور اس حق پر جو ہم کو آچکا ہے ایمان نہ لائیں، اور ہم (کیوں) یہ توقع نہ رکھیں۔ کہ ہمیں ہمارا پروردگار صالح قوم کے زمرے میں داخل کر دے"

یہ آیتیں باتفاق مفسرین حبشہ کے عیسائی نومسلموں کے حق میں نازل ہوئیں۔ بلکہ خود مولٰنا آزاد صاحب بھی ان کے متعلق یہی فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:۔

"اور جب یہ (عیسائی) وہ کلام سنتے ہیں جو اللہ کے رسول پر نازل ہوا۔ الخ (ترجمان صفحہ ۴۵)

اور رَبَّنَآ اٰمَنَّا کا ترجمہ یوں ارقام فرماتے ہیں:۔

"خدایا! ہم (اس کلام) پر ایمان لائے"

اور ان آیتوں کے متعلق تشریحات میں فرماتے ہیں:۔

نجاشی، حبش کا مسیحی فرمانروا، بغیر دیکھے ایمان لے آیا۔ نجاشی کے علاوہ خود عرب میں بھی عیسائیوں کی بڑی تعداد ایمان لے آئی" (صفحہ ۴۵)

Marfat.com

اس سے صاف روشن ہے کہ مولانا صاحب کے نزدیک ان آیات کے مصداق وہ عیسائی ہیں جو قرآن اور اس کے پیغمبر صلعم پر ایمان لے آئے تھے۔ تو سورۂ مائدہ کے ترجمہ کی ان تصریحات کے خلاف آپ نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں ان جیسی دیگر آیتوں کی تشریح میں یہ الفاظ کیسے داخل کر دیئے کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں۔

"جو نزولِ قرآن کے وقت مختلف مذاہب میں موجود تھے، اور جنہوں نے اپنے مذہب کی حقیقی روح ضائع نہیں کی تھی" (صـ۱۵۴)

نکتہ لطیفہ

مولانا صاحب نے سورۂ آل عمران پ۴ کی جو آیت یعنی لَيْسُوا سَوَاءً الخ اپنے مطلب کے لیے پیش کی ہے۔ اس کے اور پارہ ہفتم والی مذکورہ بالا آیت میں ایک خاص نکتہ ہے جو خدا کے فضل سے قارئین کرام کو کمال حظ و لطف دے گا۔ اور وہ اس سے سراسر قائل ہو جائیں گے کہ ان ہر دو مقامات پر اور ان جیسے دیگر مقامات پر جن اہل کتاب کی مدح و تعریف ہے۔ ان سے وہ افراد مراد ہیں جو آنحضرت صلعم پر ایمان لا کر آپ کے صحابہ کی مقدس جماعت میں داخل ہو گئے تھے۔ ان ہر دو مقامات کو پھر دیکھئے کہ ان ہر دو میں الصّٰلِحِیْن کا لفظ وارد ہے۔ اور ان صالحین سے آنحضرتؐ کے صحابہؓ مراد ہیں۔ سورۂ مائدہ پ۷ میں بتایا کہ یہ اہل کتاب آرزو رکھتے ہیں کہ وہ قرآن پر ایمان لا کر جماعتِ صالحین میں داخل ہو جائیں۔ اور سورۂ آل عمران پ۴ کی آیت میں بتایا کہ وہ ان صالحین میں شامل ہو گئے۔ اور معلوم ہے کہ اس وقت آنحضرت صلعم کے ساتھ صحابہ رضؓ کی مقدس جماعت ہی تھی۔ جن میں وہ شامل ہونا چاہتے تھے، اور بفضل خدا شامل ہو گئے۔

اسی طرح سورۂ انبیاء پ۱۷ کے آخیر میں بشارتِ فتوحات کے متعلق فرمایا۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء پ۱۷)	اور ہم نے تو بتحقیق زبور میں نصیحت کے بعد (صاف صاف) فرما دیا تھا۔ کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔

اسی بشارت کے مطابق صحابہ رضؓ کی مقدس جماعت عرب و عراق، ایران و روم، شام و مصر کے تختوں کے وارث ہو گئے۔ جس سے کسی کو بھی انکار نہیں، چنانچہ ہم کتب سابقہ کے بعض حوالے نقل کرتے ہیں:۔

۱۔ انجیل متی باب ۲۱: ۴۳ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے قوم یہود سے خطاب کر کے فرمایا:۔

Marfat.com

"(۴۳) اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے جائے گی۔ اور اس قوم کو جو اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی۔ (۴۴) اور جو اس پتھر پر گرے گا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ مگر جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا"

۲۔ اسی طرح انجیل لوقا میں بھی یہ تمثیل مذکور ہے۔ (لوقا $\frac{۲۰}{۱۹-۱۷}$)

۳۔ اور دانیال نبی کی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت دانیال ؑ نے بادشاہ بنوکدنضر کے خواب کی تعبیر میں فرمایا :۔

(۴۴) اور اُن بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا۔ جو تا ابد نیست نہ ہو گی اور وہ سلطنت دوسری قوم کے قبضے میں نہ پڑے گی۔ وہ ان سب مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کرے گی۔ اور وہی تا ابد قائم رہے گی۔" (باب دوم)

۴۔ خدا تعالےٰ حضرت حزقیل نبی کی معرفت اس وقت کے شاہِ یروشلم کو تہدیداً فرماتا ہے :۔

"اے تو بے دین شریر اسرائیل کے بادشاہ جس کا دن تیری بدکاری کے انجام کو پہنچنے کو آیا ہے (۲۶) خداوند یہوداہ یوں فرماتا ہے۔ کہ کلاہ اور تاج لے جا، یہ ایسا نہ رہے گا۔ پست کو بلند کر، اور اُسے جو بلند ہے پست کر (۲۷) میں ہی اسے الٹ الٹ الٹ دوں گا۔ یہ پھر نہ ہوگا۔ اور جب کہ وہ جس کا حق ہے۔ آئے گا میں وہ اسے دوں گا" (حزقیل ۲۱: $\frac{۳۵}{۲۷}$)

۵۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی زبور میں مرقوم ہے :۔

(۱۸) یہ پچھلی پشت کے لیے لکھا جائے گا۔ اور لوگ جو پیدا ہوں گے۔ خداوند کی ستائش کریں گے۔ (۱۹) کہ اس نے اپنے بلند اور مقدس مکان پر سے نگاہ کی، خداوند نے آسمان پر سے زمین پر نظر کی۔"

(۲۰) تاکہ قیدی کا کراہنا سنے، اور کہ انہیں جن پر قتل کا فتویٰ ہوا ہے۔ چھڑائے (۲۱) تاکہ صیہون میں خداوند کا نام بیان کیا جائے۔ اور یروشلم میں اس کی ستائش ہو (۲۲) جب کہ امتیں اور مملکتیں خداوند کی عبادت کے لیے ایک ساتھ جمع ہوں۔"

(زبور ۱۰۲ $\frac{۱۸}{۲۲}$)

Marfat.com

یہ سب باتیں حضرت عمرؓ کے عہد میں پوری ہوگئیں، اور یروشلم کامل طور پر صحابہؓ کی مقدس جماعت کے زیر نگیں ہوگیا، اور وہاں سب نے مل کر نماز باجماعت ادا کی۔

تفہیمات

نمبرا:۔ قرآن شریف نے بھی الارض یعنے ارض مقدس کی وراثت کی بشارت میں زبور کا ہی کا حوالہ دیا ہے۔ اور حوالہ نمبر ۵ جو ہم نے اوپر زبور ہی سے نقل کیا ہے۔ اس میں یروشلم کو فتح کرنے والی قوم کی ایک یہ علامت ذکر کی گئی ہے کہ وہ قوم خدا کی ستائش (حمد) کرنے والی ہوگی، اور ہم آیت الحمد للہ رب العلمین کی تفسیر میں ...... پر مفصل بیان کر آئے ہیں کہ آنحضرت (محمدؐ) کی امت کا نام کتب سابقہ میں حمادون (خدا کی ستائش کرنے والے) لکھا ہے، یہ حوالہ بھی اُس سے پوری مطابقت رکھتا ہے۔

نمبر۲۔ دیگر یہ کہ اس حوالہ میں اس فاتح قوم کی ایک نشانی یہ بھی لکھی ہے۔ کہ وہ ایک ساتھ ہو کر خدا کی عبادت کریں گے۔ اس میں نماز باجماعت ادا کرنے کی طرف اشارہ ہے یہ علامت بھی صرف امتِ محمدیہ میں پائی جاتی ہے والحمد للہ۔

نمبر۳:۔ دیگر یہ کہ اس حوالۂ زبور میں اس امت مرحومہ کو پچھلی امّت کہا گیا ہے اور اس میں تو کسی کو کلام نہیں کہ پچھلی امّت یہی امّت محمدیہ ہے۔ کیونکہ آپ آخری نبیؐ ہیں اور آپ کی امّت آخری امت ہے۔

اس امر کی نسبت ایک اور نکتہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے کہ انجیل لوقا میں لکھا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:۔

(۳۰) اور دیکھو بعض آخر ایسے ہیں جو اوّل ہوں گے۔ اور اوّل ہیں جو آخر ہوں گے۔

(لوقا باب ۱۳: ۳۰)

اسی کے مطابق حدیث صحیحین میں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بَيْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِنَا وَ اُوْتِيْنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ۔ (الحدیث متفق علیہ)	ہم سب سے پیچھے ہوئے ہیں (لیکن) قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔ ماسوا اس کے ان (یہود و نصاریٰ) کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی۔ اور ہم کو اُن سے پیچھے دی

Marfat.com

گئی" الحدیث[1]

(مشکوٰۃ)

معذرت -

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم چنانکہ حرفِ عصا گفت موسیٰ اندر طور

رجوع بمطلب ساتویں پارے کی مذکورہ بالا ابتدائی آیتوں کے ترجمہ کی بغلی تشریح میں مولانا آزاد صاحب عیسائیوں میں سے بڑی تعداد کے ایمان لے آنے کا ذکر کرنے کے بعد میں فرماتے ہیں۔

"لیکن یہودیوں کے جمود میں جنبش نہ ہوئی۔ وہ برابر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں خیبر سے جلاوطن کئے گئے (ص۵۰)

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولنا صاحب یہودیوں سے کسی جماعت چھوٹی یا بڑی کے مسلمان ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اگر یہی مطلب ہے تو یہ واقعات کے خلاف ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن سلام جو علمائے یہود میں سے ایک خاندانی عالم تھے۔ یہ خود اور ان کے ساتھ ایک جماعت یہود ایمان لے آئی تھی۔ قرآن شریف میں اسی جماعت کی مدح کے اشارات بکثرت ہیں اور تمام مفسرین بالاتفاق ان آیات کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کی تصریح کرتے ہیں۔

اور اگر مولنا صاحب کی یہ مراد ہے کہ بمقابلہ عیسائیوں کے یہودیوں سے کم لوگ ایمان لے آئے تو اس سے بھی ہمارا اصل مقصود حاصل ہے کہ موسےٰؑ کی قوم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے تھے۔ خواہ تھوڑے تھے خواہ بہت تھے۔ قرآن شریف نے خاص انہی کی تعریف کی ہے نہ ان کی جو آنحضرتؐ پر ایمان نہ لائے ہوئے توریت کی اصل تعلیم پر عمل پیرا رہے اور اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جیسا کہ مولنا کا خیال ہے۔ "فافهم لعلك ترشد"

مولنا کی تصریح نمبر ۵ اس میں نہ تو کسی خاص نسل و قوم کی خصوصیت رکھی گئی ہے نہ کسی خاص مذہب اور اس کے پیروؤں کی، دنیا کے تمام نبی، تمام صدیق، تمام شہدائے حق، تمام صالح انسان، خواہ کسی ملک و قوم میں ہوئے ہوں، قرآن کے نزدیک "انعام یافتہ" انسان ہیں اور انہی کی راہ "صراط مستقیم" ہے۔ (ص۱۶۵)

ہماری گذارش، جناب والا! آپ ایک خاص خیال کے پیچھے لگ کر ایک ضروری شرط

Marfat.com

کو نظر انداز کر رہے ہیں وہ یہ کہ کسی صاحب شریعت رسول کے بعد دوسرے صاحب شریعت کے ذریعے خدا تعالےٰ نے حسب مصلحت پہلی شریعت کا جو مسئلہ منسوخ کر دیا، یا اس پر کچھ اضافہ کیا۔ تو پہلی شریعت کے موجودہ لوگوں پر واجب ہے کہ پچھلی شریعت کے ایسے مسائل کو تسلیم کریں۔ اور ان پر حسب تعلیم نبی برحق عمل کریں، ورنہ یہ نسخ و اضافہ معاذ اللہ بے معنی و بے سود ہوگا جیسا کہ ہم سابقاً ذکر کر چکے ہیں۔

اس شرط کو ملحوظ رکھ کر صورت مسئلہ یوں ہوئی کہ قرآن شریف ان سب گذشتہ صالحین کو صراط مستقیم پر جانتا ہے۔ جو ہر نبی کے عہد میں خدا کی مقرر کردہ شریعت پر عمل پیرا رہے، مثلاً قرآن شریف صاف الفاظ میں کہتا ہے۔ کہ یہودیوں کی سرکشی کی وجہ سے بعض حلال اشیا ان پر حرام کر دی گئیں اس وقت ان کو ترک کرنا ہی شریعت کی تابعداری تھی۔ لیکن خدا تعالےٰ کے علم و ارادہ میں یہ حرمت حضرت عیسےٰؑ کی آمد تک تھی۔ جب خدا تعالےٰ نے حضرت عیسےٰؑ کی معرفت ان چیزوں کو حلال کر دیا۔ تو اب اُن کو حلال جاننا شریعت کی تابعداری تھی، اور ان کی حرمت پر اڑا رہنا خدا کی شریعت کا انکار تھا۔ چنانچہ حضرت عیسےٰؑ کی زبانی ذکر کیا۔

وَلِاُحِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ۔ (آل عمران پ۳)

یعنے میں اس لیے بھی رسول ہو کر آیا ہوں کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، تمہارے لیے حلال کروں، پس تم (ان میں) خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ جن لوگوں نے حضرت عیسےٰؑ کی اس آواز کو سن کر قبول کر لیا۔ وہ خدا کے نزدیک متقی و فرمانبردار ہیں۔ اور جنہوں نے قبول نہ کیا۔ وہ غیر متقی و نافرمان ہیں۔ اسی طرح قرآن شریف کے نازل ہو جانے پر توریت و انجیل کے منسوخ مسائل پر اڑے رہنا۔ اور آنحضرت صلعم کی شریعت کے اضافات کو قبول نہ کرنا تقوےٰ و فرمانبرداری کے خلاف ہے۔ پس ایسے لوگ عند اللہ صالحین نہیں ہو سکتے۔ خواہ وہ توریت و انجیل پر عمل پیرا ہیں

ہم مولٰنا صاحب کی خدمت میں با دب التماس کرتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی یا برہمو یا آریہ یا گاندھی جی اور ان کے رفقاء اگر قرآن شریف سے الگ رہ کر صالح بننا چاہیں، تو آیا ان کی ایسی صلاحیت عند اللہ مقبول ہو جائے گی؟ اور خدا کے وعدے کے مطابق نجات کے حقدار کہلا سکیں گے؟ اگر وہ قرآن شریف پر عمل کرنے کے بغیر نجات پا سکتے ہیں تو (معاذ اللہ) قرآن شریف کے لیے دعوت کا دروازہ بند ہے۔ اور اگر نہیں پا سکتے۔ جیسا کہ امر واقعی ہے۔

Marfat.com

تو آنجناب کی تطویل لاطائل ہے۔ فافہم۔

افسوس! مولنا صاحب نے نہائیت محنت وکاوش سے قرآن شریف کو ہندی زبان میں ترجمہ کرکے بزعم خود ایسا آسان کر دیا تھا، کہ گویا ہندی کی بھی چندی نکال دی تھی۔ لیکن حاصل کیا ہوا؟ یہ کہ جملہ مذاہب کو کھلی اجازت دے دی گئی کہ تم اپنے اپنے نبی کے وقت کی غیر موجود وغیر محفوظ اصلی شریعت معلوم کرکے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ، خواہ وہ غیر مکمل تھی۔ خواہ اس کے بعض مسائل اب منسوخ کر دیئے گئے ہیں۔ بس تمہاری نجات ہو جائے گی، چنانچہ اس کی حقیقت مولنا کی تصریح نمبر ۶ سے معلوم ہوگی۔ بھلا اس اجازت کے بعد قرآن کے قبول کرنے کی کیا ضرورت رہی؟ اللهم انا نعوذبك من وساوس الصدا ؟ "چاہئے تو یہ تھا کہ اس ترجمہ سے دل میں یہ نقش ہو جاتا کہ بغیر محمد صلعم کی پیروی کے صراط مستقیم کا ملنا محال ہے۔ لیکن الٹا اثر پڑا کہ آنحضرت صلعم سے خصوصی طور پر دل لگانے کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی اللہ صدہا رحمتیں کرے۔ شیخ سعدیؒ پر جو یہ فرما گئے ہیں ؎

محال است سعدیؒ کہ راہ صفا   تواں رفت جز در پئے مصطفٰے

مولنا کی تصریح نمبر ۶ بہرحال قرآن کا پیرو وہ ہے جو دین کی سیدھی راہ پر چلنے والا ہے وہ راہ نہیں جو کسی خاص گروہ، کسی خاص نسل، کسی خاص عہد کی راہ ہے۔ الخ (صہ ۱۶۸)

اس پر ہماری گذارش۔ مولنا صاحب کی عبارت کا حاصل مطلب ہماری موٹی سمجھ میں تو یہ آتا ہے۔ کہ اگر مسلمان یہ کہیں کہ اب اس عہد محمدی میں سعادت و نجات صرف قرآن اور پیغمبر قرآن صلعم کی اتباع میں ہے۔ تو معاذ اللہ وہ قرآن کے پیرو نہ رہیں گے۔ اور ان پر تحزب و تشیع کا فتوے جڑ دیا جائے گا۔ اور ان کو دین قیم سے منحرف سمجھا جائے گا۔ عجیب تماشا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ نجات صرف قرآن و پیغمبر قرآن صلعم کی اتباع میں ہے۔ وہ تو قرآن کا پیرو نہ سمجھا جائے۔ اور جو یہ کہے کہ اس وقت (عہد محمدی میں) وید (بالفرض) اور توریت اور انجیل اور زبور یہ کتابیں (گو اصالۃً غیر مکمل تھیں اور اب اصالۃً موجود بھی نہیں ہیں۔ اور قرآن شریف (ہر چند کہ محفوظ ہے، اور مکمل بھی ہے اور سب کتب سابقہ کا ناسخ بھی ہے امر اتباع میں سب برابر ہیں۔ تو وہ قرآن کا پیرو سمجھا جائے واللہ ہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ سمجھ مولنا صاحب ہی کو مبارک ہو۔

Marfat.com

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا۔

خاتمۃ الباب مولانا صاحب آزاد کی ایسی بہت سی تصریحات ہیں، جو ترجمان القرآن کے مطالعہ کرنے والوں کو قرآن سے آزاد کر دینے والی ہیں، لیکن ہم انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اگر بعض لوگوں کے بہک جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو واللہ ہم ان کے متعلق ہرگز قلم نہ اٹھاتے۔ عفا اللہ عنّا وعنہ وھدانا وایاہ الی صراطہ المستقیم۔

(۲) صدّیقیّت

نبوّت کے بعد مرتبۂ صدیقیّت ہے۔ صدّیق کو مقامات واحوال میں نبی سے کمال مشابہت ہوتی ہے۔ اور وہ اسی کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے۔ اور باطنی نسبت میں نبی کے اتنا قریب ہوتا ہے جیسے کسی کامل استاد سے اس کا نہایت ذہین وصاحب استعداد شاگرد، یا آگ سے دیا سلائی، جو تھوڑی سی رگڑ سے جل اُٹھتی ہے۔ اسی مناسبت روحانی کی وجہ سے خدا کے ہاں صدّیق اس کی عنایاتِ خاصہ کا موردِ ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی نسبت فرمایا:۔

(۱) وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ۔
(یونس پ۱۱)

اور خوشخبری سنا ان کو جو ایمان لے آئے ہیں کہ اُن کے لیے ان کے رب کے پاس مقامِ صدق ہے"

(۲) اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَھَرٍ ۝ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔
(القمر پ۲۷)

(۲) بیشک جنھوں نے پرہیزگاری کی وہ باغات اور نہروں میں ہوں گے اصاحبِ اقتدار بادشاہ کے نزدیک صدق کی نشست گاہ میں"

(۳) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖٓ اُولٰٓئِكَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ لَھُمْ اَجْرُھُمْ وَنُوْرُھُمْ
(الحدید پ۲۷)

(۳) اور وہ جو ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر وہی ہیں صدیق اور شہید نزدیک اپنے رب کے واسطے اُن کے ہے۔ اجر ان کا اور نور (اُن کا بھی)"

توضیح صدّیق اپنے مقام وحال میں از سرتاپا صدق وصفا ہوتا ہے اور اسی صفائی کی وجہ

Marfat.com

سے اس کا آئینہ قلب ایسا مجلٰے ہوتا ہے کہ نبی کے سینے سے انوار کی شعاعوں کو بلا واسطہ حاصل کرتا ہے۔ اور قبولیتِ حق میں اُس کے سامنے کوئی حجاب حائل نہیں ہوتا، اور چونکہ اس کا مقام نبی کے مقام سے متصل ہوتا ہے اور اس میں اور نبی میں کوئی دیگر واسطہ نہیں ہوتا۔ اس لیے جس طرح نبی خدا کے احکام کے سامنے اخلاصِ عمل میں اوّل المسلمین ہوتا ہے۔ اسی طرح صدیق مقامِ تصدیقِ رسول میں اوّل المصدّقین ہو کر دوسرے صالحین کا پیشرو اور ان کے لیے مقامِ شہود وصلا حیّت پر پہنچنے کا وسیلہ و ذریعہ بنتا ہے، گویا کہ وہ اوّل خود مقامِ صدق پر قائم ہوتا ہے۔ اور پھر دوسروں کے لیے نمونہ عمل بنتا ہے۔ اور وہ اس کے ذریعے سے تصدیقِ حق کرتے ہیں، چنانچہ آنحضرت صلعم کو ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (انعام پارہ ۸ ع ۶)	(اے پیغمبر!) تو کہہ بیشک میری نماز اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب کچھ) اللہ رب العالمین کے لیے جس کا شریک کوئی بھی نہیں اور مجھے اسی بات کا حکم ہوا ہے اور میں اس کا سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

اور دوسری جگہ حضرت صدیق رضہ کو ساتھ ملا کر فرمایا:۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ (زمر پ ۲۴)	اور وہ جو سچ لے کر آیا (یعنے پیغمبر صلعم) اور وہ جس نے اس کی تصدیق کی یہ سب متقی ہیں۔

حضرت صدیق رضہ کا مرتبہ

یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضہ جو انبیاء علیہم السّلام کے بعد سب سے افضل ہیں اور مقام صدیقیت میں سب سے اوپر ہیں ان کے لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں سوائے ان کی کامل باطنی صفائی اور کامل نورِ معرفت کے کوئی دیگر وسیلہ و ذریعہ نہیں ہوا۔ نہ کوئی آدمی، نہ کوئی معجزہ، بلکہ جب آنحضرت صلعم نے اُن پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے بلا تامّل و تردّد آپ کی تصدیق کی اور ایمان لے آئے، نہ تو کوئی حیل و حجّت پیش کی، اور نہ اس امر کو کسی مزید پڑتال یا سوال پر موقوف رکھا، اور اس بات کو خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ رضہ کے سامنے بیان فرمادیا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضہ کے قصّے میں حضرت ابوالدرداء سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

ان الله بعثنی الیکم فقلتم کذبت	یعنے اللہ تعالےٰ نے مجھے تم سب کی طرف مبعوث

Marfat.com

وقال ابوبکر صدقت الحدیث ۔ کیا۔ تو تم نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے لیکن ابوبکر رضؓ نے میری تصدیق کی اور اپنی جان اور مال سے میری ہمدردی کی "

یہ مضمون مختلف الفاظ سے مختلف صحابہ رضؓ سے مروی ہے۔ مثلاً امام خطیب نے ابوسعید خدری رضؓ سے اور دیلمی رح نے ابن مسعود رضؓ سے اور ابونعیم نے ابن عباس رضؓ سے اور طبرانی نے ابن عمر رضؓ سے روایت کی یہ سب روایتیں کنزالعمال میں جمع کر دی گئی ہیں، دیلمی کے الفاظ یہ ہیں:۔

ماعرضت الاسلام علی احد الا کانت لہ نظرۃ غیر ابی بکر فانہ لم یتعلثم ۔ (تفسیر کبیر ج ص) "میں نے جس کسی پر اسلام پیش کیا۔ تو اس نے تامل کیا سوائے ابوبکر رضؓ کے کہ اس نے بالکل تردد نہ کیا"

اور یہ بات قبولیت وشہرت میں ایسی مسلم ہو چکی ہے کہ اب کسی مزید ثبوت کی محتاج نہیں رہی "

جب آپ خود اسلام قبول کر چکے تو چند روز ہی میں کئی دیگر اکابر صحابہ رضؓ کے مشرف باسلام ہونے کا ذریعہ وسیلہ ثابت ہوئے، چنانچہ خلیفہ ثالث عثمانؓ بن عفان رضؓ حضرت زبیرؓ رضؓ بن عوام (حضرت ابوبکر رضؓ کا داماد اور آنحضرت کا پھوپھی زاد بھائی) حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف حضرتؓ طلحہ رضؓ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص رضؓ (فاتح ایران) اور حضرت عثمانؓ بن مظعون رضؓ آپ ہی کی تلقین وہدایت سے مشرف باسلام ہوئے (اصابہ) یہ سب سابقین اوّلین میں سے ہیں آنحضرت صلعم اور مسلمین کی نظر میں ان کی نہایت عزّت تھی۔ سوائے حضرت عثمان رضؓ بن مظعون کے سب عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

دیگر یہ کہ صدیق کے جمیع معاملات اخرویہ ودنیویہ۔ قولیہ وفعلیہ بلکہ اس کی ہر حرکت وسکون اور ہر عمل وسعی خدا کی رضا اور اس کے دین کے قائم کرنے کے لیے باخلاص ہوتے ہیں اور وہ اس امر میں ایسا مستقیم الحال ہوتا ہے کہ کوئی شے اس کی مزاحم وسدّراہ نہیں ہوسکتی اور چونکہ وہ بلافصل وبلاواسطہ نبی کا نائب ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا منتہائے نظر اور طریقۂ عمل وہی ہوتا ہے جو نبی کا ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی وفات شریف کے بعد جب جزیرۂ عرب کے اکثر لوگوں نے حضرت ابوبکر رضؓ کے ہاتھ پر زکوٰۃ ادا کرنے

Marfat.com

سے انکار کردیا، تو اس سے اسلام کے ضعیف ہو جانے کا خطرہ ظاہر تھا۔ کیونکہ مصارف زکوٰۃ میں سے جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے، جس سے مقصود خدا کے دین کی اقامت ہے۔ اس میں روپے کی جس قدر ضرورت ہے وہ پوشیدہ نہیں اور جب زکوٰۃ وصول نہ ہوئی تو بیت المال کا مالی ضعف ظاہر ہے دیگر یہ کہ اسی فنڈ زکوٰۃ میں سے قوم کے مساکین و فقراء کی حاجت روائی اور مقروضوں کے قرض کی ادائیگی اور غلاموں کی آزادی میں خرچ کیا جاتا ہے کہ مساکین و فقراء کی حالت بہتر ہو جائے ایسا نہ ہو کہ وہ محتاجی کے باعث غیروں کے دست نگر ہو کر اسلام سے برگشتہ ہو جائیں اور جس قوم کے افراد قرض اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوں، وہ قوم غیر کی دست برد سے کس طرح آزاد رہ سکتی ہے۔ اور کیسے ترقی کر سکتی ہے۔ اور اپنی ہمسایہ قوموں میں کس طرح سر برآوردہ ہو سکتی ہے تو یہ سب محل بنص قرآنی مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں[1]۔ پس اگر بیت المال خالی ہے۔ یا اس کی حالت ضعیف ہے یہ سب قومی ضرورتیں ویسی کی ویسی پڑی رہیں گے اور مسلمانوں میں ضعف آجانے کی وجہ سے اسلام میں ضعف آجائے گا۔ جیسا کہ آج کل انہی وجوہ سے ہو رہا ہے (حفظنا اللہ منہا)۔

دیگر یہ کہ حضرت ابوبکر رضہ کی نظر میں ایک طرف تو اسامہ بن زید رضہ کے لشکر کے بھیجنے کی فکر تھی، جس کی تاکید آنحضرت صلعم فرما گئے تھے[2]۔ اور دوسری طرف جھوٹے مدعیان نبوت مسیلمہ اور طلیحہ کے مقابلہ کی فکر بھی دامن گیر تھی۔ جو بڑی بھاری جمعیت لے کر اسلام کے استیصال پر تلے بیٹھے تھے۔ اور مانعین زکوٰۃ میں سے بھی کئی قبائل ان سے جا ملے تھے۔ تو آپ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ ایسے حالات میں جن لوگوں نے حضرت صدیق رضہ اکبر کے ہاتھ پر روپیہ رکھنے میں دریغ کیا، وہ آپ کے سامنے اپنی جانیں کس طرح رکھ سکتے تھے۔

اب مشکل یہ تھی کہ نہ تو حضرت صدیق رضہ قوم کو اس حالت ارتداد پر چھوڑ سکتے تھے۔ اور نہ بغیر خزانے اور جمعیت کے مسیلمہ کذاب وغیرہ کا مقابلہ ہو سکتا تھا۔ اور ایسے حالات میں اسامہ بن زید رضہ کے لشکر کی تیاری جو غیر علاقے میں جا کر لڑنے والا تھا آسان نہ تھی۔ غرض مشکل پر مشکل تھی۔ چنانچہ حضرت صدیق رضہ کی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضوان مشکلات کو زیر نظر

---

[1] دیکھو سورت توبہ پ۱۰ رکوع (اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ) ۱۲ منہ۔

[2] صحیح بخاری کتاب ۶۴۔

Marfat.com

رکھ کر کہتی ہیں:-

قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فنزل بابی ما ونزل بالجبال الراسيات لهاضها اشرأب النفاق بالمدينة وارتدت العرب فوالله ما اختلفوا فی واحد الا طار ابی بحظها وغنائها عن الاسلام۔

(بلاذری صـ۱۰۳)

(جب آنحضرت صلعم کی وفات شریف ہوئی تو میرے باپ پر (ابوبکر خلیفہ ہونے کے) ایسے امور آپڑے کہ اگر وہ محکم پہاڑوں پر بھی واقع ہوتے تو وہ ان کو بھی شکستہ کر د۔ مدینہ شریف میں تو نفاق نے سر اٹھایا اور اکثر عرب رند ہو گئے۔ خدا کی قسم لوگوں نے جس امر میں اختلاف کیا تو میرے باپ نے اسلام کی مدافعت میں کافی سے زیادہ حصہ لیا۔

غرض ایسے پریشان کُن حالات میں حضرت صدیق رضؓ نے ہر امر میں کمال حوصلے اور شجاعت اور احسن تدبیر سے ہاتھ ڈالا اور سب میں خدا کی مدد آپ کے شامل حال رہی۔

نکتہ سیلنے کو ٹھنڈا کر دینے والا

حضرت صدیق اکبر رضؓ کا مقام ورتبہ اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ہم سوچیں کہ یہ واقعات آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ میں پیش آتے تو آنحضرت صلعم ان میں کون سا پہلو اختیار کرتے۔ جو.............................. جو کچھ آپ آنحضرت صلعم کی شان کے لائق خیال کریں۔ اگر وہی کچھ حضرت صدیق اکبر رضؓ بھی کر دیں۔ اور پھر ان میں کامیابی بھی حاصل کریں، تو اس کے بعد آپ کو حضرت صدیق رضؓ کی خلافت اور صدیقیت کے ماننے میں کوئی بھی تردد نہیں چاہیئے۔ لیجئے نمبروار دیکھتے جائیے۔

۱- یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حضرت اسامہ کے لشکر کا جھنڈا آنحضرت صلعم نے خود باندھا تھا اور تیار کرایا تھا۔ اور اُن کو روانہ بھی کر دیا تھا۔ لیکن ان کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد آنحضرت صلعم کی وفات شریف کا حادثہ ہو گیا اور وہ لشکر مدینہ شریف میں لوٹ آیا۔

۲- یہ کہ اسود عنسی اور مسیلمہ اور طلیحہ متنبیان نے آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ ہی میں نبوت کا دعوٰے کر دیا تھا۔ ان سب کے مقابلہ وجہاد کی نسبت تاریخ ابن خلدون میں لکھا ہے "

فبعث الی المسلمین من العرب فی کل

ان کذابوں کے نواح میں جس طرف میں بھی مسلمانوں

Marfat.com

ناحیۃ من نواحی ھؤلاء الکذابین۔ کی کوئی جماعت تھی۔ آنحضرت صلعم نے اُس سے
یامرھم بجہادھم۔ (جلد۲ صلا۶۱) ان کذابوں کے جہاد کا حکم بھیجا۔"

اور بالخصوص طلیحہ کے قتال کے لیے ضرار بن ازور کو ایک دستہ فوج دے کر بھیج بھی دیا۔ (الف)
اس سے معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلعم کے نزدیک۔ ان کذابوں کا مقابلہ و مقاتلہ ضروری تھا

۳۔ باقی رہا مرتدین کا معاملہ سو اگر یہ صورت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آتی تو آپ اُن کے درست کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑتے، کیونکہ برسوں کی محنت سے حاصل کی ہوئی چیز کو کوئی عقل و ہمت والا شخص ضائع نہیں ہونے دیتا۔

پس اب یہ سب باتیں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ میں ملاحظہ فرمالیں۔

۱۔ آپ نے آنحضرت کی تجہیز و تکفین وغیرہ امور سے فارغ ہو کر سب سے پہلے حضرت اُسامہ بن زید رضؓ کے لشکر کو روانہ کیا۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون رح فرماتے ہیں۔

وکان من اول ما اعتمد کا انفاذ بعث اسامۃؓ یعنے سب سے پہلے حضرت اسامہ رضؓ کے لشکر
(صلا۶۵) کو روانہ کیا"

اور حضرت عمر رضؓ کو امور پیش آیندہ میں مشورہ کے لیے حضرت اُسامہ رضؓ سے مانگ کر اپنے ساتھ رکھ لیا۔

۲۔ اس لشکر کے کامیاب ہو کر آنے پر مرتدین اور مانعین زکوٰۃ سے جنگ کر کے ان کو زیر کیا، اور اسلامی جمعیت کی کثرت کو ٹوٹنے نہیں دیا۔ چونکہ یہ فتنہ ارتداد عام تھا۔ اس لیے کسی مقام پر تو حضرت صدیق رضؓ خود شریک جنگ ہوئے، اور کسی جگہ کسی دیگر صحابی کو امیر لشکر کر کے بھیجا (ابن خلدون صلا۶۹ بقیہ جزء ثانی)

۳۔ پھر اسی عرصے میں مسیلمہ وغیرہ جھوٹے مدعیان نبوت کا قلع قمع کر کے اسلام کو اسی سٹیج پر لا کھڑا کیا جس پر کہ آنحضرت صلعم کے عہد میں تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود جو افاضل صحابہ میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

لقد قمنا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاماً کدنا نہلک فیہ لولا ان اللہ من علینا بابی بکر الخ۔
(تاریخ کامل جلد دوم صلا۱۳۰)

ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسی سٹیج پر ہو گئے تھے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر حضرت ابوبکر رضؓ کے خلیفہ کرنے سے احسان نہ کرتا تو قریب تھا کہ ہم (سب مسلمان) ہلاک ہو جاتے۔

Marfat.com

اسی امر کو حضرت ابوہریرہ رضؓ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :۔

والذی لا الٰہ الا ھو لولا ان ابابکر استخلف ما عبد اللہ الخ۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص۵۰)

خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ اگر آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ خلیفہ نہ بنتے تو خدا تعالےٰ کی عبادت نہ ہوتی۔"

علامہ ابن خلدون نظر بر روایات اس فتنۂ عظیمہ پر مسلمانوں کی حالت یوں رقم کرتے ہیں :۔

وقد ارتدت العرب اما القبیلۃ مستوعبۃ واما بعض منہا ونجم النفاق والمسلمون کالغنم فی اللیلۃ الممطرۃ لقلتھم وکثرۃ عدوھم واظلام الجو بفقد نبیھم۔ (ص۶۵)

اور (اکثر) عرب مرتد ہو گئے۔ کوئی تو سارے کا سارا قبیلہ اور کہیں ان میں سے بعض لوگ اور مسلمان اپنی قلت اور اپنے دشمنوں کی کثرت اور نبی صلعم کی وفات سے فضا کے تاریک ہو جانے کی وجہ سے اس ریوڑ کی طرح تھے جو بارش والی رات میں (ایک کونے میں دبک کر بیٹھا) ہو۔"

غرض ایسے تزلزل کے وقت حضرت ابوبکر رضؓ کی استقامت اور بحیثیت خلیفہ آپ کی یہ خدمات وہی ہیں جو آنحضرت صلعم خود کرتے، اور یہ آپ کی خلافت بلافصل اور مقامِ صدیقیت کی کافی دلیل ہے۔ واللہ الھادی۔

خلافت

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ مرتبۂ صدیقیت مقامِ نبوت سے بالکل متصل ہے۔ اور یہ بھی کہ صدیق کو مقامات و احوال میں نبی (صلعم) سے کمال مشابہت ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ نبی صلعم کے بعد آپ کا فوری خلیفہ بلا فصل صرف حضرت صدیق چاہیئے تھے نہ کہ کوئی اور۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے حضرت صدیق رضؓ کے متعلق فرما دیا تھا۔

لا ینبغی لقوم فیھم ابوبکر ان یؤمھم غیرہ رواہ الترمذی۔ (مشکوٰۃ ص۵۴۵)

جس قوم میں ابوبکر رضؓ موجود ہو مناسب نہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا ان کا امام بنے۔

اپنے اس فرمان کے مطابق آپ نے عمل کر کے بھی دکھا دیا، کہ اپنی وفات کی بیماری میں بتکرار حضرت ابوبکر رضؓ کی امامت کے لیے حکم صادر فرمایا: چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضؓ

Marfat.com

سے مروی ہے :۔

قالت لما مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرضہ الذی مات فیہ فحضرت الصلوٰۃ فاذن فقال مروا ابابکر فلیصل بالناس فقیل لہ ان ابابکر رجل اسیف اذا قام مقامک لم یستطع ان یصلی بالناس واعاد فاعادوا لہ فاعاد الثالثۃ فقال انکن صواحب یوسف مروا ابابکر فلیصل بالناس۔

الحدیث

تجرید الصحیح

ص ۵۶

کہ جب آنحضرت صلعم اُس بیماری میں زیادہ بیمار ہوگئے جس میں آپ فوت ہوئے۔ تو نماز کا وقت آیا تو اذان ہوئی، آپ نے فرمایا ابوبکر رض کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے، عرض کیا گیا کہ ابوبکر رض غم کھانے والے آدمی ہیں، جب وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے۔ تو نماز پڑھا نہیں سکیں گے، آپ نے اس پر بھی دوبارہ یہی حکم دیا۔ پھر بھی عذر عرض کیا گیا، پھر تیسری بار بھی آپ نے یہی فرمایا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اسے میری بی بیو! (تم عورت ذات ہونے میں) ان عورتوں کی جنس سے ہو جو یوسف علیہ السلام کو بہلانے والی تھیں۔ (یعنے اسی طرح تم بھی مجھ کو حکم خدا سے بہلاتی ہو) ابوبکر رض کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔"

اپنی اسی بیماری میں آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ رض سے فرمایا تھا۔ کہ اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ کہ میں ایک نوشت لکھوا جاؤں، ایسا نہ ہو کہ کوئی تنازع کرے اگر میں زیادہ حقدار ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو جتلا دیا کہ واقعہ یونہی ہوگا، کہ امتِ مسلمہ سوائے ابوبکر رض کے کسی دیگر کو قبول نہیں کرے گی، پس آپ نے نوشت کی ضرورت نہ سمجھی، اور صرف اتنا کہنے پر کفایت کی،

ویابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر۔

صحیح مسلم

ج ۲

ص ۲۷۳

یعنے خدا تعالےٰ نے علمِ تقدیر میں مقرر کر رکھا ہے کہ وہ ابوبکر کی موجودگی میں) سوائے ابوبکر رض کے کسی دیگر کو خلیفہ نہیں بننے دیگا۔ اور قومِ مومنین بھی سوائے اس کے کسی دیگر کو منظور نہیں کرے گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، کہ آنحضرت صلعم کی وفات پر جب مہاجرین و انصار ہر دو جماعت کے لوگ سقیفہ بنی ساعدہ میں انتخابِ خلیفہ کے لیے جمع ہوئے تو سب حاضرین نے حضرت ابوبکر رض

Marfat.com

ہی کو منظور کیا، اور اُس کے بعد دوسرے روز جب حضرت ابوبکرؓ نے مجمع عام میں خطبہ فرمایا تو تمام نے اسی انتخاب کو بحال رکھا۔ اور اُس کے بعد حضرت علیؓ اور دیگر بنی ہاشم بھی شامل ہو گئے۔ اور سوائے حضرت ابوبکرؓ کے کسی اور بات نہ ٹھہر سکی، یہ سب کچھ اُسی وعدے کے مطابق ہوا۔ جو خدا تعالےٰ نے آیتِ استخلاف میں فرمایا تھا:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا۔

(سورۂ نور ۷)
(۱۸ پ)

خدا تعالےٰ نے تم میں سے مخلص ایمانداروں اور اعمال صالحہ والوں سے وعدہ کر رکھا ہے کہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں (داؤدؑ و سلیمانؑ) کو خلیفہ بنایا تھا اور ان کے لیے ان کے اس دین کو جسے اس نے اُن کے لیے پسند کر رکھا ہے۔ (اسلام کو) اقتدار بخشے گا اور ان کے (موجود الوقت) خوف کے بدلے ان کو امن دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے۔ کسی کو بھی میرے ساتھ شریک نہیں گردانیں گے۔"

اس آیت میں خلافت راشدہ کے وقت میں اسلامی حکومت کے قائم ہو جانے۔ دین اسلام[1] کے محکم (اور سٹیٹ ریلیجن یعنے شاہی مذہب) ہو جانے اور مسلمانوں کے خوف کے امن سے بدل جانے اور ان خلفائے راشدین کے توحید الٰہی پر قائم رہنے کی صاف صاف خبر ہے"

اگر آپ اس کے ساتھ سورۂ حج کی آیت کو بھی ملا لیں تو آپ کو بہت لطف آئے گا اللہ تعالےٰ مہاجرین مکہ کی مظلومی پر ان کو بشارت سناتا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا   وہ مہاجر لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین میں مقدور دیں گے۔

---

[1] اس آیت میں خاکسار کے نزدیک منکم کے مخاطب ہر دو گروہ مدعیان ایمان مخلصین و منافقین ہیں" جن کا ذکر اس آیت کے کچھ پیشتر سے چلا آتا ہے کہ اس جماعت مخلصین کو بشارت ہے کہ خدا تعالےٰ ان کو حکومت و اقتدار بخشے گا اسی مخلص جماعت کو ہم جماعتِ صحابہؓ کہتے ہیں، جن کے افراد خلفائے راشدین ہیں۔ بعض افراد کو حکومت و اقتدار ملنے تو ساری قوم کو حاکم کہنا قرآن میں مذکور ہے جیسے وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا۔ (مائدہ ۶ پ)

Marfat.com

الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۔ (حج پ ۱۷)

تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے۔ اور (لوگوں کو) نیک کاموں کا حکم کریں گے۔ اور (ان کو) برے کاموں سے منع کریں گے۔ اور اللہ کے اختیار میں ہے انجام ہر کام کا"

اب آپ ان ہر دو آیاتِ مذکورہ بالا کو زیرِ نظر رکھ کر ہماری توضیحات کو بغور ملاحظہ فرماتے جائیں:۔

۱۔ وعدۂ تمکین ہر دو آیات میں ہے۔ فرق یہ ہے۔ کہ پہلی آیت میں تمکین کو دین سے متعلق کیا ہے۔ اور دوسری میں مہاجرین سے اسی طرح پہلی آیت میں خلافت کو صحابہ رضؓ کے متعلق کیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ خلافت تمکینِ دین کے لیے ہے اور اس سے یہی مقصود ہے۔ پس جس دورِ خلافت میں تمکینِ دین کا مقصود حاصل ہو۔ اس کے منجانب اللہ اور حق ہونے میں کیا کلام؟

۲۔ دوسری آیت کے قبل مہاجرین کا صریحاً ذکر ہے۔ پس یہ وعدہ اولاً و بالذات جماعتِ مہاجرین سے ہے، اور اُن سے بعد کے لوگوں سے بالتبع ہے، یعنے آیت استخلاف میں بھی اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے یہی مہاجرین مراد ہیں، اور معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ بلکہ ہر چہار خلفائے راشدین مہاجر تھے، بلکہ حضرت عثمان رضؓ جس طرح ذوالنورین تھے۔ اسی طرح ذوالہجرتین بھی تھے [۱]

۳۔ دوسری آیت یعنے سورۂ حج کی آیت میں تمکینِ مہاجرین کے وقت ان کی خدمات یہ ذکر کی ہیں:۔

نماز کا قائم کرنا، جو خداوند تعالےٰ کی جناب میں سے بڑی عبادت ہے۔

زکوٰۃ کا ادا کرنا، جس میں اپنے مسلمانوں بھائیوں پر شفقت کرنا، اور ان کی دستگیری کرکے ان کو غیروں کی دستبرد سے بچانا، اور اسلامی خزانے کو پر رکھ کر جہاد فی سبیل اللہ کی خدمت بجالانا ہے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، جن میں خلق اللہ کی حقیقی خیرخواہی، اور

---

[۱] یعنے آپ نے ہجرتِ حبشہ بھی کی تھی اور ہجرتِ مدینہ بھی ۱۲ (ابن ہشام وغیرہ) ۱۲ منہ

Marfat.com

ان کی اخلاقی وسیاسی اصلاح اور ان میں علم و تہذیب کی ترویج واشاعت ہے۔ اور حصولِ سلطنت میں حاکم کا سب سے بڑا فرض اور رعیت کا سب سے پہلا حق یہی ہے۔ اور اسی سے نظامِ سلطنت کا قیام ہے۔ ورنہ تحصیلِ محاصل اور ٹیکس تو ہر جابر و قاہر کر سکتا ہے اس میدان میں بچہ سقہ بھی دیگروں سے پیچھے نہیں رہ سکتا۔

سو پہلی آیت میں صرف خدا کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ شریک نہ گردانے کا صرف ذکر ہے۔ لیکن بالاختصار ہے۔ اور دوسری میں اسی کی تفصیل ہے۔ کیونکہ جب کوئی والئے حکومت فرد یا قوم حقیقۃً خدا کی پرستار ہو جائے، تو اس سے ظلم و تعدی یکسر چھوٹ جاتی ہے اور رعیت پروری وعدل گستری اور فرائض شناسی اس کا شیوہ ہو جاتا ہے۔ خلفائے راشدین کا آئینِ ملک داری و کشور کشائی ایسا ہی تھا۔ چنانچہ بے شمار واقعات اس کی شہادت میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔ جن کی تسلیم میں کسی کو نزاع نہیں "

بالآخر یہ وعدہ ہے کہ مہاجرین کا خوف امن سے بدل جائے گا،

ان سب امور کو ایک ایک کر کے حضرت صدیق رضا کبر کے عہدِ سعادت مہد میں دیکھ لیجئے اور حق کی داد دیجئے، جیسا کہ سابقاً مذکور ہو چکا۔ هٰذا واللّٰہ ولی الهدایۃ ؂

(۳) مرتبہ شہادت

شہادت ایسے علم کے اظہار کو کہتے ہیں، جو ظاہری بصارت یا باطنی بصیرت سے حاصل ہو۔ چنانچہ مفرداتِ راغب میں ہے:۔

والشهادة قول صادر عن علم حصل بمشاهدة بصيرة او بصر۔	شہادت ایسا قول ہے جو ایسے علم سے صادر ہو۔ جو بصیرت یا بصارت کے مشاہدے سے حاصل ہو"
(ص ۲۶۹)	

پھر یہ کہ بصیرت دو طرح کی ہے دماغ کی اور قلب کی۔ دماغ کی بصیرت علمِ استدلال سے ہے اور قلب کی بصیرت انوارِ ربانی سے ہے۔ جو خدا تعالےٰ مومن کے دل میں ڈالتا ہے۔ یہ شہادت تین طرح پر ادا ہوتی ہے۔ شہادت بالعلم، شہادت بالعمل۔ اور شہادت بالقلب،

Marfat.com

علم کی شہادت علمائے راسخین کا کام ہے ۔ چنانچہ فرمایا :۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ
(آلِ عمران پ۳)

"شہادت دی خدا نے کہ اس کے سوائے کوئی دوسرا لائق عبادت نہیں ہے اور فرشتوں نے بھی اور صاحبان علم نے بھی انصاف پر قائم ہو کر ۔"

امام راغب اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

والشهادة لاولى العلم اطلاعهم على تلك الحكم واقرارهم بذلك وهذه الشهادة تختص باهل العلم فاما الجهال فبعدون منها۔ (ص۲۷)

اہل علم کی شہادت ان کا ان حکمتوں پر اطلاع پانا ہے اور ان کا اقرار کرنا ہے اور یہ شہادت اہل علم سے مخصوص ہے لیکن جہال سو وہ تو اس سے بہت دور ہیں ۔

اسی طرح آنحضرت صلعم کی رسالت کی شہادت میں فرمایا :۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۔
(رعد پ۱۳)

"اے پیغمبر! تم کہو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا تعالےٰ اور وہ شخص جسے کتاب (الٰہی) کا علم ہے ، کافی گواہ ہیں ۔"

اور شہادت بالعمل ، اعلےٰ درجے کے مستقیم الحال راستبازوں ، چوٹی کے تقوٰی شعار دینداروں ، اور نفس و اعدائے دین سے مجاہدہ و جہاد کرنے والوں اور فی سبیل قتل ہو جانے والوں کے متعلق ہے ۔ کیونکہ وہ عملی استقامت و ثبات قدم اور جان نثاری سے طریق حق کی شہادت دیتے ہیں ۔ چنانچہ شہدائے اُحد کی نسبت فرمایا :۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۔
(آل عمران)
(پ۴)

"اور (تم کو جنگ اُحد میں جو مصائب پیش آئیں سو) اس لیے کہ خدا کو مومنوں کا دیکھنا منظور تھا اور تم میں سے بعض کو شہادت کے لیے چن لینا مقصود تھا ۔ ورنہ خدا تعالےٰ تو ان ظالموں کا روادار نہیں ہے ۔"

علامہ ابوالسعود رح اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

او جمع شاهد اى ويتخذ منكم شهودا معدلين بما ظهر منهم من الثبات

(لفظ شہداء یا تو شہید کی جمع ہے) یا شاہد کی جمع ہے یعنی مراد ہے کہ تم میں سے ایسے عادل

Marfat.com

علی الحق والصبر علی الشدائد وغیر ذالک من شواھد الصدق لیشھدوا علی الامم یوم القیمۃ۔
(ص۳۱ برحاشیہ تفسیر کبیر جلد دوم)

گواہ چن لیے جن سے حق پر ثابت رہنا اور مصائب پر صابر رہنا وغیرہ شواہد صدق ظاہر ہوں۔ تاکہ وہ قیامت کے روز دوسری امتوں پر شہادت دیں۔"

مقتول فی سبیل اللہ کو شہید کہنے کے متعلق علماء نے کئی ایک وجوہ لکھی ہیں جو قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں۔ ہم اُن میں سے بلحاظِ مناسبتِ موقع خصوصیت سے دو کو منتخب کرتے ہیں۔

۱۔ لسان العرب میں ہے۔

لِقِیَامِہٖ بِشَہَادَۃِ الْحَقِّ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ حَتّٰی قُتِلَ [1]

یعنی شہید کو اس لیے بھی شہید کہتے ہیں کہ اس نے خدا کے حکم میں قائم ہو کر حق کی ایسی شہادت دی کہ جان دے دی۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی ! حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

۲۔ فتح الباری میں ہے:۔

لِاَنَّہٗ یَشْہَدُ عِنْدَ خُرُوْجِ رُوْحِہٖ مَا اُعِدَّ لَہٗ مِنَ الْکَرَامَۃِ [2]
(فتح الباری)

یعنے شہید کو اس لیے بھی کہتے کہ وہ اپنی روح کے پرواز کرنے کے وقت وہ سب بخششیں دیکھ لیتا ہے جو اس کے لیے تیار رکھی گئی ہیں۔"

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ لَھُمْ اَجْرُھُمْ وَنُوْرُھُمْ۔
(حدید پ۲۷)

اور جو لوگ خدا پر اور اُس کے جملہ پیغمبروں پر (صدق دل سے) ایمان لے آئے، وہ خدا کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کے لیے ان کا اجر بھی (ثابت ہے) اور ان کا نور بھی۔"

مشکوٰۃ میں صحیح بخاری کی روایت ہے کہ آنحضرت صلعم ایک دفعہ اُحد پہاڑ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ خلفائے ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ

---

[1] لسان العرب جلد ۴ ص۲۲۹ زیر لفظ شہد ۱۲ منہ۔

[2] فتح الباری انصاری جز یازدہم ص۶۳ زیر باب الشہادۃ سبع ۱۲ منہ۔

Marfat.com

حضرت عثمان ذی النورین رض بھی تھے۔ (اتفاق سے) پہاڑ لرزنے لگا، آنحضرت صلعم نے پہاڑ کو اپنے پاؤں سے مارا اور فرمایا۔

اُثْبُتْ اُحُدُ! یعنے اے اُحد ٹھہرے رہو۔"

تجھ پر تو ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں (پھر لرزنے کی کیا صورت ہے؟)[1]

آنحضرت صلعم کی نبوت مسلّم ہے حضرت ابوبکر رض کی صدیقیت معلوم ہے۔ حضرت عمر رض ابولولؤ نصرانی یا مجوسی کے ہاتھ سے نماز پڑھتے پڑھتے زخمی ہوکر شہید ہوئے، اور حضرت عثمان رض باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے، رضی اللہ عنہما اجمعین۔

ف۔ جو مومن باغیوں کے ہاتھ سے مقتول ہو، امام نووی رو نے اُسے بھی داخل شہدا کہا ہے۔ اور یہ حدیث اس کی تائید کے لیے کافی ہے اسی لیے حضرت حسین رض کو بھی شہید کہا جاتا ہے کہ آپ باغیوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے۔ اور آپ نے اقامت دین میں اپنی جان نثار کر کے اپنے طریق عمل سے حق کی شہادت دے دی۔

۲۔ اور شہادت قلب و باطن کا بیان یوں ہے کہ ایمان کے مدارج تین ہیں، ایمان تقلیدی جو عوام کا ہوتا ہے۔ اور ایمان استدلالی، جو علماء راسخین کو حاصل ہوتا ہے۔ اور ایمان شہودی جو انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیائے کرام رہ کو عطا ہوتا ہے، کہ جو کچھ عالم جزا یا امور غیبیہ یا امور دُور از سواس کے متعلق شرع میں وارد ہے اُسے وہ خدا تعالےٰ کے دکھانے سے عیاناً دیکھ لیتے ہیں، اور یہ ایسا درجہ ہے۔ جس میں شک متطرق نہیں ہوسکتا۔ تقلید و استدلال میں شبہ کی گنجائش ممکن ہے اور زوال ایمان کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ لیکن شہود میں شبہ نہیں پڑ سکتا۔ اس کی مثال ٹھیک وہی سمجھو، جو اہل منطق کہا کرتے ہیں۔ کہ مشاہدات، محسوسات اور وجدانیات کا علم ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً صحیح بخاری شریف میں وارد ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نماز کسوف میں چند قدم آگے کو بڑھ گئے۔ اور پھر پیچھے ہٹ آئے، اس کی وجہ میں آپ نے

---

[1] کیونکہ یہ ہستیاں کوہ وقار ہیں پس جنبش کیوں اور آپ کی ڈانٹ سے جو کوہ اُحد ٹھہر گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فلسفیوں کے نزدیک بھی عالم عناصر انبیاء ع کے تابع ہوتا ہے جیسا کہ ہم اپنی مشہور و مقبول کتاب شہادۃ القرآن کے مقدمہ میں بدلائل بیان کر چکے ہیں ۱۲ منہ

[2] زرقانی علے الموطا جلد دوم صفحہ ۳۱۴ ۱۲ منہ

Marfat.com

فرمایا کہ پہلے جنّت میرے سامنے کی گئی، تو میں آگے بڑھا کہ تم کو جنّت کے پھل توڑ کر دوں، اسی اثنا میں میرے سامنے دوزخ بھی کی گئی، تو میں پیچھے کو ہٹ آیا (تجرید صٓ)

اسی طرح آنحضرت صلعم نے شبِ معراج میں جنّت و دوزخ اور دیگر آیات عظام دیکھیں چنانچہ قرآن شاہد ہے۔

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی۔ (النجم پ۲۷)

یعنے اس (پیغمبر محمد صلعم) نے اپنے رب کی کئی ایک بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

اور ایسے ہی امورِ عظام کی نسبت خدا تعالےٰ منکرین نبوّتِ محمدیہ کو فرماتا ہے۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی۔ سورۃ النجم پ۲۷

یعنے تو کیا تم اس (نبی محمد صلعم) سے اُن باتوں کی نسبت جھگڑا کرتے ہو۔ جن کو وہ (عیاناً سامنے) دیکھ رہا ہے۔ یعنے نہ دیکھنے والے کا حق نہیں کہ دیکھنے والے سے جھگڑا کرے۔ پھر تم ایسا کیوں کرتے ہو؟

مولٰنا روم صاحب نے مثنوی شریف میں ان ہر سہ مدارج ایمان کا ذکر بہت جگہ کیا ہے اور ہر جگہ اصل حقیقت کا ادراک ایمانِ شہودی کے متعلق کہا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ یوں فرماتے ہیں۔

بلکہ تقلید ست آں ایمانِ او — روئے ایماں را ندیدہ جانِ او
بس خطر باشد مقلّد را عظیم — از رہ و رہزن ز شیطانِ رجیم
چوں ببیند نورِ حق ایمان شود — ز اضطرابات شک او ساکن شود

(صٓ۴۹)

چوں کہ چشمش باز شد واں نقش خواند — دیو را بروئے دگر دستے نماند

دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں ز اہل تقلید و نشاں — افگند شاں نیم وہمے در گماں
گر بظن تقلید و استدلال شاں — قائم است و جملہ پر و بال شاں
شبہ می انگیزد آں شیطانِ دوں! — در فتند ایں جملہ کوراں سرنگوں
پائے استدلالیاں چوبیں بود — پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود
غیر آں قطبِ زمانِ دیدہ ور — کز ثباتش کوہ گردد خیرہ سر
پائے نابینا عصا باشد عصا — تا نیفتد سر نگوں او بر حصا

(صٓ۵۵)

Marfat.com

ایک اور موقع پر مقلّد و محقّق کا فرق نہایت لطیف طور پر سمجھاتے ہیں :-

از مقلّد تا محقّق فرقہا ست　　　　کایں چو داؤد است واں دیگر صداست

حضرت اُسید بن حضیر کو نمازِ تہجّد کے وقت جو نورانی قندیلیں نظر آئیں اور حضرت خبیب رضؓ کو اپنی اسیری کے وقت جب کہ ان کی مشکیں کسی ہوئی تھیں۔ جو غیبی رزق پہنچا تھا، اور حضرت عمر رضؓ نے فارس کی ایک لڑائی میں ساریہ بن زُنیم کے لشکر کو جو مدینہ طیّبہ سے بحالت خطبہ دیکھ لیا۔ یہ سب اسی ایمانِ شہودی کے انوار و برکات تھے۔

(۴) مرتبہ صلاحیت

اس مرتبہ کے دو مقام ہیں، اوّل وہ مقام جو عام اولیاء اللہ اور متقین کا ہے۔ جس سے وہ فیوض ربانیہ کے لائق گردانے جاتے ہیں۔ کیونکہ لغت میں صلاح درستی اور خیر و نیکی کو کہتے ہیں چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔

وَالصُّلْحُ خَیْرٌ۔ (النساء پ۵)　　　　یعنے صلح سراسر نیکی ہے۔

اور یہ ضد ہے فساد کی اور سیئۃ کی۔ چنانچہ فرمایا وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (اعراف پ۸) نیز فرمایا خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا اور دو شخصوں کے درمیان جو صلح کرادی جاتی ہے اس کی یہی صورت ہوتی ہے۔ کہ ان کے درمیانی بگاڑ کو درست کر دیا جاتا ہے اور یہ لفظ مجازاً اہلیت و قابلیت کے معنے میں بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ زمخشری رحؒ اساس البلاغت میں فرماتے ہیں :-

(ومن المجاز) هذا الادیم یصلح للنعل　　　　یہ چمڑا جوتی کے لائق ہے اور فلاں شخص تیری صحبت کے

وفلان لا یصلح لصحبتك (ج ۲۔ ص۱)　　　　لائق نہیں ہے۔

اسی طرح علامہ فیومی رحؒ المصباح المنیر میں لکھتے ہیں :-

وهو صلح للولایة ای له اهلیة القیام بها (ص۱۵)　　　　یعنے وہ شخص ولایت کے لائق ہے۔

سلہ مشکوٰۃ ص۱۸۶ بروایت صحیحین ۱۲ منہ سلہ صحیح بخاری مصری جلد ۲ ص۶ ۱۲ منہ۔

سلہ مشکوٰۃ ص ۵۴۶ بروایت بیہقی ۱۲ منہ۔

Marfat.com

۲- یہ صلاحیت کبھی تو پیدائشی ہوتی ہے اور کبھی تربیت سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ امام راغب مفردات القرآن میں فرماتے ہیں :-

واصلاح اللہ تعالیٰ الانسان یکون تارۃً بخلقہ ایاہ صالحاً وتارۃً بازالۃ ما فیہ من فساد بعد وجودہ وتارۃً یکون بالحکم لہ بالصلاح۔
(ص ۲۸۶)

خدا تعالیٰ کا کسی انسان کو صالح کرنا کبھی تو اس صورت میں ہوتا ہے کہ اُسے صالح ہی پیدا کیا جاتا ہے اور کبھی اس طرح کہ اس کی ہستی کے بعد جو بگاڑ اس میں موجود ہو اُسے دُور کر دیا جائے اور کبھی اس طرح کہ اس کو صالح (کے معزز لقب و خطاب سے) نامزد کیا جائے۔

۳- پھر یہ صلاحیت تین طرح کی ہے، صلاحیتِ زبان، اور صلاحیت جملہ دیگر اعضاء قلب کی صلاحیت کے متعلق جملہ اعتقاداتِ حقّہ ہیں، جن کی تعلیم خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلعم سے ثابت ہے۔ اور دل و جان سے جملہ شعائر اللہ (خانہ کعبہ اور اُس کے متعلقات مساجد، قرآن شریف اور کتبِ دینیہ، انبیاء اللہ علیہ، اولیاء اللہ رح صحابہ کرام رض مجتہدین عظام رح اور محدثین و فقہائے فخام رح کا ادب و احترام :-

اس کے خلاف ہر قسم کے شرکیہ و کفریہ والحادیہ اعتقادات و خیالات اور وساوسِ شیطانیہ ہیں۔

پس جن امور کا ماننا خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلعم سے واجب و ثابت ہے۔ اُن کو دل میں جگہ دینا اور ان پر یقین کرنا اور جو اُن کے خلاف ہیں یا ثابت نہیں ان سے بیزار ہونا یہ سب دل کے متعلق ہیں زبان کے متعلق راست گفتاری اور جملہ اعتقادات حقّہ کا اقرار ہے۔ اور اُس کے خلاف دروغگوئی بہتان طرازی۔ فحش کلامی، اور کلماتِ شرکیہ و کفریہ والحادیہ کا بولنا ہے۔

دیگر اعضاء کے متعلق سب اعمالِ صالحہ ہیں، جو قرآن و حدیث سے ثابت ہوں (فرائض، سنن، اور مستحبات۔ مروت، احسان، معاملات کی صفائی، وغیرہ وغیرہ اور ان کے خلاف سب قسم کے محرمات و مکروہات ہیں، اور سب سفلی کام جو مومن کو ترقی و کمال سے روکیں یا اُسے اس کے مقام کی بلندی سے گرادیں وہ سب اسی مد میں شامل ہیں، اور جملہ مشتبہات بھی بروئے حدیث اسی ضمن میں داخل ہیں۔

یہ سب تفصیل ایک ہی حدیث سے معلوم ہو سکتی ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا :-

Marfat.com

الحلال بيّن والحرام بيّن وبينهما مشتبهات لا يعلمها كثير من الناس فمن اتقى الشبهات استبرأ لعرضه ودينه ومن وقع في الشبهات كراعٍ يرعى حول الحمى يوشك ان يواقعه الا وان لكل ملك حمىً الا وان حمى الله محارمه الا وان في الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب۔

کتاب الایمان
جلد ۱
ص ۱۲

حلال بھی ظاہر و مقرر ہے، اور حرام بھی واضح و بیّن ہے اور ان دونوں کے درمیان بعض اشیا مشتبہ ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچتا رہا اس نے عزت کو اور اپنے دین کو بچا لیا۔ اور پاک کر لیا اور جو شخص (بے احتیاطی کر کے) ان مشتبہ امور میں پڑ گیا۔ تو وہ مثل اُس چرواہے کی ہے جو کسی رکھ[1] کے گرد ریوڑ چرائے تو قریب ہے کہ وہ اپنے ریوڑ کو اس رکھ میں بھی واقع کر دے (لوگو!) خبردار رہو ہر بادشاہ کی رکھ ہوتی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ خدا کی رکھ اس کی محرمات ہیں۔ خبردار رہو! کہ جسم انسانی میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے کہ جس وقت وہ صالح ہو جائے یعنے سنور جائے اور درست ہو جائے تو تمام جسم (یعنے کل اعضا) سنور جاتے ہیں اور جب وہ بگڑ جائے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے اور خبردار ہو کہ وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔

صلاحیّت کا یہ وہ مقام ہے کہ جب مومن کا دل، عقائدِ حقّہ کا مخزن، اور اس کی زبان، راست گفتاری کا ریکارڈ، اور اُس کے باقی اعضا، اعمالِ صالحہ کے مصدر بن جائیں اور ان میں خدا تعالےٰ کے فرمان اور اس کے نبی برحق صلعم کی روش و سیرت کے خلاف کوئی جنبش نہ رہے تو وہ دل انوارِ الٰہیہ کے نزول کا محل، اور عنایاتِ خصوصیہ کا مورد ہو جاتا ہے۔

صلاحیّت کا دوسرا مقام مقاماتِ نبوت میں سے ہے اور یہ اُس کا آخری و انتہائی مقام ہے۔ گویا یوں سمجھو کہ صلاحیّت ایک کلّی ہے جس کے بعض افراد بعض سے اولیٰ و افضل ہیں۔

---

[1] رکھ اس چراگاہ یا درختوں کے ذخیرہ کو کہتے ہیں جہاں سے گھاس یا درخت کا کاٹنا اور شکار کا کرنا رعیت کے لوگوں کو بحکم حکومت منع ہو۔

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مرتبۂ نبوت معلوم ہے۔ آپ جدّ انبیاء ہیں امام الرسل ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے آپ ہی کو خلعت پہنائی جائے گی۔ آپ کی نسبت حق جلّ و علا فرماتا ہے:۔

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (بقرہ پ)	اور البتہ ہم نے ابراہیم کو دنیا میں اور بیشک وہ آخرت میں البتہ صالحین سے ہوگا۔

حضرت ابراہیمؑ کے لیے الفاظ وَإِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (سورۂ نحل پ۱۴) اور سورۂ عنکبوت پ۲۰ میں بھی وارد ہیں۔ ان مذکورہ آیات میں آپ کو اسی رتبہ صلاحیت کے ملنے کی خبر ہے۔ جس کے لیے آپ نے دعا کی تھی:۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔ (شعراء پ۱۹)	خداوندا! بخش مجھے معرفت اور ملا مجھے صالحین سے۔

حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا آپ کے مرتبہ نبوت پر فائز ہونے کے بعد کی ہے جیسا کہ اس مقام اور دیگر مقامات کے سلسلۂ کلام سے واضح ہے،

اسی طرح آپ نے خدا تعالیٰ سے جو ایک صالح فرزند طلب کیا۔ اور آپ کی وہ دعا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش کی صورت میں قبول ہوئی تو وہ صلاحیت بھی اسی جنس سے ہوسکتی ہے چنانچہ فرمایا:۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (صافات پ۲۳)	یعنے خداوندا! مجھے ایک فرزند عطا کر جو صالحین سے ہو۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد عالم برزخ میں اسی مرتبۂ صلاحیت والے انبیاء میں شامل ہونے کی دعا کی تھی:۔

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف پ۱۳)	(خداوندا!) مجھے اسلام پر فیض کرنا اور مجھے صالحین سے ملا دینا۔

اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نسبت حضرت زکریا علیہ السلام کو بشارت سنائی:۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا	پس ندا کی اُسے فرشتوں نے اور وہ محراب میں نماز میں کھڑا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ تجھے یحییٰ (بیٹے) کی خوشخبری سناتا ہے جو خدا کے کلمہ (حضرت عیسیٰ) کی تصدیق کریگا

Marfat.com

وَحَصُورًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ (آل عمران پارہ ۳) — اور سردار اور عورت کی خواہش نہ رکھنے والا اور صالحین سے نبی ہوگا "

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ صلاحیت مقاماتِ نبوت میں سے ایک بہت بلند مقام ہے اسی طرح حدیث معراج میں آنحضرت صلعم کی جو ملاقات بعض اکابر انبیاء علیہم السلام سے ہوئی اس کی نسبت صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث میں مروی ہے کہ حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام نے آپ کو بالابن الصالح والنبی الصالح کے الفاظ سے مرحبا کہا، اور حضرات یحییٰ، عیسےٰ، یوسف، ادریس، ہارون اور موسےٰ علیہم السلام نے بالاخ الصالح والنبی الصالح سے مرحبا کہا تو اس میں بھی درجۂ نبوت والی صلاحیت ملحوظ ہے، نہ کہ عام درجہ ولایت والی جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔

الغرض اگر کسی نبی کی صفت میں لفظ صالح وارد ہو تو اس سے عام صلاحیتِ ولایت سے اوپر مقامِ نبوت والی صلاحیت مراد ہوتی ہے چنانچہ سورۂ نحل کی آیت وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ کی تفسیر میں تفسیر رحمانی میں لکھا ہے۔

ارباب الولایۃ النبویۃ التی ھی افضل من نبوتھم۔ (تفسیر رحمانی) — یعنی حضرت ابراہیم آخرت میں ولایت نبویہ والوں میں سے ہیں۔ جو ان کے مقامِ نبوت سے بھی اوپر کے رتبے کا مقام ہے "

اور اسی مقام کی نسبت حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ فصوص الحکم میں فرماتے ہیں:۔

فاذا سمعت احدا من اھل اللہ یقول او ینقل الیک عنہ انہ قال الولایۃ اعلیٰ من النبوۃ فلیس یرید ذالک القائل الا ما ذکرتہ او یقول ان الولی فوق النبی والرسول فانہ یعنی بذالک فی شخص واحد وھو ان الرسول من حیث ھو ان ولی اتم منہ من حیث ھو نبی و رسول لا ان الولی

پس جب تو کسی اہل اللہ کو سنے یا تیرے پاس اس کی بابت نقل کیا جائے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ ولایت نبوت سے اعلےٰ (وافضل) ہے" تو اس قائل کی مراد سوائے اس کے کچھ بھی نہیں جو میں نے اوپر ذکر کی، یا وہ یہ کہے کہ ولی نبی اور رسول سے فائق ہوتا ہے تو اس کی مراد ایک ہی شخص میں ان دونوں رتبوں کے ہونے کی ہے کہ کوئی رسول اس حیثیت سے کہ وہ خدا کا ولی و دوست ہے زیادہ اتم واکمل ہے اس حیثیت سے

Marfat.com

کیا فاش راوی میں جو عیب پایا مناقب کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
طلسم ورع ہر مقدس کا توڑا
نہ مُلّا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا

رجال اور اسانید کے جو ہیں دفتر گواہ ان کی آزادگی کے ہیں یکسر
نہ تھا ان کا احساں یہ اک اہل دیں پر وہ تھے اس میں ہر قوم و ملّت کے رہبر
لبرٹی میں جو آج فائق ہیں سب سے
بتائیں کہ لبرل بنے ہیں وہ کب سے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَرْحَمْتَهُمْ نَبِيَّكَ وَاصْفِيَائَكَ

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

وانا العبد الاثیم محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

Marfat.com

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

جو غیر مغضوب اور غیر ضآلین ہیں۔

ارتباط بما قبل | چونکہ بعض لوگ اپنے الحاد و کجروی اور بدعت وگمراہی پر پردہ ڈالنے اور عوام کو اپنی طرف گرویدہ کرنے کے لیے اپنے اختراعی طریق نبوت وطریق سلف صالحین قرار دے کر اپنا الّو سیدھا کرنے اور گمراہی پھیلاتے ہیں، اس لیے ان گمراہ کن لوگوں کے طریق کو صراط مستقیم اور صراط منعمین سے جدا اور الگ ظاہر کرنے کے لیے اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے بعد فرمایا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ یعنے خداوندا! ہم تجھ سے ان لوگوں کے طریق پر چلنے کی توفیق چاہتے ہیں جن پر تو نے انعام کیا، اور ان پر غضب نہیں ہوا۔ اور وہ راہ راست (صراط مستقیم) سے بھٹکے بھی نہیں۔

ترکیب نحوی | غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ بدل ہے اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے یا اس کی صفت ہے (کشاف) اور معلوم ہے کہ بدل و مبدل منہ، اور صفت و موصوف کا مصداق ایک ہی ہوتا ہے پس اس آیت کے صحیح معنے آیت سابقہ کو ملا کر یہ ہوئے کہ الٰہی! ہم کو ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تیرا فضل ہوا اور وہ غضب و ضلالت سے محفوظ و سلامت رہے، چنانچہ علامہ زمخشری رح تفسیر کشاف میں فرماتے ہیں:۔

(غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ) بدل من اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ علی معنی ان المنعم علیھم ھم الذین سلموا من غضب اللہ والضلال او صفۃ علی معنے انھم جمعوا بین النعمۃ المطلقۃ وھی نعمۃ الایمان وبین السلامۃ من غضب اللہ والضلال۔

(کشاف، جلد ۱ صـ۵۵)

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ بدل ہے اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے جس کے معنے یہ ہیں کہ منعم علیہم (انعام یافتہ) وہ ہیں جو خدا کے غضب سے اور ضلالت (وگمراہی) سے سلامت رہے۔ یا صفت ہے۔ پھر یہ معنے ہوں گے۔ کہ وہ وہ لوگ ہیں جو نعمت مطلقہ یعنے نعمت ایمان کے اور خدا کے غضب سے اور ضلالت سے سلامت رہنے کے

Marfat.com

التابع له اعلی منه فان التابع لا یدرک المتبوع ابدا فیما هو تابع له فیہ ۔

(فصوص الحکم مشرح جالی افندی)

(صفحہ ۲۶۶)

کروہ نبی اور رسول ہے، (معاذ اللہ) یہ مراد نہیں ہے کہ ولی جو تابع ہوتا ہے وہ اس (رسول) سے اعلیٰ ہے۔ کیونکہ تابع ادا اپنے متبوع کے درجے کو اس امر میں کہ وہ تابع دار ہے۔ کبھی بھی نہیں پا سکتا۔"

تنبیہ آیت سورۂ نساء یعنے مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ میں صالحین سے مراد عام درجۂ ولایت والے صالحین مراد ہیں نہ کہ درجۂ نبوت والے کیونکہ یہاں پر انبیاء کا ذکر بالتصریح الگ موجود ہے۔

نکتہ اب ہم ہر طرف سے سمٹ سمٹا کر اور سب بحثوں سے نمٹ نمٹا کر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنے اصل آیت زیر تفسیر صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ پر آتے ہیں اکہ جس طرح ظاہری بینائی کے لیے آفتاب کی یا اس کے قائم مقام کی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ایمانی و روحانی امور میں نبی برحق یا اس کے خلیفۂ صادق کی ضرورت ہے۔ اسی لیے صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ فرمایا ہے کہ نبی صلعم آفتاب عالمتاب ہیں۔ اور صدیق و شہید و صالحین جو آپ سے نور حاصل کرنے والے ہیں۔ آپ کے خلفاء ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی نسبت فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا۔

(احزاب پ ۲۲)

اے بزرگ شان والے نبی! ہم نے تم کو (اپنی توحید کا) شاہد بنا اور بشیر اور نذیر کر کے اور ہمارے حکم سے ہماری طرف بلانے والا کر کے اور سراج منیر کر کے بھیجا ہے۔"

سراج کا لفظ جو اس آیت آنحضرت صلعم کی ذاتِ اقدس کی نسبت فرمایا ہے، دوسری آیت میں بھی لفظ آفتاب عالمتاب کی نسبت وارد ہے:۔

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا۔ (فرقان پ ۱۹)

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے بنائے آسمان میں ستارے اور بنایا اس میں سورج اور چاند چمکتا۔"

وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا۔ (نبا پ ۳۰)

(۲) اور بنائے ہم نے اوپر تمہارے سات (آسمان) محکم اور بنایا ہم نے سورج چمکتا۔"

Marfat.com

اور آنحضرت صلعم کی پیروی سے آپ سے نور حاصل کرنے والے صلحائے امت کی نسبت فرمایا:۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ (زمر پ۲۳)

بھلا جس کا سینہ خدا نے اسلام کے لیے کھول دیا۔ سو وہ نور وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

اسی طرح آنحضرت صلعم نے اپنی ایک دعا میں محدثینِ ملت کو اپنا خلیفہ کرکے فرمایا ہے:۔

اللھم ارحم خلفائی الذین یاتون من بعدی الذین یروون احادیثی وسنتی ویعلمونھا الناس۔

(الجامع الصغیر للسیوطی ص۶۵)

خداوندا! میرے ان خلیفوں پر رحمت کرنا جو میرے بعد آئیں گے (اور) وہ میری احادیث (فرمائی ہوئی باتیں) اور میرا طریق عمل روایت کریں گے اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیں گے۔"

نکتہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب اکرم سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوجہ آپ کی جامعیت کے دو کام تفویض فرمائے تھے۔ اوّل تبلیغ دین، دوم انتظامِ عالم۔ سو انتظام تو خلافتِ کبریٰ یعنی سیاست ملکی کے متعلق ہے۔ جو خلفائے راشدین کا کام ہے اور تبلیغ دین خلافتِ صغریٰ کے متعلق ہے۔ جن کے لیے خداوند تعالےٰ نے گروہِ محدثین کو پیدا کیا۔ جنہوں نے آنحضرت صلعم کی سیرت کو نہایت محنت و کاوش سے اول اپنے سینہ میں حفظ کیا۔ اور پھر سفینہ (کتاب) میں ضبط کیا۔

رحمھم اللہ اجمعین وجزاھم عنا جزاء حسنا

مولٰنا حالی مرحوم اس گروہِ حق پژوہ کی تعریف میں یوں گویا ہیں:۔

گروہ ایک جویا تھا علمِ نبیؐ کا ۔۔۔ لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا ۔۔۔ کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کئے جرح و تعدیل کے وضع قانوں
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں!
اسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو ۔۔۔ اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سنا خازنِ علمِ دیں جس بشر کو ۔۔۔ لیا اس سے جا کر خبر اور اثر کو
پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر!
دیا اور کو خود مزا اس کا چکھ کر

Marfat.com

جائز ہیں"

نکتہ نمبرا ترکیب مذکورہ بالا کے رُو سے اس آیت میں منعم علیہم کا وصفِ ثبوتی اور سلبی ہر دو جمع ہیں یعنے اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ میں وصف ثبوتی یعنے ثبوتِ نعمت ہے۔ کہ اُن پر خدا کا فضل ہوا اور غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ الخ میں انعام کی ضد غضب اور ہدایت کی ضد ضلالت کا سلب (نفی) ہے۔ یعنے یہ گروہ غضب سے اور ضلالت سے سلامت رہے ہے۔

حاصل مطلب آیاتِ سابقہ کو ملا کر یہ ہوا کہ خداوندا! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور اپنی حاجات میں خاص تیری ہی طرف رجوع کرتے اور خاص تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہم کو طریق استقامت پر چلنے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرما۔ جو ان لوگوں کا طریق ہے جن پر تو نے اپنا فضل کیا۔ اور اُن پر غضب نہیں ہوا۔ اور وہ اس طریق سے بھٹک کر کسی اور طرف کو نہیں گئے۔[2]

تنبیہ نمبرا حدیث شریف میں جو اَلۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ سے یہود اور اَلضَّآلِّیۡنَ سے نصارے مراد بتائی گئی ہے (ترمذی و مسند احمد) تو وہ مغضوب علیہم اور ضالین کی بابت ہے جو بالکل درست ہے کیونکہ یہود کی نسبت قرآن شریف میں اکثر مقامات پر لفظ غضب اور نصاریٰ کی نسبت لفظ ضلالت آیا ہے لیکن اس آیت میں غیر مغضوب اور غیر ضالین وارد ہے جس سے یہ مراد ہے کہ وہ انعام یافتہ لوگ غیر یہود و غیر نصاریٰ ہیں۔ چنانچہ تفسیر سراج منیر میں خطیب شربینی فرماتے ہیں:۔

وتکتۃ البدل افادۃ ان المھتدین لیسوا یھودا ولا نصاریٰ۔	اور بدل ہونے کے نکتے میں فائدہ یہ ہے کہ جو ہدایت یافتہ ہیں وہ یہود اور نصاریٰ نہیں ہیں"
(جلد ۱۔ صفحہ ۱)	

---

[1] امام زمخشری کی اس ترکیب کو سید شریف جرجانی رح قاضی بیضاوی رح خطیب شربینی رح علامہ نسفی وغیرہم نے بھی تسلیم کیا ہے اور غیر کے مجرور ہونے کی صورت میں سوائے اس کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا ۱۲ منہ۔

[2] اس آیت کا حاصل مطلب ہم مجملاً و اشارۃً پہلے صفحات میں تحریر کر چکے ہیں ۱۲ منہ۔

Marfat.com

تنبیہ نمبر ۲ وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں لا بمعنے غَیْر [۱] ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ وغیرہ بعض صحابہؓ سے اس جگہ لا کی بجائے غَیْرِ بھی مروی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں۔ یہ انہوں نے بطور تفسیر بتایا ہے [۲]۔ (نہ کہ بطور نزول قرآن)

نکتہ نمبر ۲ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کے مقابلے میں غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ کے ضمن میں مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ کا بھی ذکر ہے۔ جو حدیث شریف میں بتایا گیا ہے۔ کہ اس سے مراد یہود ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف میں بیشتر مقامات پر غضب کا لفظ ان کے حق میں وارد ہے، مثلاً فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ ط (بقر پ۱) اور مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیْهِ (مائدہ پ۶) اور معلوم ہے کہ انعام کی ضد غضب و انتقام ہے۔ اسی طرح اِهْدِنَا کے مقابلے میں لا الضَّآلِّیْنَ کے ضمن میں ضَآلِّیْنَ بھی مذکور ہیں جن سے حدیث شریف میں نصاریٰ مراد بتائے گئے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر ضلالت کا لفظ ان کے لیے آیا ہے، مثلاً سورہ مائدہ میں ذکر نصاریٰ کے ضمن میں فرمایا:-
قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔ مائدہ (پ۶)
اور معلوم ہے کہ ہدایت کی ضد ضلالت ہے،
سبحان اللہ! کیسی لفظی و معنوی مناسبتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں، کیوں نہ ہو، علیم کل کا کلام ہے۔

نکتہ اَنْعَمْتَ بصیغۂ معروف ذکر کیا اس کی وجہ صب۔ پہ بیان ہو چکی ہے) اور مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ میں اسم مفعول کا صیغہ استعمال کیا، جو فعل مجہول کے معنے میں ہوتا ہے تاکہ ظاہر ہو کہ انسان پر غضب الٰہی اس کے اپنے افعال کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ جس کی بنا عدل و انصاف پر ہے کہ موافق اعمال کے جزا ملی چنانچہ فرمایا: جَزَآءً وِّفَاقًا۔ (پ۳۰ نبا) جیسا کہ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی تفسیر میں مفصل گذر چکا ہے۔ اور ضَآلِّیْنَ میں اسم فاعل کا صیغہ اختیار کیا۔ اور مغضوب علیہم کی طرح مُضَلِّیْنَ (باب افعال سے صیغہ اسم مفعول) نہیں کہا تاکہ ثابت ہو کہ ضلالت انسان کا اپنا کام ہے۔ جس سے وہ گمراہ ہوتا ہے خدائے عز و جل کا کام نہیں ہے۔ ہاں اسباب کا پیدا کرنا خدا کا کام ہے۔ لیکن ان اسباب کو عمل میں لانا انسان کا اپنا کام ہے، اور نکتہ رس اصحاب سمجھ سکتے ہیں، کہ خلق و کسب ہر دو الگ الگ امر ہیں۔ خالق ہر شے کا خدا تعالیٰ ہے اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ (زمر پ۲۴) لیکن فعل و کسب انسان کا کام ہے۔

---

[۱] جلالین، کمالین، السراج منیر ۱۲ منہ [۲] ابن کثیر جلد ا صفحہ ۵ علی ہامش فتح البیان للشیخ شیخنا السید النواب ۔۔۔ ۱۲ منہ

مولانا روم صاحب رح نے مثنوی میں اس مضمون کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور گوناگوں تمثیلات سے سمجھایا ہے۔

نکتہ و تنبیہہ قرآن شریف میں جہاں کہیں یہ فعل باب افعال سے یعنے اضلال، اور اس کے ہم معنے الفاظ اغوا وغیرہ کو خدا کی طرف نسبت کیا ہے۔ وہاں پر ان کے دو معنے ہیں۔ اوّل یہ کہ کسی انسان کے گمراہ ہو جانے پر خدا تعالےٰ اس پر گمراہی کا فتوےٰ عائد کرتا ہے۔ یعنے اُسے گمراہ قرار دیتا ہے۔ یا یوں کہیئے کہ اس پر گمراہی کا فرد قرار دادِ جرم لگاتا ہے اور علم تصریف میں باب افعال کا ایک خاصہ نسبت بما خذ بھی ہے (نوادر الاصول)

دوم یہ کہ ایسے مواقع پر اضلال وغیرہ الفاظ خذلال و اہمال کے معنے میں ہوتے ہیں۔ یعنی خداوند تعالےٰ جو مالکِ ملک و ملکوت اور صاحبِ عظمت و جبروت ہے۔ جنّ ی گمراہوں کی نسبت اس کی سنّت یہ ہے کہ آیاتِ انفسی و آفاقی اور تبلیغ رسالت سے ان پر حجّت پوری کرنے کے بعد اُن کے کفر و عصیان پر قائم رہنے اور ضد و اصرار کرنے کی وجہ سے ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔ اور اُن سے اپنی توفیق و عنایات ہٹا لیتا ہے۔ اور یہ درجہ سب سے سخت ہوتا ہے۔ اور اسی کا نام درجۂ لعنت ہے جو ایک گونہ سزا ہے کہ خدا تعالےٰ کی رحمتِ خصوصی سے محرومی ہو جاتی ہے۔ (اعاذنا اللہ منہا)

سیّدنا حضرت امام ابو حنیفہ رح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:۔

اِضْلَالُہٗ خُذْلَانُہٗ۔ یعنی خدا کے اضلال سے مراد اس کا ساتھ چھوڑ دینا ہے۔"

دنیا میں بعض قصوروں پر صرف تنبیہہ کر دی جاتی ہے بعض پر تھوڑا سا جرمانہ کر دیا جاتا ہے بعض پر اس جگہ سے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ بعض پر درجہ گھٹا دیا جاتا ہے۔ بعض پر ترقی روک دی جاتی ہے۔ اور بعض کو یہ سزا ملتی ہے کہ موجودہ ملازمت سے تو برخاست اور آیندہ کے لیے ممنوع روزگار بلکہ بعض وقت اس کے ساتھ جرمانہ و قید بھی ایسی سزا کسی بہت سنگین جرم پر ملتی ہے یہی حال الٰہی سزاؤں کا سزا ہے سورۂ بقرہ پارہ اوّل میں آیت خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ میں یہی درجۂ لعنت مراد ہے اور ہم اس آیت میں خدا کی توفیق سے اس امر کو بالتفصیل بیان کریں گے۔

اللھم وفقنی ان ابرز عجائب کتابک واظھر غرائب کلامک

حقیقت غضب غضب ایک کیفیت ہے جس کے سبب سے دل کا خون جوش کرتا ہے اور روحِ حیوانی مکروہ و ناملائم طبع امر کو دفع کرنے کیلئے خارج بدن کی طرف متوجہ

Marfat.com

ہوجاتی ہے۔ جس کی غایت انتقام ہے۔ اور ہم سابقاً بسم اللہ شریف کی تفسیر میں .... بالتفصیل بیان کرچکے ہیں، کہ رحمت و غضب وغیرہما جو انفعالی کوائف ہیں۔ ان کا تصور ذات حق کے متعلق انفعالات سے پاک و برتر ہے۔ بلکہ ذات حق کے متعلق صرف ان کی غایت ہوتی ہے مثلاً رحمت کی غایت مرحوم پر تفضل و احسان ہے۔ اور غضب کی انتقام و سزا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسباب غضب قرآن شریف میں کئی ایک امور پر لفظ غضب یا اس کا ہم معنے لفظ وارد ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ وہ امور خدا کے نزدیک موجبات غضب ہیں (اعاذنا اللہ منہا)۔

اوّل۔ شرک، چنانچہ فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ۔ (اعراف، پ۹)

تحقیق جن لوگوں نے اس بچھڑے کو معبود بنالیا ان کو ضرور ضرور ان کے رب کا غضب حاصل ہوگا نیز اس دنیوی زندگی میں ذلت ہوگی اور ہم ایسے افتراء پردازوں کو اسی طرح کی جزا دیا کرتے ہیں۔

دوم۔ کفر و ارتداد۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ (نحل پ۱۴)

لیکن جس نے اپنا سینا کفر کے لئے کھولدیا، تو ان پر خدا کا غضب ہوگا۔ اور (عاقبت میں) ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

سوم۔ بیگناہ مومن کو عمداً قتل کرنا چنانچہ فرمایا:۔

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا۔ (النسآء پ۵)

اور جو کوئی کسی مومن کو عمداً قتل کرے گا۔ تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں ٹھہرا رہے گا، اور اس پر خدا کا غضب اور لعنت ہوگی اور (عاقبت میں) اس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔

چہارم، خدا کے رسول کی مخالفت، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی زبانی ذکر کیا، کہ انہوں نے قوم سے کہا:۔

اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبٌ

یا تم نے ارادہ کرلیا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب

Marfat.com

مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ۔ (طٰہٰ پ۱۶)

نازل ہو۔ پس اسلئے تم نے میرے وعدے کا خلاف کیا۔

پنجم، حق ظاہر ہوجانے پر خدا کے حکم سے سامنے حجت بازی کرنا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ۔ (شوریٰ پ۲۵)

اور جو لوگ خدا کے بارے میں حجت بازی کرتے ہیں بعد اس کے کہ اس کی قبولیت قائم ہو چکی۔ انکی حجت بازی ان کے رب کے نزدیک بالکل مردود ہے اور ان پر اس کا غضب ہے۔ اور ان کے لئے (عاقبت میں) سخت عذاب (نازل) ہے۔

ششم، خدا کی نعمتوں پر شکر گذاری کی بجائے عصیان وطغیان کو اختیار کرنا۔ چنانچہ فرمایا۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ۔ (طٰہٰ پ۱۶)

کھاؤ ستھری چیزوں سے جو تم کو خدا نے دیں، اور اس (رزق فضل) میں سرکشی نہ کرو، پس میرا غضب نازل ہو کر رہے گا۔

حقیقت ضلالت

لغت میں ضلالت، گم ہو جانے، حیران ہونے، اور بھول جانے کو کہتے ہیں۔ اور اس کا اطلاق کئی طرح پر ہے۔

غیبوبت۔ حیرت۔ غفلت۔ نسیان۔ مغلوبیت (جذبۂ حق یا حمایت میں) گم ہو جانا۔ کھویا جانا۔ بے راہ ہو جانا دینی امور میں شیطان یا نفس کے ورغلانے سے اعتقاداً یا عملاً گمراہ ہو جانا۔ یہ لفظ حسب موقع ومحل ان سب امور پر بولا جاتا ہے۔ اکثر ان میں سے قرآن شریف میں وارد ہیں۔

اس بھول جانے اور بے راہ چلنے کی صورتیں مختلف ہیں۔ بعض باریک ومخفی ہیں۔ کہ کمال عقل وایمان سے سوجھتی ہیں۔ اور بعض ظاہر وواضح ہیں۔ اور بعض شدید ہوتی ہیں۔ کہ پھر ان سے راہ پر آنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور اس مقام پر پہنچ کر آخر کار دل پر مہر لگ جاتی ہے اور بعض معمولی ہوتی ہیں کہ تھوڑا سا سمجھانے سے بھولا ہوا رستے پر آسکتا ہے۔ بشرطیکہ آئینۂ قلب صاف ہو، اور نیت صادق ہو۔ ورنہ دل کی کدورت اور نیت کے فساد سے واضح ومعمولی غلطی بھی شدید ہو جاتی ہے۔ (اعاذنا اللہ منہا)

Marfat.com

پھر یہ کہ بھول، غلط فہمی سہو سے بھی سرزد ہو جاتی ہے۔ اور عمد و ارادہ سے بھی۔ اعتقاد میں بھی۔ اور حسّی[1] و حقیقی صورت میں بھی ؛

چونکہ دین کا تعلق اخلاق و امور آخرت سے ہے۔ اس لئے خدا کی مقرر کردہ شریعت و طریقہ کے خلاف رستے پر چلنے کو بھی مجازاً ضلالت و گمراہی کہا جاتا ہے چنانچہ علامہ زمخشری رح اساس البلاغت میں فرماتے ہیں ؛ ضَلَّ عَنِ الطَّرِيقِ وَعَنِ الْقَصْدِ ××× (ومن المجاز) ضَلَّ فِي اللّٰهِ۔

یہ دینی گمراہی دو قسم پر ہے۔ اعتقادی و عملی،

اعتقادی یہ کہ جو عقائد خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلعم سے ثابت ہیں، ان میں سے کسی کا انکار کرے، یا ان کو اس طریق پر نہ مانے جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلعم کا ہدایت کردہ ہے۔ مثلاً معرفت توحید الٰہی اور معرفت نبوت وغیرہ امور اعتقادیہ چنانچہ فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا۔

اے ایمان دارو! ایمان رکھو خدا پر، اور اس کے رسول (جملہ پیغمبروں) پر اور اس کی اس کتاب (قرآن مجید) پر جو اس نے اپنے رسول (محمد) پر اتاری، اور ہر اس کتاب جو اس نے اس سے پہلے اتاری اور جو کوئی کفر کرے گا اللہ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کے رسولوں سے

---

[1] اسی حسّی طور پر راستہ بھول جانے کی جنس سے یہ واقعہ ہے کہ ایک دفعہ اپنے بچپن میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کہیں راستہ بھول گئے۔ خدا تعالیٰ اپنے دست قدرت و حفاظت خصوصی سے آپ کی رہنونی کر کے آپ کو آپ کے جد امجد حضرت عبد المطلب کے پاس پہنچا دیا (ابن ہشام وغیرہ) اس پر خدا تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر سرفراز کرنے کے بعد امتناناً جتایا۔ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (والضحیٰ پ۳۰) ورنہ پیغمبران خدا پر مجازی و معنوی و دینی ضلالت عادۃً محال ہے۔ قبل نبوت بھی اور بعد نبوت بھی مولینا روم صاحب رح نے اس واقعہ کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اور حسب عادت و مذاق خود اس میں باریک باتیں ذکر کی ہیں۔ (دفتر چہارم) یا اس جگہ ضلال بمعنے بےخبری و ناواقفی ہے کہ آنحضرت صلعم قبل نبوت ان امور و علوم سے ناواقف تھے۔ جو خدا تعالیٰ نے آنحضرت کو نبوت کے وقت اپنی وحی سے سکھائے جیسا کہ فرمایا :۔ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ (یوسف پ۱۲) نیز فرمایا :۔ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا (شوریٰ پ۲۵) ؛ ۱۲ منہ ؛

Marfat.com

(سورۃ النسآء) (پ۵) "اور پچھلے دن (روز قیامت) سے تو وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔"

اعتقادی امور کی ضلالت کو دور کی گمراہی اس لئے کہا کہ جو شخص معتقداتِ ضروریہ میں گمراہ ہوا وہ دین سے بہت دور جا پڑا، اعتقادیات جڑ ہیں اور عملیات شاخیں، جڑ قائم نہ ہو تو شاخیں قائم نہیں رہ سکتیں۔

اور عملی یہ کہ خدا کی مقرر کردہ شریعت اور پیغمبر صلعم کی قائم شدہ سنت کے خلاف چلے چنانچہ فرمایا:۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (احزاب پ۲۲)

"اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو نہیں پہنچتا۔ کہ جب خدا اور اس کا رسول کسی امر کا حکم کرے تو ان کے لئے ان کے اس امر میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا۔ تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔"

اس آیت میں خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلعم کی نافرمانی کو صریح گمراہی کہا ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلعم کی فرمانبرداری عین فرض واجب ہے پس جو کوئی ان کی نافرمانی کرے اس کی گمراہی کے بیّن ہونے میں کیا پوشیدگی ہے۔

اسی معنی میں حدیث میں فرمایا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مسلم خطبہ جمعہ) یعنی ہر بدعت ضلالت ہے اس لئے کہ وہ سنت رسول اللہ صلعم کے سوا ہے۔ اور اجازت و تقرر شرع کے بغیر اپنی طرف سے اختراع کر کے کوئی مسئلہ مقرر کرنا۔ اور اسے دین و شرع جاننا اور اس پر ثواب آخرت کا امیدوار ہونا۔ اور اسے خدا کی رضا جوئی کا وسیلہ و ذریعہ گرداننا بھی ایک گونہ مخالفت ہے چنانچہ فرشتوں کی فرمانبرداری کی تعریف میں فرمایا۔

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔ (تحریم پ۲۸)

"یعنی وہ خدا کے فرمائے ہوئے حکم سے تجاوز کر کے اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور کرتے وہی کچھ ہیں جس کا ان کو امر ہوتا ہے۔"

پس جس امر پر خدا اور اس کے رسول پاک صلعم کا امر نہیں ہے۔ اسے دین سمجھ کر اس پر عمل کرنا گمراہی ہے۔ اور وہ مردود ہے۔ چنانچہ صحیحین میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:۔

Marfat.com

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَهُوَ رَدٌّ۔ (مشکوٰۃ ص۱۹)

جس نے ہمارے اس امر دین میں کوئی بات نئی نکالی تو اس کی وہ بات مردود ہے۔

حاشیہ مشکوٰۃ میں اس حدیث پر لکھا ہے:-

اقول فی وصف الامر بھذا اشارۃ الی ان امر الاسلام کمل واشتهر فمن رام الزیادۃ علیه حاول امرا غیر مرضی (طیبی ومرقاۃ)
(حاشیہ مشکوٰۃ ص۱۹)

میں کہتا ہوں کہ امر کو جو اس حدیث میں لفظ ھٰذا سے بیان کیا تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام کامل و معلوم و مشہور ہو چکا ہے پس جو شخص اس میں کسی قسم کی زیادتی چاہتا ہے۔ وہ ناپسندیدہ کام کے گرد پھرتا ہے۔

نکتہ نمبر ۱ اوپر کے بیان سے واضح ہو گیا ہے کہ ضلالت کی کئی قسمیں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح عالم اجسام میں صراط مستقیم (سیدھی لائن) ایک ہی ہوتی ہے۔ اور ٹیڑھی لائنیں جو اس کے گرد ہوں کئی ایک ہوتی ہیں، اسی طرح دین میں صراط مستقیم صرف ایک ہی ہے۔ اور جب اس سے ہٹنے کا نام ضلالت ہے[۱] تو ٹیڑھے راستے جو صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ہوں اور ان کا انجام ہلاکت و جہنم ہو کئی ایک ہی ہوں گے ۔۱۲

حدیث میں وارد ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ خدا کی راہ ہے'' پھر اس کے دائیں بائیں چند ایک خط کھینچے اور فرمایا یہ (مختلف) رستے ہیں۔ ان میں سے ہر رستے پر شیطان (کھڑا) ہے۔ جو اس کی طرف بلاتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:-

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ (مشکوٰۃ ص۲۲)

یعنی یہ ہے میری راہ سیدھی۔ تم اس کی پیروی کرو۔ (مشکوٰۃ ص۲۲)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ شیطانی رستے کئی ہیں۔

نکتہ نمبر ۲ صراط مستقیم سے ہٹنے کی دو صورتیں ہیں ایک تفریط اور دوسری افراط تفریط تقصیر یعنی کمی کرنے کو اور افراط زیادتی کرنے کو کہتے ہیں۔

---

[۱] چنانچہ مفردات راغب میں ہے۔ الضلال العدول عن الطریق المستقیم ویضادہ الھدایۃ یعنی ضلال سیدھے رستے سے ہٹ جانے کو کہتے ہیں۔ اور اس کی ضد ہدایت ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

حدیث شریف میں جو مغضوب علیہم سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ مراد بتائی گئی ہے (ترمذی وغیرہ) تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہود کے اکثر جرائم انبیاء علیہم السلام کی شان میں تنقیص و تفریط کی جنس سے تھے۔ چنانچہ یہ بات ان کے اس سلوک سے جو انہوں نے حضرات موسیٰ داؤدؑ۔ زکریاؑ، یحییٰؑ اور عیسےٰ علیہم السلام سے کئے بخوبی واضح ہے۔ اور یہ امر خدا کے نزدیک نہایت موجب غضب ہے کہ اس کے انبیاء کی تنقیص کی جائے یا ان کو ایذا پہنچائی جائے، چنانچہ صحیحین میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس قوم پر خدا کا غضب نہایت سخت ہوگا۔ جنہوں نے اس کے نبی (صلعم) سے ایسا سلوک کیا اس میں آپ کا اشارہ اپنے سامنے کے دانتوں کی طرف جو جنگ احد میں شہید ہوئے تھے۔ اور اسی طرح اس شخص پر بھی خدا کا غضب نہایت سخت ہوگا۔ جسے رسول اللہ (صلعم) نے اپنے ہاتھ سے) خدا کی راہ (جہاد) میں قتل کیا ہو، (کیونکہ رسول اللہ صلعم جو سراسر رحمت ہیں ان کے ہاتھ سے جو قتل ہوگا وہ بڑا ہی شقی ہوگا۔"

پس یہود کے سوا بھی جو کوئی انبیاء اللہ کی تنقیص کرے۔ یا ان کے سچے وارثوں خلفاء و اولیاء و علماء کی تحقیر کرے۔ وہ بھی خدا کے غضب میں آجاتا ہے۔ مولینا روم صاحب اسی معنے میں فرماتے ہیں:۔

تا دلِ مرد خدا نامد بدرد　　　ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد[1]

اور حدیث میں نصاریٰ کو ضالّ قرار دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا بڑا گناہ حضرت عیسےٰؑ کی محبت و تعظیم میں افراط و غلو ہے، کہ ان کو حدِّ پیغمبری سے بڑھا کر خدائی کے مرتبے پر پہنچا دیا اور یہ اعتقادات میں سخت درجے کی گمراہی ہے۔ چنانچہ نصاریٰ کی گمراہی کے ذکر کے ضمن میں فرمایا:۔

قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔ (پ۶ مائدہ)

(اے پیغمبر ان سے) کہو اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق کا غلو (زیادتی) نہ کرو۔ اور ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو (جو تم سے) پہلے گمراہ ہو چکے اور انہوں نے بہت لوگوں کو بھی گمراہ کر دیا اور سیدھے رستے سے بہک گئے۔

اسی احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ میری امت میری تعظیم عبودیت و رسالت سے زیادہ نہ بڑھا دے۔ آنحضرت صلعم نے امت مرحومہ کو اس گمراہی سے بچانے کے لئے تاکیداً فرما دیا،

[1] مثنوی شریف کا یہ شعر صحیح طور پر یاد نہیں رہا۔ ہاں مضمون یقیناً یہی ہے۔ یاد والے صحیح کریں ۱۲ منہ

Marfat.com

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ ابن مریم فانما انا عبدہ فقولوا عبد اللہ ورسولہ۔ (تجرید بخاری ج ۲ ص ۱۱۲)

مجھے حد سے نہ بڑھانا۔ جس طرح نصاریٰ نے عیسٰی بن مریم کو حد سے بڑھا دیا۔ میں تو اس (خدا) کا بندہ ہوں، پس خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہو (اور بس)

نصاریٰ کی یہ افراط تو اعتقادی ہے۔ عمل میں یہ افراط کی کہ انہوں نے رہبانیت کا اختراع کیا، گو انہوں نے ایسا محض خدا کی رضا جوئی کے لئے کیا، لیکن چونکہ خدا کی منشاء کے خلاف تھا اور یہ دین میں ایک زیادتی ہے۔ اس لئے یہ بھی افراط ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے اپنی امت کو اس قسم کی افراط سے بھی منع فرمایا۔ چنانچہ حکم ہے:۔

لا تشددوا علی انفسکم فیشدد اللہ علیکم فان قوما شددوا علی انفسھم فشدد اللہ علیھم فتلک بقایاھم فی الصوامع والدیار رُھْبَانِیَّۃً ِابْتَدَعُوْھَا مَا کَتَبْنَاھَا عَلَیْھِمْ

رواہ ابوداؤد

(مشکوٰۃ)

تم خود اپنی جانوں پر سختیوں کا بوجھ نہ ڈالو۔ پھر خدا بھی تم پر سخت امور وارد کرے گا۔ کیونکہ تم سے پہلے، ایک قوم (نصاریٰ) نے اپنی جانوں پر (از خود) سختی ڈال لی تھی تو خدا نے بھی ان پر سختی وارد کر دی پس اب یہ (راہب لوگ)، جو بعض گرجاؤں میں اور بعض گھروں میں رہتے ہیں انہی کے بقایا ہیں۔ (پھر آپ نے یہ آیت پڑھی) وَرُھْبَانِیَّۃً ِابْتَدَعُوْھَا یعنی نصاریٰ نے رہبانیت کو از خود ایجاد کر لیا، ہم نے ان پر مقرر نہیں کی تھی۔ (۱)

اور سابقاً ۔۔۔ یہ گذر چکا ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں بدعت نکالنا اور اس پر عمل کرنا ضلالت ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس عمل کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ رد کر دیتا ہے۔ کیونکہ جس سکہ پر مہر سرکاری نہ ہو وہ رواج نہیں پاتا۔ اور کوئی بھی واقفکار اسے قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح جس عقیدے اور جس عمل پر خدا تعالیٰ یا اس کے امینِ شریعت یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نہ ہو وہ عقیدہ نہ عمل قبول نہیں ہوتا۔ پس اس حکم نبوی یعنی فتویٰ ضلالت میں ہر وہ فرد یا جماعت داخل ہے جو آنحضرت صلعم کے کامل و مکمل دین میں کوئی امر از خود اختراع کرے اور اسے دینی کام اور کار ثواب قرار دے کر اس پر عقیدہ رکھے، یا عمل کرے،

اعاذنا اللہ من المحدثات الاعتقادیۃ والعملیۃ، واقامنا علی السنۃ النبویۃ۔

Marfat.com

طریق اعتدال افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کا درجہ ہوتا ہے۔ وہی درجہ استقامت ہے۔ اس امر میں درجۂ اعتدال و صراط مستقیم یہ ہے کہ نہ تو یہودیوں کی چال پر انبیاء و صلحاء کی تنقیص و تحقیر کی جائے اور نہ نصاریٰ کی روش پر ان کی تعظیم میں غلو کیا جائے۔ بلکہ درجۂ اعتدال پر قائم رہ کر ان کی اطاعت اور اُن کے رستے کی پیروی کی جائے۔ اور ان سے دلی محبت و خلوص رکھا جائے۔ اور سنّت رسول اللہ صلعم کو اسوۂ حسنہ بنا کر بدعات سے پرہیز کی جائے۔ اسی باب میں بزرگوں نے کہا ہے "حفظ مراتب نکنی زندیقی" یعنے اگر تو ہر ایک کے اصل مرتبہ کی حفاظت نہ کرے گا۔ تو زندیق و بے دین ہو جائے گا، اعاذنا اللہ منھا۔

تنبیہہ ضروری نمبر ۱ بعض لوگوں کو یہ شبہ عارض ہوتا ہے۔ کہ جب ہر بدعت گمراہی ہے تو اس زمانہ میں کئی باتیں ایسی نئی ایجاد ہو گئی ہیں۔ جو آنحضرت صلعم اور صحابہ کے وقت میں نہ تھیں۔ تو ان کو کیوں استعمال کیا جاتا ہے؟

سو ان کو معلوم ہو کہ شریعت میں اس بدعت کو ضلالت کہا گیا ہے۔ جو دینی امور میں ہو اور اس پر اجر و ثواب کے ترتّب کا اعتقاد ہو۔ چنانچہ یہ بات حدیث مذکور الفوق کے الفاظ فی امرنا ھذا سے ظاہر ہے۔ لیکن وہ دنیوی امور جن پر عذاب و ثواب کا ترتب نہیں ہے۔ اور شریعت مطہرہ نے ان میں کسی قسم کا تصرّف نہیں کیا اور زمانہ کے انقلاب و ترقی سے ان میں تغیر و تبدل اور موقوفی و ایجاد وغیرہ امور ہوتے رہتے ہیں۔ وہ اس حدّ و حکم بدعت سے خارج ہیں، مثلاً ریل اور دخانی جہازوں اور موٹر وغیرہ پر سوار ہونا۔ اور ان کے ذریعے سفر کرنا۔ خاص کر حج کا سفر کرنا، فافھم ولا تغفل،

تنبیہہ نمبر ۲ اسی طرح وہ امور جو صحابہ اور خیار تابعین نے قرآن کریم یا سنّت رسول اللہ صلعم سے استنباط کر کے فرمائے ہیں، اس سے خارج ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ میں حدیث مذکور من احدث فی امرنا ھذا۔ پر لکھا ہے:۔

والمعنی ان من احدث فی الاسلام رأیا لم یکن لہ من الکتاب والسنۃ سند ظاھر او خفی، ملفوظ او مستنبط	معنی یہ ہیں۔ کہ جس کسی نے اسلام میں کوئی ایسی بات اپنی رائے سے ایجاد کی جس کی سند کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

Marfat.com

فہو مردود علیہ۔ ثابت نہیں ہے۔ نہ تو ظاہر نہ خفی۔ اور نہ ملفوظ نہ مستنبط تو وہ اس کی وہ رائے اسی پر مردود ہے۔)

(حاشیہ مشکوٰۃ ص۱۹)

تنبیہہ نمبر ۳ نصوص کتاب و سنت سے استنباط کرنا مجتہد کا کام ہے۔ نہ ہر کس و ناکس کا، لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل، اور یہ قابلیت خداداد ہوتی ہے۔ ادعائی نہیں ہے۔ اس زمانے کے بہت سے لوگ نصوص کو بالائے طاق رکھ کر ان کے برخلاف عقائد و اعمال نکال لیتے ہیں۔ اور ان پر پردہ ڈالنے کے لئے قرآن و حدیث کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر اپنے مطلب کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں۔ وہ سب لوگ اور ان کے سب ایسے مسائل قابل پرہیز ہیں۔ حدیث شریف میں اور صلحائے امت کی وصایا میں ان سے پرہیز کی شدید تاکید ہے۔ پس اخیر پر میں عاجز بھی ان کی پیروی میں اپنے ناظرین کو یہی تاکید کرتا ہوں کہ وہ طریق سنت پر عمل کریں کہ یہی وہ طریق مستقیم ہے، جس کی دعا آپ سورۂ فاتحہ میں مانگتے ہیں۔ اور یہی صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین اور دیگر بزرگان دین کا طریق ہے جس پر عمل کر کے انہوں نے بڑے بڑے مراتب و مدارج حاصل کئے۔ خدائے تعالیٰ انہیں بھی ان کے ساتھ ملا دے۔ آمین،

اور نیز یہ کہ وہ ہر بدعت سے نہایت کراہت سے پرہیز کریں۔ کیونکہ بغیر رسول اللہ صلعم کی اطاعت اور اتباع کے سب اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ۔	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو فرمانبردار بنے رہو اللہ کے اور فرمانبردار بنے رہو اس کے رسول کے اور نہ ضائع کرو اپنے عملوں کو،
(محمدؐ، پارہ ۲۶)	

اب میں عاجز اس تفسیر کے مضمون کو اپنی پنجابی سی حرفی المعروف بہ نین نامہ عارفانہ کے ایک غ پر ختم کرتا ہوں۔ جو محبوب رب العالمین سید المرسلین صلعم کے عشق میں بحالت کمال انبساط و انبساط لکھی گئی تھی۔

غ غیر دیناں نہ جوڑ باری بعد نبی دی ہور رسول ناہیں   کیوں رسم محبوب دی چھوڑناایں من حکم نے کریں عدول ناہیں

باہجوں نبی دے کون توں لبھ لیتا پھر طعقل تیرے کچھ بھولنا ہیں   ڈھیر عمل تدے میر جیے چلا دیں باہجوں نبی دی مہر قبول ناہیں

تم التفسیر بحول اللہ وقوتہ وحسن توفیقہ والحمد للہ الذی
بعزتہ وجلالہ تتم الصّٰلحٰت والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ

Marfat.com

وصفوۃ خلقہ محمدؐ وآلہ واصحابہ وازواجہ اجمعینؐ

نکتہ ؔ:۔ مغضوب اور ضالین اور صفات بیان کیے ہیں، کسی خاص فرقہ کا نام نہیں لیا۔ یہ کمال متانت ہے۔ ۱۲

۲۸ - رجب ۱۳۵۳ھ
۷ - نومبر ۱۹۳۴ء

خاکسار گنہگار
محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

الاجمال بعد التفصیل

ان قریباً تین سو صفحات میں صرف سات آیتوں کی تفسیر میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ اگرچہ ان کے کلامِ خدا ہونے کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ بلکہ کچھ نسبت نہیں رکھتا، کیونکہ حق جل وعلا خود فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔

(لقمان، پ ۲۱، ع ۱۳)

اور اگر جتنے درخت ہیں زمین میں سب کی قلمیں بنجائیں اور سمندر سیاہی بنجائے اس کے بعد سات سمندر اور چلائے جائیں تو نہ ختم ہوں خدا کی باتیں، بیشک اللہ تعالیٰ بڑا زبردست (اور بڑی) حکمت والا ہے،

اور حدیث شریف میں ہے:۔

لا یشبع منہ العلماء ولا یخلق بکثرۃ الرد ولا ینقضی عجائبہ۔

(الحدیث)
(مشکوٰۃ ص ۱۷۲)

اس (قرآن) سے علماء سیر نہیں ہوتے۔ اور وہ کثرت تکرار (قراءت و سماعت) سے پرانا نہیں ہوتا، یعنی اس سے بے رغبتی نہیں ہوتی اور اس کے عجائبات کی انتہا نہیں ہے،

اور امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:۔

کل ما ذکرنا فی ھذا التفسیر من لطائف القرآن فھو قطرۃ من البحر۔

ہم نے اس تفسیر (تفسیر کبیر) میں قرآن شریف کے جو لطائف بیان کئے ہیں۔ ان کی وہ نسبت ہے جو قطرہ کو سمندر سے ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

Marfat.com

لیکن اگر میرے عجز و ضعف اور قلت علم و قصور فہم کو دیکھا جائے، تو جو کچھ بھی بیان ہوا وہ بہت ہے۔ اور یہ بھی اس کا فضلِ عظیم ہے۔ کہ مجھ عاجز کو اس کی توفیق بخشی اس پر بھی میں وہ نہیں کہتا جو متنبی شاعر نے کہا ہے ؎

وَاِنِّیْ وَاِنْ کُنْتُ الْاَخِیْرَ زَمَانُہٗ
لَاٰتٍ بِمَا لَمْ تَاْتِ الْاَوَائِلُ

کیونکہ میں علمائے سابقین ہی کا خوشہ چین ہوں۔ اگر نقل ہے تو انہی سے ہے اور اگر فہم ہے تو انہی کی برکت سے ہے۔ ورنہ میں کیا اور میری بساط کیا؟ اس وسیع میدان میں بڑے بڑے سیاح رہ گئے۔ اور اس دریائے ناپیدا کنار میں بڑے بڑے شناور بہ گئے۔ اور کسی کو کنارے کا پتہ نہ لگا۔ ہوسکتا ہے کہ بعض اصحاب کئی سو صفحات کی تفصیل کو ذہن میں نہ رکھ سکیں اس لئے مناسب جانتا ہوں۔ کہ ان کے لئے آیات و کلمات فاتحہ کے ارتباط کو ملحوظ رکھتے ہوئے سادہ ترجمہ اور کسی قدر مختصر سی توضیح بھی کر دوں۔ تاکہ وہ احباب اس کو حفظ کر کے دریا کو کوزے میں یعنی اپنے کاسۂ سر میں رکھ لیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع رجامع جلال و جمال اور صاحب ہر کمال) اللہ کے نام سے جو رحمت عامہ و خاصہ کا مالک ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

(جو ذات ایسی بابرکت ہو وہ ضرور لائق حمد و ثنا ہے، سو) ہر حمد کے لائق (اسی) اللہ کی (ذات) ہے۔ دگر ذاتی طور پر لائق حمد ہونے کے علاوہ اس لئے بھی قابل تعریف و ثنا ہے کہ اس کی ربوبیت کا سایہ۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۲)

سارے عالمین پر ہے۔ کہ وہ سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ پس نعمائے جس کا کھائیے اسی کو گائیے۔ اس کے احسان تربیت کے شکریے میں اس کی حمد کرنی چاہیے۔ اور یہ احسان ایجاد و تربیت سب کچھ بتقاضائے رحمت ہے۔ کیونکہ وہ

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (۳)

رحمت عامہ و رحمت خاصہ کا مالک ہے۔ نہ تو اس پر کسی کا سابقاً کوئی حق ہے۔ کہ اس کے عوض

Marfat.com

میں تربیت کرے، اور نہ اسے آئندہ کسی سے کوئی غرض ہے کہ اس کی توقع پر پرورش کرے
ایسا لائق حمد مہربان پروردگار عالمین خدا اپنی رحمت کی وجہ سے اپنے عاجز بندوں کے نیک
اعمال رائگاں نہیں گنواتا۔ بلکہ ان پر جزا مترتب کر کے مزید احسان کرتا ہے۔ چنانچہ اس
امر کے لئے اس نے ایک خاص دن جزا و انصاف کے لئے مقرر کر رکھا ہے جس میں سوائے
اس کے کسی کا کچھ بھی حکم و اختیار نہ ہوگا۔ سو وہی اس

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (۴)

(روز جزا کا مالک ہے)

پس جب جزا کا مالک اور اس دن کا حاکم وہی ہے۔ تو ہمیں صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیئے
اور اپنی ہر حاجت اسی کے سامنے پیش کرنی چاہیئے۔ سوائے خدا! جو تو ان سب
صفات مذکورہ کا صاحب ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ

ہم سب (حاضر و غائب سب سے منہ موڑ کر) صرف تیری ہی عبادت و پرستش کرتے ہیں۔

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (۵)

اور (سب سے علاقے توڑ کر اپنی حاجات و ضروریات میں) صرف تجھ ہی سے مدد
مانگتے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۶)

(سو، تو ہمیں (اس توحید عبادت و توحید استعانت کی) سیدھی راہ پر قائم رکھ اور اس پر
چلنے کی توفیق عطا فرما۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

وہ راہ جن پر تیرے انعام یافتہ (انبیاء وصدیق و شہداء و صالحین) چلتے رہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

جن پر تو ایسا راضی رہا کہ ان پر کسی قسم کا غضب غصہ نہیں کیا گیا۔

وَلَا الضَّآلِّيْنَ (۷)

اور ان پر تیری توفیق اس طرح ان کے شامل رہی کہ وہ اس سیدھی راہ سے مطلقاً نہیں
بہکے بھٹکے،

Marfat.com

(آمین ۵)

خداوندا! ہم نے جو کچھ تیری جناب پاک میں عرض کیا اپنی مہربانی سے اسے قبول فرما آمین

نکتہ لطیفہ سابقاً ..... پر ذکر ہو چکا ہے۔ کہ سورت فاتحہ کا ایک نام ام القرآن بھی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ماں کا وجود اولاد کے وجود سے پہلے ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ساری اولاد کا مبدء یعنی جائے پیدائش ہوتی ہے۔ اور اس کا شکم بالاجمال اس اولاد پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو اس سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ سورت سارے قرآن شریف کے مقاصد مہمہ پر حاوی و مشتمل ہے یا یوں کہئے یہ سورت سارے قرآن کی مجمل فہرست ہے۔

اس کے بعد اس نکتے کو سمجھئے کہ عموماً فہرست میں سلسلہ عبارت میں ارتباط کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ ہر سرخی و ہر عنوان الگ الگ معنوں پر مشتمل ہو کر ان کی عبارت میں آپس میں ارتباطی تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن آپ اوپر کی اجمالی توضیح و ترجمہ سے سمجھ سکتے ہیں کہ سورت فاتحہ کی ایک ایک آیت کیا ایک ایک لفظ متقدم و متاخر کو آپس میں نہایت شدید و باریک تعلق وارتباط ہے۔

اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلعم کا کلام نہیں ہے۔ کیونکہ آپ تو امی تھے اور کوئی امی اتنے وسیع و اہم مقاصد کو اتنی مختصر عبارت میں ایسی خوبی و حسن کے ساتھ بیان نہیں کر سکتا کہ اس میں ارتباط کلمات کی تار کہیں بھی نہ ٹوٹے، بلکہ یہ خالق جبار، عزیز حکیم کا کلام ہے۔ جس کا ہر ہر کلمہ اور ان کا ربط اعجازی ہے۔ اسی اعجاز کا ذکر آنحضرت صلعم اس حدیث میں کرتے ہیں۔ بعثت بجوامع الکلم۔ مشکوٰۃ ص۔ یعنی مجھ کو خدائے تعالیٰ نے جامع کلمات دے کر بھیجا ہے۔ کہ تھوڑے سے الفاظ میں بڑے بڑے اہم مطالب و مقاصد نہایت صفائی و سادگی سے مذکور ہوتے ہیں۔

الحمد للہ کہ اس کی توفیق سے میں عاجز یہ اہم کام سرانجام کو پہنچا سکا۔ اس اثناء میں جو جو علائق و موانع مثل اشغال مہمہ و تفکرات محیرہ و امراض متواترہ کے عارض ہوتے رہے ان پر نظر کرنے سے مجھے نہایت تشویش تھی۔ کہ شاید میں یہ کام پورا نہ کر سکوں گا۔ لیکن اس کا خاص فضل ہے کہ ایسے تشتت و پراگندگی اور پریشانی و بیدلی کی حالت میں اس نے ایسے نکات سمجھائے اور ان کو احسن صورت میں واضح طور پر بیان کرا دیا۔ جس سے امید ہے کہ یہ کتاب

Marfat.com

اپنے اسم کے مطابق واضح البیان ثابت ہوگی۔

التماس میں نے اپنی طرف سے نہایت احتیاط سے اس کتاب کو لکھا ہے اور اپنی ذمہ داری کو خوب ملحوظ رکھا ہے۔ پھر بھی انسان ہوں اگر اس میں کوئی خطاء و غلطی ہو گئی ہو تو وہ میری طرف سے ہوگی۔ ورنہ خدا کا کلام غلطی سے بالکل پاک ہے۔ اہل علم اس پر اطلاع پاکر مجھے اطلاع کریں جیسا کہ شروع کتاب میں ___ پر عرض کر چکا ہوں۔ لیکن اتنی گذارش ضرور کروں گا۔ کہ مجھے اطلاع دینے سے پیشتر خود بھی کتب تفسیر یا حدیث یا لغت کا مطالعہ ضرور کر لیں کیونکہ مقام استنباط میں میں نے زیادہ تر انہی پر انحصار رکھا ہے۔ باقی سب کچھ شواہد و مؤیدات کی قبیل سے ہے جن میں مطابق مذاق مصنف اختلاف کا ہونا ضروری ہے اور ایسا اختلاف موجب فساد نہیں ہو سکتا۔ واللہ ولی الهدایۃ والیہ البدایۃ والنہایۃ۔

خاکسار گنہگار

۲۹ رجب ۱۳۵۳ھ نومبر ۱۹۳۴ء | محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

Marfat.com

خاتمہ

اس خاتمہ میں تین فصلیں ہیں،

فصل اوّل اس امر میں کہ مرزائے قادیانی صاحب نے آیت صراط الذین انعمت علیھم سے جو یہ استدلال کیا ہے۔ کہ سلسلۂ نبوت آنحضرت صلعم کے بعد بھی جاری ہے۔ سو بالکل باطل اور خلاف نصوص قطعیہ ہے،

فصل دوم سورت فاتحہ کے بعد آمین کہنے کے متعلق،

فصل سوم نماز میں سورت فاتحہ کے حکم کے متعلق،
واللہ ولی التوفیق۔

فصل اوّل

اس میں چند بحثیں ہیں۔

بحث اوّل اس امر میں کہ وجوہات اجرائے نبوت کی جہت سے نبوت آنحضرت صلعم پر ختم ہوگئی ہے۔

سو معلوم ہو کہ خدائے تعالیٰ کا ایک نام حکیم ہے۔ اس کا ہر کام حکمت سے ہے۔ جب تک اس کی حکمت کا تقاضا رہا وہ نبی برپا کرتا رہا۔ اور جب اس کو ختم کیا تو یہ بھی تقاضائے حکمت کیا اس کی چند وجہیں ہیں۔

اوّل یہ کہ قرآن شریف کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کے ہونے کی ضرورت یوں ہوتی رہی۔ کہ کئی قومیں شرک و کفر اور انکار و عناد کی وجہ سے ہلاک کردی جاتی رہیں۔ اور تکمیل شریعت کا موقع نہ آیا۔ کیونکہ جب لوگ ایمان ہی نہیں لائے تو احکام شریعت کس کو سکھائے جائیں ، پس ایک نبی کے بعد دوسرا نبی برپا ہوتا رہا۔ چنانچہ یہ بات قرآن شریف کے بہت سے مقامات سے واضح ہے۔ مثلاً سورۂ اعراف پ۸ سورۂ یونس پ۱۱ ، سورۂ ہود پ۱۲ ، سورۂ مومن پ۲۴ ، اور سورۂ شعراء پ۱۹ ، وغیرہا ،

Marfat.com

ان سب میں سے آپ اس وقت سورتِ مومنون پ۱۸ کو سامنے رکھ لیں اور نمبر وار ہمارے بیانات کو دیکھتے جائیں،

۱۔ اس کے رکوع نمبر ۲ میں پہلے خدا تعالےٰ نے حضرت نوحؑ کا ذکر کیا۔ اور ان کی ہلاکت کے ذکر کے بعد فرمایا۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ۝ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔ (پ۱۸۔ مومنون)

پھر ہم نے ان کے بعد اس زمانہ کے اور لوگ پیدا کئے پس ان میں بھی ایک رسول انہیں میں سے بھیجا،

قرآن شریف کے دیگر مقامات پر مذکور ہے۔ کہ یہ قوم عاد تھی۔ اور ان کے پیغمبر حضرت ھودؑ تھے۔

اس کے بعد اس قوم کی بھی ہلاکت اور ان کے بعد اور لوگوں کو پیدا کرنے کے متعلق فرمایا

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَاۤءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ۔ (ع۳)

پس سچ مچ پکڑ لیا ان کو (عذاب الٰہی کی) سخت آواز نے۔ پس کر دیا ہم نے ان کو کوڑا کرکٹ پس لعنت ہے ایسے ظالم لوگوں پر پھر پیدا کئے ہم نے بعد ان کے زمانے دیگر،

اس کے بعد ہر ہلاک شدہ امت کی میعاد و اجل کی نسبت فرمایا۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ۝

نہیں آگے ہوتی کوئی امت اپنی اجل کے اور پیچھے ہوتی ہے۔

یعنی ہر امت اُس میعاد و اجل سے جو عالم تقدیر میں اس کے لئے مقرر ہے نہ آگے ہوتی ہے اور نہ اس کے بعد قائم رہتی ہے، کیونکہ وہ ایک غیر مبدّل امر ہے۔

اس کے بعد رسولوں کے لگاتار بھیجتے رہنے اور ان کی امتوں کی ہلاکت کے ذکر میں فرمایا۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَاۤءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ۔

پھر بھیجے ہم نے رسول اپنے لگاتار۔ جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا کوئی رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلا دیا۔ پس ہم بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے چلاتے رہے اور کر دیا ان کو کہانیاں پس (خدا کی)

Marfat.com

پھٹکار ہے۔ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے،

(رکوع ۳۶)

قرآن شریف کے دوسرے مقامات پر مذکور ہے کہ بہ رسولی حضرت عالیسح علیہ السّلام، حضرت لوط علیہ السّلام، حضرت شعیب علیہ السّلام تھے، جو موسٰی علیہ السّلام سے بہت پہلے ہوئے اور ان کی قومیں بھی بہ سبب تکذیب کے ہلاک کر دی گئیں،

اس کے بعد حضرت موسٰی و ہارون علیہما السّلام کا ذکر کیا، اور فرمایا:-

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۵ بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۵ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ ۵ فَقَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ -

پھر بھیجا ہم نے موسٰیؑ کو اور اس کے بھائی ہارون کو اپنے نشانات اور کھلی سند دیکر فرعون اور اس کے ارکان (دربار) کی طرف، پس انہوں نے تکبر کیا، اور وہ (اس وقت بوجہ حکومت کے) عالی (دماغ و مرتبہ) لوگ (بنے ہوئے) تھے۔ پس کہنے لگے۔ کہ آیا ہم ان دو آدمیوں پر ایمان لائیں جو ہماری طرح کے ہیں۔ اور ان کی قوم ہماری غلام (و ماتحت) ہے،

(ع)

یعنی حکومت کے نشہ میں آکر اور حضرت موسٰیؑ اور حضرت ہارونؑ کو اپنی غلام و ماتحت قوم کے افراد جان کر ان کے تابعدار بننے کو موجب عار جانا اور ایمان نہ لائے،

اس کے بعد ان کے انجام بد کا ذکر کیا اور فرمایا:-

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِیْنَ

یعنی پس جھٹلایا انہوں نے ان دونوں کو پس ہو گئے وہ بھی (پہلوں کی طرح) منجملہ ہلاک شدگان کے،

فرعونی کافر تو ہلاک کر دیئے گئے، لیکن بنی اسرائیل جو موسٰی علیہ السّلام کی قوم تھی وہ ایمان لے آئی، اور ان کی ہدایت کے لئے خدا تعالٰی نے کتاب توریت جو حامل شریعت تھی نازل کی، لیکن وہ صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی ساری دنیا کے لئے نہیں تھی۔ اس لئے اس میں عالمگیر و دائمی شریعت نہ تھی۔ بلکہ ایک محدود زمانے کے لئے تھی، چنانچہ فرمایا:-

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۵ (سجدہ پ ۲۱)

اور البتہ تحقیق دی تھی ہم نے موسٰیؑ کو کتاب، پس تو نہ ہو شک میں اس کے ملنے سے وحو کے میں، اور بنایا تھا ہم نے اسکو (سبب) ہدایت واسطے بنی اسرائیل کے،

اور دوسرے موقع پر حضرت موسٰیؑ کی نسبت فرمایا:-

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (ابراہیم پ۱۳)

اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰؑ کو ساتھ اپنے نشانوں کے کہ نکال اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف،،

اسی طرح قرآن شریف میں متعدد مقامات میں مصرح ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السّلام صرف اپنی قوم بنی اسرائیل اور فرعون اور فرعونیوں کی طرف بھیجے گئے تھے، اسی طرح حضرت عیسیٰ بھی صرف بنی اسرائیل کے لئے ،،

اسی طرح آنحضرت صلعم سے پہلے سب انبیاءؑ اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے ، اور ان کی تبلیغ کا زمانہ اور میدان محدود رہا۔ صرف آنحضرت صلعم ایک ہیں۔ جو تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوئے۔ نہ تو آپ کی تبلیغ کسی خاص قوم سے مخصوص ہے۔ اور نہ آپ کا زمانہ تبلیغ کسی خاص عہد تک محدود۔ چنانچہ یہ امر کئی احادیث و کئی آیات میں بالتصریح مذکور ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ ۔

وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃً و بعثت الی الناس عامۃ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ ص۵۱۲)

(مجھ سے پیشتر) ہر نبی ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا رہا۔ اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں،،

اور قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ ۔

(۱) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (سبا پ۲۲)

(۱) اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر واسطے تمام لوگوں کے بشارت سنانے والا، اور ڈر سنانے والا کر کے لیکن اکثر لوگ (اس کی حقیقت) نہیں سمجھتے،،

(۲) قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (اعراف پ۹)

(۲) اے پیغمبر! (ان سے) کہو اے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول (ہو کر آیا) ہوں،،

نتیجہ چونکہ آنحضرت صلعم رحمۃ للعلمین ہیں، اور رحمت کی شان ہے کہ لوگ عام عذاب سے امان میں رہیں۔ اور ایمان لاکر اس رحمت سے فیض و برکت حاصل کریں۔ اس لئے اللہ علیم و حکیم نے آنحضرت صلعم کے جذبات کو لوگوں کی تکذیب پر اس طریق پر مضطرب نہیں ہونے دیا کہ آپ کبھی بھی عام لوگوں کی ہلاکت کے لئے بد دعا کریں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:۔

لکل نبی دعوۃ مستجابۃ فتعجل کل

ہر نبی کی ایک دعا (بحسب وعدہ الٰہی یقینی طور پر) مستجاب

Marfat.com

نبی دعوتہ وانی اختبأت دعوتی شفاعۃ لامتی یوم القیامۃ۔
(الحدیث)
(صحیح مسلم جلد ا صلا۱۱۳)

تھی پس ہر نبی نے اپنی (وہ موعودہ) دعا مانگ لینے میں جلدی کی۔ اور بیشک میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امّت کی شفاعت کرنے کے لئے بطور محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔"

اسی رحمت عامہ کا تقاضا تھا کہ جب اہل طائف نے آپ سے نہایت درجے کی بدسلوکی کی تو باوجود اس کے کہ فرشتہ موکل جبال نے آپ سے کہا کہ اجازت ہو تو ان کو اخشبین پہاڑوں کے درمیان پیس ڈالا جائے لیکن آپ نے نہایت رحیمانہ طریق سے فرمایا:۔

بَلْ اَرْجُوْا اَنْ یُّخْرِجَ اللّٰہُ مِنْ اَصْلَابِہِمْ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ وَحْدَہٗ لَا یُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا۔ متفق علیہ۔
(مشکوٰۃ صلا۵۱۵)

یعنی نہیں۔ بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ خدائے تعالےٰ ان کی پشتوں سے ایسے فرزند پیدا کرے گا جو صرف اکیلے خدا کی عبادت کریں گے۔ (اور) اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہیں کریں گے۔"

اللہ اللہ! کتنا حوصلہ اور کتنی دور کی نظر ہے۔

غرض ایک طرف تو خدا تعالےٰ نے اپنے حبیب اکرم کو رحمۃ للعالمین بنایا اور آپ کو حوصلہ بھی کمال درجے کا عنایت فرمایا، اور دوسری طرف سعادتمندوں کے دل آپ کی طرف جاذب کر دیئے۔ اور وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ (نصر پ۳۰) کی بشارت سنا کر چند سالوں میں ملک عرب کو شرک و کفر اور فسق و فجور کی گندگی سے پاک صاف کر کے نشان وَیُزَکِّیْہِمْ ظاہر کر دی۔ اسی لئے آپ کے وقت میں مستاصل (بیخ کن) عذاب نہ آیا۔ اور آپ کو اپنے مومنین میں تعلیم شریعت کا پورا موقع مل گیا۔ اللھم صل وسلم علی نبیک نبی الرحمۃ۔

پس اس وجہ کی رو سے تو آپ کے بعد کسی نبی کے پیدا ہونے کی ضرورت نہ رہی، چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آپ کی اس دنیوی حیات طیبہ کے آخری سال میں حجۃ الوداع میں سوا لاکھ آدمی کی جمعیت میں آپ پر یہ آیت اتاری:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔
(مائدہ پ۶)

یعنی آج (اے عہد محمدی میں) میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔"

اور ظاہر ہے کہ کوئی شئے جب کمال کے درجے پر پہنچ جائے تو بعد ازاں اس کے لئے ترقی کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا۔ اسی لئے چودھویں رات کے چاند کو کہ اس رات کو چاند اپنی انتہائی ترقی پر ہوتا ہے

Marfat.com

بدرِ کامل کہتے ہیں۔ انگریزی میں بھی فل مون (Full Moon) اور ہندی کی ایک پورن ماشی کہتے ہیں۔ غرض ہر زبان میں اسے کمال کی صفت سے یاد کرتے ہیں پس جب دین کامل ہو چکا اور اس میں کوئی کسر باقی نہ رہی، تو اب کوئی نیا پیغمبر اس غرض کے لئے پیدا نہیں ہو سکتا"

دوسری وجہ ایک نبی کے بعد دوسرے نبی پیدا ہوتے رہنے کی یہ ہے۔ کہ سابقہ زمانوں میں دنیا کے مختلف علاقوں اور مختلف قوموں کے میل ملاپ، اور ان کے باہمی تعلقات، اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کرنے کے وسائل، اور ایک زبان سے دوسری زبان میں تبلیغ کے ذرائع ایسے نہ تھے۔ جیسے آپ آنحضرت صلعم کے عہدِ نبوت میں دیکھتے آتے ہیں۔ اس لئے خدائے تعالیٰ کی حکمت نے یہ چاہا۔ کہ دنیا کی ہر مستقل بولی والی امت میں ایک الگ رسول اسی قوم اور اسی زبان کا مبعوث کرے، چنانچہ فرمایا:-

(۱) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (نحل ۵)

(۱) اور البتہ تحقیق ہم نے مبعوث کیا ہر امت میں رسول کہ عبادت کرو اللہ کی اور پرہیز کرو طاغوت سے۔

(۲) إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر ۲۲)

(۲) اے پیغمبر، بیشک ہم نے بھیجا تجھ کو ساتھ حق کے بشیر اور نذیر کر کے اور نہیں ہوئی کوئی امت مگر گذرا اس میں ایک ڈرانے والا۔

(۳) وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم ۱۳)

(۳) اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں تاکہ کھول کر بیان کرے واسطے ان کے۔

لیکن آنحضرت صلعم کی نسبت خدا کی حکمت اس صورت میں جلوہ گر ہوئی کہ ادھر آپ کو تمام روئے زمین کی قوموں کے لیے رسول مبعوث فرمایا اور ادھر آپ کی تبلیغ کے لئے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ تمام دنیا کی ممالک کے باہمی تعلقات اور اتفاقات جوڑ دیئے۔ وسائل سفر اور ذرائع خط و کتابت آسان کر دیئے۔ اور دنیا کو ایسی صورت میں کر دیا کہ اگر ہم تمام براعظموں کو ملا کر ایک ملک قرار دیں اور ان کے کثیر التعداد ملکوں کو اس ملک کے مختلف شہر قرار دیں، تو بیجا نہ ہوگا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آنحضرت صلعم کو شاہی اقتدار بخش کر آپ کی زبان عربی کو اس سرعت سے دنیا پر پھیلا دیا۔ کہ ایک صدی کے اندر وہ نصف معلوم دنیا میں رائج ہو گئی۔ اور یہ بات سابقاً کسی نبی کو عطا نہیں ہوئی۔ یہ آنحضرت صلعم کے خواص خاصہ میں سے ہے۔ اور یہ بشارت وعدہ

Marfat.com

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ (نور ﭖ) کے ضمن میں سنا دی گئی تھی چنانچہ اسی عرصہ میں آپ کی تبلیغ دنیا کے ہر حصے میں جا پہنچی اور آپ کی یہ پیشگوئی کہ دنیا میں کوئی گھر اینٹ گارے کا یا اون پارچہ کا باقی نہ رہے گا کہ وہاں کلمہ اسلام نہ پہنچ جائے گا۔ چاہے کوئی اسے عزت سے قبول کر کے عزت پائے اور چاہے ذلت سے اس کی فرمانبرداری (حکومت) کو قبول کرے (مشکوٰۃ) صـ ۸

اسی معنی میں ہمارے شہر کے فخر ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے کہا ہے ؎

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

نتیجہ پس اس ضرورت کے لئے بھی کہ دنیا کا کوئی گوشہ دین حق کی آواز سے خالی رہ گیا ہے کسی جدید نبی کی ضرورت نہیں،

لطیفہ لطف یہ ہے کہ مرزا صاحب قادیانی بقول خود ہندوستان میں مبعوث ہوئے جہاں خدا کے فضل سے سینکڑوں علمائے محمدیہ سنت نبویہ پر قائم ہو کر دین حق کے پہنچانے والے موجود ہیں۔ اور وہ شریعت کے علم میں مرزا صاحب سے بدرجہا فائق ہیں۔ اور جس میں مسلمانوں کی تعداد تمام دنیا کے ممالک سے زیادہ ہے۔

پھر لطف یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدیم سنت کے برخلاف مرزا صاحب کو اس ملک کی زبان میں وحی نہیں ہوتی۔ بلکہ عربی زبان میں اور اکثر اس میں قرآن شریف کی آیات ہوتی ہیں۔ یا انہیں قدرے تغیر کر کے بنا لیا جاتا ہے۔

پھر لطف یہ کہ مرزا صاحب کی اس وحی کا بیشتر حصہ قرآن شریف کی نصوص کے خلاف ہوتا ہے ایسے حالات میں مرزا صاحب کی نبوت بالکل بے معنی اور مضحکۂ اطفال یا فریب جہال ہے اور بس،

تیسری وجہ پہلے زمانوں میں سلسلہ نبوت کے جاری رکھنے کی یہ تھی کہ دراز تر زمانہ پر عام لوگوں کی غفلت و بے پرواہی اور مطلب پرست علماء و مشائخ کی خود غرضیوں کے سبب پچھلی آسمانی کتابیں اور آثار انبیاء متروک ہو کر محفوظ نہ رہتے رہے، اور ان کی بجائے اقوال الرجال، اور رائے و قیاس باطل، اور بے سند سنی سنائی باتوں کی پیروی رائج ہو جاتی رہی جس کی وجہ سے تحریف لفظی و معنوی، وضع مسائل افتراء علی اللہ، اور اختراع بدعات، سب کچھ ہوتا رہا اور ایسی مختلف فرقہ بندیاں ہو جاتی ہیں۔ اور ان نیازی جماعتیں بن جاتی رہیں۔ کہ ہر فرقے کے نزدیک کتاب آسمانی کا نسخہ الگ قرار پا جاتا رہا۔ اور دین حق اور احکام خداوندی اور سنن انبیاء کے معلوم کرنے کی کوئی صورت نہ رہتی رہی۔ ؍؍

Marfat.com

یہ امور جو ہم نے مجملاً ذکر کئے ہیں یہود و نصاریٰ کے ذکر میں قرآن شریف میں بکثرت وارد ہیں اور صورت واقعی بھی یہی ہے۔ اور ان کی کتابوں اور فرقوں کا حال ابھی تک ایسا ہی ہے،

جب کتاب اللہ محرف ہو گئی، سنن انبیاء کا رواج جاتا رہا، اور ان کی بجائے لوگوں کی تصانیف اور تاریخی کتابوں پر قناعت ہونے لگیں، تو بعد کی نسلیں انہی کو آسمانی کتابیں جاننے لگیں،

ویدوں کا بھی حال ہے۔ توریت کی یہی صورت ہے، انجیل بھی اسی رنگ میں ہے۔ اس بات کی تصدیق کے لیے خود ان کتابوں کی اندرونی شہادتوں کے ہوتے کسی بیرونی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے،

دیگر یہ کہ ہر قوم پر عروج و زوال کے دو دن آتے رہے ہیں، زوال حکومت کے وقت مخالف و غالب حکومت کی طرف سے عام قتل و غارتگری میں مذہبی علماء و کتب پر بالخصوص ہاتھ صاف ہوتا رہا ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے زمانے سے بہت پہلے بدھوں اور جینیوں کے عروج کے زمانوں میں قریباً چھ سو سال تک ویدوں اور ویدوں کے جاننے والے پنڈتوں پر یہ آفت رہی، کہ پنڈتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا گیا۔ اور وید چن چن کر نذر آتش کئے گئے،

یہ بُرے دن یہودیوں پر بھی آئے، کہ یہودی احبار قتل کر دیئے گئے۔ اور توریت کے تمام نسخے جلا دیئے گئے،

پھر یہ مصیبت عیسائیوں پر بھی آئی چنانچہ اسلام سے پیشتر تمام عیسائی پادری تلاش کر کر کے تہ تیغ کر دیئے گئے۔ اور انجیل کے کل نسخے جلا کر خاک سیاہ کر دیئے گئے،

اب سوال یہ ہے۔ کہ جب آسمانی کتابیں جلا دی گئیں۔ اور ان کتابوں کے جاننے والے علماء قتل کر دیئے گئے۔ اور اس آفت کا اثر گنتی کے چند سال نہیں بلکہ صدہا سال تک رہا۔ تو جو کتابیں ان واقعات کے صدہا سال بعد پرانی کتابوں کے نام سے ہمارے سامنے رکھی جائیں۔ ان کی بابت اس امر کی تصدیق کے لئے کہ یہ وہی کتابیں ہیں جو اتنے سو سال قبل جلا دی گئی تھیں ہمارے پاس کیا ضمانت ہے؟

....

Marfat.com

دفع دخل شاید آپ جلدی میں کہہ اٹھیں کہ فتنۂ تاتار اور سقوطِ بغداد کے وقت اسلامی علماء اور اسلامی کتب خانہ پر بھی تو یہی آفت آئی۔ تو اب مسلمان کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ قرآن شریف وہی ہے جو تاتاریوں نے بغداد کے کتب خانہ سمیت جلادیا تھا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کے فضل سے اسلام پہلی قوموں کے سے برے دن نازل نہیں ہوئے اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ ہندوؤں کی تباہی کے وقت ہندو مذہب ہندوستان سے باہر رائج نہیں تھا۔ اسی طرح یہودیوں اور عیسائیوں کے زوال کے وقت توریت و انجیل کی اشاعت فلسطین اور اس کے قریب کے علاقوں سے باہر نہ تھی۔ جو کچھ تھا وہ انہی علاقوں میں تھا جن پر تباہی و بربادی آئی۔ لیکن سقوطِ بغداد کے وقت قرآن شریف کی حکومت تمام معلوم دنیا کے طول و عرض میں قائم ہو چکی تھی، اور اس کی اشاعت اسپین سے ہندوستان و چین تک پہنچ چکی تھی، اور اس وقت کی متمدن و معلوم دنیا کے مشرق و مغرب کی یہی حدود تھیں۔ پس اگر عیسائیوں نے اسپین کے علماء اور نزکوں نے (اپنی جاہلیت کے زمانے میں) بغداد کے علماء قتل کر دیئے اور ان کے کتب خانے جلا دیئے تو اس سے تمام دنیا کے علماء تو قتل نہیں ہو گئے تھے، اور تمام دنیا کے کتب خانے جل نہیں گئے تھے۔

دیگر یہ کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔ (الحجر ۱۴)

بیشک یہ نصیحت نامہ ہم نے اتارا ہے۔ اور ہم خود ہی اس کے محافظ (و نگہبان) ہیں۔

نیز فرمایا:-

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۔ (حٰم سجدہ ۲۴)

بیشک یہ کتاب نہایت زبردست ہے۔ اس میں باطل کا دخل نہیں نہ اس موجودہ وقت میں اور نہ اس سے بعد (یہ) حکمت والے ستائش والے (خدا) کی نازل کردہ ہے۔

اور یہ ذمۂ حفاظت روز اول سے ہے، کہ قرآن شریف پہلے اپنے امی نبی (صلعم) کے پاک سینے میں حفظ کروایا، اور پھر آپ کے انوار سینہ کو منعکس کر کے آپ کے امی صحابہ کے سینوں میں پہنچایا، چنانچہ فرمایا:-

Marfat.com

(۱) اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۔ (القیامہ) (پ ۲۹)

یعنی (اے پیغمبر!) اس قرآن کو تمہارے سینہ میں (جمع کرنا، اور (وقت پر صحیح طور پر) اس کا پڑھنا یعنی پڑھنے کی توفیق دینا ہمارا ذمہ ہے۔"

نیز امی قوم کی نسبت فرمایا۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ (جمعہ پ ۲۸)

"پاک و بے عیب خدا وہ ہے جس نے امی قوم میں انہیں میں کا ایک عظیم الشان (رسول برپا کیا، جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے۔ اور ان کو ظاہر و باطن کی پلیدیوں سے) پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت (طریق عمل) بھی سکھاتا ہے بے شک یہ لوگ اس سے پیشتر صریح گمراہی میں تھے۔"

صحابہؓ کے بعد خدا تعالیٰ نے اس حفاظت کو اتنا عام اور ایسا محکم کر دیا کہ دنیا کی ساری قوموں کے رواج سے جدا اور ان کے دستور سے الگ ہر زمانہ میں ہر طبقہ کے مسلمانوں کے دلوں میں حفظ قرآن کا ایک ولولہ پیدا کر دیا، کہ شاید مسلمانوں میں اس شوق کے برابر کوئی دوسرا علمی شوق کم ہوگا۔

امیر و غریب، بادشاہ و رعیت، تاجر و پیشہ ور، کاشتکار و دستکار، آقا و خدمتگار، مزدور و طالب علم، علماء و ناخواندہ، چھوٹے اور بڑے، بینا و نابینا، اولیاء اللہ اور مجھ سے گنہ گار، غرض جس جس لحاظ سے آپ مسلمانوں میں افراد انسانیہ کی تقسیمیں کرتے جائیں گے۔ ہر ہر قسم میں حفاظ قرآن شریف ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں بکثرت ملیں گے اتنے کہ آپ شمار کرتے کرتے تھک جائیں گے، اور ہم کہیں گے۔ کہ اور گنو تو آپ اکتا کر گنتی چھوڑ دیں گے، اور کہہ دیں گے کہ بھائی ہم سے یہ خدائی فوج گنی نہیں جاتی۔

پھر ہم اس کے مناسب حال یہ آیت پڑھیں گے، ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ۔ (الملک پ ۲۹)

قرآن شریف کا حفظ تو مسلمانوں میں ایک نہایت سہل بات ہے۔ خدا تعالیٰ نے خود فرمایا۔

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔ (القمر پ ۲۷)

یعنی بے شک ہم نے قرآن شریف کو یاد کرنے کے لئے بہت آسان کیا ہے۔ تو کیا کوئی یاد کرنے والا[1] ہے۔"

---

[1] بعض مفسرین نے اس آیت میں ذکر سے مراد یہی حفظ یاد کرنا بھی مراد لیا ہے۔ (رحمانی) منہ ۱۲

Marfat.com

قرآن شریف کے علاوہ بھی خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کے شوقِ حفظ اور قوتِ حافظہ میں وہ برکت و ہمت بخشی کہ اس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں پائی گئی۔ نہ زمانہ سابق میں نہ حال میں وہ یہ کہ انہوں نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کی سنت و سیرت کو محفوظ رکھنے کے لئے بھی اسی قوتِ حافظہ سے کام لیا، چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس امر کے پورا کرنے کے لئے گروہ محدثین کو پیدا کر دیا، اور ان کے دلوں میں شوق، اور ان کے ارادوں میں بلندی اور ان کی ہمتوں میں استقلال اور ان کی قوتِ حافظہ میں برکت بخشی، کہ انہوں نے فقر و فاقہ کی مصیبت کو اور دشت و جبل کے سفروں کی صعوبت کو نہایت شوق و استقلال سے برداشت کر کے اپنے ہادی اکبر صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کی روایات کو پہلے اپنے سینوں میں جمع کیا، اور پھر من و عن جس طرح سنا تھا ٹھیک اسی طرح بلا کم و کاست اور بغیر تغیر و تبدل کے کتابوں میں جمع کر کے اپنے بعد کی نسلوں کے لئے محفوظ کر دیا، اور آنحضرت صلعم کی دعاء کے مصداق ہو کر دنیا اور عاقبت کی سعادت حاصل کر لی، چنانچہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:-

نَضَّرَ اللّٰہُ عبداً سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها۔ الحدیث۔

(مشکوٰۃ شریف)

(ص۲)

یعنی بارونق اور تر و تازہ رکھے خدا تعالیٰ اس (اپنے) بندے کا چہرہ جس نے میرا کلام (ایمان و اعتقاد سے) سنا پس اسے حفظ کر لیا اور خوب نگاہ میں رکھا اور پھر اسے ادا کیا[1] جس طرح کہ اسے سنا۔

حفظِ حدیث کا یہ دستور صدیوں تک قائم رہا سقوطِ بغداد و سپین سے پہلے بھی اور پیچھے بھی، سقوطِ بغداد ساتویں صدی ہجری کے نصف کے قریب ہوا۔ اور خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ۸۵۲ھ میں فوت ہوئے آپ نے ایک ضخیم کتاب بنام الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنہ صرف آٹھویں صدی کے علمائے اسلام کے حالات میں لکھی ہے۔ یہ کتاب بہ ترتیب حروف معجم ہے اس کے خاتمہ پر مصنف نے لکھا ہے۔ فرغ منہ فی شہور ۸۳۰ھ (کشف الظنون) اس کتاب میں بہت سے حفاظ حدیث کا ذکر ہے۔ جو آٹھویں صدی میں ہوئے اور جو اس سے پیشتر ہوئے، ان کی گنتی خدا جانے۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ سورہ ۷۴ المدثر ۲۹؎

---

[1] دوسری روایت میں فبلغہ کما سمعہ وارد ہے اس کے لحاظ سے ترجمہ میں یہ الفاظ بڑھائے ہیں۔

مشکوٰۃ ص۲۵ عن ابن مسعودؓ ۱۲ منہ

Marfat.com

نتیجہ پس جب قرآن شریف بھی حرفاً حرفاً محفوظ ہے، اور پیغمبر قرآن کا طریق عمل بلکہ آپ کے صحابہؓ کے آثار بھی من وعن بلاکم وکاست مکتوب ومسطور ہیں تو اس امر کی ضرورت کہ خدا کی وحی اور اس کے پیغمبر کی سنت کو قائم کر کے از سرِ نو شریعت مطہرہ کو جاری کیا جائے ہرگز نہ رہی، والحمد للہ،

الغرض پہلے زمانوں میں سلسلۂ نبوت کے جاری رہنے کی جسقدر ضرورتیں تھیں وہ آنحضرت صلعم کی مبارک آمد پر سب پوری ہو چکی ہیں، اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلعم کو سارے کمالات کا صاحب وجامع بنا کر اس سلسلہ کو آپ پر ختم کر دیا، اور اجرائے نبوت پر مہر لگا دی، چنانچہ فرمایا،۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔
(احزاب پ ۲۲)

محمد صلعم تم میں سے کسی بالغ مرد کے باپ نہیں ہیں ہاں خدا کے رسول ہیں۔ اور رسول بھی ایسے کہ خاتم النبیین ہیں۔ اور خدا تعالیٰ ہر شئی (اور ہر ضرورت) سے خوب واقف ہے۔(۱)

یعنی جانتا ہے کہ اب ان کے بعد نبوت جاری رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ کوئی لائق نبوت پیدا کیا جائے گا،

دوسری بحث۔ ختم نبوت کی خاص دلیلوں کے بیان میں:۔

(۱) سب سے پہلی دلیل آیت مذکورہ بالا ہے۔ جو آنحضرت صلعم پر نبوت کے ختم ہو جانے میں نص قطعی ہے۔ اس کی توضیح سے پہلے اس کا شان نزول بھی جاننا چاہئیے کہ اسے بھی ختم نبوت سے ایک گونہ تعلق ہے۔

شان نزول آنحضرت صلعم نے ۵ھ میں اپنی پھوپھی کی بیٹی حضرت زینب سے نکاح کیا اس سے پہلے وہ حضرت زیدؓ کے نکاح میں تھیں جو آنحضرت صلعم کا آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ تھا۔ حضرت زینبؓ اور زید میں موافقت نہ بنی تو حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دے دی،

ملکی رسم کے رو سے متبنیٰ کو صلبی بیٹے کی طرح جانا جاتا تھا۔ اور اس کی وجہ سے اصلی وارثوں کے حقوق پر اثر پڑتا تھا۔ اور مصنوعی رشتے کو قدرتی رشتے پر ترجیح دی جاتی تھی۔ بلکہ اس کے

(۱) خاتم کے معنی کے لئے آئندہ بیان کا مطالعہ کریں ۱۲ منہ

Marfat.com

برابر سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا اس کو منسوخ کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو حکم کیا۔ کہ آپ زینب سے نکاح کر لیں چنانچہ آنحضرت نے نکاح کر لیا۔ مخالفین نے اعتراض کیا۔ کہ آپ نے اپنے بیٹے (متبنّیٰ) کی مطلقہ سے نکاح کر لیا ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ محمد صلعم تم سے کسی بالغ مرد کے باپ نہیں ہیں ہاں خدا کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اور خدا سب جانتا ہے پس اس بنا پر اعتراض بالکل لایعنی ہے۔ ہاں آپ کو رسالت کا ایک ایسا منصب حاصل ہے۔ جو اس رشتہ پدری سے بہت اونچا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے امّت کی عورتوں سے آپؐ کا نکاح منع نہیں ہو سکتا۔

اب سوال یہ ہے جواب تو اسی قدر کافی تھا اس کے ساتھ مسئلہ ختم نبوّت کی کیا ضرورت تھی کہ خدا تعالیٰ نے اسے بھی ذکر کر دیا۔

سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس نکاح میں سب سے بڑی روکاوٹ قوم کی طعن و عار تھی۔ کہ یہ نکاح سالہا سال کی رسم کے خلاف تھا۔ دشمن تو دشمن رہے معتقدین بھی کہہ سکتے تھے۔ کہ آنحضرت صلعم کی پوزیشن کو معترضین کے اعتراضوں کا نشانہ بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

سو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ رسوم خلاف شرع کی اصلاح کا یہی وقت ہے تکمیل شریعت کا یہی عہد ہے۔ پچھلی شریعتوں کے بعض احکام کی منسوخی کا یہی زمانہ ہے۔ یہ شریعت آخری و ابدی ہے جو نسخ و ترمیم کی گنجائش اور تحریف و تبدیل کے اندیشے سے محفوظ ہے کیونکہ یہ رسول خاتم النبیین ہے اس کی اصلاح کو کسی اور وقت پر ڈالنا۔ اس کی شانِ خاتمیّت کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس اصلاح کا یہی زمانہ ہے۔ اور یہ کام خدا کے علم میں پہلے ہی سے اسی طرح مقرر تھا۔ چنانچہ اس سے قبل فرمایا۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا - یعنی! اسے نبی! یہ سارا معاملہ یعنی زید کا یہاں آکر فروخت ہونا اور تمہارا اس کو متبنّیٰ بنانا اور پھر زینب سے نکاح کرنا اور پھر اس کا اسے طلاق دے دینا اور پھر زینبؓ کا تمہارے نکاح میں آنا سب تقدیری معاملے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنے علم ازلی میں اسی طرح مقدر کیا تھا۔ کہ یہ سب کچھ یوں یوں ہوگا۔ اور یہ سب کچھ اسی رسم کی اصلاح کے لئے تھا۔"

پھر فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ؕ یعنی خدا تعالیٰ کو سب باتوں کا علم ہے۔ اس بات کا بھی کہ اس نبی کے بعد کوئی شخص قابل نبوّت پیدا نہیں کیا جائے گا اور اس بات کا بھی کہ اگلے زمانوں میں کن مصلحتوں اور ضرورتوں کی بناء پر نبوّت جاری رکھی گئی اور اس بات کا بھی کہ اب

Marfat.com

وہ ضرورتیں کلیتہً رفع ہوگئی ہیں۔ لہذا نبوت بالکل بند کر دی گئی ہے۔ (۱)
یا ان الفاظ میں سمجھئے کہ خدا تعالی کا علم محیط کل ہے۔ زمان گذشتہ وحال کے موجودات اور زمانہ مستقبل میں موجود ہونے والی سب چیزوں اور امروں پر حاوی ہے تو اس احاطۂ کلی میں یہ بات بھی داخل ہے۔ کہ ختم نبوت کے کیا وجوہات ہیں۔ اور یہ بھی کہ آگے کوئی قابل نبوت پیدا نہیں ہوگا۔ پس اس نے اپنی حکمت بالغہ اور علم کلی سے آگے کے لئے نبوت کا دروازہ بالکل بند کر دیا۔ (وجوہات بحث اول میں مذکور ہو چکی ہیں)

آیت بالا میں حق تعالی نے بالکل کھلے الفاظ میں فرما دیا کہ محمد صلعم خاتم الانبیاء ہیں، اب خاتم کے معنی کے لئے ذیل کی شہادتیں مطالعہ فرمائیں۔

(۱) حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رح اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔
"نہیں ہے محمد (صلعم) باپ کسی کا مردوں تمہارے میں سے ولیکن پیغمبر خدا کا ہے اور"
"ختم کرنے والا نبیوں کا اور ہے اللہ ہر چیز کا جاننے والا"

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنے ترجمہ قرآن میں اس آیت پر یہ حاشیہ ارقام فرماتے ہیں:-
"یعنی بعد از وے ہیچ پیغمبر نباشد (صد ۵۶۹)"

تمام منقولی و معقولی اور ادبی و صوفیانہ تفاسیر میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ نبوت آنحضرت صلعم پر ختم ہوگئی اور آپ سلسلۂ انبیاء کے آخری نبی اور فرد اکمل ہیں۔ اس میں کسی امام عالم سنت نے کبھی بھی اختلاف نہیں کیا،

(۳) چنانچہ امام سیوطی رح تفسیر اکلیل میں فرماتے ہیں:- قوله وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ فيه انه لا نبي بعده وانه من ادعى النبوة بعده قطع بكذبه ۱۲۰۔ یعنی قول خداوندی وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور نیز اس امر کی دلیل ہے کہ جو شخص آپ کے بعد نبوت کا دعوے کرے وہ قطعی طور پر جھوٹا ہے۔ (۱)

(۴) تفسیر جامع البیان میں ہے:- وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ آخرهم۔ یعنی آخری نبی"

(۵) امام زمخشری رح جو لغت و علم فصاحت و بلاغت کے متبوع امام ہیں، تفسیر کشاف میں خاتم کے معنی آخری نبی کرتے ہیں چنانچہ اس کے متعلق سوال و جواب کے طور پر فرماتے ہیں:-
(فان قلت) کیف کان آخر الانبیاء یعنی اگر تو کہے کہ آنحضرت صلعم آخر الانبیاء کس طرح

Marfat.com

وعیسیٰؑ ینزل فی اٰخرالزمان (قلت)
معنے کونہ اٰخرالانبیاءؐ انہ لاینبأ احد
بعدہ وعیسی ممن نبی قبلہ الخ۔

ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ آخری زمانے میں
نازل ہوں گے تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخرالانبیاء ہونے
کے یہ معنی ہیں کہ کوئی شخص آپ کے بعد نبی نہیں بنایا جائے گا۔ اور حضرت عیسیٰ ان میں سے ہیں جو آپ
سے پیشتر نبی بنائے جا چکے ہیں۔ الخ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ زمخشریؒ خاتم کے معنی آخری کرتے ہیں وا
اسی طرح باقی تفسیروں میں مثلاً تفسیرؒ ابی السعودؒ، تفسیر سراجؒ منیر، تفسیر فتح البیانؒ، تفسیر
بیضاویؒ، تفسیر مدارکؒ اور تفسیر معالمؒ، ان سب میں خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کے معنے اٰخِرُھُمْ لکھے
ہیں اور تفسیر فیضیؒ میں لکھا ہے آمدھم لارسول وکما آدکا ۔ یعنی آپ آخری نبی ہیں اور
آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

نوٹ:۔ علامہ فیضی نے خاتم کے معنی آمدکے کئے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی اس تفسیر "
سواطع الالہام میں التزام کیا ہے کہ اس میں نقطہ دار حرف کوئی نہیں لایا جائے گا۔ اور آمد اور
آخر کے معنے ایک ہی ہیں۔

اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ فھذہ الایۃ نص فی انہ لا نبی بعدہ ۱۲۔
یعنی یہ آیت اس بارے میں نص قطعی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔
اور تفسیر فتح البیان میں تحقیق لغوی کے طور پر محاورہ لکھا ہے وخاتم الشئی اٰخرہ ۱۲۔

(۱۳) اسی طرح کتب اللغات القرآن یعنی وہ کتابیں جن میں قرآن شریف کے مفرد الفاظ کے
معانی کتب لغت کی طرح حل کر کے لکھے ہیں۔ ان میں بھی اس کے معنے آخری اور تمام کنندہ
لکھے ہیں۔ چنانچہ نزہۃ القلوب میں لکھا ہے: (خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ) اٰخِرَ النَّبِیّٖنَ
جلد اوّلؒ صـ۲۲۷)۔

(۱۴) اسی طرح امام راغبؒ مفردات القرآن میں فرماتے ہیں:۔ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ لانہ
ختم النبوۃ ای تمّمھا بمجیئہ مـ۱۴۲ یعنی آنحضرت صلعم خَتَمَ النَّبِیّٖنَ ہیں کہ آپ نے
نبوت ختم کردی۔ یعنی آپ نے آکر اسے پورا اور تمام کردیا۔ یعنی آپ کے آنے سے نبوت ختم اور پوری

لہ یہ کتاب تفسیر رحمانی مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ کے حاشیہ پر چھپ چکی ہے۔ اس کے مؤلف امام ابوبکر بن محمد عزیزیہ
سجستانی ہیں ۱۲ منہ

Marfat.com

ہو گئی، کہ اب کسی دیگر نئے نبی کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی رہا

(۱۵) اسی طرح عام لغت کی کتابوں میں بھی خاتَم کے معنے آخری کے لکھے ہیں۔

چنانچہ لسان العرب میں ہے:۔ ختام القوم وخاتِمُهُم وخاتَمُهُم اٰخرهم عن اللحیانی و محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم الانبیاء (علیہ وعلیہم السلام) التھذیب والخاتِمُ والخاتَمُ من اسماء النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) وفی التنزیل العزیز ما کان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ای اٰخرھم ۱۲۔

یعنی ختام القوم اور خاتِم القوم (بالکسر) اور خاتَم القوم (بالفتح) ہر سہ کے معنی ہیں "قوم کا آخری شخص"، اور تہذیب میں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے خاتَم ہیں، اور خاتِم (بالکسر) اور خاتَم (بالفتح) ہر دو نبی صلعم کے نام ہیں، اور قرآن شریف میں ہے۔ ما کان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم الآیہ سو اس میں خاتم النبیین کے معنی ہیں آخری نبی،

(۲) امام البغوی رح نے تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کے ذیل میں ایک مرفوع حدیث بھی نقل کی ہے۔ جو بخاری و مسلم کی روایت میں ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پانچ اسماء (نام) بتائے ہیں، ایک ان سے عاقب ہے، اور عاقب کی تفسیر اسی حدیث میں مذکور ہے۔

والعاقب الذی لا نبی بعدہٗ۔ یعنی عاقب وہ ہے جسکے بعد کوئی نبی نہیں رہا

اور یہ تفسیر کسی راوی یا صحابی کی نہیں۔ بلکہ خود آنحضرت صلعم کی اپنی زبان مبارک کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رح فتح الباری میں اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں :۔

وقع فی روایۃ سفیان بن عیینۃ عند الترمذی وغیرہ بلفظ الذی لیس بعدی نبی۔ (فتح الباری مطبوعہ دہلی صفحہ ۳۱۳) امام سفیان بن عیینہ کی روایت میں امام ترمذی وغیرہ کے نزدیک یہ الفاظ یوں ہیں، میں عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا[1]

(۲) اسی طرح مسند امام احمد رح میں حضرت انس رض کی روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔

ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی۔ (مسند جلد ص) رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہیں۔ پس میرے بعد کوئی رسول اور کوئی نبی نہیں ہوگا،

(۳) اسی طرح مشکوٰۃ شریف میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت سے حدیث ہے، جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ قوم بنی اسرائیل کی سیاست (ملکی)، ان کے انبیاء کے

[1] قاضی عیاض رح نے بھی شفاء میں ان الفاظ کو بعینہٖ متکلم ذکر کیا ہے۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

متعلق ہوتی تھی۔ ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کا خلیفہ بھی نبی ہوتا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ہاں خلیفے ہوں گے، اور وہ بہت ہوں گے" الحدیث، (مشکوٰۃ ص۳۱۲)

اس کی توضیح یوں ہے۔ کہ نبی اللہ کے متعلق دو باتیں ہوتی ہیں۔ تعلیم شریعت اور انتظام سیاست سو آنحضرت صلعم نے بنی اسرائیل کا ذکر کر کے سمجھا دیا۔ کہ ان میں تعلیم شریعت اور انتظام ملت ہر دو امر ان کے انبیاء کے متعلق ہوتے تھے۔ جب ایک فوت ہو جاتا تو اس کا خلیفہ بھی ان ہر دو کا جامع ہوتا۔ لیکن آپ نے اپنی بابت فرمایا۔ کہ میرے بعد صرف خلافت بغیر نبوت کے ہو گی! کیونکہ میرے بعد کوئی بھی نبی ہونے والا نہیں۔ اسی لئے حضرات خلفائے راشدین اور ان کے بعد کے سب خلفاء صرف انتظام ملکی و ملی کے سپرد کار تھے۔ نہ ان میں سے کوئی واقعی نبی تھا۔ اور نہ مدعی نبوت ہوا۔ اس کی تائید میں ذیل کی حدیث بھی مطالعہ فرمائیے:۔

(۳) صحیح بخاری شریف میں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم غزوہ تبوک کے لئے نکلے، تو حضرت علیؓ کو اپنے پیچھے خلیفہ بنایا، حضرت علیؓ نے جہاد میں جانے کے شوق کی وجہ سے عرض کیا کہ آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جاتے ہیں۔ اس پر آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:۔

الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی (بخاری مصریہ ج۲ ص۱۵۱) — کیا تو راضی نہیں کہ تو مجھ سے وہ نسبت رکھے جو ہارونؑ کو موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد نبی کوئی نہیں ہوگا"

اس کی توضیح یوں ہے کہ حضرت موسیٰؑ جب کوہ طور پر جانے لگے تو حضرت ہارونؑ کو قوم میں خلیفہ چھوڑ گئے، چنانچہ قرآن شریف میں ہے:۔

وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ۔ (اعراف پ۹) — اور کہا موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ خلیفہ بن میرا میرے پیچھے میری قوم میں اور ان کی اصلاح کرنا"

اسی طرح آنحضرت صلعم جب سفر تبوک کو چلنے لگے۔ تو اپنی غیر حاضری کی میعاد تک حضرت علیؓ کو اپنے پیچھے خلیفہ[1] مقرر کر گئے۔ لیکن چونکہ حضرت ہارونؑ نبی تھے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِیًّا۔ (مریم پ۱۶) — یعنی ہم نے موسیٰؑ کو اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون نبی بنا کر بخشا،

---

[1] یہ خلافت وقتی و عارضی تھی، دائمی نہیں تھی، آنحضرت صلعم کی عادت تھی۔ کہ غزوات اور دیگر سفروں کے وقت اپنے پیچھے شہر کے انتظام اور مسجد کی امامت کسی صحابی کے سپرد کر جاتے تھے، ۱۲ منہ۔

Marfat.com

اور چونکہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں تھا ، اس لئے آپ نے اس خلافت کو حضرت ہارونؑ کی خلافت سے تشبیہہ دیتے ہوئے دفع دخل مقدر کے طور پر فرمادیا کہ اے علیؓ حضرت ہارونؑ کی طرح تو میرا خلیفہ تو ہوگا ۔ لیکن چونکہ میرے بعد نبی کوئی نہیں ہو سکیگا ۔ اسلئے تیری خلافت بغیر نبوت کے ہوگی ۔ "

ان ہر دو احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد خلافت کا دروازہ تو کھلا ہے لیکن نبوت کا دروازہ بالکل مسدود ہے ۔

(۴) آنحضرت صلعم کا بیان نہایت واضح و بلیغ ہوتا تھا ۔ آپ نے ایک واضح مثال سے نہایت صاف طور پر سمجھا دیا ۔ کہ میں آخری نبی ہوں ۔ اور میرے بعد کسی شخص کے نبی بننے کی گنجائش باقی نہیں ہے چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا ۔

میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے ایک مکان بنایا ہو ، اور اُسے نہایت خوبصورت و خوش وضع بنایا ہو ، مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو ۔ پس لوگ اس مکان کے گرد پھریں اور تعجب کریں ، اور کہیں کہ (یہاں پہ) یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی ، آنحضرت نے فرمایا کہ پس وہ (باقی رہی ہوئی) اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں ۔ " (صحیح بخاری مصری جلد ثانی صہ ۱۷۳)

نوٹ خصوصی اس حدیث سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ آنحضرت صلعم قصر نبوت کی آخری اینٹ ہیں ۔ آپ کی تشریف آوری پر قصر نبوت مکمل ہوچکا ہے ۔ اب کسی نئی اینٹ کی گنجائش باقی نہیں ،

دیگر یہ کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو آنحضرت صلعم کے حالات خصوصی میں ذکر کیا ہے اور اس پر عنوان باب یوں باندھا ہے ۔ باب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ۔ [۱] اور علم حدیث کے واقف اصحاب جانتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے عنوان باب باندھنے کی بھی کیا قدر و منزلت ہے ۔

(۵) آنحضرت صلعم نے مسئلہ ختم نبوت کو بالکل صاف کر دیا ہے ۔ اور کسی پہلو سے بھی اس پر اندھیرا نہیں رہنے دیا ۔ چنانچہ آپ نے اپنے بعد کے ہر مدعی نبوت کو دجال و کذاب کے نام سے

---

[۱] اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ اسی حدیث میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر رسل ختم کر دیئے اور دین کے طریقے کامل کر دیئے (فتح جلد ۱۴ صہ ۳۱۴) ۱۲ منہ

Marfat.com

یاد کیا ہے۔ چنانچہ جامع ترمذی میں حضرت ثوبان رضی کی روایت سے ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے یہ بھی فرمایا:-

ویکون فی امتی ثلثون کذابون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی ۔ ھذا حدیث صحیح ۔

(ترمذی جلد ۲ ص۴۵)

اور میری امت میں (قیامت سے پہلے پہلے) تیس کذاب ضرور ہوں گے ہر ایک ان میں کا دعوے کریگا۔ کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں (یہ حدیث صحیح ہے ۔)

تنبیہ نمبر ۱ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔ اور اس میں ان مدعیان نبوت کے دو لقب دجال و کذاب بتائے گئے ہیں ۔

دجال نہایت درجے کے فریبی اور ملمع ساز کو اور کذاب نہایت درجے کے جھوٹے اور مکار کو کہتے ہیں (منتہی الارب ، لسان العرب ، المصباح المنیر)

کسی مکار اور فریبی کی مکاری اور فریب کاری پر واقف ہونا آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے آنحضرت صلعم نے ازراہ شفقت وصفائی بیان ان سب مدعیان نبوت کا ایک ایسا مشترک نشان بتا دیا، جس سے علم والے اور بے علم ، لکھے پڑھے اور بے پڑھے اور شہری و دیہاتی سب طرح کے لوگ بخوبی طور پر پہچان لیں ، وہ نشان یہ ہے۔ کہ ہر ایک ان میں کا یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے بس مجرد انکا ایسا دعوےٰ کرنا ہی ان کے دجال و کذاب ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ اسی بات کو واضح کرنے کے لئے ساتھ ہی فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

تذییل اس حدیث سے علاوہ اس امر کے کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنیوالا دجال و کذاب ہے۔ اور علاوہ اس کے کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں۔ یہ امر بھی ثابت ہوگیا کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور خاتم الانبیاء اور آخر الانبیاء کے ایک ہی معنی ہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ذیل میں بالتصریح وارد ہے۔

انی اخر الانبیاء و مسجدی اخر المساجد۔ (مسلم)[1]

میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد (مسجد نبوی) آخری مساجد ہے۔

[1] جلد اول ص ۴۲۶ ، ۱۲۰

Marfat.com

تنبیہہ نمبر ۲ آنحضرت صلعم کی مسجد کے آخری ہونے کے یہ معنی ہیں، کہ وہ ان مساجد میں آخری مسجد ہے جو انبیاء اللہ نے تعمیر کیں جیسا کہ آدمؑ، ابراہیمؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ اور آنحضرت صلعم پس آنحضرت صلعم کی مسجد ان سب میں آخری ہوئی، چنانچہ یہ معنی دوسری حدیث میں صراحتہً مذکور ہیں، کہ آپ نے فرمایا۔

انا خاتم الانبیاء و مسجدی خاتم مساجد الانبیاء — میں خاتم الانبیاء ہوں، اور میری مسجد انبیاء کی مساجد میں سے آخری مسجد ہے۔

(کنز العمال مطبوعہ حیدر آباد جلد ششم ص۲۵۶ فضل الحرمین)

تنبیہہ نمبر ۳ ان ہر دو احادیث کے بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ خاتم کے معنی آخری ہیں۔

بحث سوم اس امر میں کہ بحث دوم میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ایک ایک بات جو مرزا صاحب قادیانی آنجہانی مدعی نبوت کے بھی تصدیقی دستخط ہیں،

سو معلوم ہو کہ مضمون بالا میں پہلی بات خاکسار محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، نے یہ بیان کی ہے۔ کہ خاتم النبیین والی آیت کے یہ معنے ہیں کہ آنحضرت صلعم آخری نبی ہیں۔ اور آپ نبیوں کے ختم کر دینے والے ہیں۔ سو اس کی بابت مرزا صاحب اپنی کتاب ازالہ اوہام میں اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:۔

"یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں مگر وہ رسول اللہ ہے، اور ختم کرنے والا نبیوں کا" [1]

نیز فرماتے ہیں۔ "جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلعم پر ختم کر دیا ہے" [2]

دوسری بات خاکسار نے بحوالہ مسند امام احمدؒ یہ بیان کی ہے۔ کہ رسالت اور نبوت آنحضرت صلعم کے بعد منقطع ہو گئی ہے۔ اب کوئی نبی اور کوئی رسول نہیں ہو گا۔ سو اس کی بابت مرزا صاحب ازالہ اوہام کی عبارت مذکورۃ الفوق کے آگے سلسلہ ذکر میں فرماتے ہیں:۔

"اب یہی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا بقیامت منقطع ہے" (ص۶۱۴ ازالہ مطبوعہ لاہور)

دیکھئے یہ وہی الفاظ ہیں جو حدیث مسند احمدؒ میں وارد ہیں،

[1] ازالہ اوہام مطبوعہ لاہور ص۱۵۱ ۴۳۰ منہ [2] خط مورخہ ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء مطبوعہ الحکم نمبر ۹ جلد ۳، منقول از ٹریکٹ نمبر ۸ مصنفہ مولوی محمد علی صاحب احمدی لاہوری مجریہ یکم مئی ۱۹۲۳ء، ص۱۱ منہ

Marfat.com

نیز مرزا صاحب اپنے آئینہ کمالات میں فرماتے ہیں :-

ما کان اللہ ان یرسل نبیا بعد نبینا خاتم النبیین وما کان ان یحدث سلسلۃ النبوۃ ثانیا بعد انقطاعہا ۔ (ص۳۷۷)

یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے نبی صلعم خاتم النبیین کے بعد کسی کو بھی نبی کر کے بھیجے اور نہ یہ ہوگا۔ کہ سلسلۂ نبوت منقطع ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ جاری کرے"

(۳) تیسری بات جو میں نے بیان کی یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے عام طور پر بغیر تفریق تشریعی یا غیر تشریعی کے فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اس کے متعلق بھی مرزا صاحب ایام الصلح اردو میں فرماتے ہیں :-

"حدیث لا نبی بعدی میں بھی لا نفی عام ہے۔ پس یہ کس قدر دلیری اور گستاخی ہے کہ"

"خیالات رکیکہ کی پیروی کر کے نصوص صریحہ قرآن کو عمداً چھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیاء کے بعد"

"ایک نبی کا آنا مان لیا جائے اور بعد اس کے جو وحی منقطع ہو چکی ہے پھر سلسلۂ وحی نبوت

کا جاری کر دیا جائے (ص۱۴۶) ۱۲

اسی طرح مرزا صاحب کی کتب کے دیگر حوالے پیش کئے جاتے ہیں جن میں صاف اقرار ہے، کہ نبوت اور رسالت آنحضرت صلعم پر ختم ہو گئی اور آپ اس سلسلے کے آخری نبی ہیں۔

(۱) چنانچہ کتاب حقیقۃ الوحی ص۱۴۱ میں مرقوم ہے :-

" اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے۔ جو رب العالمین اور رحمن اور رحیم ہے۔ جس نے زمین اور آسمان کو چھ دن میں بنایا۔ اور آدم کو پیدا کیا۔ اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں اور سب کے آخر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہیں " (ص۱۴۱)

(۲) اور حمامۃ البشریٰ میں فرماتے ہیں :-

ویقول ان ھذا الرجل لا یعتقد بان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ومنتہی المرسلین لا نبی بعدہ وھو خاتم النبیین ۔ فھذہ کلہا مفتریات۔

(ملخص ص۹)

اور یہ معترض لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص مرزا غلام احمد قادیانی یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور منتہی المرسلین ہیں۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور آپ خاتم النبیین ہیں " سو یہ سب افترا ہیں "

(جو مجھ پر کئے گئے)

"خدا تعالیٰ جانتا ہے۔ کہ میں مسلمان ہوں۔ اور ان سب عقائد پر ایمان رکھتا ہوں۔ جو اہلسنت والجماعت مانتے ہیں اور کلمہ طیبہ " لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ " کا قائل ہوں اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہوں اور میں نبوت کا مدعی نہیں۔ بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں " (ص۳)

Marfat.com

(۴) نیز فرماتے ہیں: "میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ (اشتہار ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء صفحہ ۹ مندرجہ کتاب حقیقۃ النبوۃ مصنفہ مرزا محمود صاحب)"

(۵) نیز فرماتے ہیں۔ "اور اس کو خاتم الانبیاء مانتے ہیں۔ کیونکہ اس پر تمام نبوتیں اور تمام پاکیزگیاں اور تمام کمالات ختم ہو گئے" (اشتہار مرزا صاحب مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۸۹۵ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۴ صفحہ ۲۳)"

"نیز صفحہ ۲۲ نوٹس بنام اربعہ صاحبان۔ نیز فرمایا تمام کمالات آپ پر ختم ہو گئے صفحہ ۵ لیکچر سیالکوٹ"
ان ہر دو مقامات میں کمالات سے مراد کمالات نبوت ہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔
"اللہ تعالیٰ نے جو کمالات سلسلۂ نبوت میں رکھے ہیں۔ وہ مجموعی طور پر ہادی کامل پر ختم ہو گئے۔ حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۹ بحوالہ کتاب دین الحق صفحہ ۹۶"

(۶) نیز فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام نبوت کے علم ختم ہو گئے۔ نجم الہدیٰ صفحہ ۱)
(۷) نیز فرماتے ہیں۔ کمالاتِ نبوت کا دائرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ (صفحہ ۲۱ ڈائری مرزا حصہ اوّل)"

"نیز ازالہ اوہام میں لوگوں کی طرف سے خود سوال کرتے ہیں اور خود جواب دیتے ہیں۔
سوال رسالہ فتح الاسلام میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ امّا الجواب نبوت کا دعوےٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعوےٰ ہے۔ (صفحہ ۴۲۱ مطبوعہ قادیان بار سوم)

(۸) اسی طرح شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اور مولینا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی رحمہما اللہ کا ذکر نہایت بدتہذیبی سے کرکے لکھتے ہیں:۔
"یہ سراسر افترا ہے کہ ہماری طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ گویا ہمیں معجزات انبیاء علیہم السلام سے انکار ہے۔ یا ہم خود دعوےٰ نبوت کرتے ہیں یا نعوذ باللہ حضرت سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء نہیں سمجھتے۔ یا ملائک سے انکاری یا حشر نشر وغیرہ اصول عقائد اسلام سے منکر ہیں۔ یا صوم وصلوٰۃ وغیرہ ارکان اسلام کو نظر استخفاف سے دیکھتے ہیں۔ یا غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ گواہ ہے۔ کہ ہم ان سب باتوں کے قائل ہیں۔" اور ان عقائد اور ان اعمال کے منکر کو ملعون اور خسر الدنیا والآخرۃ یقین رکھتے ہیں"

(۴) چوتھی بات میں نے یہ بیان کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنے بعد کے مدعیانِ نبوت کو دجال کذاب

Marfat.com

فرمایا ہے۔ سو اس کی نسبت بھی مرزا صاحب کی تصریحات بیش از بیش ہیں۔ ان میں چند بطور نمونہ حسب ذیل ہیں :۔

"(۱) ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوّت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء)

"(۲) جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اسے بیدین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ (تقریر ۱۵ اکتوبر دہلی)

"(۳) ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔ (مجموعہ اشتہارات صد ۲۲۴)

"(۴) مجھے کب جائز ہے کہ میں نبوّت کا دعویٰ کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں (حمامۃ البشریٰ صد ۷۹ ترجمہ)"

(۵) ان لوگوں نے میرے قول کو نہیں سمجھا۔ اور یہی کہا کہ یہ شخص نبوّت کا مدعی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ ان کا یہ قول صریح کذب ہے۔ (حمامہ صد ۸۱ ترجمہ)

(۶) کیا ایسا بدبخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے۔ (انجام آتھم صد ۲۷ منقول از ٹریکٹ عدد ۸ مصنفہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری مجریہ یکم مئی ۱۹۳۳ء)

صاحبان! میں نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد نبوّت بند ہے اور انتظام امّت و سیاست کے لئے خلافت و امارت جاری ہے۔ سو مرزا صاحب بھی اسی طرح فرماتے ہیں :۔

"بیعت کرنے والے کے لئے ان عقائد کا ہونا ضروری ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق اور قرآن شریف منجانب اللہ کتاب اور جامع الکتب ہے۔ کوئی نئی شریعت اب نہیں آسکتی، اور نہ کوئی نیا رسول آسکتا ہے مگر ولایت اور امامت اور خلافت کی ہمیشہ راہیں کھلی ہیں، اور جسقدر مہدی دنیا میں آئے۔ یا آئیں گے ان کا شمار خاص اللہ جل شانہٗ کو معلوم ہے۔ وحی رسالت ختم ہو گئی۔ مگر ولایت و امامت و خلافت کبھی ختم نہیں ہو گی،" (مکتوب مرزا صاحب مندرجہ رسالہ تشحیذ الاذہان عدد ۱ جلد عدد ۱ صد ۲۳)

مرزا صاحب کے ان سب حوالجات سے یہ امور ثابت ہیں :۔

(۱) نبوت و رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ ۲۔ آپ کے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ ۳۔ ایسا مدعی نبوت کاذب[۱]، کافر[۲]، بیدین[۳]، دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ملعون[۵]، خسر الدنیا والآخرہ بدبخت[۶] مفتری۔ اور یہی ایمان ہے یہ مرزا صاحب کے اقوال ہیں، اور ہم بھی اس پر صاد کرتے ہیں۔

اگر کہا جائے کہ یہ سب حوالجات مذکورہ بالا نومبر ۱۹۰۱ء سے پیشتر کے ہیں، اس وقت مرزا صاحب کو

Marfat.com

عہدۂ رسالت نہیں ملا تھا اس لئے یہ سب تحریریں منسوخ شدہ سمجھنی چاہئیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ عقائد میں نہیں ہوتا، بلکہ احکام میں ہوتا ہے، اور کفر و اسلام میں نسخ نہیں ہے جو بات سابقاً کفر تھی وہ بعد میں اسلام نہیں ہو سکتی اور جو بات سابقاً اسلام تھی وہ بعد میں کفر نہیں ہو سکتی۔

بحث چہارم

رد شبہات میں

اس بحث کی تفصیل سے پیشتر ایک اصولی بات اچھی طرح دلنشین کر لینی چاہیئے۔ وہ یہ کہ منطقی لوگ کہتے ہیں لَا حَجْرَ فِي التَّصَوُّرِ يَتَعَلَّقُ بِكُلِّ شَيْءٍ[1] یعنی تصور میں رکاوٹ نہیں ہر شئے کے متعلق ہو سکتا ہے اگر ایک شئے کے متعلق ہو تو اس کی نقیض کے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر آپ ایک شئے کو تصور میں لائیں، تو اس کی نقیض کو بھی تصور میں لا سکتے ہیں۔ اور ذہن میں بٹھا سکتے ہیں حالانکہ واقعاً اور حقیقتہً ہر دو معاً صادق نہیں ہوتے، اگر ایک صادق ہے۔ تو دوسرا ضرور کاذب ہوگا اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ انسانی دماغ غلط فہمی سے یا فساد نیت سے ایسے امور تراش سکتا ہے، اور فرض کر سکتا ہے۔ جو حق کے مشابہ ہوں۔ کیونکہ سوائے ذات حق کے ہر کسی میں عقلاً و فرضاً نفی و اثبات کے ہر دو پہلو ممکن ہیں۔ کیونکہ سب کسی کا وجود عارضی اور ممکن ہے جس میں وجود و عدم ہر دو مساوی ہوتے ہیں، بلکہ منکرین تو اس غلط فہمی یا فساد نیت میں ایسے بڑھے ہوئے ہیں، کہ وہ ذات حق کے وجود سے بھی انکاری نہیں رہ سکتا، اور مشرکین غیر اللہ کی معبودیت کے قائل ہو گئے۔ جس کے اقرار کی کوئی صورت جائز نہیں، وجود باری کے انفسی و آفاقی دلائل بالکل روشن ہیں۔ غیر اللہ کی معبودیت کے باطل ہونے کے براہین واضح ہیں۔ لیکن پھر بھی بعض شبہات کی بناء پر جو ان کو عارض ہو گئے ہیں۔ ہر دو فریق (منکرین و مشرکین) غلط رستے پر جا رہے ہیں اور شبہ کو اسی لئے شبہ کہتے ہیں کہ وہ ظاہری صورت میں مشابہ بالحق ہوتا ہے۔ نہ حقیقتہً جس طرح کہ پیتل اور سونا رنگ و صورت میں قریباً متشابہ ہوتے ہیں اور کوئی دھوکے باز کسی سادہ انسان کو سونے کے نام پر پیتل دے دیتا ہے اسی طرح کوئی مذہبی فریب کار سادہ لوح انسانوں کے سامنے ایسے امور پیش کر کے ان کو غلطی میں ڈال دیتا ہے۔ جو شبیہ بالحق

[1] سلم العلوم مجتبائی صہ ۱۲ منہ

Marfat.com

ہوتے ہیں یا وہ لوگ اپنی سادگی یا فسادِ نیت یا زیغِ قلبی کے باعث ان امور کو شبیہ بالحق سمجھ کر بالکل حق اور درست گردان لیتے ہیں لیکن جس طرح سونے کے دھوکے سے پیتل کے لینے والے کے خیال کے ماتحت پیتل حقیقۃً سونا نہیں ہو جاتا اسی طرح مذہبی فریب کار کی مکاری سے باطل کی حقیقت حق اور درست نہیں ہو جاتی۔ حق حق ہے۔ چاہے اس پر کتنے پردے پڑ جائیں اور باطل باطل ہے۔ چاہے اس پر کتنے رنگ چڑھ جائیں۔

یہی حال نبوت وغیرہ امور کے متعلق مرزائی دلائل کا ہے۔ کہ ان کی حقیقت شبہات سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ قرآن و حدیث کی تصریحات سے نہایت صفائی سے واضح ہو چکا ہے اور اس حقیقت پر کوئی پردہ نہیں رہ گیا۔ کہ نبوت و رسالت آنحضرت صلعم پر ختم ہو چکی ہے۔ اور کہ آپ کے بعد اب تک نہ تو کوئی جدید نبی برحق پیدا کیا گیا۔ اور نہ آئندہ کیا جائے گا۔ اور جس کسی نے ایسا دعویٰ کیا یا آئندہ کو کرے گا۔ وہ بموجب حدیث نبوی دجال و کذاب ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہؒ جو علمائے اسلام میں بلحاظ جامعیت علوم و فنون خصوصیت سے ممتاز ہیں، اپنی مایہ ناز کتاب منہاج السنۃ میں فرماتے ہیں:۔

ومن اثبت نبیا بعد محمد (صلعم) فھو شبیہ باتباع مسیلمۃ الکذاب امثلہ من المتنبئین۔ (منہاج جلد ۳ ص ۱۷۱)

اور جو کوئی بعد محمد صلعم کے کسی کو نبی اعتقاد کرے تو وہ مسیلمہ کذاب اور اس کی مثل دیگر (جھوٹے) مدعیان نبوت کے تابعداروں کی طرح ہے۔ (۱)

(۲) اس قاعدہ مذکورہ کے ساتھ علم اصول کا بھی ایک قاعدہ لحاظ میں رہے کہ جو امر قرآن و حدیث میں منصوص و منطوق ہو اور اس پر خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلعم کی تصریح کی مہر لگ چکی ہو اس کے خلاف کوئی استنباط، کوئی قیاس، کوئی عام استدلال، کوئی تمثیلی شہادت درست نہیں۔ ورنہ دین کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلعم کی تصریحات کا کوئی فائدہ نہیں رہے گا۔ اور ہر خود غرض و مطلب پرست، کجرو اور کج فہم امکار و فریب کار بقاعدہ مذکورہ بالا اپنی کسی نہ کسی طرح بات بنا کر (معاذ اللہ) قرآن و حدیث کی جملہ تصریحات کو بیکار کر سکیگا۔

سو معلوم ہو کہ قادیانی منکرین ختم نبوت نے عوام میں چند شبہے ڈال رکھے ہیں۔

شبہ اوّل

سورت فاتحہ کی آیت صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں جن انعام یافتہ لوگوں کا ذکر ہے۔ ان کی تفصیل خود خدا تعالیٰ نے سورت نساء پ۵ میں کر دی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

Marfat.com

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔ (پ)

اور جو شخص فرمانبرداری کرے گا اللہ تعالیٰ کی اور اس رسول (محمد) کی تو ان کو ان کا ساتھ نصیب ہوگا جن پر خدائے تعالیٰ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء کا، اور صدیقوں کا اور شہیدوں کا اور صالحین کا اور یہ سب اچھے رفیق ہیں،

مرزائی کہتے ہیں۔ کہ جب ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلعم کی اطاعت بھی کرتے ہیں اور صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ سے دعا بھی کرتے ہیں، اور ہم صدیقیت اور شہادت اور صلاحیت کے مراتب تک ترقی بھی کر سکتے ہیں تو آیت سورت نساء میں ان سب کے ساتھ انبیاء کی رفاقت کا بھی ذکر ہے۔ تو اگر آنحضرت صلعم کے بعد نبوت بالکل بند ہے۔ اور کوئی شخص بھی نبی نہیں بن سکتا تو یہ دعا بالکل اکارت و ضائع جائے گی اور اطاعت بے ثمر رہے گی پس لازم ہے کہ اس دعا کی قبولیت اور اس اطاعت کا ثمرہ عہدۂ نبوت کی عطا کی صورت میں بھی ہو[1]،

اس کا جواب بچند وجوہ ہے،۔

وجہ اوّل یہ استنباط خلافِ نص قرآنی اور خلافِ احادیث صحیحہ صریحہ ہے۔ لہٰذا باطل ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

وجہ دوم (ا) آیت صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ میں انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چلنے کی توفیق طلب کی جاتی ہے۔ نہ کہ نبی بننے کی درخواست پیش کی جاتی ہے، اگر کسی کی راہ پر چلنے کی دعا مانگنے سے اس کا عہدہ بھی مل جاتا ہے۔ تو جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ (پ) یعنی تحقیق یہی ہے میرا راستہ پس تم اس کی پیروی کرو،

اگر کوئی شخص اس کے مطابق خدائے تعالیٰ سے دعا مانگے کہ خداوندا! مجھے اپنے رستے پر چلنے کی توفیق دے۔ اور اس پر عمل بھی کرے تو کیا اسے اس دعا اور عمل کے ساتھ خدائی کا چارج بھی مل جائے گا؟ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ!

صاحبان! عقل سے کام لیجئے، اتباع اور شئی ہے، اور عہدہ اور شئی ہے،

(ب) اور آیت سورۂ نساء پ میں انبیاء علیہم السلام کی رفاقت بروز قیامت ملنے کا ذکر ہے۔ نہ کہ عہدۂ نبوت ملنے کا۔ جیسا کہ اس آیت کے شان نزول[2] سے بھی واضح ہے اور خود اس آیت میں بھی

---

[1] (خلاصہ مستفاد از اعجاز المسیح تفسیر سورت فاتحہ مصنفہ مرزا صاحب قادیانی) ۱۲ منہ

[2] شان نزول گذشتہ حواشی میں گذر چکا ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

الفاظ مع اور رفیقاً صاف صاف موجود ہیں،

(ج) اور صدیقیت اور شہادت اور صالحیت کے مدارج مل سکنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان کا دروازہ کھلا ہے۔ لیکن نبوت کا دروازہ آنحضرت صلعم کے بعد بند ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ أُولٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ (حدید)

اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر وہی صدیق و شہید ہیں نزدیک اپنے پروردگار کے۔

اگر کسی کی معیت و رفاقت سے اس کا عہدہ ملجانا لازم آتا ہے۔ تو قرآن شریف میں بہت سے مقامات پر خدا تعالیٰ کی معیت کا بھی ذکر ہے۔ کہ وہ تم سب کے ساتھ ہے۔ وہ محسنین کے ساتھ ہے وہ صابرین کے ساتھ ہے۔ وغیرہ وغیرہ تو کیا اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ سب لوگوں کو یا محسنین وصابرین کو خدائی عہدہ اور درجہ مل جاتا ہے۔ توبہ استغفراللہ۔

تنبیہ اگر ہم نصوص قطعیہ یعنی آیت خاتم النبیین اور احادیث ختم رسالت کو نظر انداز کر کے مرزا صاحب اور مرزائی صاحبوں کی کھینچ تان کی استنباطی دلیلوں کو تسلیم کر لیں اور تیس دجالوں والی صحیح اور متفق علیہ حدیث کا بھی لحاظ کریں اور بقول مرزا جی دعوے نبوت کو آنحضرت صلعم کے بعد بھی جائز جان لیں۔ تو مرزا جی کے سوا دیگر مدعیان نبوت کے لئے بھی رستہ کھلا رہے گا اور ان کی تکذیب و تردید کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی۔ کیونکہ جب ہم (معاذ اللہ) ختم نبوت کے دلائل کو ایک دفعہ مرزا جی کے لئے بیکار وغیرہ مفید سمجھ چکے تو وہ اب دوسروں کے مقابلہ میں بکار و مفید نہیں ہو جائیں گے، چنانچہ اسی خیال نے کئی ایک احمدیوں کو جرأت دلا دی کہ انہوں نے نبوت کا کھلا دعوےٰ کر دیا، عبداللہ تیماپوری، احمد نور کابلی، نبی بخش کنسٹیبل، ماسٹر محمد سعید (سرودہ از ضلع سیالکوٹ) عبداللطیف (از ضلع جالندھر) فضل احمد (از ضلع راولپنڈی) وغیرہم۔ غرض یہ سب مدعیان نبوت اور ان جیسے دیگر جو آئندہ پیدا ہوں گے، وہ سب انہی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر آئے ہیں اور آئیں گے۔ جو مرزا جی نے خود پہنے اور ان کو بھی پہنائے۔ پس قادیانی حضرات معتقدین نبوت مرزا جی کا کوئی حق نہیں کہ ان ہتھیاروں سے مرزا جی کو سچا دیکھ کر جری اللہ فی حلل الانبیاء مان لیں۔ اور دیگروں کو جو اسی روپ میں اور انہی ہتھیاروں سے سجے ہوئے ہیں۔ کاذب و مفتری قرار دیں تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ (تو یہ بے انصافی کی تقسیم ہے)

وجہ سوم نبوت کا حصول دعاء و التجاء سے نہیں، بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی دین ہے۔ وہ اپنے انتخاب سے جسے چاہتا ہے۔ نبی بناتا ہے چنانچہ فرمایا:-

Marfat.com

(۱) وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۝ (القصص پ۲۰)

(۱) اور اے پیغمبر! تجھے کچھ امید نہیں تھی۔ کہ تیری طرف کتاب اتاری جائے گی۔ لیکن تیرے رب کی رحمت کی وجہ سے (اتری)

اسی معنے میں کہا گیا ہے ؂

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال | آگ لینے جائیں پیغمبری مل جائے

شبہ دوم

قادیانی حضرات سادہ مسلمانوں کو دوسرا شبہ یہ ڈالتے ہیں کہ ختمٌ کے معنی ہیں مہر کرنا نہ کہ انجام دینا چنانچہ صراح میں ہے۔ ختمٌ، مہر کردن، پس خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد جو کوئی بھی نبی پیدا ہو گا۔ وہ آنحضرت صلعم کی اتباع سے ہو گا۔ گویا کہ آنحضرت نے اس کی نبوت پر مہر تصدیق لگادی۔

اس کا جواب

یہ سراسر مغالطہ اور دھوکہ ہے ورنہ اس صورت میں تو یہ آیت اجرائے نبوت کی دلیل ہو گی۔ نہ کہ اختتام کی، اور یہ خدا تعالیٰ کی منشاء کے خلاف ہے۔ بلکہ کتاب اللہ کی تحریف معنوی ہے۔ یہودیوں کی بھی یہی چال تھی۔ کہ وہ کتاب اللہ کے کلمات کو ان معنوں سے جنپر وہ چسپان ہوتے پھیر کر اور طرف لگا لیتے، چنانچہ فرمایا:-

(۱) يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (مائدہ) (۱) بدلتے ہیں بات کو اس کے ٹھکانے سے

(۲) يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ (پ۶) (۲) بے اسلوب کرتے ہیں بات کو اس کا ٹھکانا چھوڑ کر

یہی حال مرزا قادیانی اور قادیانیوں کا ہے۔ کہ آیات اللہ اور احادیث رسول اللہ صلعم کو خلاف منشائے الٰہی اور خلاف مراد رسول خدا صلعم بے ٹھکانا کر کے اختتام کو اجرا بنا لیتے ہیں، آنحضرت صلعم جنپر قرآن شریف اترا وہ خود اسی آیت کو پیش کر کے فرمائیں کہ میں آخری نبی ہوں، نبوت اور رسالت میرے بعد منقطع ہو گئی، میں قصر نبوت کی آخری اینٹ ہوں۔ میں عاقب ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا، میرے بعد نبی بننے والا دجال و کذاب ہے۔ جیسا کہ اوپر مفصل گذر چکا اور قادیانی صاحبان یہ کہیں کہ اس کے یہ معنے ہیں کہ آگے کو آنحضرت کی مہر تصدیق سے نبی بنتے رہیں گے۔ گویا کہ نبوت کی ٹکسال کھل جائے گی،

Marfat.com

توبہ استغفر اللہ!

آیئے! ہم آپ کو بتائیں کہ صراح میں کیا لکھا گیا ہے اور کسی کے انجام اور اس پر مہر لگانے میں کیا مناسبت ہے "

دیکھئے! جہاں صراح میں ختم کے معنے مہر کردن لکھے ہیں۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے:۔

" تمام گردانیدن، یقال ختم اللہ لہٗ بالخیر و تمام خواندن قرآن را، اختتام بپایاں بردن " " نقیض الافتتاح " ۱۲

یعنے ختم کے معنی تمام کرنے کے بھی ہیں، چنانچہ محاورہ ہے۔ خدا اس کا خاتمہ بالخیر کرے " اور تمام قرآن شریف کو پورا (شروع سے آخر تک) پڑھ جانے کو بھی ختم کہتے ہیں۔ اور اختتام کے معنی کسی کام کو " انجام دینا " اور نقیض ہے۔ افتتاح کی یعنی جسطرح افتتاح کسی کام کے شروع کرنے کو کہتے ہیں۔ اس طرح اسکے انجام دینے کو اختتام کہتے ہیں۔ "

اور دیکھئے! صراح میں یہ بھی لکھا ہے:۔

" خاتمۃ الشیء اٰخرہٗ و محمد خاتم الانبیاء بالفتح

" صلوات اللہ علیہ و علیہم اجمعین ۱۲

اور مہر لگانے اور اختتام یعنی انجام دینے میں مناسبت یہ ہے۔ کہ مہر انجام و اختتام پر لگائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ بھی صراح ہی میں لکھا ہے:۔

ختام گل و موم کہ بر دے مہر کنند، و قولہ تعالیٰ ختامہٗ مسک "

ای اٰخرہٗ " ۱۲۔

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اس آیت کا ترجمہ بطور کرتے ہیں:۔

" اس کی مہر جمتی ہے مشک و کستوری پر "

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا۔ کہ مہر نبوت سے مراد اختتام نبوت ہے۔ نہ کہ اجرائے نبوت، چنانچہ یہ معنی حضرت علیؓ والی حدیث صحیح بخاری سے واضح ہیں۔ جو سابقاً میں گذر چکی ہے کہ آنحضرت صلعم سفر تبوک پر تشریف لے جاتے وقت ان کو فرمایا تھا:۔

الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی (صحیح بخاری)	اے علیؓ کیا تو راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی ہو نبوالا نہیں "

اس حدیث سے صاف واضح ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے بعد نبوت کی بندش کی بابت فرما رہے ہیں نہ

Marfat.com

کہ جاری ہونے کی بابت،

شبہ سوم

قادیانیوں کا یہ مغالطہ پہلے مغالطہ کی طرح بڑا بھاری ہے۔ اور وہ اس میں بہت زور لگایا کرتے ہیں، وہ یہ کہ جب کسی شخص کو مثلاً خاتم الحفاظ، خاتم المحدثین، خاتم الشعرا کہا جاتا ہے تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ دوسرا کوئی حافظ یا محدث یا شاعر اس کے بعد نہیں ہوا یا نہ ہوگا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے، کہ وہ شخص حفظ یا حدیث دانی یا شعر میں سب سے افضل ہے۔ کیونکہ لفظ خاتم بفتح تا جب جمع کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنی افضل کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس کی تائید میں ذیل کی تائیدیں پیش کرتے ہیں:-

(۱) آنحضرت صلعم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا:-

"اطمئن یا عم فانک خاتم المهاجرین فی الهجرة کما انا خاتم النبیین فی النبوة۔ (کنز العمال جلد ۶۔ ص ۱۷۸)

اگر خاتم کے معنے آخری کئے جائیں۔ تو کیا حضرت عباسؓ کے بعد کسی نے ہجرت نہیں کی؟

۲۔ ابو تمام طائی مؤلف دیوان حماسہ کی وفات پر حسن بن وہب عربی شاعر نے مرثیہ لکھا اس میں یہ شعر بھی ہے۔

فجع القریض بخاتم الشعراء وغدیر روضتها حبیب الطائی

تو کیا ابو تمام کے بعد کوئی شاعر نہیں ہوا؟

نیز قادیانی کہتے ہیں کہ خاتم انگوٹھی کو کہتے ہیں۔ اور انگوٹھی زینت کے لئے ہوتی ہے۔ پس خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلعم نبیوں کی زینت ہیں۔

اس شبہ کا جواب

یہ شبہ سراسر باطل اور بے بنیاد ہے، علاوہ اس کے کہ یہ احادیث صحیحہ اور آئمہ دین اور آئمہ لغت کی تصریحات کے خلاف ہے۔ اگر قادیانی سخن ساز تھوڑی سی عقل سے بھی کام لیں تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ ان کی یہ توجیہ ان کو مفید مطلب نہیں دیتی، بلکہ سراسر ان کے خلاف ہے۔ بلکہ ان پر ادبار کی ڈگری ہے۔ لیجئے ہم پہلے ان کی عقلمندی بتاتے ہیں۔ پھر احادیث صحیحہ اور آئمہ لغت کی تصریحات

Marfat.com

بتائیں گے۔ پھران کی پیش کردہ حدیث اور شعر کا جواب بتائیں گے۔ واللہ الموفق،

۱۔ اس حدیث اور اس شعر سے قادیانیوں پر اقبال ڈگری یوں ہے۔ کہ افضلیت کمال کا آخری درجہ ہوتا ہے۔ جبتک آپ اسے نہیں مانیں گے۔ افضلیت نہیں منوا سکیں گے۔ پس یہ توجیہ ہمیں مفید ہے۔ اور آپ لوگوں کو مُضر۔ فافہم۔

تنبیہہ:۔ خاتمیت کا وجہ فضیلت ہونا دیگر امر ہے۔ اور یہ بات کہ اس کا معنی و مفہوم لغوی افضل ہے۔ دیگر امر ہے۔ جو غلط ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے، کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے:۔

فضلت علی الانبیاء بست اعطیت[۱] بجوامع الکلم، و نصرت[۲] بالرعب، و احلت[۳] لی المغانم وجعلت لی الارض طہورا و مسجدا وارسلت[۵] الی الخلق کافۃ وختم[۶] بی النبیون +

(صحیح مسلم جلد اوّل صہ ۱۹۹)

(کتاب المساجد)

میں چھ امروں کی وجہ سے دیگر انبیاء پر فضیلت دیا گیا ہوں۔ ۱۔ مجھے جامع کلمات عطا ہوئے ہیں۔ اور میں رعب سے دیا گیا ہوں۔ اور (۳) میرے لئے غنیمیں حلال کی گئیں اور (۴) زمین کی خاک بوقت تیمم وضو اور غسل کی جگہ پاکیزگی دینے والی بنائی گئی اور (۵) میں تمام خلقت کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں (۶) اور انبیاء میرے آنے سے ختم کئے گئے ہیں۔

اس حدیث میں صریحًا مذکور ہے کہ ختم نبوت آنحضرت صلعم کی وجہ فضیلت ہے۔ جس طرح کہ دیگر پانچ چیزیں بھی وجوہِ فضیلت ہیں۔ پس جسطرح دیگر امر جو اس حدیث میں مذکور ہیں۔ ان کے معنی لغوی افضلیت کے نہیں ہیں۔ چنانچہ ہمارے اس بیان کی تائید حافظ ابن حجرؒ کے مندرجہ ذیل استنباط سے بھی ہو سکتی ہے۔ جو انہوں نے صحیح بخاری کے باب وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ کی مندرجہ حدیث نبوت کے ضمن میں لکھا ہے:۔

وفی الحدیث ضرب[۱] الامثال للتقریب للافہام وفضل[۲] النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی سائر النبیین وان[۳] اللہ ختم بہ المرسلین واکمل[۴] بہ شرائع الدین۔

(فتح الباری دہلوی جزو ۱۴ صہ ۳۱۴)

اس حدیث میں افہام وتفہیم کے لئے ضرب الامثال کے بیان کرنے اور دیگر انبیاء پر آنحضرت صلعم کی فضیلت کی دلیل ہے اور نیز اس بات کی کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی آمد پر رسلوں کو ختم کر دیا۔ اور آپ سے شریعت کے سب امور کامل کر دیئے ہیں۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ آنحضرت صلعم ہی فرماتے ہیں۔ اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ (صحیح بخاری صہ ۴۶) اور آنحضرت ہی فرماتے ہیں۔ اِنِّی اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ (صحیح مسلم جلد اوّل صہ ۱۹۹)، تو اس کے بعد کس کا

Marfat.com

سرپھرا ہے کہ وہ کہے کہ خاتم کے معنی آخری نہیں ہیں،

مزید برین یہ کہ ائمہ لغت کی تصریحات جو سابقاً مذکور ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ تصریحات ذیل بھی ملاحظہ فرمائیں اور بھرقادیانیوں کے علم و ایمان کی داد دیں۔

(۱) منتہی الارب میں زیر لفظ خاتم لکھا ہے،۔ و آخر ہر چیز و پایانِ آں و آخر قوم۔ وخاتم بالفتح مثلہ ومحمد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین (منتہی جلد اول صہ ۱۹۴) یعنی خاتم (بالکسر) کے معنی ہیں ہر چیز کا آخر اور اس کا انجام اور قوم کا آخری شخص، اور خاتم بالفتح بھی اسی کی مثل ہے یعنی اسی کا ہم معنے ہے۔ اور محمد صلعم انبیاء علیہم السلام کے خاتم ہیں (یعنی آخری نبی ہیں) ،،

نیز اسی میں ہے، خاتمہ کصاحبۃ آخر چیزے و پایانِ آں ،، یعنی خاتمہ کے معنے ہیں ہر چیز کا آخر اور اس کا انجام ،،

نیز اسی میں ہے۔ خَتَمَ الشَّیْءَ خَتْماً کے معنے یہ ہیں کہ وہ اس کام کے آخر کو پہنچ گیا، یا یوں کہو کہ اس نے اسے تمام کر دیا یا یوں کہ اس نے اسے تمام پڑھ لیا ،، غرض اس کے سب محاورات میں آخر اور انجام کے معنی پائے جاتے ہیں۔

۲۔ علامہ فیومی لغوی رح المصباح المنیر میں فرماتے ہیں۔ ختمت القرآن حفظت خاتمتہ وھی اٰخرہ والمعنی حفظتہ جمیعہ عن ظھر غیب (ج ۱ ۔ صہ ۲۶)

(۳) علامہ زمخشری رح اساس البلاغت میں فرماتے ہیں۔ ختم القرآن و کل عمل اذا اتمّہ و فرغ منہ والتحمید مفتتح القرآن والاستعاذۃ مختتمہ (جلد اوّل ۔ صہ ۲۱۱) یعنی ختم قرآن اور ہر عمل کے ختم کرنے کے معنی ہیں، اسے پورا کر دینا اور اس سے فراغت حاصل کرنا اور قرآن شریف کا افتتاح یعنی شروع خدا کی حمد سے ہے۔ یعنی سورۂ الحمد سے قرآن شروع ہوتا ہے اور قرآن کا اختتام یعنی انجام استعاذہ پر ہے یعنی اس کے اخیر پر سورت قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہے۔،،

(۴) شیخ محمد طاہر رح اپنی مایہ ناز کتاب لغات حدیث مجمع بحار الانوار میں زیر لفظ ختم فرماتے ہیں فنظرت الی خاتم النبوۃ بکسر تاءای فاعل الختم وھو الاتمام و بفتحھا بمعنے الطابع ای شیٔ یدل علی انہ لا نبی بعدہ۔ جلد اوّل صہ ۳۲۹ یعنی حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ ایک صحابی کہتا ہے کہ میں نے آنحضرت صلعم کی مہر نبوت کی طرف دیکھا تو اس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ وہ آنحضرت صلعم کے مونڈھوں کے درمیان) ایسی چیز تھی جو اس بات پر دلالت کرتی تھی۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا

Marfat.com

خواہ اس لفظ کو خاتِم بصیغہ اسم فاعل پڑھیں۔ خواہ بالفتح بمعنی طابع پڑھیں۔ کیونکہ ختم کے معنی پورا اور تمام کرنے کے ہیں۔

اس کے علاوہ اسی مجمع البحار میں کئی ایک احادیث مذکور ہیں۔ جن میں خواتم اور خواتیم کا لفظ وارد ہے۔ اور ان سب میں اس کے معنی ہیں۔ 'اخرِ شیٔ' مثلاً حدیث استودع اللہ امانتک وخواتیم عملک ای اٰخرہ، اور حدیث اوتیت جوامع الکلم وخواتمہ ای القراٰن ختمت بہ الکتب السماویۃ اور حدیث والقراءۃ بالخواتیم ای باواخر السور اور حدیث ثم قرء العشر الاٰیات الخواتم صفتہ لعشر دھی ان فی خلق السمٰوات الخ

اسی طرح ایک اور لفظ اسی مادہ ختم سے ختام ہے۔ جو قرآن و حدیث میں یوں وارد ہے۔ خِتَامُہٗ مِسْکٌ (سورت تطفیف پ۳۰) اس کی نسبت مجمع البحار میں لکھا ہے۔ خِتَامُہٗ مِسْکٌ ھو طین یختم بہ ای اٰخرہ طعم المسک۔ اور اسی میں بالخصوص خاتِم اور خاتَم کے متعلق لکھا ہے۔ وَالْخَاتَمُ وَالْخَاتِمُ من اسمائہ صلی اللہ علیہ وسلم ش بالفتح اسم ای اٰخرھم،

ان تصریحات کے بعد کسی ایماندار کے لئے خاتم النبیین کے معنی 'اٰخر الانبیا' ماننے کے متعلق کسی قسم کے شک و تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ یہ معنی خود آنحضرت صلعم کی زبان مبارک کے فرمائے ہوئے ہیں۔ اور آپ کے بعد جملہ صلحائے امت کیا محدثین اور کیا لغویین اور کیا فقہاء اور کیا صوفیاء اور کیا متکلمین سب کے سب اس کے یہی معنے کرتے اور مانتے آئے اور سب کا ایمان یہی رہا۔ کہ نبوت آنحضرتؐ پر ختم ہوگئی اور آپ اس سلسلہ کے آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہوگا۔ اگر ایسا کوئی شخص ایسا دعویٰ کرے تو وہ دجّال اور کذّاب ہے۔

۳۔ اب حضرت عباسؓ کی ہجرت والی حدیث کا جواب سنئے۔ کہ فتح مکّہ سے پیشتر ہجرت الی المدینہ فرض تھی۔ تاکہ تمام مسلمان مرکز اسلام یعنی مدینہ شریف میں جمع ہو کر قوت بھی پکڑ جائیں اور کفار کے مظالم سے بھی بچے رہیں۔ لیکن جب رمضان ۸ھ میں مکہ شریف فتح ہو گیا۔ تو اسلام غالب و قوی ہو گیا۔ اور کفر کا زور ٹوٹ گیا۔ تو آنحضرت صلعم نے پہلا حکم یعنی فرضیت ہجرت منسوخ کر دیا۔ اور فرما دیا۔ لا ھجرۃ بعد فتح مکۃ[۱] (بخاری) یعنی فتح مکّہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ اور حضرت عباسؓ نے فتح مکّہ

---

[۱] اس کا قصہ یوں ہے کہ فتح مکّہ پر حضرت مجاشع بن مسعود سلمی اپنے بھائی مجالد کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں لایا کہ میرا یہ بھائی آپ کے دست مبارک پر ہجرت کی بیعت کرنا چاہتا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ فتح مکّہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن میں اسلام پر اس کی بیعت لے لیتا ہوں۔ (بخاری جزء ۱۲۔ صہ۱۲۶)

Marfat.com

سے قدرے ہی پیشتر ہجرت کی تھی۔ چنانچہ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجرؒ اصابہ میں حضرت عباسؓ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:۔

هَاجَرَ قَبْلَ الفتح بقليل و شهد الفتح۔ (جلد سوم ص۲۶۹ مطبوعہ کلکتہ)

یعنی حضرت عباسؓ نے فتح مکہ سے چند سے پیشتر ہجرت کی اور آپ فتح مکہ میں حاضر تھے۔

آپ کے ہجرت کرنے کے بعد کسی دیگر شخص کی ہجرت ثابت نہیں ہے۔ پس حضرت عباسؓ آخری مہاجر ہوئے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ خاتم کے معنی آخری ہیں۔

تنبیہ آنحضرت صلعم نے حضرت عباسؓ کو جو خاتم المہاجرین فرمایا۔ تو اس سے آپ کا مقصود حضرت عباسؓ کی دلداری اور تسلی خاطر ہے۔ کیونکہ حضرت عباسؓ نے خیال کیا۔ کہ مجھ سے سابقیت ہجرت فوت ہو گئی ہے۔ کیونکہ وہ ہجرت کے بہت پیچھے ایمان لائے تھے۔ پس آنحضرت صلعم نے ان کی تسلی فرمائی۔ کہ چچا جان! سابقیت کے فوت ہونے کا غم نہ کریں۔ کیونکہ جسطرح سابقیت وجہ فضیلت ہو سکتی ہے۔ اسی طرح خاتمیت بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ میں خاتم الانبیاء ہوں اور آپ خاتم المہاجرین ہیں۔ چنانچہ یہ بات آپ کے الفاظ اطمئن یا عم سے ظاہر ہے۔ یعنی چچا جان! آپ تسلی رکھیں:

اور ابو تمام کے مرثیہ کے شعر میں جو اسے خاتم الشعراء کہا گیا ہے تو وہ شاعر کے ظن کی بنا پر ہے کہ اس کے نقطۂ خیال میں ابو تمام اس کمال کا آخری شخص تھا۔ پس اگر کوئی شخص دیگر ابو تمام کے برابر بلکہ اس سے بڑھ کر بھی ثابت ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ حسن بن وہب شاعر عالم الغیب نہیں تھا۔ کہ اس کا قول غلط نہ نکلے۔ لیکن جناب والا! یہاں تو خدا تعالیٰ جو عالم الغیب ہے۔ آنحضرت صلعم کی نسبت فرما رہا ہے۔ کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ ذات پاک ہیں۔ جن پر خدا تعالیٰ بعض مغیبات کھولتا ہے آپ اس کی تفسیر آخر الانبیاء سے کرتے ہیں۔ تو آپ ان دونوں (خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پاک) میں سے کس کو حسن بن وہب جیسا گمان کر سکتے ہیں۔ کہ اس کا علم ناقص و قاصر ہے اور اسے حسن بن وہب کی طرح غیب پر اطلاع نہیں ہے۔ توبہ کرو استغفار پڑھو ایسے واہی تباہی شکوک و شبہات کی بنا پر اپنے ایمان کی بے بہا متاع کو ضائع نہ کرو۔ اور دیگر لوگوں کے ایمانوں کو بھی خراب کرنے اور گمراہی میں ڈالنے کا بارِ گراں اپنے کمزور کندھوں پر نہ اٹھاؤ:

اب ہم اس بیان کو کافی جان کر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں:

والحمد للہ ملہم الحقائق بجہ

Marfat.com

فصل دوم

سُورت فاتحہ کے بعد آمین پکارنے کی بابت

صحیح اور حسن ہر طرح کی احادیث سے ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہری نماز میں سُورت فاتحہ کے ختم پر بلند آواز سے آمین پکارتے تھے۔ (ابوداؤد، دارقطنی، ابن ماجہ ترمذی وغیرہا)

لفظ آمین کا اصل اور اس کے معنے

انگریزی لغت نویس اسے عبرانی الاصل لکھتے ہیں اور اس کے معنی یہ لکھتے ہیں۔

So let it be یعنی یہ بات اسی طرح ہو۔

عربی لغت نویس بھی اس کے یہ معنی بتاتے ہیں، چنانچہ لسان العرب میں ہے "وقیل معنے ہ آمین، کذالک یکون" یعنی ایسا ہی ہو۔ اور یہ معنی بھی لکھتے ہیں۔ "اللّٰھم استجب یعنے خداوندا! قبول فرما"

قطع نظر اس سے کہ یہ لفظ اصل میں کس زبان کا ہے۔ عربی زبان میں اس کے ماضی ومضارع کی گردان اور تبویب اسی طرح ہوتی ہے۔ جس طرح دیگر عربی الاصل الفاظ کی ہوتی ہے۔ مثلاً آمَّن یُؤمِّنُ تأمِیناً ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ عبرانی ہو اور عربوں نے اس میں تصرف کر کے اسے عربی سانچے میں ڈھال لیا ہو۔ کیونکہ اس کا استعمال سوائے باب تفعیل کے اور صورت میں نہیں پایا گیا۔ اور عرب لوگ دوسری زبان کے الفاظ کو باب تفعیل میں لاکر اس پر عربی رنگ چڑھا لیتے ہیں۔ دیگر یہ کہ اس کا تلفظ آمین (بالمد) اور اَمین (بالقصر) ہر دو طرح پر مستعمل ہے۔ فعیل تو عربی الفاظ کا وزن ہے۔ لیکن فاعیل (بالالف) کوئی وزن نہیں ہے۔ (المصباح المنیر) لہٰذا یہ لفظ عربی الاصل نہیں ہے۔ چنانچہ ذیل کے بیان سے بھی اس کی تائید ہو سکتی ہے۔

آمین کا رواج

دعا کے موقع پر آمین کا دستور ملت ابراہیمی کی ہر سہ شاخوں میں برابر پایا جاتا ہے یعنی یہودیوں میں بھی، عیسائیوں میں بھی اور مسلمانوں میں بھی۔[1]

---

[1] ویبسٹر امداد شمال وغیرہ ۱۲ منہ

Marfat.com

سورت یونس پلا میں وارد ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور فرعونیوں کے حق میں بد دعا کی تو اسپر خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا یعنی تمہاری دعا قبول ہو چکی ہے۔ ادعا کرنے کے وقت صرف حضرت موسیٰ کا ذکر ہے۔ لیکن قبولیت کی بشارت کے وقت اسے ہر دو (حضرت موسیٰ وحضرت ہارونؑ) کی طرف مضاف کیا ہے۔ کیونکہ دَعْوَتُکُمَا میں کُمَا ضمیر مخاطب تثنیہ کی ہے اس کی بابت تفسیر سراج منیر[1] میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حضرت موسیٰؑ دعا مانگتے تھے۔ اور حضرت ہارونؑ آمین پکارتے تھے۔ چونکہ آمین کہنے والا بھی شریک دعا ہوتا ہے۔ اس لئے مقام بشارت میں دُعا کو ہر دو کی طرف مضاف کیا۔

نیز اس کا حوالہ زبور نمبر ۴۱ آیت نمبر ۱۳ میں اور زبور نمبر ۱۰۶ آیت نمبر ۴۸ میں بھی ملتا ہے جس سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ یہ لفظ عبرانی الاصل ہے۔ واللہ اعلم،

عیسائیوں میں بھی آمین کا رواج برابر پایا جاتا ہے۔ اور وہ دعا و مناجات کے وقت باظہار اخلاص آمین پکارتے ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آمین کا رواج ملت ابراہیمی کی ہر سہ شاخوں (یہود، نصاریٰ، اور مسلمین) میں برابر پایا جاتا ہے اور یہ عبادت گذار لوگوں میں قدیمی دستور ہے۔

سورت فاتحہ اور آمین

سورت فاتحہ کا ابتدائی حصہ اسمائے الٰہیہ اور اس کی حمد وثنا اور اسکی صفات جلال وجمال میں ہے۔ درمیانی حصہ یعنی اِیَّاکَ نَعْبُدُ الآیہ میں اظہار عبودیت واحتیاج کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اور اخیر میں دعا و التجا کی تعلیم ہے اسی دعا والتجا کی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ تعلیم المسئلہ۔ والدعا والمناجات، بھی ہے۔ یعنی ایسی سورت جس میں خدا تعالیٰ سے درخواست وسوال اور دعا کرنے اور اس سے راز ونیاز کی باتیں کرنے کی تعلیم ہے۔ پس جب یہ سورت دعا۔ اور مناجات اور درخواست وعرض معروض کی بھی متضمن ہے تو اس کے خاتمہ پر آمین کا پکارنا نہایت موزون ومناسب ہے۔ یوں سمجھئے کہ جو کچھ اس سورت کی قراءت میں بالتفصیل درگاہ الٰہی میں عرض کی گئی ہے۔ آمین میں اسی کی درخواست بالاجمال کی گئی ہے۔ اور اسی مناسبت تفصیل واجمال کی وجہ سے حضرت موسےٰؑ کے ساتھ حضرت ہارونؑ نے آمین پکاری تھی، یعنی جو کچھ حضرت موسیٰؑ نے مفصلاً عرض کیا۔ وہی حضرت ہارون نے بالاجمال طلب کیا۔ اور

[1] یہ توجیہ یعنی حضرت موسیٰؑ کا دعا کرنا اور حضرت ہارون کا آمین پکارنا۔ دیگر تفاسیر مثلاً خازن، ابن کثیر میں بھی مذکور ہے۔ لیکن اس کی نسبت حضرت ابن عباس کی طرف سراج منیر میں مذکور ہے۔ اس لئے متن میں اسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

یہی بھید اس حدیث میں بتایا گیا ہے۔ کہ "جب تم میں سے کوئی آمین کہتا ہے۔ تو آسمان میں فرشتے بھی آمین کہتے ہیں، پس جس کی آمین کو ملائکہ کی آمین سے موافقت و مناسبت ہو گئی۔ اس کے جملہ گذشتہ گناہ بخشے گئے" (صحیحین)

ملائکہ کی طہارت و پاکیزگی اور ذکر و عبادتِ الٰہی ان کا مایۂ حیات ہونا معلوم ہے۔ اور بنی آدم کی کمزوری اور پریشانی خاطر بھی معلوم ہے۔ پس جب بنی آدم بھی خشوع و خضوع اور حضور قلب و توجہ الی اللہ اور ذوق و شوقِ عبادت اور اخلاص دلی حاصل کر لیں۔ اور فرشتوں کی جماعت ان کی دعا و آمین کے ساتھ آمین پکارے تو اس عبادت و قرأت اور دُعا و آمین کا جو مرتبہ بڑھ سکتا ہے۔ وہ اہل دل کے لئے محتاج بیان نہیں۔

اسرار و فضائل آمین

بنی آدم کے ذکر و عبادات اور دعا و مناجات کی مجالس میں بوجہ روحانی مناسبت کے ملائکۃ اللہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

ان للّٰہ ملائکۃ یطوفون فی الطرق یلتمسون اھل اللّٰہ کہ الخ (حصن حصین ص۱۲۰) — خدا تعالیٰ کے بعض فرشتے ہیں جو رستوں میں پھرتے رہتے ہیں (اور) اہل ذکر (خدا یاد لوگوں) کو تلاش کرتے رہتے ہیں

اس مجلسِ ذکر و عبادت میں بنی آدم کا اخلاص و حضورِ قلب جسقدر زیادہ ہو گا۔ اسی قدر ملائکۃ اللہ سے مناسبت زیادہ ہو گی۔ اور عالم ناسوت اور عالم ملکوت کے یہ اخلاص بھرے کلمات روحانیہ عالم بالا میں صعود کر کے شرف قبولیت پانے کے لائق ہو جاتے ہیں چنانچہ سورت فاطر میں فرمایا:۔

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ۔ (فاطر پ۲۲) — یعنی اسی خدا کی طرف چڑھتا ہے کلمہ طیبہ اور وہی (خدا) عمل صالحہ کو بلند کرتا ہے[1]

ایسے خلوص و انابت کی حالت میں فرشتوں کی شمولیت میں جو دُعا کی جائے وہ قبولیت کے نہایت قریب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اسی معنے کو آنحضرت صلعم نے اس حدیث میں سمجھایا ہے۔ کہ:۔

---

[1] یرفعہ کی ضمیر فاعلی اور مفعولی کے لحاظ سے مفسرین نے اس آیت کے دو اور معنی بھی لکھے ہیں۔ (۱) اسی خدائے تعالیٰ کی طرف چڑھتا ہے۔ کلمہ طیب اور وہ کلمہ طیب عمل صالح کو بلند کرتا ہے۔ یعنی کلمہ طیبہ جو لا الہ الا اللہ ہے۔ یعنی خدا کی توحید کا اقرار و ایقان عمل صالح کے مقبول ہونے کا ذریعہ و سبب بنتا ہے ورنہ بغیر ایمان کے کوئی عمل بھی قبول نہیں ہوتا ۱۲ (۲) اسی خدائے تعالیٰ کی طرف چڑھتا ہے۔ ہر کلمہ طیب جو بھی پاک کلمہ ہو اور عمل صالح اسی کلمہ کو بلند کرتا ہے۔ یعنی زبان سے کوئی پاک کلمہ کہنے کے ساتھ اگر عمل صالح بھی شامل ہو تو وہ زبان کے کلمات بھی قبول ہو جاتے ہیں۔ ورنہ محض زبانی جمع خرچ بغیر عمل کے قبول نہیں ہوتا (تفسیر معالم وغیرہ) ۱۲ منہ

Marfat.com

اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ قال ابن شہاب کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول امین۔

(صحیحین وغیرہما)

جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ پس حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کی آمین کو ملائکہ کی آمین کی موافقت و مناسبت ہو گئی تو اس کے جملہ گذشتہ گناہ بخشے گئے امام زہری جو اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم خود بھی آمین پکارا کرتے تھے "

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح اپنی مایہ ناز و سرمایۂ اعزاز کتاب حجۃ اللہ میں یہ حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں :-

(اقول) الملئکۃ یحضرون الذکر رغبۃ منہم فیہ ویؤمنون علی ادعیتہم لاجل ما یترشح علیہم من الملأ الاعلی وفیہ اظہار التاسی بالامام واقامۃ لسنۃ الاقتداء

(حجۃ اللہ مطبوعہ مصر)

(جلد ثانی صٹ)

(میں کہتا ہوں کہ فرشتے ذکر الٰہی کے وقت اس میں رغبت رکھنے کی وجہ سے حاضر ہوتے ہیں اور عبادت گذاروں کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔ ان برکات کی وجہ سے جو ان پر ملاء اعلیٰ (ملائکہ مقربین وحاملین عرش) سے مترشح ہوتی ہیں۔ اور اس میں امام کی پیروی کا اظہار بھی ہے اور طریق اقتدار کی اقامت بھی ہے۔

امام، مقتدی اور منفرد ہر ایک آمین کہے

اوپر کے بیان سے واضح ہو چکا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم خود بھی آمین پکارا کرتے تھے۔ اور صحابہ رضہ کو بھی جو آپ کے مقتدی ہوتے تھے۔ آمین پکارنے کا حکم فرمایا کرتے تھے، ایسی سب احادیث کا خلاصہ مطلب حافظ ابن قیم رح نے نہایت مختصر الفاظ میں یوں کیا ہے

فاذا فرغ من قراءۃ الفاتحۃ قال امین فان کان یجہر بالقراءۃ رفع بہا صوتہ وقالہا من خلفہ۔

(زاد المعاد جلد ۱ صفحہ)

پس جب آپ قراءتِ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو کہتے آمین، پس اگر اونچی قراءت پڑھتے تو آمین بھی اونچی کہتے، اور صحابہ رضہ بھی جو آپ کے پیچھے ہوتے وہ بھی آمین کہتے "

اس بیان سے امام کا اور مقتدی کا آمین پکارنا اور فرشتوں کی حاضری اور فرشتوں کی موافقت اور امام کی پیروی اور اقتدار کا اظہار سب کچھ معلوم ہو گیا اب صرف یہ باقی رہ گیا ہے۔ کہ کیا اکیلا نمازی بھی فاتحہ کے بعد آمین کہے، سو اس کے لئے تھوڑی سی توجہ درکار ہے۔ کہ جب آمین فاتحہ کے تابع ہے۔ تو اکیلا بھی جب فاتحہ سے فارغ ہو آمین کہے۔ حضرت امام شافعی رح کتاب الام میں

Marfat.com

فرماتے ہیں:۔
واحب قولہا لکل من صلّی رجل اوامراۃ اوصبی فی جماعۃ کان او غیر جماعۃ۔
(جلد اوّل)
(ص ۹۵)

اور میں (امام شافعیؒ) محبوب رکھتا ہوں اس (آمین) کا کہنا، واسطے ہر شخص کے جو نماز پڑھے، مرد ہو یا عورت ہو یا لڑکا ہو۔ جماعت میں ہو یا غیر جماعت میں ہو"

شیخ عبدالحق حنفیؒ شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں:۔
"آمین گفتن بعد قرأت فاتحہ در نماز سنّت است و عقل بسیار دارد، خواہ منفرد باشد خواہ امام و خواہ مقتدی۔ ہرچند امامش نگوید" (ص ۵۴)

خاکسار میر سیالکوٹی، کہتا ہے کہ اس مسئلہ کا اصل صحیح مسلم کی حدیث سے ماخوذ ہے۔ جسکے الفاظ یہ ہیں۔ اذا قال احدکم فی الصلوۃ آمین الحدیث چنانچہ امام نوویؒ اس کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔
وقد اجتمعت الامۃ علی ان المنفرد یومن[2] الخ۔

یعنی امت محمدیہ کا اس بات پر اجتماع ہے کہ منفرد بھی آمین کہے"

اونچی قرأت کے وقت اونچی آواز سے اور آہستہ کے وقت آہستہ سے آمین کہے

جب معلوم ہو چکا کہ آمین سورت فاتحہ کے تابع ہے تو اب اس کا طریق ادا معلوم کرنا نہایت آسان ہے۔ کہ اس کے ادا کرنے کی کیفیت بھی سورت فاتحہ کی ادائیگی کے مطابق ہونی چاہیئے یعنی اگر سورت فاتحہ اونچی پڑھی جائے تو آمین بھی اونچی۔ اور اگر سورت فاتحہ آہستہ پڑھی جائے تو آمین بھی آہستہ کہی جائے جیسا کہ بسم اللہ شریف کے بیان میں گذر چکا۔ کہ بسم اللہ شریف اونچی قرأت کے وقت اونچی پڑھی جائے اور خفیہ کے وقت خفیہ پڑھی جائے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بسم اللہ شریف جزو سورت ہے۔ اور آمین جزو نہیں ہے۔ بلکہ تفصیلی دعا کے خاتمہ پر اجمالی دعا ہے تو جب تفصیلی دعا اونچی آواز سے مانگی ہے۔ تو اب اجمالی دعا اونچی آواز سے کرنے میں کیا قباحت ہے بلکہ یہ تو موافق و مناسب حال ہونے کی صورت میں نہایت ہی موزون و معقول ہے۔ آنحضرت صلعم

---

[1] امام شوکانیؒ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے (نیل الاوطار جلد ۲ صہ ۱۱۱) ۱۲ منہ

[2] نووی جلد صہ ۱۷۶، ۱۲ منہ

کی سنت یہی ہے۔ جیسا کہ آئندہ بیان سے خدا کے فضل سے معلوم ہو جائے گا اور خوب یاد رکھئے اور دل میں گرہ دیکر یاد رکھئے۔ کہ آنحضرت صلعم کی ہر سنت اور آپ کی ہر ادا اور آپ کا ہر قول، اور آپ کا ہر فعل، اور آپ کی ہر حرکت اور آپ کی ہر سکون با حکمت اور نہایت معقول اور مناسب وقت اور موافق حال ہوتی تھی۔ اور عقلاء کے نزدیک یہ سب امور حکمت میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلم حکمت بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ یعنی میرا نبی (محمد صلعم) لوگوں کو کتاب آلہی اور حکمت (مناسب طریق عمل) سکھاتا ہے"

جمعہ پ ۲۸

لیجئے پہلے آنحضرت صلعم کی سنت سے اس کا ثبوت دیکھئے، پھر اس کی حکمت سمجھئے، حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔

اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ قال ابن شہاب وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول امین (موطا امام مالک)

جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ پس حقیقت یہ ہے کہ جس کی آمین کو فرشتوں کی آمین سے موافقت ہوگئی۔ اس کے پہلے گناہ بخش دیے گئے۔ امام زہری کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی آمین کہا کرتے تھے۔"

اس حدیث کی صحت میں کسی محدث اور کسی امام کو اختلاف نہیں۔ دنیا جہان کے محدثین نے اسے قبول کیا ہے، اوّل اس لئے کہ یہ موطا امام مالک رح کی روایت ہے اور موطا میں جو بھی مسند و مرفوع حدیث مکتوب ہے وہ صحیح ہے۔ دوم۔ اس لئے کہ اسے امام بخاری و مسلم نے بھی صحیحین میں امام مالک رح کے واسطہ سے ذکر کیا ہے۔

سوئم :- اس لئے کہ شیخین کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث نے بھی اسے امام مالک رح کے واسطے سے روایت کیا۔ مثلاً امام محمد، امام شافعی رح امام ابو داؤد، امام ترمذی امام نسائی (من غیر زیادۃ ابن شہاب)، امام بیہقی رح ، اور بعض دیگر نے امام مالک کی بجائے امام سفیان بن عیینہ رح وغیرہ کے واسطہ سے روایت کیا اور وہ بھی علم حدیث میں امام مالک رح کی طرح جلیل القدر امام ہیں۔ غرض دنیا جہان کے محدثین کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے۔

وجہ استدلال حافظ ابن حجر رح شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:۔

وجہ الدلالۃ من الحدیث انہ لو لم یکن التامین مسموعا للماموم لم یعلم بہ وقد

اس حدیث سے صورت استدلال کی یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کی آمین نہ سنے تو اسے اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ

Marfat.com

علق تامینہ بتامینہ (فتح الباری مطبوعہ دہلی جز ۲ - صفحہ ۲۲۶) آنحضرت صلعم نے اس کی آمین سے وابستہ کیا ہے۔"

امام ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں اس حدیث مذکورالفوق کے متعلق امام شافعیؒ کی نہایت مدلل تقریر نقل کی ہے۔ جسکا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"ربیع کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا کہ آیا امام اونچی آواز سے آمین پکارے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں! بلکہ جو لوگ امام کے پیچھے ہوں (مقتدی) بھی اپنی آوازیں (آمین کے ساتھ) بلند کریں۔ اسپر میں نے عرض کیا۔ کہ اس کی کیا دلیل ہے؟ تو آپ نے فرمایا - اَنْبَاْنَا مَالِكٌ الخ یعنی ہم کو امام مالکؒ نے خبر دی اور امام صاحبؒ نے حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث جس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے۔ ذکر کی اور کہا کہ رسول اللہ صلعم کے فرمان (واجب الاذعان) "اذا امن الامام فامنوا" میں اس بات کی دلالت ہے کہ آپ نے امام کو امر کیا ہے۔ کہ وہ آمین بالجہر ہے کیونکہ جو اس کے پیچھے ہیں وہ سوائے اس کے اسکے آمین کہنے کا وقت نہیں جان سکتے۔ کہ وہ آمین سنا کر کہے، پھر یہ کہ ابن شہاب (راوی حدیث) نے (صاف طور پر) بیان بھی کر دیا۔ کہ رسول اللہ صلعم آمین کہا کرتے تھے۔ اس پر میں نے امام شافعیؒ سے عرض کیا کہ ہم تو امام کے آواز بلند کرنے کو پسند نہیں کرتے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ بات (ناپسندیدگی) اس کے خلاف ہے۔ جو تمہارے استاد اور ہمارے استاد نے رسول اللہ صلعم سے روایت کیا۔ اور اگر ہمارے پاس اور ان کے پاس سوائے اس حدیث کے جو ہم نے (ابھی) امام مالکؒ سے نقل کی دیگر کوئی بھی علم نہ ہو تو پھر بھی بجا ہے۔ کہ اس بات پر استدلال کریں۔ کہ آنحضرت صلعم بالجہر آمین کہتے تھے۔ اور نیز اس بات پر کہ آپ نے امام کو امر کیا ہے۔ کہ وہ بالجہر کہے۔ کیونکہ اہل علم ہمیشہ اسپر عامل رہے ہیں۔ اور حضرت وائل بن حجرؓ (صحابیؓ) نے بھی روایت کیا۔ کہ نبی صلعم آواز بلند کر کے آمین پکارا کرتے تھے۔ اور اسے کھینچکر پکارنے کی بھی روایت ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ اپنے امام سے کہا کرتے تھے۔ کہ (میرے صفوں کی درست کرنے کی حالت میں) مجھ سے پہلے پہلے آمین نہ کہہ دیا کرنا۔ اور حضرت ابوہریرہؓ اس وقت اس امام (مروان) کے مؤذن تھے (امام شافعیؒ نے کہا):-

نیز ہم کو مسلم بن خالد (زنجی مکیؒ) نے امام ابن جریج کی سے انہوں نے حضرت عطاء (تابعی مکیؒ) سے خبر دی کہ حضرت عطاء نے کہا کہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیر (صحابی مکیؓ) اور ان کے بعد کے ائمہ کو اور ان کے پیچھلے (مقتدی) لوگوں کو آمین کہتے سنا کرتا تھا۔ حتی کہ مسجد (حرم کعبہ) میں آوازیں (جمع ہوکر) بہت بلند ہو جاتی تھیں۔ الخ"

حافظ ابن قیمؒ نے حضرت عطا تابعیؒ سے یہ قول بھی نقل کیا۔ کہ "میں نے اس مسجد (خانہ کعبہ) میں دو سو
(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اصحاب رسول اللہ صلعم کو پایا کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہتا تو میں ان کی آمین ربیک آواز پکارنے کی لرزا ور لہر سنتا تھا۔ (اعلام الموقعین جلد ۲ ۔ صد ۳۹۷)۔

گو حدیث مذکور الفوق کی صحت میں کسی کو کلام نہیں، اور وجہ استدلال جو حافظ ابن حجرؒ اور امام شافعیؒ کے کلام سے بیان ہوئی وہ بھی بالکل صاف ہے۔ اس میں کوئی پیچیدگی یا تکلف نہیں ہے۔ اور اس کے مطابق خود آنحضرت صلعم کا عمل اور آپ کے پیچھے سینکڑوں صحابہ کرام کا بلند آواز سے آمین پکارنا، ایک متبع سنت اور جماعت صحابہؓ کے پیرو یعنے اہل السنت والجماعت کے لئے کافی سے زیادہ موجب طمانیت ہے۔ لیکن ہم اپنے مدعا کو زیادہ واضح کرنے کے لئے اس کی تائید میں دیگر روایات بھی ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ سنن نسائی میں نعیم مجمرؒ سے روایت ہے کہ۔

(۱) عن نعیم المجمر قال صلیت وراء ابی ھریرۃ رض فقرء بسم اللہ الرحمن الرحیم ثم قرء بام القرآن حتی اذا بلغ غیر المغضوب علیہم ولا الضآلین فقال آمین فقال الناس آمین ویقول کلما سجد اللہ اکبر واذا قام من الجلوس فی الاثنتین قال اللہ اکبر واذا سلم قال والذی نفسی بیدہ انی لاشبہکم صلوۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (نسائی صد ۱۵۱)

میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے پڑھی بسم اللہ الرحمن الرحیم پھر دباتی (سورت فاتحہ پڑھی حتیٰ کہ جب وقت غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پر پہنچے تو کہا آمین پس لوگوں (مقتدیوں) نے بھی کہا آمین اور آپ جب بھی سجدے میں جاتے تو کہتے اللہ اکبر! اور جب دوسری رکعت کے تشہد سے کھڑے ہوئے۔ تو کہا اللہ اکبر اور جب سلام پھیری تو کہا قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ میں نماز میں تم سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلعم سے مشابہ ہوں۔ (۱)

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) لہ عطا بن ابی رباح اوساط تابعین میں سے بڑے اونچے مرتبہ کے امام ہیں حضرت ابن عباسؓ ان کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ روایت حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔ ان کے حق میں آپ کی یہ گواہی ہے ما رأیت فی من رأیت افضل من عطاء (میزان الاعتدال ترجمہ جابر جعفی) یعنی میں نے جتنے علماء دیکھے ان میں کسی کو عطا سے افضل نہیں دیکھا بڑے بڑے جلیل القدر امام ان کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے دو سو اصحاب رسول اللہ صلعم کو دیکھا ہے ۱۱۵ھ میں مکہ شریف میں فوت ہوئے ۱۲ منہ لہ نعیم کا باپ مسجد نبوی کا خادم تھا۔ جو مسجد میں خوشبو دھکایا کرتا تھا جس کی وجہ سے اس کا نام مجمر پڑ گیا۔ اسی وصف سے بیٹے کا نام مجمر مشہور ہو گیا۔ اور نعیم خود بھی خدمت بجا لاتا تھا۔ ثقات تابعین سے ہے بیس برس تک حضرت ابوہریرہؓ کی صحبت میں رہا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ صد ۴۶۵)

Marfat.com

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک دوسری مرفوع روایت بھی ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ:-

قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من قراءۃ ام القرآن رفع صوتہ وقال امین۔ (تلخیص الحبیر جلد ۱ صفحہ ۸۹)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورت فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتے۔ تو اپنی آواز بلند کرکے کہتے آمین"

حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص ہی میں اس روایت کی اسنادہ کی نسبت لکھا ہے:-

قال الدارقطنی اسنادہ حسن والحاکم صحیح علی شرطھما وللبیھقی حسن صحیح (صفحہ ۸۹)

امام دارقطنیؒ نے کہا اس کی اسناد حسن ہے۔ اور امام حاکمؒ نے کہا کہ بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام بیہقی نے کہا کہ حسن صحیح ہے۔

(۳) ام حصینؓ ایک صحابیہ خاتون ہے۔ اس نے آنحضرت صلعم کی اقتداء میں نماز گذاری۔ جب آپ نے

عن ام حصین انھا صلت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما قال ولا الضالین قال امین فسمعتہ وھو فی صف النساء۔ (زیلعی صفحہ ۱۹۶)

پڑھا ولا الضالین تو کہا آمین، پس اس نے (آپ کی آمین) سن لی۔ حالانکہ وہ عورتوں کی صف میں اور دور سے بہت پیچھے کھڑی) تھی

خاکسار کہتا ہے۔ کہ حافظ زیلعیؒ حنفی نے بھی تخریج ہدایہ میں اس روایت کا ذکر کیا ہے لیکن اس کی شرح حال کی نسبت سکوت کیا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل کئی ایک احادیث جہر کے متعلق تنقیدی جرح بھی کردی ہے"

(۴) اسی طرح امام ترمذیؒ نے حضرت وائل بن حجر حضرمیؓ سے روایت کیا ہے کہ:-

عن وائل بن حجرؓ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرء غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ وقال امین ومد بھا صوتہ وفی الباب عن علیؓ وابی ھریرۃ رضؓ قال ابو عیسی حدیث وائل بن حجر حدیث حسن وبہ یقول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین ومن بعدھم یرون ان یرفع الرجل صوتہ بالتامین ولا

انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلعم کو غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ پڑھتے سنا اور آپ نے کہا آمین اور آپ نے اس (آمین) سے اپنی آواز کو کھینچا اور اس باب (آمین بالجہر) میں حضرت علیؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی روایت ہے۔ ابو عیسیٰؒ (امام ترمذیؒ) کہتے ہیں کہ وائل بن حجر کی یہ روایت حسن ہے اور اسی کے مطابق کہتے ہیں کئی ایک اہل علم اصحاب نبی صلعم میں سے اور تابعین میں سے اور ان کے بعد کے

Marfat.com

يخفيها وبه يقول الشافعي رح واحمدؒ واسحاق۔

ترمذی شریف

(جلد ا صلا ۳)

علماء تبع تابعین و مجتہدین میں سے جن کا یہ مذہب ہے کہ آدمی آمین کے ساتھ اپنی آواز بلند کرے اور اسے مخفی نہ کہے اور اسی کے مطابق قول ہے۔ امام شافعیؒ کا اور امام احمدؒ کا بھی اور امام اسحٰق کا بھی۔"

امام ترمذیؒ کی یہ روایت جو وائل بن حجر سے ہے۔ بڑے معرکہ کی ہے اس کا مفصل حال اور اس کے بعد امام ترمذی نے جو کچھ کئی ایک صحابہؓ و تابعین وغیرہم کے مذہب کے متعلق لکھا ہے۔ اس کی تشریح معلوم ہو جانے سے مسئلہ آمین بالجہر کا صاف صاف فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اور کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ ہم اس کی بابت چند باتیں کسی قدر وضاحت سے لکھتے ہیں۔

(۱) اس روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ (کھینچی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ آمین کے آواز اپنی) اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آواز کو بلند کیا۔ یعنی اونچی آواز سے کہا آمین۔ دوسرا یہ کہ آمین کے الف کو کھینچ کر یعنی مدّ سے پڑھا۔

چونکہ امام ابوداؤد اور امام دارقطنیؒ کی روایت میں مد بها صوته کی بجائے رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ اور ابوداؤد کی ایک دوسری روایت میں الفاظ جَهَرَ بِهَا وارد ہیں۔ بلکہ سنن دارقطنی میں حضرت وائل بن حجرؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایات میں بھی رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ سے مراد پہلے معنی ہیں۔ یعنی بلند آواز سے آمین پکارنا مراد ہے۔ کیونکہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تائید و تصدیق اور تفسیر و توضیح کرتی ہے۔

(۲) دوسری بات جو امام ترمذیؒ نے اس روایت میں کہی ہے یہ ہے۔ کہ یہ مضمون حضرت علیؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔ سو حضرت ابوہریرہؓ کی روایت تو پہلے مذکور ہو چکی ہے۔ باقی رہی حضرت علیؓ کی روایت سو اسے کنز العمال میں یوں نقل کیا ہے۔

عن علی رض قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال وَلَا الضَّآلِّيْنَ قال آمین یرفع بها صوته، (ابن جریر وصححه وابن شاہین)

(کنز العمال، جلد ۴)

(صفحہ ۲۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت کہتے وَلَا الضَّآلِّيْنَ تو کہتے آمین بلند کرتے ساتھ اس (آمین) کے آواز اپنی روایت کیا اسے ابن ماجہ نے۔ اور ابن جریرؓ نے بھی اور اسے صحیح کہا۔ اور ابن شاہین نے بھی ا سے روایت کیا۔

امام ابن ماجہ کے الفاظ یوں ہیں۔

Marfat.com

عن حجیّۃ بن عدی عن علیؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال وَلَا الضَّالِّيْنَ قال آمین۔ (ابن ماجہ ص۶۲)

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ سنا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کہ جس وقت آپؐ وَلَا الضَّالِّيْنَ کہتے تو کہتے آمین۔

ابن ماجہ کی اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں، صرف حجیّہ بن عدی میں اختلاف ہے سو حافظ ذہبی رح میزان میں اس کا فیصلہ یوں کرتے ہیں۔ قلت روی عنہ الحکم وسلمۃ بن کہیل وابو اسحٰق وھو صدوق انشاء اللہ قد قال فیہ العجلی ثقۃ۔ (جلد اول ص۱۸۹)

یعنی (امام ذہبی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں حجیّہ سے حکم بن عتیبہ رح اور سلمہ بن کہیل رح اور ابو اسحٰق سبیعی رح نے روایت کیا ہے (جو ثقہ اور بڑے پائے کے راوی ہیں) اور وہ یعنے حجیّہ مذکور بفضل خدا صدوق (بہت سچا آدمی) ہے اور امام عجلی رح نے اس کی بابت کہا ہے۔ کہ وہ ثقہ ہے (۱)

اسی طرح حافظ ابن حجر رح نے تہذیب التہذیب میں فرمایا:۔

وقال العجلی تابعی ثقۃ وذکرہ ابن حبان فی الثقات۔ (جلد ۲۔ ص۲۱۶)

امام عجلی رح نے کہا وہ (حجیّہ) تابعی ہے۔ اور معتبر ہے اور ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے۔ (۱)

(۳) تیسری بات امام ترمذی رح نے اس حدیث کے متعلق یہ لکھی ہے۔ کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اور حدیث حسن مقبول وقابل عمل ہوتی ہے۔

حضرت وائل کی یہ حدیث امام ترمذی کے علاوہ امام احمدؒ اور امام ابو داؤدؒ اور امام دار قطنی اور امام ابن حبان نے بھی روایت کی ہے۔ امام دار قطنی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور امام شوکانی رح نے حافظ ابن حجر رح سے نقل کیا۔ کہ اس کی اسناد صحیح ہے نیز کہا:۔

وقد حسن الحدیث الترمذی وقال ابن سید الناس ینبغی ان یکون صحیحا۔

یعنی امام ترمذی رح نے اسے حسن کہا ہے۔ اور امام ابن سید الناس رح نے کہا یہ حدیث اس لائق ہے کہ صحیح ہو،

(جیسا کہ امام دار قطنی اور حافظ ابن حجر رح نے صحیح کہا ہے)۔ اور امام بخاری رح اور امام ابو زرعہ رح نے بھی امام سفیان رح اور امام شعبہ کے اختلاف کے ضمن میں اس کو اصح کہا ہے۔ غرض یہ حدیث اتنے ائمہ حدیث نقاد فن کے نزدیک حسن صحیح قابل قبول ولائق عمل ہے۔ اور اس کی نسبت کسی امام حدیث کو کلام نہیں؛ بلکہ اسے علمائے حنفیہ رح نے بھی قبول کیا ہے چنانچہ ہم ان کے اقوال آئندہ الگ طور پر نقل کریں گے۔

لہ سنن ابی داؤد جلد اول ص۱۳۶ ۱۲ منہ ۵ سنن دار قطنی جلد اول ص۱۲۷ ۱۲ منہ

Marfat.com

(۴) چوتھی بات اس حدیث پر امام ترمذی نے یہ فرمائی ہے کہ اس حدیث کے مطابق کئی ایک صحابہؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کا یہی مذہب ہے۔ کہ امام کی جہری قراءت کے وقت؛ آمین (بھی)، بالجہر کہی جائے،

سو اس کی تشریح میں ہم بعض صحابہؓ اور تابعینؒ وغیرہم کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کرتے ہیں۔ جن سے آمین مختلف عنوانوں سے منقول ہے۔ کسی سے صریحاً اور کسی سے استنباطاً آمین بالجہر ثابت ہے۔ کوئی ان میں سے اصالتاً مقام احتجاج میں قائم ہے۔ اور کوئی تائیداً غرض مسئلہ آمین بالجہر کے ثبوت میں اب کوئی تردد باقی نہیں رہ سکتا۔

(۱) صحابہؓ: حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ۔ حضرت عائشہؓ، حضرت بلالؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ام حصین صحابیہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت انسؓ بن مالکؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت سمرہؓ بن جندبؓ، حضرت ابوموسیٰؓ، حضرت وائلؓ بن حجرؓ، حضرت ابوزہیر نمیریؓ اور حضرت حبیبؓ بن سلمہؓ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

یہ وہ اسماء ہیں جو تعییناً و تفصیلاً معلوم ہو سکے ہیں۔ ان کے علاوہ جن کا ذکر اجمالاً وارد ہے۔ وہ بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ حضرت عطاء تابعیؒ کی روایت سے اوپر گذر چکا ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اسی مسجد بیت اللہ شریف میں دو سو صحاب رسول اللہ صلعم کو پایا۔ جو امام کے پیچھے بلند آواز سے آمین پکارتے تھے۔ اور مسجد میں ان کی متفقہ آواز سے ایک لہر پیدا ہو جاتی تھی۔ مد

اور خاکسار میر سیالکوٹی، نہایت وثوق سے بلاخوف تردید کہنے کو تیار کیا ہے۔ کہ آپ اسفار حدیث کی ورق گردانی کرکے تسلی کریں کہ کسی ایک صحابی سے بھی بسند صحیح منقول نہیں کہ اس نے جہری قراءت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خفیہ آمین نقل کی ہو، یا خود کہی ہو۔ اگر کوئی ایسی روایت آپ کو معلوم ہو تو اس کی سند کی پڑتال سے آپ کو واضح ہو جائے گا کہ وہ صحیح نہیں ہے، (واللہ الہادی)

اسمائے تابعین

تابعین رحمہم سے بھی ایک کثیر گروہ آمین بالجہر کا قائل اور اس پر عامل رہا ہے۔ جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔

عطاء بن ابی رباح رح مکی۔ ابن شہاب زہری رح مدنی۔ ابن جریج رومی مکی رح ابو مصبح مقرائی دمشقی رح نعیم مجمر رح، عکرمہ وغیرہم۔ اور جملہ وہ تابعین جنہوں نے مذکورہ بالا صحابہؓ سے احادیث آمین بالجہر روایت کیں، ان پر مزید ہیں۔

Marfat.com

ائمۂ مجتہدین: امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحٰقؒ، امام اوزاعیؒ، امام عبد اللہ بن مبارکؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام عبد الرحمٰن بن مہدیؒ، امام داؤد طائیؒ، امام ابو زرعہ رازیؒ۔

ائمۂ محدثین: امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام دارقطنیؒ، امام ابو داؤدؒ، امام نسائیؒ، امام ابن ماجہؒ، امام دارمیؒ، امام بیہقیؒ وغیرہم۔

علماء و شراحِ حدیث: امام ابن قیمؒ، امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، امام شوکانیؒ، شیخ عبد الحق دہلوی حنفی، شیخ ابن الہمام حنفیؒ، مولوی عبد الحئی صاحب لکھنوی حنفیؒ، مولوی سراج احمد صاحب سرہندی حنفیؒ اور حضرت پیر عبد القادر صاحب جیلانیؒ۔

حدیث دان حنفی علماء جنہوں نے احادیث جہر کو قبول کیا

حنفی علماء علمی لحاظ سے دو طرح پر ہوئے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے اپنے مذہب کے متون و شروح اور اقوالِ ائمہ کو خوب ضبط کیا۔ لیکن ماہر حدیث نہ تھے۔ دوسرے وہ جنہوں نے اپنے مذہب کی تصریحات کے علاوہ علم حدیث میں بھی کمال حاصل کیا۔[1] دوسری قسم کے علماء نے اکثر فروعی اختلافی مسائل میں طریق محدثین کو تسلیم کر لیا۔ یا وہ اس کی طرف مائل ہو گئے، اور جمودِ تقلید نے ان کو اتباعِ حدیث سے نہ روکا۔ کیونکہ حدیث صحیح کے واضح ہو جانے کے بعد کسی مومن کے لئے، مخالفت کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں:۔

فان بلغنا حدیث من الرسول المعصوم الذی فرض اللہ علینا طاعتہ بسند صالح یدل علی خلاف مذہبہ وترکنا حدیثہ واتبعنا ذالک التخمین فمن اظلم منا و ماعذ رنا یوم یقوم الناس لرب العلمین (حجۃ اللہ مصری جلد اول۔ صفحہ ۱۵۵)	اگر ہم کو رسول معصوم کی حدیث جس کی اطاعت خدا نے ہم پر فرض کر دی ہے صحیح سند کے ساتھ پہنچ جائے جو خلافِ مذہب ہو، اگر ہم اس حدیث رسولؐ کو چھوڑ دیں اور ظنی قول کی پیروی کریں تو ہم سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا اور قیامت کو جس دن تمام لوگ اللہ رب العلمین کے سامنے حاضر ہوں گے۔ ہمارا کیا عذر ہو گا۔

---

[1] یہ تقسیم ہم نے از خود نہیں کی بلکہ مولینا عبد الحئی صاحب حنفی لکھنویؒ اور ملا علی قاری صاحب حنفی کی تصریحات سے لی ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

شاہ صاحب رح کا یہ قول قرآن شریف کی آیت کا مفہوم ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (احزاب، پ ۲۲)

کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو نہیں پہنچتا کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا کوئی معاملہ طے کر دے تو ان کیلئے اس امر میں کسی قسم کا اختیار باقی رہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں پڑ چکا۔

چنانچہ ہم ان باکمال حنفی علماء کے اقوال درج کرتے ہیں۔ جو جامع حدیث و فقہ ہوئے ہیں اور انہوں نے حدیث آمین بالجہر کو تسلیم کیا ہے،

(۱) شیخ ابن ہمام شارح ہدایہ حنفی علماء میں خاص قابلیت کے بزرگ ہوئے ہیں جن پر حنفی علماء کو بجا فخر ہے۔ آپ شرح ہدایہ میں روایات جہر و اخفائے آمین کا ذکر کر کے فرماتے ہیں:۔

ولو کان الی فی ھذا الشیٔ لرفعت بان روایۃ الخفض یراد بھا عدم القرع العنیف و روایۃ الجھر بمعنی قولھا فی زیر الصوت وذیلہ یدل علی ما فی ابن ماجۃ کان علیہ الصلوۃ والسلام اذا تلی غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قال آمین حتی یسمع من فی الصف الاول فیرتج بھا المسجد (فتح القدیر نولکشوری، جلد ا۔ ص۱۱۷)

اگر یہ معاملہ میرے سپرد ہو تو میں اس اختلاف کو رفع کر دوں گا کہ آہستہ کی روایت کے معنی زیادہ زور کی (چیخ والی) آواز سے نہ کہنا ہے اور جہر والی روایت کے معنی ہیں۔ درمیانی آواز سے پکارنا اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جو سنن ابن ماجہ میں ہے کہ آنحضرت صلعم جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھتے تھے تو آپ کہتے تھے آمین حتی کہ وہ لوگ جو پہلی صف میں ہوتے تھے سن لیتے تھے۔ پس (مقتدیوں) کی متفقہ آواز کی آمین سے مسجد (نبوی) لرز جاتی تھی۔"

(۲) اسی طرح علامہ ابن ترکمانی حنفی رح بھی حنفیہ میں مشہور اور قابل فخر حدیث دان عالم ہیں۔ جواہر النقی ہیں جو آپ نے امام بیہقی محدث کی کتاب سنن کبریٰ کے جوابات میں اور مذہب حنفی کی تائید میں لکھی ہے اس کے باب آمین بالجہر میں لکھتے ہیں:۔

والصواب ان الخبرین بالجھر بھا والمخافۃ صحیحان و عمل بکل جماعۃ من العلماء وان کنت مختاراً خفض الصوت بھا

درست یہ ہے کہ دونوں روایتیں یعنی آمین بالجہر کی اور آمین بالاخفا کی صحیح ہیں۔ اور آنحضرت صلعم کے دونوں فعلوں (جہر اور اخفاء) پر علماء کی ایک ایک جماعت نے

Marfat.com

اذکان اکثر الصحابۃ والتابعین علیٰ ذالک[1] (جلد ۱ صـ۱۳۲)

عمل کیا ہے۔ اگرچہ میرا اپنا مختار مذہب آواز کو پست کرنا ہے۔ کیونکہ اکثر صحابہؓ اور تابعین اسی طریق پر تھے[1]

(۳) اسی طرح علامہ عینی رح جو حنفی مذہب کی حمایت میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں :-

ویمکن ان یکون کلا الاسنادین صحیحًا وقد قال بعض العلماء والصواب ان الخبرین بالجہر بہا وبالمخافتۃ صحیحان وعمل بکل منہما جماعۃ من العلماء۔

اور ممکن ہے کہ ہر دو اسناد (امام سفیان کی بھی اور امام شعبہ کی بھی صحیح ہو، اور بعض علماء نے تو کہہ دیا ہے کہ درست یہ ہے کہ دونوں روایتیں یعنی آمین بالجہر کی اور آمین بالاخفا کی صحیح ہیں۔ اور آنحضرت صلعم کے ہر دو فعل (جہر و اخفا) پر علما کی ایک ایک جماعت نے عمل کیا ہے۔

(عینی شرح بخاری جلد ۳ صـ۱۱۱)

(۴) اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح جو ہندوستان میں علم حدیث کو فارسی زبان میں ترجمہ کرکے اس ملک میں علم حدیث کی اشاعت کرنے میں غالبًا پہلے شخص ہیں اور حنفی مذہب کی تائید میں نہایت کوشش کرتے ہیں۔ شرح سفر السعادت میں ہر دو قسم کی روایات ذکر کرکے اور علامہ ابن ہمام رح کی تطبیق بالا بھی نقل کرکے اپنا فیصلہ یوں دیتے ہیں :-

"وظاہر حمل بر فعل ہر دو صورت است تارۃً فتارۃً (صـ۲۷)

یعنے ظاہر معنے ہر دو صورت (جہر اور اخفاء) کے فعل کے ہیں۔ کبھی اس طرح اور کبھی اس طرح

آپ اپنی مشہور کتاب مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں :-

"و در آخر فاتحہ آمین می گفت، در نماز جہری بجہر و در سری بخفیہ و مقتدیان بموافقت آمین گفتند سے و در جہر بآمین در نماز جہری احادیث واقع شدہ (جلد اول صـ۱۸۱) "

یعنی آنحضرت صلعم سورۃ فاتحہ کے اختتام پر آمین کہتے تھے، جہری نماز میں جہری آواز سے، اور سری نماز میں خفیہ آواز سے، اور مقتدی (صحابہ رضو) بھی آپ کی موافقت میں آمین

---

[1] علامہ ممدوح کا یہ کہنا کہ اکثر صحابہؓ و تابعین اسی طریق پر تھے۔ ان کا اپنا خیال ہے جو واقعہ کے لحاظ سے درست نہیں، کیونکہ صحابہ رض سے تو آہستہ کی کوئی روایت صحیح سند سے نہیں۔ ہاں بعض تابعین و مجتہدین آہستہ کہنے کے قائل ہیں۔ لیکن ان کو اکثر کہنا درست نہیں اکثر تابعین و مجتہدین جہر ہی کے قائل ہیں۔ خیر کچھ ہو ہمارا مقصود اس حوالہ سے یہ ہے کہ علامہ ابن ترکمانی حنفی ہو کر بھی آمین بالجہر کی روایت کو صحیح مانتے ہیں۔ پس اس زمانہ کے حنفیوں کو اس سے بچ کر امت میں اختلاف نہیں ڈالنا چاہیئے ۱۲ منہ

Marfat.com

کہتے تھے۔ اور جہری نماز میں آمین بالجہر کے متعلق کئی ایک احادیث وارد ہیں۔"

اس کے بعد ہر دو طرح کی روایات کا ذکر کیا ہے اور علامہ ابن ہمام رح کا قول شرح سفر السعادت کی طرح نقل کیا ہے،

۵۔ اسی طرح مولانا سراج احمد صاحب سرہندی حنفی رح شرح ترمذی[1] میں مذاہب ائمہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

"واحادیث در جانب جہر بیشتر و صحیح تر آمدہ است (جلد اول صدا۲۴)

یعنی آمین بالجہر کی احادیث تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور صحت میں بھی زیادہ صحیح ہیں"

۶۔ اسی طرح اس زمانہ کے حنفیہ کے قابل فخر حدیث دان علماء میں سے مولانا عبدالحی لکھنوی رح ہیں آپ شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ میں فرماتے ہیں:۔

قد ثبت الجهر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم باسانيد متعددة يقوّي بعضها بعضاً في سنن ابن ماجة والنسائي وابي داؤد وجامع الترمذي وصحيح ابن حبان وكتاب الام للشافعي وغيرها عن جمع من اصحابه بروايات ابن حبان في كتاب الثقات وغيره۔ (عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول صہ ۱۴۲)

بیشک آمین بالجہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی ایک سندوں کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے۔ جو ایک دوسری کو قوت دیتی ہیں۔ جو سنن ابن ماجہ اور نسائی اور ابو داؤد اور جامع ترمذی اور صحیح ابن حبان اور امام شافعی رح کی کتاب الام وغیرہا میں صحابہ کی ایک جماعت سے ابن حبان کی کتاب الثقات وغیرہ کی روایات سے مروی ہیں"

اسی طرح آپ التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد رح میں ہر دو طرف کے دلائل بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

والانصاف ان الجهر قوي من حيث الدليل (تعلیق صہ۱۰۵ حاشیہ نمبر ۹)

انصاف یہ ہے کہ آمین بالجہر دلیل کے رو سے قوی ہے"

۷۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح کے مجموعہ فتاوی حصہ دوم میں صدا سے صدہ تک کوئی چالیس سے زائد حنفی علماء کے دستخط درج ہیں۔ جو مختلف مذاق اور مختلف بلاد کے بزرگ ہیں۔ جنہوں نے آمین بالجہر کی حدیث کو تسلیم کر کے فتوی دیا ہے۔ کہ اس سے نماز میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ ان علماء کے فتووں کے ضروری انتخابات حسب ذیل ہیں:۔

---

[1] مولانا سراج احمد صاحب مرحوم نے اس شرح کو ترجمہ صحیح مسلم کے بعد بتاریخ ۱۵ ذوالحجہ ۱۲۱۹ ہجری شروع کیا اور بتاریخ ۱۶ ذوالحجہ ۱۲۲۲ھ ختم کر دیا۔ اتنی ضخیم کتاب کا ترجمہ اور شرح اتنی قلیل مدت میں خدا تعالیٰ کی خاص تائید و توفیق ہے"

Marfat.com

(۱) اگر خود حنفی بھی آمین بالجہر کہے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (صـ [illegible])

(۲) حق یہ ہے کہ جہر و اخفاء دونوں فعل مسنون ہیں، ائمہ حنفیہ کو جواز جہر میں خلاف نہیں ہے (صـ [illegible])

(۳) مولٰنا بحر العلوم ارکان اربعہ میں لکھتے ہیں۔

"در باب آہستہ گفتن آمین وارد نہ شدہ مگر حدیثے ضعیف (صـ [illegible])"

(۴) چونکہ آمین بالجہر پر تعامل صحابہؓ کبار رہا ہے۔ اس لئے آمین بالجہر کہنے والوں پر سب و شتم کرنا در پردہ صحابہؓ پر معترض ہونا ہے" (صـ [illegible])

(۵) جو شخص اہلحدیث ہو اور شریک جماعت احناف ہو اس کا آمین بالجہر کہنا مفسد نماز احناف ہرگز نہیں (صـ [illegible])

(۶) آمین بالجہر سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور نہ مکروہ ہوتی ہے۔ (صـ [illegible])

(۷) غلط بیان کرتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ آمین بالجہر سے دوسرے کی نماز فاسد ہوتی ہے۔ یا مکروہ (صـ [illegible])

ان حوالہجات سے صاف ظاہر ہے کہ ان حضرات نے باوجود حنفی ہونے کے آمین بالجہر کی حدیث کو تسلیم کیا ہے کسی نے اسے بالاخفاء کے برابر کہا اور کسی نے اس سے بڑھ کر۔ اس کا سبب یہی ہے۔ کہ علم حدیث کے متون کے مطالعہ اور احوال احادیث کی پڑتال سے ان پر واضح ہو گیا۔ کہ آمین بالجہر سے انکار نہیں ہو سکتا۔

التماس لہٰذا میں عاجز زبیر سیالکوٹی برادران احناف کی خدمت میں باادب التماس کرتا ہوں کہ وہ اپنے ان بزرگوں کے خلاف چل کر جو آپ کے نزدیک علم حدیث کے ماہر تھے۔ آمین بالجہر سے چڑ کر امت مرحومہ کے اختلاف کو نہ بڑھائیں یہ زمانہ خانہ جنگیوں کا نہیں ہے خدا تعالیٰ ہمیں سمجھ دے اور طریق اعتدال پر چلائے۔ آمین،

"ورحم اللہ عبداً قال آمینا"

بعض صوفیائے کرام جو آمین بالجہر کے قائل تھے

حضرات اولیاء اللہؒ کے اقوال ذکر کرنے سے پیشتر مناسب بلکہ ضروری ہے۔ کہ ہم یہ بھی بتا دیویں کہ مسائل فرعیہ میں ان مردان خدا کا مسلک کسی خاص مجتہد کے طریق کی تقلید و پابندی

Marfat.com

نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سب کی تقلید سے آزاد ہو کر اصل چشمۂ شریعت یعنی آنحضرت صلعم کے مشرب صافی سے سیرابی حاصل کرنے والے ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی رح اپنی کتاب میزان کبریٰ میں متعدد مقامات پر فرماتے ہیں۔ کہ ولی کامل اسی چشمۂ ہدایت سے علم حاصل کرتا ہے۔ جس سے مجتہدین نے حاصل کیا، اور اس سے سوائے رسول اللہ صلعم کے تمام علماء کی تقلید چھوٹ جاتی ہے۔ اور اگر کسی ولی کی نسبت یہ منقول ہو کہ وہ مثلاً شافعی تھا یا حنفی تھا تو یہ نسبت قبل اس کے ہوتی ہے۔ کہ وہ مقام کمال پر پہنچے (جلد ا صد ۱۹) پھر صد ۲۰ یہی ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ۔

وقد قلت مرة لسيدى على الخواص رضى الله عنه كيف صح تقليد سيدى الشيخ عبد القادر الجيلى لللامام احمد بن حنبل و سيدى محمد الحنفى الشاذلى للامام ابى حنيفة مع اشتهارهم بالقطبية الكبرىٰ وصاحب هذا المقام لا يكون مقلدا الا للشارع وحده فقال رضى الله عنه قد يكون ذالك منهما قبل بلوغهما الى مقام الكمال ثم لما بلغا اليه استصحب الناس ذالك اللقب فى حقهما مع خروجهما عن التقليد۔ (میزان شعرانی جلد ا صد ۲۰)

میں نے ایک دفعہ اپنے سردار (پیر و مرشد) علی خواص رض سے عرض کیا کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح کو امام احمد بن حنبل رح کی اور میرے سردار محمد شاذلی حنفی رح کو امام ابو حنیفہ رح کی تقلید کس طرح درست ہوئی باوجودیکہ یہ دونوں صاحب قطبیت کبریٰ میں مشہور ہیں۔ اور اس مقام کا صاحب سوائے شارع (پیغمبر صلعم) کے کسی کا مقلد نہیں ہوتا تو آپ نے فرمایا (رض) کہ یہ نسبت (مقلدیت) ان صاحبوں کے مقام کمال پر پہنچنے کے قبل تھی پھر جب وہ مقام کمال پر پہنچ گئے۔ تو لوگوں نے یہ لقب (مقلد) ان کے ساتھ ہی رکھا حالانکہ وہ دونوں (سید عبدالقادر جیلانی رح اور شیخ محمد شاذلی رح) تقلید سے نکل چکے تھے۔

(۲) اسی طرح حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں۔

فالمريد من كانت فيه هذه الجملة و اتصف بهذه الصفة فهو ابدا مقبل على الله عز وجل و طاعته، مولٍ عن غيره و اجابته يسمع من ربه عز وجل فيعمل بما فى الكتاب و السنة و يصم عما سوى ذالك و يبصر بنور الله عز

خدا کی ذات کا چاہنے والا وہ ہے جس میں یہ مذکورہ بالا امور سب پائے جائیں۔ اور وہ اس صفت سے موصوف ہو جائے۔ پس اس کا منہ ہمیشہ خدائے عزوجل کی طرف اور اس کی اطاعت کی طرف رہتا ہے اور وہ اس کے غیر اور اس کی اطاعت سے منہ پھیر لیتا ہے اپنے رب عزوجل سے سنتا ہے۔ پس وہ اس کے مطابق عمل کرتا

Marfat.com

وجل - الخ۔ (غنیہ ص۹۷۵ مترجم فارسی)

جو خدا کی کتاب (قرآن شریف) اور اس کے رسول صلعم کی سنت میں وارد ہوتا ہے۔ اور اس کے سوا سب سے بہرہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ خدائے عزوجل کے نور سے دیکھتا ہے۔"

حضرات صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کا یہ مسلک محتاج طوالت نہیں ہے ہر شخص جو مکتوبات امام ربانی رح اور مکتوبات حضرت مرزا جانجاناں شہید رح اور مثنوی مولانا روم رح وغیرہ کتب قوم پر نظر رکھتا ہو۔ اسے جانتا اور سمجھتا ہے۔

اس تمہید کے بعد بعض اولیاء اللہ کے اقوال در بارہ آمین بالجہر ملاحظہ فرمایئے۔

امام غزالیؒ

آپ اپنی مشہور کتاب احیاء العلوم میں عنوان قراءت میں فرماتے ہیں:-

ویقول آمین فی اخر الفاتحۃ ویمد بہا — یعنی سورت فاتحہ کے اخیر پر آمین کہے اور اسے خوب کھینچکر ادا کرے۔

ص۱۱۱۔

پھر اس کے بعد جہری قراءت کے ضمن میں فرماتے ہیں:- ویجھر بالتامین یعنی جہری قراءت میں آمین بھی بالجہر کہے۔

اسی طرح علامہ عینی حنفی رح شرح صحیح بخاری میں امام غزالی رح کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

وفی الخلاصۃ للغزالی رح ومن سنن الصلوٰۃ ان یجھر بالتامین فی الجھری - (جلد ۳ ص۱۱۱)

امام غزالی رح کی کتاب خلاصہ میں مرقوم ہے۔ کہ نماز کی سنتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جہری نماز میں آمین بھی بالجہر کہے۔

امام شعرانی رح

عارف ربانی امام شعرانی رح میزان کبریٰ[1] میں امام شافعی رح وغیرہ کے بالجہر آمین کہنے کی وجہ عارفانہ رنگ میں فرماتے ہیں:-

---

[1] امام شعرانی رح نے اس کتاب میں ائمہ مجتہدین کے اختلافی مسائل کی عارفانہ توجیہات بیان کی ہیں اور لکھا ہے کہ ائمہ مجتہدین کے اقوال بے اصل اور بے وجہ نہیں ہوتے۔ بلکہ ہر ایک کی ایک وجہ ہے جسکا ادراک اہل ذوق و اہل قلب کو حاصل ہوتا ہے پس کسی مجتہد سے بھی بدظن نہیں ہونا چاہیئے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس عاجز کو ائمہ دین کے ساتھ حسن تادب بخشا ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

والوجہ الثانی ان الجھر بآمین فیہ اظہار التضرع والحاجۃ الی قبول الدعا بالہدایۃ الی الصراط المستقیم۔ (جلد اوّل صفحہ ۱۳)

دوسرے کی وجہ یہ ہے کہ آمین بالجہر میں اس دعائے ہدایت کی قبولیت کی حاجت اور گڑگڑانے کا اظہار ہے۔ جو آیت اھدنا الصراط المستقیم میں مانگی گئی ہے۔"

اور اس سے پیشتر امام ابوحنیفہ رحمہ کے مذہب اخفائے آمین کی وجہ کے ضمن میں بھی فرماتے ہیں فلا بأس بالجھر بھا یعنی آمین بالجہر کہنے میں کوئی برائی یا خطرہ نہیں ہے۔"

غوث صمدانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:-

والجھر بالقراءۃ والامین والاسرار بھما۔ (غنیہ مترجم فارسی صلا)

(غنیہ مترجم فارسی صلا یعنی (جہری نماز میں) قراءت اور آمین (ہر دو) بالجہر کہنا اور سری نماز میں ہر دو کا آہستہ کہنا (ہیئاتِ نماز میں سے ہے)"

آمین بالجہر کی حکمت

ہم نے گذشتہ صفحات میں وعدہ کیا تھا کہ پہلے آپ آمین بالجہر کا فعلِ رسول اللہ صلعم ہونا سمجھ لیں۔ پھر ہم خدا کے فضل سے اس کی حکمت بیان کریں گے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کا کوئی قول و فعل اور آپ کی کوئی حرکت و سکون حکمت سے خالی نہیں۔

۱۔ سو معلوم ہو کہ حضورِ قلب اور عبادت میں حظ و سرور ایک وجدانی امر ہے جسے وہی شخص جان سکتا ہے۔ جس پر وہ کیفیت طاری ہو اور یہ کیفیت صرف اسی کو حاصل ہوتی ہے۔ جو اس کی تحصیل میں حضورِ قلب اور خلوص دل سے رغبت اور ریاضت و مشق کرتا ہے اور جو اس میں رغبت و ریاضت نہ کرے۔ بلکہ دل میں اس سے نفرت رکھے تو وہ اس حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ اور وہ ان فیوض و برکات سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ جن سے راغبین عاملین بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ ع

"قدر ایں بادہ ندانی بخدا تا نچشی

۲۔ آنحضرت صلعم نے اس امر پر ہمیشگی کی ہے کہ آپ فجر اور مغرب اور عشا کی نماز میں قراءت بالجہر پڑھتے تھے اور ظہر و عصر میں خفیہ۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ قدرتی طور پر سورج کی تمازت سے آواز میں دلکشی کم ہو جاتی ہے۔ اور طبیعت میں اشتغال کی وجہ سے انتشار اور گھروں اور بازاروں اور رستوں میں

Marfat.com

آوازوں کی کثرت اور شوروغوغا کی زیادتی سے لذت میں کمی آجاتی ہے۔
پس ان اوقات میں قراءت آہستہ پڑھ کر باطنی توجہ وخلوص سے اس نقصان کی تلافی کی گئی ہاں جمعہ اور عیدین اور کسوف وخسوف اور استسقاء کی نمازوں میں مجمع عام میں حاضرین کی کثرت ہوتی ہے۔ اسی کثرت اجتماع کی وجہ سے ان سب نمازوں میں خطبہ مقرر کیا گیا ہے۔ اور اسی کثرت اجتماع کی وجہ سے ان میں قراءت بھی جہری رکھی گئی ہے۔
لیکن سورج ڈوبنے سے سورج چڑھنے تک قدرتی طور پر آواز میں دلکشی اور حسن بڑھ جاتا ہے۔ اسی لئے گانے کی مجلسیں عموماً رات کے وقت منعقد کی جاتی ہیں[۱]۔ پس صبح اور مغرب اور عشاء کی نمازوں میں قراءت بالجہر مقرر کی، کہ جہارت سے خود قاری یا امام کے علاوہ سامعین کے قلوب پر بھی اثر پڑے، اور ہم اس اثر کو قراءت جہری کے وقت واقعہ میں اپنے وجدان میں محسوس بھی کرتے ہیں۔ والحمدللہ،
۳- جب یہ معلوم ہو چکا کہ صبح اور مغرب اور عشاء کی نمازوں میں قراءت جہری ہے۔ اور یہی سہاونے اور خوش آئیدہ اوقات ہیں۔ خصوصاً صبح کا وقت کہ وہ نہایت ہی اطمینانِ خاطر اور فراغت کا ہوتا ہے۔ اس میں جہارتِ قراءت کے علاوہ طوالتِ قراءت بھی مسنون ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا۔ کہ جہارتِ آواز حضورِ قلب اور خلوصِ دل کے پیدا کرنے یا بڑھانے میں معاون ہے۔ خاص کر اس صورت میں کہ آنحضرت صلعم نے قرآن شریف بحسن صوت (خوش آوازی) سے پڑھنے کا حکم دیا (بخاری شریف)، اور خدا تعالیٰ نے بھی ترتیل سے پڑھنا فرمایا ہے (سورت مزمل)، تو اب اس بات کے سمجھنے میں کچھ بھی دقت نہیں۔ کہ سورت فاتحہ بلند آواز سے برعایت حسن صوت وترتیل پڑھ کر وجدانی کوائف اور قلبی تاثرات سے متمتع ہوتے ہوئے آمین بلند آواز سے کیوں نہ کہی جائے جو خاتمۃ الدعا ہے، (مستفاد ابی داؤد) اور سامعین یعنی مقتدی جو اس کیفیتِ حظِ قلبی میں امام کے شریک حال ہیں۔ جب وہ بھی اپنے امام کی اقتدا میں بخلوصِ دل گڑگڑا کر بلند آواز سے خدا کی جناب میں آمین کہہ کر بالاجمال اپنی التجائیں پیش کریں۔ تو ان کی اجتماعی آواز سے جذبات پر عجیب اثر پڑتا ہے

[۱] ہرچند کہ شریعت مطہرہ میں گانا بجانا مطلقاً حرام ہے۔ کیونکہ ان میں حظ نفس ہے جو منافی حظ روح ہے لیکن صرف وجدانیات وحسیات اور طبعی تاثرات وقلبی تاثرات کا ذکر ہے عام اس سے کہ وہ حرام ہیں۔ یا حلال۔ فتفکروا لا تعجلوا ہاں شریعت مطہرہ نے ذکراللہ میں جس میں حظ روح ہے حسن صوت کی معاونت گانے کی حد سے ادھر تک پسند کی ہے۔ اور چونکہ ملاہی میں حظ نفس ہے اس لئے ان کو حرام کرتے ہوئے ان کے معاونین گانے بجانے سے بھی منع فرمایا۔ فسبحان اللہ ما اطہر شریعتہ ۱۲ منہ۔

Marfat.com

دل کوائف سے معمور ہو جاتا ہے۔ اور سینہ جوش سے بھر جاتا ہے۔

پس ایسے باخلوص و متاثر جذبات سے متفقہ آوازوں سے کہی ہوئی آمین ملائکہ کی آمین سے موافقت کرتی ہوئی باعث غفران و موجب رضائے الٰہی ہو جاتی ہے۔ اسی معنے کو آنحضرت صلعم نے ان الفاظ میں سمجھایا ہے۔ جو سابقاً پر گذر چکے ہیں۔ یعنی

اذا امّن الامام فامّنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدّم من ذنبہ (بخاری مسلم وغیرہما)	جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ جس کی آمین کو ملائکہ کی آمین سے موافقت و مناسبت ہو گئی تو اس کے جملہ گذشتہ گناہ بخشے گئے۔"

اسی لئے آنحضرت صلعم جہری قراءت کے وقت سورت فاتحہ کے اختتام پر بکمال احتفاظ و حضور قلب بلند آواز سے آمین پکارتے تھے اور آپ کے ساتھ صحابہؓ بھی اسی کیفیت سے متکیف ہو کر باآواز بلند آمین پکارتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات انبساط و احتفاظ کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ ایک دفعہ کے کہنے سے جذبات میں سکون و اطمینان نہیں ہوتا، تو جوش بھرے کلمات کو دو دفعہ بلکہ تین دفعہ دہرایا جاتا ہے۔ (حصن حصین و مجمع الزوائد)

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ حُضُوْرَ الْقَلْبِ وَحَلَاوَةَ الذِّكْرِ وَاِدَامَةَ الْفِكْرِ وَغُفْرَانَ الذَّنُوْبِ

تَمَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

Marfat.com

فصلِ سوم

در حکم سُورتِ فاتحہ دَر نماز

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ نماز کی حقیقت اور صورت کیا ہے؟ اس کے بعد یہ کہ نماز اور سُورت فاتحہ میں کیا مناسبت ہے؟ پھر واضح طور پہ معلوم ہو جائے گا۔ کہ سُورت فاتحہ کو نماز کا رکن وجزو ضروری مقرر کرنا سراسر باحکمت ہے،

سو معلوم ہو کہ نماز کی حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ اپنے خالق پروردگار خداوند تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے سامنے اقرار عبودیت و اظہار عجز و نیاز ہے،،

اور وہ صورۃً مرکب ہے۔ چند سنجیدہ دعا جزانہ اور با ترتیب و با ادب حرکات بدن سے، جو خدائے واحد کی تعظیم اور انسانی عجز و انکساری کے نشانات ہیں۔ مثلاً قیام، رکوع اور سجود وغیرہا اور چند پاک کلمات و اذکار سے۔ جو خداوند تعالیٰ کی عظمت و کبریائی، اس کے نام کی برکت، اور اس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس اور اپنی عبودیت کے اقرار اور اس کی درگاہ کی نیازمندی، اور اس کی جناب میں دعا و التجا پر مشتمل ہیں۔ مثلاً تکبیرات و تسبیحات، اور قراءت سورت فاتحہ جو بسم اللہ سے ولا الضالین تک بجنسہٖ شروع سے آخر تک سب امور مذکورہ پر مشتمل ہے۔ یعنی بِسْمِ اللّٰہِ میں خدا کے نام پاک کا تبرک مطلوب ہے۔ پھر اَلْحَمْدُ سے اَلدِّیْنِ تک خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا، اس کے احسانوں کا اقرار و اعتراف، اور اس کی مالکیت و جبروت اور عظمت و سطوت کا بیان ہے۔ پھر اِیَّاکَ نَعْبُدُ سے نَسْتَعِیْنُ تک اپنی عبودیت کا اقرار اور اس کی درگاہ کی نیازمندی کا اظہار ہے۔ پھر اِھْدِنَا سے وَلَا الضَّآلِّیْنَ تک دعا و التجاء ہے۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہے۔ کہ نماز کے افعال اور سورت فاتحہ کی آیات میں کمال مناسبت ہے۔ اور یہ بھی کہ جس طرح قیام و رکوع و سجود فعلی نماز ہیں۔ اسی طرح سورت فاتحہ قولی نماز ہے۔ اسی لئے حدیث قدسی میں اس کا نام اَلصَّلٰوۃ[1] رکھا گیا ہے۔ کہ یہ سراسر

---

[1] صحیح مسلم جلد اوّل ص۱۷۰ ۱۲ منہ

Marfat.com

نماز ہے۔ یا نماز کا اہم رکن ہے، اور کسی ایک اہم رکن پر خواہ وہ فعلی ہے خواہ قولی کل نماز کا اطلاق قرآن وحدیث میں بہت جگہ وارد ہے۔ مثلاً صحیح مسلم میں ہے:۔

من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر	یعنی جس شخص نے قیام کیا رمضان میں خدا کا حکم جان
لہ ما تقدم من ذنبہ الخ	کر اور ثواب کی نیت کر کے اس کے تمام پہلے گناہ
(مشکوٰۃ صـ)	بخشے گئے۔

اس جگہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے۔ اور اس حدیث میں نماز کو قیام سے تعبیر کیا ہے۔ اس لئے کہ قیام نماز کا ایک فعلی رکن ہے۔

اسی طرح رکوع، سجود، کے الفاظ بھی نماز کے لئے قرآن وحدیث میں بہت جگہ وارد ہیں۔ اسی طرح قراءت قرآن کو بھی صلوٰۃ کی جگہ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ	(اے نبی!) قائم رکھ ہر نماز (جو) دن ڈھلے سے رات
الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ	کے اندھیرے تک ہے، خصوصاً فجر کی نماز کیونکہ
كَانَ مَشْهُوْدًا۔ (بنی اسرائیل پ۱۵)	فجر کی نماز فرشتوں کی حاضری کی نماز ہے۔

سید معین الدین صاحب اپنی مایۂ ناز تفسیر جامع البیان میں قرآن الفجر کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

قُرْاٰنَ الْفَجْرِ صلوٰۃ الصبح سمیت قرآنا	قرآن فجر سے مراد نماز فجر ہے۔ اور نماز کا نام قرآن اسی
کما سمیت الصلوٰۃ رکوعا وسجودا التسمیۃ	طرح رکھا گیا۔ جس طرح اس کا نام رکوع اور سجود رکھا
الشیئ باسم رکنہ وجزئہ، عطف علی	گیا۔ یعنی کسی شئے کے رکن اور جزء پر اس شئے کا نام رکھ
الصلوٰۃ۔ (جامع البیان فاروقی صـ۲۴۹)	دینا اور یہ عطف ہے الصلوٰۃ پر۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ صلوٰۃ الفجر کو قرآن الفجر اسی لئے کہا گیا ہے۔ کہ قراءت قرآن بھی نماز کا ایک اہم رکن ہے،

اب اس بات کا سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں رہا۔ کہ جب نماز کی صورت افعال اور اقوال کا مجموعہ ہے۔ تو جنس اقوال میں سے قراءت قرآن جو اسی ذات حق کا کلام ہے۔ جس کی صفت ثنا مقصود ہے، اور جس کے سامنے عجز ونیاز کے آداب بجا لانے مطلوب ہیں۔ رکن نماز ہونے میں سب سے زیادہ حقدار ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

ان ھذہ الصلوٰۃ لا یصلح فیھا شیئ من	نماز میں لوگوں کی کوئی بات بھی جائز نہیں،

Marfat.com

کلام الناس انما ھی التسبیح والتکبیر وقراءۃ القرآن۔ الحدیث رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۹۸) وہ تو صرف تسبیح و تکبیر اور قراءت قرآن ہے۔ (او ربس) (۱)

جو کچھ بیان ہوا مطلق قراءت کی فرضیت اور رکنیت کے متعلق تھا۔ اس میں کسی امام و مجتہد امت کو اختلاف نہیں۔ بلکہ سب کا اجماعی قول ہے کہ قراءت قرآن منجملہ فرائض نماز کے ہے۔ چنانچہ حنفی مذہب کی معتبر اور چوٹی کی کتاب ہدایہ میں ہے:۔ فرائض الصلوٰۃ ستۃ تیسرے نمبر پر لکھا ہے۔ والقراءۃ لقولہ تعالیٰ فاقرءوا ما تیسر من القرآن،

ہاں قرآن شریف میں سے سورت فاتحہ کے معین ہونے میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور جمہور محدثین رح اسے معین رکن قرار دیتے ہیں اور اس کے بعد باقی قرآن شریف کے کسی جزو کی قرات بلاتعیین کا اختیار دیتے ہیں، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ بغیر تعیین کے مطلق قرادت قرآن کو فرض کہتے ہیں۔ خواہ کوئی سورت فاتحہ پڑھے، خواہ کسی اور جگہ سے پڑھے خواہ زیادہ پڑھے اور علی التعیین سورت فاتحہ کی قراءۃ کو واجب جانتے ہیں۔ جس کے ترک سے سجدہ سہو لازم آتا ہے اور نماز ناقص رہتی ہے۔ (۱)

ہم تحقیق مسئلہ کے سب سے پہلے ایک مقدمہ شناخت رکنیت کے متعلق ذکر کرتے ہیں، پھر امام شافعیؒ اور جمہور محدثین رح کے دلائل فرضیت و تعیین فاتحہ کے دلائل بیان کریں گے۔ پھر اس کے بعد حضرات حنفیہ رح کے دلائل وجوب یا عذرات عدم رکنیت مع ان کے بیان کریں گے۔

واللہ الموفق ؁

مقدمہ در شناخت ارکان نماز

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے اپنی مایۂ ناز کتاب حجۃ اللہ میں ایک باب ان امور کے بیان میں باندھا ہے جو نماز میں ضروری ہیں[۱] ہم اس کا خلاصہ مطلب بقدر حاجت اردو زبان میں لکھتے ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین اس سے حظ علمی کے علاوہ حظ قلبی سے بھی بہرہ اندوز ہوں گے۔ اور عمل کے لئے اسے اپنے دل میں گرہ دے کر رکھیں گے۔

(۱) نبی کریم صلعم نے چاہا کہ (اپنی) امت (مرحومہ) کے لئے دو حدیں مقرر کریں۔ ایک تو وہ جس سے کم (ادا کرنے) سے ذمہ پورا نہیں ہوتا۔ اور دوسری وہ جو اتم اکمل اور فائدہ نماز کے

[۱] الامور التی لابد منہا فی الصلوٰۃ جلد ۲، صد ۱۲، ۱۲ منہ

Marfat.com

لئے مستوفی ہے ، یہی حد ان امور پر بھی مشتمل ہے جن کے ترک کرنے سے نماز کا اعادہ واجب ہے۔ اور ان امور پر بھی جن کے ترک سے نماز میں نقصان تو ہو جاتا ہے لیکن نماز کا اعادہ واجب نہیں، اور ان امور پر بھی جن کے ترک پر بغیر یقینی نقصان کے شدید ملامت کی جا سکتی ہے ،،

(۲) اور جس امر کو نبی کریم صلعم نے لفظ رکنیت سے ذکر کیا ہے۔ مثل آپ کے قول لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کے[۱] یعنی سورت فاتحہ کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اور مثل آپ کے قول لا تجزئ صلوٰۃ الرجل حتی یقیم ظہرہ فی الرکوع والسجود[۲] کے یعنی کسی آدمی کی نماز کفایت نہیں کرتی حتیٰ کہ وہ رکوع، اور سجود میں اپنی پشت سیدھی کرے۔ اور وہ[۳] امر جس کا نام ہی شارع (علیہ السلام) نے نماز رکھدیا ہو، یعنی لفظ نماز کے بجائے اس امر کا نام ذکر کیا ہو کیونکہ یہ اس کے رکن نماز ہونے پر نہایت بلیغ تنبیہ ہے۔ مثلاً آپ کا فرمان من قام رمضان الحدیث[۴] یعنی جس نے قیام کیا۔ رمضان شریف میں ،، اور آپ[۵] کا فرمان فلیرکع رکعتین[۶] (مشکوٰۃ ص۱۰۵) یعنی نماز عشا کے بعد رکوع کرلے ،، اور مثل خداوند تعالیٰ کے فرمان وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ[۷] (بقرہ) کے رپ[؟] یعنی رکوع کرو ساتھ رکوع کرنے والوں کے یعنے نماز با جماعت پڑھو ،، اور مثل فرمان خداوند تعالیٰ کے وَأَدْبَارَ السُّجُودِ[۸] (ق پ۲۶) یعنی سجدہ یعنی نماز کے بعد خدا کی تسبیح و تحمید کیا کرو۔ اور مثل فرمان[۹] اور قُرْآنَ الْفَجْرِ[۱۰] (بنی اسرائیل پ۱۵) کے، یعنی واسطے نبی! قائم کر نماز فجر دیکھی) اور مثل قول الٰہی وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ[۱۱] (بقرہ پ۲) کے، یعنی قیام کرو یعنی نماز پڑھو واسطے اللہ کے عاجزی کرتے ہوئے ،، اور کسی امر کو ایسے طور پر ذکر کرنا جس سے یہ سمجھا جائے کہ

---

[۱] قال الحافظ ابن حجر فی تخریج الہدایۃ متفق علیہ ۱۲ منہ [۲] مشکوٰۃ ص۷۸ [۳] مشکوٰۃ ص۱۱۱) اس میں نماز کو قیام سے یاد کیا ہے اس لئے کہ قیام نماز کا ایک رکن ہے ۱۲ منہ [۶] اس میں رکوع سے مراد نماز ہے یعنی دو رکعت نماز پڑھے، نماز کی بجائے رکوع کا لفظ اس لئے فرمایا کہ رکوع بھی نماز کا ایک رکن ہے۔ [۷] اس میں بھی نماز کو لفظ رکوع سے تعبیر کیا ہے ۱۲ منہ [۸] تفسیر جامع البیان میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔ اعقاب الصلوٰۃ، یعنی اے نبی نماز کے بعد تسبیحات پڑھا کرو۔ اس آیت میں نماز کا ذکر لفظ سجود سے کیا ہے اسلئے کہ سجدہ بھی نماز کا ایک اہم رکن ہے ۱۲ منہ [۱۰] اس کی تشریح سابقاً گذر چکی ہے [۱۱] اس میں نماز کو قیام کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔ اس لئے کہ قیام بھی نماز کا ایک رکن ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

اس کے بغیر چارہ نہیں۔ مثل قول نبی اکریم کے، تحریمها التکبیر و تحلیلها التسلیم[1] یعنی نماز میں تکبیر (اللہ اکبر) سے داخل ہوں اور اسلام (السلام علیکم ورحمۃ اللہ) کہہ کر خارج ہوں۔ اور مثل فرمان آنحضرت صلعم کے کہ فی کل رکعتین التحیۃ[2] (مسلم، عن عائشۃ (کنوز الحقائق ص۴۶) یعنی ہر دو رکعت میں التحیات یعنی تشہد ہے۔ اور مثل فرمان آنحضرت کے درباره تشہد کہ جب تو یہ سب کچھ کر چکے تو تیری نماز پوری ہو چکی[3]"

(۳) حاصل کلام یہ کہ نماز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور تواتر ثابت ہے۔ اور امت مرحومہ نے آپ سے نسلاً بعد نسل الطریق تواتر حاصل کی یہ ہے کہ "پہلے" طہارت (صغریٰ و کبریٰ) یعنی استنجا، وضو اور غسل، کرے۔ اور اعضائے ضروری تک استر عورت کرے[4] اور قیام کرے،

"اور قبلہ شریف کی طرف منہ کرے، اور حضور قلب سے خدا کی طرف متوجہ ہو، اور خاص اسی (کی رضا) کے لئے عمل کو خالص کرے، اور زبان سے اللہ اکبر پکارے اور سورۃ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ قرآن شریف کی کوئی سورت بھی ضم کرے۔ مگر فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں (کہ ان میں سورت ضم کرنی ضروری نہیں) پھر رکوع کرے۔ اور اتنا ٹیڑھا ہو کہ ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے گھٹنوں پر رکھ سکے (پھر کھڑا رہے) حتیٰ کہ قومہ میں اطمینان پاوے، پھر سات اعضا یعنی دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں اور دونوں گھٹنوں اور چہرے کے بل سجدہ کرے پھر (سجدے سے) سر اٹھاوے (اور جلسہ کرے) حتیٰ کہ جلسہ میں برابر ہو کر بیٹھ جائے" پھر اسی طرح دوسری بار سجدہ کرے۔ پس یہ ایک رکعت ہوئی، پھر ہر دو رکعتوں[5] پر قعدہ کرے، اور تشہد پڑھے پس اگر نماز کے اختتام پر ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے، اور جو دعا اسے محبوب و پسند ہو وہ دعا پڑھے اور ان ملائکہ اور مسلمانوں پر سلام کہے، جو اس کے آس پاس ہیں یہی یہ ہے نبی اکریم، صلعم کی وہ نماز جس کی بابت ہرگز ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے فرضوں میں

[1] یعنی تکبیر تحریمہ اور سلام ہر دو منجملہ فرائض نماز کے ہیں ۱۲۔ [2] نماز وتر بوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی فعل کے اس سے مستثنے ہے ۱۲ منہ [3] صحیح بخاری ۱۲ منہ [4] یعنی زیر ناف سے گھٹنوں تک ۲ [5] سوائے نماز وتر کے جیسا کہ سابقاً حاشیہ نمبر۲ میں گذر چکا ۱۲ منہ۔ [6] حجۃ اللہ مطبوعہ مصر جلد دوم صہ۲ ۱۲ منہ ✣ ✣ ✣ ✣

Marfat.com

عمداً بغیر عذر کے ان (امور مذکورہ) میں سے کچھ بھی کبھی بھی ترک کیا ہو اور یہی ہے نماز) صحابہ رض کی اور تابعین رح کی اور ان کے بعد کے ائمہ مسلمین کی اور یہی ہے جس کا نام مسلمانوں نے نسلاً بعد نسل وراثت میں یہ پایا کہ وہ (اسلامی) نماز ہے۔ اور وہ ضروریات ملت میں سے ہے۔"

خاکسار میر سیالکوٹی کہتا ہے۔ کہ ہر وہ شخص جسے خدا تعالیٰ نے احادیث نبویہ کے مطالعہ کی نعمت بخشی ہے اور آنحضرت صلعم کے جملہ وظائف عبادت اس کی نظر میں ہیں، وہ اس امر میں ایک لمحہ بھر بھی تردد نہیں کر سکتا۔ کہ حضرت شاہ صاحب نے نہایت شستہ اور مختصر الفاظ میں آنحضرت صلعم کی نماز کے ضروری امور کا فوٹو کھینچ دیا ہے۔ اور مجتہدین کے اصطلاحی اختلافات۔ (فرائض و واجبات) کو ایسے لطیف پیرائے میں اور ایسے جامع الفاظ میں سمجھا دیا ہے۔ کہ اگر اصطلاحوں کی تعریفات کی الجھنوں میں نہ پھنستے ہوئے صحابہ رض کی طرح اتباع سنت کو لازم گردان لیں۔ اور اسی کو شعار و دثار (ظاہر و باطن) بنا لیں، تو نماز کے متعلق مسلمانوں میں عملی طور پر کوئی اختلاف باقی نہیں رہ سکتا [1] بہرحال حضرت شاہ صاحب اصولی طور پر قراءت فاتحہ کو نماز کا ایک اہم رکن شمار کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم اس کی رکنیت کے مفصل دلائل بھی بیان کرتے ہیں۔ واللہ الموفق

رکنیت فاتحہ کے مفصل دلائل

امام شافعی رح کتاب الام" میں فرماتے ہیں کہ:-

وسن رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یقرء القاری فی الصلوٰۃ بام القرآن ودل علی انها فرض علی المصلی اذا کان یحسن یقرءھا۔

رسول اللہ صلعم نے اپنے عمل سے مقرر کر دیا۔ کہ قاری نماز میں سورت فاتحہ پڑھے۔ اور بتلا دیا کہ سورت فاتحہ کا پڑھنا نمازی پر فرض ہے جب کہ وہ سورت فاتحہ کو بخوبی پڑھ سکتا ہو۔

---

[1] یعنی ہم ان امور مذکورہ بالا کو اس نیت اور عقیدہ سے ادا کریں کہ آنحضرت صلعم نے ان پر دائماً التزام کیا ہے۔ خواہ ان کے ضروری ہونے کو الفاظ سے فرمایا۔ خواہ اپنے دائمی عمل سے سمجھایا ہم بھی ان کو ادا کریں۔ اور فرض و واجب کی اصطلاحی فرقوں میں پڑ کر تبھکڑے کھڑے نہ کریں۔ اور اپنی نمازوں کو خلاف سنت ادا کر کے ناقص و بیکار نہ کریں۔ کیونکہ فرض و واجب کا اصطلاحی فرق زمانہ نبوی میں نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رض سے کسی نے پوچھا تھا۔ کہ نماز وتر فرض ہے یا کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ آنحضرت صلعم نے وتر پڑھے اور تمام مسلمین بھی پڑھتے ہیں (او کما قال) ۱۲ منہ

Marfat.com

سفیان بن عیینۃ عن الزھری عن محمودؓ بن ربیع عن عبادۃؓ بن الصامت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب ÷

(جلد ۱ صفحہ ۹۳)

ہم کو امام سفیانؒ نے امام زہریؒ سے انہوں نے محمود بن ربیعؓ سے انہوں نے عبادہ بن صامت صحابیؓ سے روایت کر کے خبر دی ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو (اس میں) سورت فاتحہ نہیں پڑھتا۔

حضرت عبادہؓ کی اس حدیث کی صحت میں کسی امام، کسی مجتہد، کسی محدث، اور کسی فقیہ کو کلام نہیں۔ کیونکہ اس کے سب راوی جلیل القدر ہیں۔ تین تو نہایت ذی شان امام ہیں یعنی امام شافعی امام سفیانؒ بن عیینہؒ اور امام ابن شہاب زہریؒ اور دو آنحضرت صلعم کی زیارت کے شرفیافتہ ہیں۔ یعنی محمود بن ربیع، اور عبادہؓ بن صامت، محمود، حضرت عبادہؓ صحابی کے داماد تھے۔ آنحضرت صلعم نے ازراہ شفقت ان کے چہرے پر اپنے دہن مبارک کی کلی کے چھینٹے مارے تھے۔ اس وقت ان کی عمر پانچ سال کی تھی۔[۵۱] اور حضرت عبادہؓ سابقین اوّلین انصاریوں میں سے ہیں۔ نقبائے صحابہؓ میں سے تھے۔ بلکہ ان بارہؓ نقباء میں سے ہیں۔ جن کو آنحضرت صلعم نے قبل ہجرت اہل مدینہ میں اشاعت و تبلیغ اسلام کے لئے مقرر کیا تھا۔ جنگ بدر و جنگ احد و بیعت رضوان میں شامل تھے۔[۵۲]

حضرت عبادہؓ کی اس حدیث کو امام شافعیؒ کے علاوہ امام احمدؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ امام ابوداؤدؒ امام ترمذیؒ امام نسائیؒ، امام ابن ماجہؒ امام دارمیؒ، امام دارقطنیؒ وغیرہم نے اپنی کتابوں میں اسی سلسلۂ اسناد یعنی سفیان عن الزہری عن محمود عن عبادۃ، سے روایت کیا، اور ہر محدث و ہر فقیہ و مجتہد نے وجوب[۵۳] فاتحہ کے متعلق اس حدیث سے استدلال کیا ہے امام شافعیؒ کتاب الام ہی میں ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وان حدیث عبادۃؓ وابی ھریرۃؓ[۵۴] یدلان علی فرض ام القرآن (جلد ۱ صفحہ ۸۹)

اور یہ کہ تحقیق عبادہؓ اور ابوہریرہؓ کی حدیثیں سورت فاتحہ کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔

---

[۵۱] صحیح بخاری کتاب العلم ۱۲ منہ [۵۲] اصابہ جلد سوم صفحہ ۲۶۳ نیز کتاب القراءۃ البیہقیؒ صفحہ ۴۵ ۱۲ منہ

[۵۳] اگرچہ بعض نے واجب بمعنی فرض کہا ہے۔ اور بعض نے واجب اصطلاحی مراد رکھا ہے۔ جیسا کہ آئندہ تفصیلاً معلوم ہو جائے گا۔ الفش ۱۲ منہ

[۵۴] حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث قسمت الصلوٰۃ الخ آگے آئے گی۔ الفش ۱۲ منہ

Marfat.com

امام بخاریؒ نے بھی اس حدیث سے امام و مقتدی ہر دو پر قرأۃ فرض ہونے پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ عنوان باب یوں باندھتے ہیں ، باب وجوب القراءۃ للامام والماموم الخ اور علامہ عینی حنفیؒ شرح صحیح بخاری میں زیر عنوان ذکر ما یستنبط منہ یعنے ان امور کے ذکر میں جو اس حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں ، فرماتے ہیں :۔

استدل بھذا الحدیث عبد اللّٰہ بن المبارکؒ والاوزاعیؒ ومالکؒ والشافعیؒ واحمدؒ واسحٰقؒ وابو ثورؒ وداؤدؒ علی وجوب قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام فی جمیع الصلوٰۃ۔ (عمدۃ القاری جلد ۳، صہ ۶۴)	اس حدیث سے امام عبد اللہ بن مبارک اور امام اوزاعیؒ۔ اور امام مالکؒ۔ اور امام شافعیؒ۔ اور امام احمدؒ اور امام اسحٰقؒ اور امام ابو ثورؒ، اور امام داؤدؒ نے سب نمازوں میں قرائت فاتحہ خلف الامام کے فرض ہونے پر استدلال کیا ہے۔،

پھر اس کے چند سطر بعد حافظ ابن حزمؒ قرطبی کا قول ان کی کتاب محلّٰی سے نقل کرتے ہیں :۔

قال ابن حزم فی المحلّٰی وقراءۃ ام القرآن فرض فی کل رکعۃ من کل صلوٰۃ اماما کان اوماموما والفرض والتطوع سواء والرجال والنساء سواء (عینی جلد سوم صہ ۶۴)	امام ابن حزمؒ نے محلّٰی میں کہا کہ سورت فاتحہ کی قرائت ہر نماز کی ہر رکعت میں فرض ہے خواہ کوئی امام ہو خواہ مقتدی۔ اور فرض ونفل اور مرد و عورتیں اس میں سب برابر ہیں۔

صورت استدلال یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے بغیر تخصیص و استثناء کے عام حکم دیا ہے، کہ جو شخص بغیر قرائت سورۃ فاتحہ کے نماز پڑھتا ہے۔ اس کی نماز ادا نہیں ہوتی ، یعنی وہ شخص نماز سے عہدہ برآ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے ذمہ باقی رہتی ہے خواہ وہ نمازی امام ہے۔ خواہ مقتدی ، خواہ منفرد (اکیلا) خواہ مرد ہے۔ خواہ عورت، اور خواہ وہ نماز سفر کی ہے۔ یا حضر کی ، اور خواہ وہ نماز فرض ہے۔ خواہ نفل ، اور خواہ وہ نماز اونچی قراءت والی ہے خواہ آہستہ قراءت والی ، سب میں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنی فرض ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی ، کیونکہ آنحضرت صلعم سے یہ حدیث نہایت شاندار صحت سے ثابت ہو چکی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب (بخاری مسلم وغیرہما) یعنی نہیں ہوتی نماز اس

لہ محدثین کے نزدیک فرض اور واجب کا ایک ہی حکم ہے۔ واجب کا درجہ فرض سے کم جاننا حضرات حنفیہ کی اصطلاح میں ہے۔ فافہم ۱۲ منہ

Marfat.com

شخص کی جو نہ پڑھے سورت فاتحہ اور آپ ﷺ کے دوامی عمل سے بلا اختلاف احد سے دلائل متواترہ سے ثابت ہوچکا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی حالت میں بھی سورت فاتحہ کی قراءت ترک نہیں کی۔ نہ امام ہوتے ہوئے۔ نہ اکیلے، نہ سفر میں نہ حضر میں۔ نہ فرضوں میں، نہ نفلوں میں چنانچہ یہ عموم استدلال حافظ ابن حزم رح کے کلام سے اوپر گذر چکا ہے۔ اور علامہ عینی حنفی رح اس حدیث کی شرح میں امام شافعی رح وغیرہ محدثین کی وجہ استدلال کی بابت لکھتے ہیں:۔

ثم وجہ استدلال الشافعی ومن معہ بہذا الحدیث وھو انہ نفی جنس الصلوٰۃ عن الجواز الا بقراءۃ فاتحۃ الکتاب (جلد ۳ ص ۶۵)۔

امام شافعی رح اور ان کے ساتھ کے محدثین الکوں کی وجہ استدلال یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے سورت فاتحہ کے پڑھے بغیر جنس صلاۃ کے جواز کی نفی کی ہے

امام بخاری رح نے بھی باب کی سرخی عام ہی مقرر کی ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

باب وجوب القراءۃ[۱] للامام والماموم فی الصلوٰت کلہا فی الحضر والسفر وما یجہر فیہا وما یخافت (بخاری مصری، جلد ۱ ص ۹۰)۔ پھر اس عنوان کے ضمن میں یہ حدیث حضرت عبادہ رض والی بھی درج کی ہے۔

اسی طرح امام بیہقی رح نے بھی القراءۃ خلف الامام میں یوں باب باندھا ہے۔ باب الدلیل علی ان لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب یجمع الامام والماموم والمنفرد۔ یعنی یہ باب ہے اس بات کی دلیل کا کہ حدیث لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب امام اور مقتدی اور اکیلے سب کو شامل ہے۔

پھر اس کے ذیل میں یہی حدیث حضرت عبادہ رض والی ذکر کی ہے،

غرض تمام محدثین بالاتفاق اس حدیث کو ہر نماز اور ہر نمازی پر شامل کہتے ہیں۔

دوسری دلیل تعیین یا رکنیت فاتحہ کی یہ حدیث ہے جو حضرت ابوہریرہ رض سے صحیح مسلم اور موطا امام مالک رح میں مروی ہے کہ:۔

۱؎ علامہ عینی نے لکھا کہ ترجمۃ الباب میں فاتحہ کا ذکر نہیں ہے۔ تاکہ یہ حدیث عبادہ والی، اس پر دلالت کرسکے عنوان باب میں تو صرف مطلق قراءت کا ذکر ہے اور مطلق قراءت فاتحہ اور غیر فاتحہ سے اعم ہے۔ علمائے حدیث نے اس کے کئی ایک جوابات دیئے ہیں خاکسار بھی ایک عرض کرتا ہے کہ سورت فاتحہ قرآن شریف کی جزو ہے۔ بلکہ القرآن العظیم ہے۔ جیسا کہ آئندہ ذکر ہوگا۔ انش، تو لفظ قراءت اس پر بھی شامل ہے۔ پس عنوان باب اور حدیث الباب میں نہ منافات ہے نہ مغائرت ہے لہذا امام بخاری کا باب کے ضمن میں اس حدیث کو لانا بالکل درست اور موزوں ہے۔ باقی رہا یہ کہ حضرت سعد رض کی شکایت والی روایت اور حضرت ابوہریرہ رض

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

عن ابی هریرۃ رضؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی صلوٰۃ لم یقرء فیہا بام القرآن فہی خداج ثلثا غیر تمام فقیل لابی هریرۃ انا نکون وراء الامام فقال اقرأ بہا فی نفسک فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین و لعبدی ما سال فاذا قال العبد الحمد للہ رب العلمین الی اخر الحدیث (مسلم جلد اول صفحہ)

نبی صلعم نے فرمایا جس کسی نے ایسی نماز پڑھی جس میں اس نے سورت فاتحہ نہیں پڑھی تو وہ نماز ناقص الخلقت (ساقط شدہ بچہ) ہے ناقص ہے۔ ناقص ہے۔ غیر تمام ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے کہا گیا کہ ہم کبھی امام کے پیچھے ہوتے ہیں۔ (تو کیا اس حالت میں بھی سورت فاتحہ پڑھا کریں؟) آپ نے کہا (ہاں) اسے اپنے جی رمن میں (آہستہ) پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصفا نصفی بانٹ لیا ہے اور میرا بندہ جو کچھ بھی مانگے اسے وہ سب دوں گا۔ جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد کی الخ۔

اس حدیث میں دو مقام فرضیت و رکنیت فاتحہ کے ہیں۔

اوّل یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کو جس میں سورت فاتحہ نہ پڑھی جائے ناقص پیدائش کہا ہے۔ یعنی وہ ناقص الخلقت یا اسقاط شدہ بچہ کی طرح ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس فصل کے مقدمہ میں گذر چکا ہے۔ کہ نماز چند پاک کلمات اور چند بادب حرکات سے مرکب ہے۔ اور ان پاک کلمات میں سے ایک سورت فاتحہ ہے۔ جسے سب افعال نماز سے کمال مناسبت بھی ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ جو چیز چند ضروری اجزائے مرکب ہے اس کی کوئی ضروری جزو ضائع ہو جائے، تو وہ چیز ناقص و بیکار ہو جاتی ہے، اور ردّی کر کے پھینک دی جاتی ہے۔ پس جب سورت فاتحہ جو ضروری ہے۔ نہ پڑھی گئی، تو وہ نماز قبولیت کے درجے سے گر گئی۔ اور ناقص الخلقت یا اسقاط شدہ بچے کی مثل ہو گئی۔ تو کسی کام کی نہ رہی ۔

(اعاذنا اللہ منہا) ۔

امام زمخشری رح اساس البلاغۃ میں زیر مادہ خداج محاورہ اخدجت صلاتہ کے معنے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) والی روایت متعلق مسئی الصلوٰۃ میں عام قراءت کا ذکر ہے۔ اور فاتحہ کا ذکر نہیں ہے۔ تو اس کے جواب کا یہ موقع نہیں ہے۔ ۱۲ منہ (حاشیہ صفحہ ہذا) ملہ حضرات حنفیہ لفظ ناقص سے جو سہارا پکڑ کر فرضیت فاتحہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس کا جواب آئندہ الگ سرخی کے ماتحت دیا جائے گا ۱۲ منہ۔

Marfat.com

لکھتے ہیں۔ نقص بعض ارکانہا (۱۲) یعنی اس نے نماز کے بعض ارکان کم کر دیئے را

حدیث مذکورہ کا مفاد تو یہ ہے۔ کہ ایسی نماز جس میں سورت فاتحہ نہ پڑھی جائے نقصان

نکتہ والی ہے یا کہ وہ ناقص الخلقت یا اسقاط شدہ بچے کی شکل ہے لیکن الفاظ حدیث میں

یوں نہیں فرمایا۔ بلکہ یوں فرمایا ہے۔ فھی خداج یعنی وہ سراسر نقصان ہے۔ یا یہ کہ وہ

ناقص الخلقت یا اسقاط شدہ بچہ ہے۔ اس طرز بیان میں مبالغہ ہے جس کا فائدہ یہ ہے۔ کہ

آنحضرت صلعم کو ایسی نماز ہرگز ہرگز پسند نہیں۔ اس لئے تین دفعہ دہرا کر فرمایا ہے۔ ھی خداج

ھی خداج ھی خداج اور پھر چوتھی بار فرمایا۔ غیر تمام یعنی نا تمام ہے اس سے صاف

معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ جس نماز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ناپسندیدگی سے ناقص و ناتمام

فرمائیں وہ خدا کی درگاہ میں قبولیت کے قابل کب ہو سکتی ہے چنانچہ ایک اور حدیث کے

یہ الفاظ ہیں لا تجزیٔ صلوٰۃ لا یقرء الرجل فیہا بفاتحۃ الکتاب ھذا اسناد صحیح

(دار قطنی ص۱۲۲) یعنی وہ نماز کفایت نہیں کرتی جس میں آدمی سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قراءت سورت فاتحہ نماز کا ایک ضروری رکن ہے۔

دوم۔ یہ کہ اس حدیث میں فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ سورت فاتحہ نماز ہے۔ کیونکہ

خدا تعالیٰ کا فرمان ہے۔ قسمت الصلوٰۃ اور پھر اس کے بعد سورت فاتحہ کی آیات گن گن کر

بتا دیا ہے کہ اس سے مراد سورت فاتحہ ہے۔

اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ قرأت سورت فاتحہ نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ جیسا کہ ہم مقدمہ

میں شاہ ولی اللہ صاحب رح کی عبارت سے بتا آئے ہیں کہ جس امر کا نام ہی نماز رکھ دیا گیا ہو

وہ اس کا اہم رکن ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے الحج عرفۃ (یعنی حج عرفہ ہے اسلئے

کہ وقوف عرفات حج کا اہم رکن ہے۔ بلکہ اصل حج یہی ہے۔ کیونکہ بغیر عرفات پر جانے کے

مجرد سعی صفا و مروہ اور طواف خانہ کعبہ کا نام عمرہ ہے۔ نہ حج)

امام نووی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :۔

قال العلماء المراد بالصلوٰۃ ھنا الفاتحۃ	علمائے حدیث نے کہا ہے کہ اس جگہ صلوٰۃ سے
سمیت بذلک بانہا لا تصح الا بہا کقولہ	سورت فاتحہ مراد ہے۔ اس (سورت) کا یہ نام (نماز)
صلی اللہ علیہ وسلم الحج عرفۃ ففیہ دلیل	اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ (نماز) اس کے بغیر صحیح نہیں

لہ نہایہ ابن اثیر۔ لغت مفردات حدیث نبوی ۱۲ منہ

Marfat.com

علیٰ وجوبہا بعینہا فی الصلوٰۃ (جلد ا ص۱۷۱) ہوتی. شل آنحضرت صلعم کے اس فرمان کے کہ حج عرفہ ہے. پس اس حدیث میں اس (سورت) کے علی التعیین نماز میں فرض ہونے کی دلیل ہے ،،

اسی طرح امام بیہقی کتاب القراءۃ میں اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں :-

وفی ذالک دلالۃ علی کونہا رکنا فیہا حتی سماہا باسمہا ولم یفرق فیہا بین الامام والماموم والمنفرد والذی حمل الحدیث وھو اعرف بما روی حمل وجوب قرائتہا علی الجمیع وامر الماموم بقرائتہا سرًّا (ص ۱۵/۱۶)

اس حدیث میں اس (سورت) کے رکن نماز ہونے کی دلیل ہے حتی کہ اس کا نام اس کے نام پر رکھا ہے اور اس میں امام اور مقتدی اور منفرد (اکیلے) میں فرق نہیں بتایا اور جس نے اس حدیث کو روایت کیا (یعنی حضرت ابوہریرہ) اور وہ اپنی روایت کے معنی (دوسرں کی نسبت) زیادہ اچھے پہچاننے والے ہیں. انہوں نے اس سورت کی قراءت کو سب پر فرض قرار دیا ہے. اور مقتدی کو بھی آہستہ طور پر پڑھنے کا حکم کیا ہے ،،

امام نووی اور امام بیہقی کا یہ استدلال ایسا صاف ہے کہ اس کی مزید تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں ہے ،،

تیسری دلیل رکنیت فاتحہ کی یہ حدیث ہے. جو موطا امام مالک وغیرہ میں ہے. کہ رسول اللہ نے فرمایا :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نادی ابیّ بن کعب وھو یصلی فلما فرغ من صلاتہ لحقہ فوضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ علی یدہ وھو یرید ان یخرج من باب المسجد فقال انی لا رجوان لا تخرج من المسجد حتی تعلم سورۃ ما انزل فی التوراۃ ولا فی الانجیل ولا فی القران مثلہا قال ابیّ فجعلت ابطئی فی المشی رجاء ذالک ثم قلت یا رسول اللہ السورۃ التی وعدتنی قال کیف تقرا اذا افتتحت الصلوۃ قال فقرات الحمد للہ رب العلمین حتی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی کو آواز دی اور وہ نماز پڑھ رہے تھے، پس وہ نماز سے فارغ ہوئے تو آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو گئے پس آپ نے اپنا ہاتھ مبارک ان کے ہاتھ پر رکھا. در انحال کہ آپ دروازہ مسجد سے باہر گذرنا چاہتے تھے پس آپ نے فرمایا اے ابی! مجھے امید ہے کہ تو مسجد سے نکلنے سے پیشتر ایک ایسی سورت سیکھ لیگا جس کی مثل نہ تو توریت میں (سورت) نازل ہوئی اور نہ انجیل میں اور نہ قرآن میں حضرت ابی کہتے ہیں کہ میں اسی ہر کی امید پر آہستہ آہستہ چلنے لگا. پھر آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ سورت سکھائیے جسکا آپ نے

اتیت علی آخرھا فقال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم ھی ھذہ السورۃ وھی
السبع المثانی والقرآن العظیم الذی
اعطیت ..

(مؤطا امام مالک)
(رحمۃ اللہ علیہ)

وعدہ کیا تھا۔ (اس پر) آپ نے فرمایا جب تو
نماز شروع کرتا ہے تو کس طرح قرأت کرتا ہے؟
میں نے (سورت) الحمد للہ رب العالمین تا آخر پڑھ
سنائی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا، بس یہی وہ سورت
ہے۔ اور یہی سبع مثانی اور القرآن العظیم ہے جو
مجھے عطا ہوئی ہے۔

یہ حدیث موطا امام مالک رح کی مسند روایت ہے جس کی صحت میں کلام نہیں ہو سکتا۔ اور اس واقعہ کو امام مالک رح کے علاوہ امام ترمذی رح امام نسائی رح امام احمد رح امام ابن خزیمہ رح اور امام بیہقی رح نے بھی حضرت ابوہریرہ رض کی وساطت سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب رض کا واقعہ یوں ہے اور ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابو سعید بن معلّے رض کا بھی ہے۔ جسے امام بخاری رح نے صحیح بخاری میں روایت کیا ہے۔ غرض حضرت ابیّ والے قصّہ کو کثیر التعداد محدثین نے صحیح سندوں سے روایت کیا ہے لہذا اس کی صحت میں شک نہیں ہو سکتا۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ امام بیہقی رح نے کتاب القراءت میں اس حدیث کو بسند خود ذکر کر کے لکھا ہے۔

وحین قال المصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم
لابی بن کعب رض کیف تقرء فی صلوتک
فاجابہ بام القرآن ولم یفصل بین
ان یکون اماما او ماموما او منفردا دل
علی ان لا فرق بینھم فی وجوب قراءتھا
علی من احسنھا منھم فی صلوتہ ودل
علی انہ کان مستفیضا شائعا فیما بینھم
یعنی القراءۃ بالفاتحۃ حتی احال
المصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم فیما اراد
ان یعلمہ من السورۃ علی ما یقرء فی
صلوتہ واجابہ ابی بھا دون غیرھا

جب آنحضرت صلعم نے حضرت ابی رض سے کہا کہ تو نماز
میں کس طرح قراءت کرتا ہے تو انہوں نے جواب
میں سورت فاتحہ پڑھ سنائی، اور امام یا مقتدی یا منفرد
(اکیلے) کی تفصیل بیان نہیں کی تو اس بات نے صاف
دلالت کر دی کہ ان (امام مقتدی اور منفرد) میں سے
نماز میں سورت فاتحہ کی قراءت کے فرض ہونے کے
متعلق کوئی فرق نہیں ہے نیز اس پر بھی دلالت کر
دی کہ صحابہ میں قراءت فاتحہ عام طور پر مشہور و شائع
تھی حتّٰی کہ آنحضرت صلعم نے اس صحابی کو ایک سورت
بتانے کا جو ارادہ کیا تو اس کا نشان اس طرح بتایا کہ
وہ سورت وہی ہے جو تو اپنی نماز میں پڑھا کرتا ہے

Marfat.com

من القرآن مع استحباب قراءت غیرہا منہا واللہ اعلم۔
(کتاب القراءۃ بیہقی ج
(صــ ۳۲)

اور حضرت ابی رض نے بھی بغیر تامل واستفسار کے، جواب میں وہی سورت سوائے کسی دیگر سورت کے پڑھ سنائی باوجود اس کے کہ (بعد فاتحہ کے) کسی اور سورت کی قرارت بھی مستحب ہے۔"

امام بیہقیؒ کا یہ استدلال بالکل صاف ہے۔ کہ آنحضرت صلعم حضرت ابی سے بغیر کسی تصریح یا تعیین کے پوچھتے ہیں۔ کیف تقرء اذا افتتحت الصلاۃ یعنی تو جب نماز شروع کرتا ہے تو قرات کس طرح کرتا ہے اور حضرت ابی رض بھی بغیر کسی استفسار کے سورت فاتحہ پڑھ سناتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر اظہار فرماتے ہیں کہ یہیں تم سے اسی سورت کی فضیلت بتانے کا وعدہ تھا، تو اس سے صاف سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم نے بغیر تعیین کے سوال کیا۔ اور حضرت ابی نے بغیر استفسار کے آنحضرت صلعم کی مراد سمجھ کر جواب دیا اور آنحضرت صلعم نے اس جواب کی تصدیق کی تو صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم اور صحابہ رض کے نزدیک نماز میں سورت فاتحہ کی قراءت مقرر تھی اور ایسی مشہور و شائع تھی، کہ بغیر توضیح و تعیین کے ذہن میں یہی آتی تھی[1] خدا تعالے امام بیہقی رح پر اس لطیف استدلال کی جزا میں لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے، آمین،

اس حدیث سے دوسری وجہ استدلال یہ ہے۔ کہ اسے خدا تعالیٰ نے سبع مثانی اور القرآن العظیم کہا ہے۔ یہ ہر دو بھی سورت فاتحہ کے نام ہیں، جیسا کہ ... پر مذکور ہو چکا ہے۔ پیشتر اس کے کہ ہم ان اسماء کی وجوہ کی وضاحت کریں، ضروری ہے کہ ان کی ترکیب نحوی بھی بیان کر دیں۔ کیونکہ اول تو اس وجہ استدلال کا مدار اسی پر ہے دوم اس لئے کہ یہ ترکیب بذات خود ایک نکتہ ہے۔ اور یہ تفسیر واضح البیان سورت فاتحہ کے خاص اور باقی قرآن شریف کے عام نکات ہی کے بیان کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ واللہ الموفق،

خدائے عزوجل آنحضرت صلعم کو امتنانا و احسانا فرماتا ہے۔ کہ:۔

---

[1] فن بلاغت کا قاعدہ ہے کہ جو بات متکلم یا مخاطب یا سائل و مسئول ہر دو کے ذہن میں مقرر و متعین ہو بیان میں اس کی تعیین و تصریح کی نسبت اشارہ و کنایہ ابلغ ہوتا ہے، ایسے ہی مواقع کی نسبت علمائے بلاغت کہتے ہیں الکنایۃ ابلغ من الصراحۃ یعنی موقع مناسب پر کنایہ صراحت سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے منہ

Marfat.com

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ۔ (الحجر پ۱۴)

(اے پیغمبر صلعم) بیشک ہم نے تم کو سات آئتیں ایسی دیں ہیں جو مثانی ہیں اور القرآن العظیم بھی ہیں "

بموجب حدیث موطا زیر بحث اور مطابق حدیث صحیح بخاری کے اس جگہ سبع سے مراد سورت فاتحہ ہے جس کی بالاتفاق سات آئتیں ہیں اور من المثانی میں من بیانیہ ہے، اور اس پر القرآن العظیم کا عطف من باب عطف الصفة علی الصفة ہے۔ اور اسی ترکیب کے مطابق ہم نے آیت کا ترجمہ کیا ہے۔ چنانچہ علامہ محمد طاہر پٹنی رح مجمع البحار میں لکھتے ہیں۔ والقران العظیم عطف صفتہ علی صفتہ اسی طرح علامہ عینی حنفی رح شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کی شرح میں امام کرمانی رح شارح بخاری کا قول یوں نقل کرتے ہیں :-

---

۱ اس کے سوا سبع مثانی کی تعیین میں جسقدر اقوال ہیں وہ آنحضرت صلعم تک مرفوع نہیں ہیں۔ چنانچہ علامہ زرقانی رح شرح موطا میں فرماتے ہیں۔ ورجح ابن جریر القول الاول لصحة الخبر فیه عن رسول الله صلعم فلا معدل عنه وقال ابن عبد البر وهو الصحیح والاثبت عن ابن عباس وقد روی الطبرانی باسناد حسن عن ابن عباس انه قرء فاتحة الکتب ثم قال ولقد اتینٰک سبعا من المثانی فقال هی فاتحة الکتاب باسانید جیدا ین عن عمرؓ ثم عن علیؓ السبع المثانی فاتحة الکتاب زاد عن عمرؓ تثنی فی کل رکعة ومن طریق ابی جعفر الرازیؒ عن الربیع بن انس عن ابی العالیة السبع المثانی الفاتحة قلت للربیع انهم یقولون انها السبع الطول قال لقد انزلت هذه الایة وما انزل من الطول شیئ ۱۲ منه -

یعنی امام ابن جریر طبری رح نے پہلے قول یعنی سورت فاتحہ کی تعیین والے قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس کے متعلق آنحضرت صلعم سے صحیح حدیث ثابت ہو چکی ہے۔ پس اس سے پرے ہٹنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اور حافظ ابن عبد البر مغربی رح نے کہا کہ حضرت ابن عباس رض سے یہی قول صحیح اور اثبت ہے کیونکہ امام طبری رح نے حضرت ابن عباس رض سے باسناد حسن روایت کیا کہ آپ نے سورۃ فاتحہ پڑھی، پھر قرآن شریف کی یہ آیت ولقد اتینٰک سبعا من المثانی پڑھ کر فرمایا کہ یہ سورت فاتحہ ہے اور حضرت عمر رض اور حضرت علی رض سے بھی باسناد جید منقول ہے کہ سبع مثانی سورت فاتحہ ہے۔ اور حضرت عمر رض کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسکا نام مثانی اس لئے ہے، کہ ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے۔ اور ابو جعفر رازی رح کے طریق سے ربیع بن انس رض سے انہوں نے ابو العالیہ سے روایت کیا کہ سبع مثانی فاتحہ ہے ابو جعفر کہتے ہیں، کہ میں نے ربیع سے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سبع مثانی سے مراد سات لمبی سورتیں ہیں تو ربیع نے جواب دیا کہ یہ آیت یعنی ولقد اتینٰک سبعا من المثانی اسوقت اتری تھی جب سات لمبی سورتوں میں سے کوئی بھی نہیں اتری تھی یعنی اس آیت کا نزول ان سورتوں کے نزول سے پہلے ہے تو اس سے مراد وہ کیسے ہو سکتی ہیں، ۱۲ منہ -

Marfat.com

وقال الكرمانی المشهور بین النحاۃ ان هذہ الواو للجمع بین الوصفین فمعنی ولقد اتینٰک سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ ای ما یقال له السبع المثانی والقرآن العظیم وما یوصف بهما (عینی جلد ہشتم ۴۵۹)

کرمانی رح نے کہا کہ یہ بات نحویوں میں مشہور ہے کہ یہ واؤ دو وصفوں کو جمع کرنے کے لئے ہے پس آیت وَلَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ سَبۡعًا الخ سے مراد وہ سات آیتیں ہیں جن کو سبع مثانی اور القرآن العظیم کہا جاتا ہے۔ اور وہ ان دونوں وصفوں سے موصوف ہیں۔ ۱۲

غرضیکہ یہ سورت فاتحہ کے بالخصوص دو اوصاف یا نام ہیں، اول مثانی اس لیے کہ اسے تمام کی ہر رکعت میں دہرایا جاتا ہے۔ جیسا کہ سابقاً ۲۸۴ کے حاشیہ میں حضرت عمرؓ کے قول سے گذر چکا ہے۔ دوم القرآن العظیم اس لئے کہ یہ سورت ثواب اور عظمت میں سارے قرآن کے برابر ہے اسلئے کہ یہ سورت سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔ یا یوں سمجھو کہ سارا قرآن شریف اس کی تفصیل و شرح ہے جیسا کہ آپ اس تفسیر واضح البیان کے مطالعہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلعم نے سورہ اخلاص کی نسبت فرمایا۔ انها لتعدل ثلث القرآن ( ) یعنی یہ سورت قرآن کے ثلث (ایک حصے) کے برابر ہے۔ کیونکہ قرآن کے تین اہم مقاصد ہیں۔ توحید، نبوت اور معاد اور سورہ اخلاص میں صرف توحید کا بیان ہے۔ جو تین میں سے ایک ہے۔

پس وجہ استدلال بالکل صاف ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے اس کی صفت ہی یہ فرمائی کہ یہ ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے تو خدا تعالیٰ کے نزدیک نماز میں اس کا تقرر ثابت ہو گیا۔ اور اس کے تقرر کی حکمت اس کے دوسرے وصف القرآن العظیم سے ظاہر ہوتی ہے کہ چونکہ یہ جملہ مضامین و اصول قرآن مجید پر شامل ہے۔ اور اس کی قراءت آسان ہے تو خدا تعالیٰ نے اس کے مقرر کرنے سے یہ چاہا کہ نمازی یعنی امت محمدیہ ہر رکعت میں بلا کلفت حکماً سارے قرآن کے ختم کا ثواب لے سکیں، اسی لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ

عن عبادة بن الصامت ان النبی صلی الله علیه وسلم قال ام القرآن عوض من غیرها و لیس غیرها منها بعوض (دار قطنی ص ۱۲۲ جلد ۱)

سورت فاتحہ اپنے غیر کا عوض ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ اس کی بجائے قائم ہو سکتی ہے اور اس کا غیر اس کا عوض نہیں ہو سکتا۔ ۱۲

دار قطنی کی اس حدیث کو امام بیہقی رح نے بھی کتاب القراءت میں اپنے اسناد حافظ ابو عبد اللہ کے واسطے سے امام دار قطنی رح کے سلسلۂ اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور اس کے آخیر پر کہا ہے۔ قال ابو عبد الله رواته کلهم ثقات ۱۲ (ص ۹) یعنی حافظ ابو عبد اللہ رح نے کہا کہ

Marfat.com

اس کا ہر ایک راوی ثقہ و معتبر ہے۔ ثلاثا

حاصل کلام یہ کہ دلائل مذکورہ بالا اور دیگر دلائل سے جو انشاء اللہ ابھی آئندہ بیان ہوں گے واضح ہے کہ سورت فاتحہ کی قراءت نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ کیونکہ سورت فاتحہ قولی نماز ہے خواہ امام ہو۔ خواہ مقتدی، خواہ منفرد سب پر فرض ہے امام اور منفرد ہو کر تو سب پڑھتے ہیں لیکن مقتدی ہونے کی حالت میں بعض کا یہ مذہب ہے۔ کہ مقتدی کے لئے امام کی قراءت کفایت کرتی ہے۔ اس کی تفصیل تو انشاء اللہ آئندہ آئے گی۔ لیکن سر دست اتنا ضرور یاد رکھئے کہ جب سورت فاتحہ کی قراءت رکن نماز ہے۔ تو ارکان میں امام کی نیابت کام نہ آسکنے کی وجہ سے قراءت فاتحہ میں بھی امام کی قراءت کفایت نہ کرے گی۔ ورنہ رکوع، سجود میں بھی نیابت جائز ہوگی۔ اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ چنانچہ امام بخاری رح جزء القراۃ میں ارقام فرماتے ہیں:۔

وقیل له اتفق اهل العلم وانتم لا یحتمل الامام فرضا عن القوم ثم قلتم القراءة فریضة ویحتمل الامام هذا الفرض عن القوم فیما جهر الامام ولم یجهر ولا یحتمل الامام شیئا من السنن نحو الثناء والتسبیح والتحمید فجعلتم الفرض اهون من التطوع۔ (صفحہ ۹)

اور اسے قراءۃ الامام له قراءة کے قائل کو یہ بھی کہا جائے گا کہ سب اہل علم اور تم بھی اس بات پر متفق ہو کہ امام مقتدیوں کے فرض کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ پھر تمہارا یہ قول بھی ہے کہ مطلق قراءت فرض ہے اور امام قوم کے اس فرض کو اٹھا لیتا ہے۔ اس نماز میں بھی جس میں وہ قراءت بالجہر پڑھے۔ اور اس میں بھی جس میں بالجہر نہ پڑھے۔ لیکن امام کسی سنت کو مثل ثنا (سبحانک اللہم الخ) اور تسبیح و تحمید کے نہیں اٹھاتا۔ سو تم نے (اس میں) فرض کو نفل سے ہلکا کر دیا جو درست نہیں۔ (ا)

قراءتِ فاتحہ خلف الامام کے خاص دلائل

اوپر جو بیان ہوا وہ قراءت فاتحہ کے رکن نماز ہونے کے متعلق تھا۔ جب یہ حال ہے تو قراءت فاتحہ مقتدی پر بھی فرض ہے۔ کیونکہ فرائض کی ادائیگی۔ امام، مقتدی، اور منفرد سب پر لازم ہے۔ دیگر یہ کہ جب آنحضرت صلعم نے عام طور پر فرما دیا۔ لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب یعنی اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو نماز میں سورت فاتحہ نہیں پڑھتا۔ تو عموم کلمہ مَنْ میں امام، مقتدی منفرد سب آگئے۔ اگرچہ اس دلیل کے بعد کسی خصوصی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن

Marfat.com

بعض اشخاص کسی خاص دلیل سے بھی تسلی چاہتے ہیں۔ اور وہ ہمارے پاس خدا کے فضل سے موجود ہے۔ اس لئے الگ عنوان قائم کر کے بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ الموفق،

پہلی حدیث

امام بیہقی رح نے کتاب القراءت میں باسناد خود بغیر واسطہ محمد بن اسحاق رح کے حضرت عبادہ رض سے روایت کیا کہ:

عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب خلف الامام۔ (صـ۱۷)

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوئی جس نے امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہیں پڑھی۔

حضرت عبادہ رض کی اس روایت میں اس روایت کی نسبت جو پہلے اثبات رکعیت میں بخاری و مسلم کی روایات سے گذر چکی ہے۔ الفاظ خلف الامام زیادہ ہیں۔ امام بیہقی رح اس زیادت کی نسبت لکھتے ہیں:

قال ابو الطیب رح قلت لمحمد بن سلیمان خلف الامام؟ قال خلف الامام وھذا اسناد صحیح والزیادۃ فیہ کالزیادۃ التی فی حدیث مکحول وغیرہ فھی عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ صحیحۃ مشھورۃ من اوجہ کثیرۃ وعبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ من اکابر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفقھاءھم (صـ۱۷)

ابو الطیب نے کہا میں نے اپنے استاد محمد بن سلیمان سے استفسار اً کہا خلف الامام؟ تو آپ نے کہا ہاں خلف الامام یہ اسناد صحیح ہے اور اس میں جو زیادت (خلف الامام) کی ہے وہ مکحول وغیرہ راویان کی حدیث کی زیادت کی طرح ہے۔ پس یہ (زیادت) حضرت عبادہ رض سے (باسناد) صحیح ثابت ہے) جو کئی ایک وجوہات سے مشہور ہے۔ اور (خود) حضرت عبادہ رض اکابر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں۔ اور صحابہ رض کے فقہا (مجتہدین) میں سے ہیں۔

دوسری حدیث

امام بیہقی رح نے کتاب القراءۃ میں بغیر واسطہ محمد بن اسحٰق رح کے باسناد خود روایت کیا کہ

سلہ ہر دو اس روایت کے راویوں میں سے ہیں۔ ابو الطیب شاگرد ہیں اور محمد بن سلیمان ان کے استاد ہیں ۱۲۰ منہ

Marfat.com

عن عبادة بن الصامت قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم یقول الصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب امام او غیر امام (۱۱)

حضرت عبادہ بن صامت رضی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سنا کہ نہیں ہوتی نماز اس شخص کی جو نہ پڑھے سورۃ فاتحہ امام ہو یا غیر امام (مقتدی ومنفرد)

تیسری حدیث

امام سیوطی رح جامع صغیر میں معجم طبرانی سے نقل کرتے ہیں۔ اور اسے حسن کہتے ہیں:-

من صلی خلف امام فلیقرء بفاتحۃ الکتاب (طب) عن عبادۃ (ح) (جامع صغیر مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۱۹)

جو شخص نماز پڑھے پیچھے امام کے پس چاہیئے کہ پڑھے وہ سورت فاتحہ ۱۲

علامہ ہیثمی رح نے مجمع الزوائد میں اس حدیث کی نسبت کہا۔ رجالہ موثقون یعنی اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

تنبیہ ان ہر سہ روایات سے واضح ہو سکتا ہے کہ حدیث فاتحہ محدثین نے حضرت عبادہ رضی سے مختلف عنوانوں سے روایت کی ہے۔ اور اس کے سب طرق روایت صحیح ہیں کسی روایت میں تو اختصار ہے۔ اور کسی میں تفصیل بخاری رح و مسلم کی روایت جو اثبات رکنیت فاتحہ کے ضمن میں گذر چکی ہے۔ اس میں اختصار ہے۔ کیونکہ مقتدی اور امام اور منفرد سب کا فاتحہ پڑھنا لفظ مَن کے عموم کے ماتحت ہے اور عام غیر مخصوص البعض علمائے حنفیہ کے نزدیک اپنے افراد پر مثل خاص کے بطور قطعیت شامل ہوتا ہے، کیونکہ اس کا عموم شمولی ہوتا ہے نہ کہ بدلی اور اس کی تخصیص حنفیہ کے نزدیک خبر واحد اور قیاس سے نہیں ہو سکتی[۱] یہ وہ باتیں ہیں، جو حنفی علمائے اصول کے نزدیک مسلّم ہیں[۲] اور جہاں عموم اشخاص یا افراد پایا جائے گا وہاں لازماً عموم احوال بھی پایا جائے گا۔

چنانچہ امام تاج الدین سبکی رح جمع الجوامع میں فرماتے ہیں:-

وعموم الاشخاص یستلزم عموم الاحوال والازمنۃ والبقاع (جلد ۱ صفحہ ۲۷)

اور عموم اشخاص لازم پکڑتا ہے۔ حالات اور زمانوں اور مقامات کے عموم کو بھی ۱۲

---

[۱] اگر روایت من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ وغیرہ کو اس کا مخصص بنایا جائے تو درست نہ ہوگا جیسا کہ انشاء اللہ آئندہ اس کے موقع پر مفصل ذکر ہوگا ۱۲ منہ ۱۲

[۲] مثلاً اصول بزدوی مسلم الثبوت، توضیح و تلویح وغیرہا ۱۲ منہ

Marfat.com

اور امام جلال الدین محلی رح شرح میں اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں لانہ لاغنی للاشخاص عنہا یعنی اشخاص ان امور مذکورہ سے غنی و بے پرواہ نہیں ہو سکتے ،،

پس جب آنحضرت صلعم نے عام طور پر فرما دیا من لم یقرء تو اس کے ضمن میں ہر فرد نمازی اور ان کے سب حالات (امامت، اقتداء اور انفراد) بھی آ گئے پس صحیح بخاری و مسلم والی روایت میں جو امور کلمہ مَنْ کے ضمن میں داخل ہیں۔ ان میں سے بعض امام بیہقی رح اور امام طبرانی کی روایات میں صراحۃً مذکور ہیں۔ پس نہ تو ان میں مخالفت ہے اور نہ شذوذ کا عذر ہو سکتا ہے۔ بلکہ اختصار و تفصیل کی بات ہے اور بس ،

چوتھی حدیث

اس حدیث سے قراءت سورت فاتحہ خلف الامام کی نزاع بالکل ختم ہو جاتی ہے اور کسی طالب حق متبع دلیل کے لئے کوئی خرخشہ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ اس میں اونچی قراءت کے وقت میں آنحضرت صلعم نے خاص اپنے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کا حکم کیا ہے۔ اور ممانعت اس کے سوا باقی قراءت سے کی ہے۔ چنانچہ امام نسائی اپنی سنن میں باب قراءۃ ام القرآن خلف الامام فیما جہر بہ الامام میں باسناد خود حضرت عبادہ ؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ

(۱) عن عبادۃ بن الصامت ؓ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض الصلوٰۃ التی یجہر فیہا بالقراءۃ فقال لا یقرأن احد منکم اذا جہرت بالقراءۃ الا بام القرآن (مطبوعہ نظامی ص ۱۵۳)	پڑھائی ہم کو آنحضرت صلعم نے بعض وہ نماز جس میں قراءت اونچی پڑھی جاتی ہے یعنی جہری، تو آپ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ جب میں اونچی قراءت پڑھوں تو تم میں سے کوئی بھی سوائے سورت فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرے ،،

امام نسائی کی اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اور اس کا سلسلہ اسناد بالکل متصل ہے

(۲) اس حدیث کو امام دارقطنی رح نے بھی اس سلسلہ سے باسناد خود مطولاً روایت کیا ہے۔ اور اسکی اسناد کو حسن اور اس کے سب راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ چنانچہ نافع بن محمود سے روایت کیا کر کے لکھتے ہیں ،۔

انہ سمع عبادۃ بن الصامت یقرأ بام القرآن وابو نعیم یجہر بالقراءۃ فقلت سائیتک صنعت	نافع بن محمود نے کہا کہ میں نے عبادہ بن صامت ؓ کو دراں حال کہ ابو نعیم اونچی پڑھ رہا تھا سورت فاتحہ پڑھتے

ملہ جیسا کہ صاحب آثار السنن کو وہم ہوا ہے ۱۲ منہ۔

Marfat.com

فی صلوتك شيئا قال بماذاك قال سمعتك
تقرء بام القرآن وابو نعيم يجهر بالقراءة قال
نعم صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم
بعض الصلوة التي يجهر فيها بالقراءة فلما
انصرف قال هل منكم من احد يقرء شيئا اذا
جهرت بالقراءة قلنا نعم يا رسول الله
فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم وانا
اقول مالي انازع القرآن فلا يقرأن احد
منكم شيئا من القرآن اذا جهرت بالقراءة
الا بام القرآن هذا اسناد حسن ورجاله
ثقات كلهم۔

(دارقطنی جلد ۱ صفحہ ۱۲۱)

سنا جب نماز سے فارغ ہو گئے تو میں نے کہا میں نے
آپ کو نماز میں کچھ پڑھتے دیکھا ہے آپ نے کیا وہ کیا؟
میں نے کہا آپ کو سورت فاتحہ پڑھتے سنا درانحالیکہ ابو
نعیم اونچی قراءت پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں! (ایسا
عمداً) کیا ہے کیونکہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے ہم کو بعض وہ
نماز پڑھائی جس میں اونچی قراءت پڑھی جاتی ہے تو جب
آپ فارغ ہوئے تو فرمایا کیا تم سے کوئی اس وقت جب میں
اونچی قراءت پڑھ رہا تھا قرآن میں سے کچھ پڑھتا تھا ہم نے عرض
کیا ہاں یا رسول اللہ (صلعم) پس رسول اللہ نے فرمایا میں (دل
میں) یہی تو کہہ رہا تھا کہ کیا بات ہے کہ میرے ساتھ قرآن میں
منازعت ہوتی ہے۔ پس جب میں اونچی قراءت پڑھوں تو تم
میں سے کوئی بھی سوائے سورت فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرے

(امام دارقطنی کہتے ہیں) اس کی اسناد حسن ہے اور اس کے سب راوی ثقہ اور معتبر ہیں (۱)

۳۔ امام دارقطنی کے علاوہ اس حدیث کو امام بیہقی رح نے بھی باسناد خود نافع ہی کی روایت سے اس
سے بھی مفصل ذکر کیا ہے۔

عن نافع عن عبادة بن الصامت رض وكان
على ايليا فابطأ عبادة رض عن صلوة الصبح
فاقام ابو نعيم الصلوة وكان اول من اذن
ببيت المقدس فجئت مع عبادة رض حتى صففنا
مع الناس وابو نعيم يجهر بالقراءة فقرء
عبادة رض بام القرآن حتى ختمها وفي رواية
الحافظ حتى فهمتها منه فلما انصرف قلت
سمعتك تقرء بام القرآن قال نعم صلى
بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بعض
الصلوة التي يجهر فيها بالقراءة فقال لا

نافع عبادہ بن صامت کا ذکر کر کے کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں
حضرت عبادہ والی ایلیا (بیت المقدس) تھے (ایکدن) آپ
کو صبح کی نماز میں دیر لگ گئی پس ابو نعیم نے جماعت کرائی اور
ابو نعیم وہ شخص ہے جس نے بیت المقدس میں سب سے پہلے
اذان دی پس میں حضرت عبادہ کے ساتھ آیا اور ہم دونوں
صف میں لوگوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ابو نعیم اس وقت
اونچی قراءت پڑھ رہے تھے۔ پس حضرت عبادہ رض سورت
فاتحہ پڑھنے لگے۔ حتیٰ کہ اسے ختم کیا۔ اور حافظ ابو عبداللہ
کی روایت میں یوں ہے کہ حتیٰ کہ میں نے سمجھ لیا۔ کہ
آپ فاتحہ پڑھ رہے ہیں پس جب نماز سے فارغ ہو گئے

Marfat.com

يقرأن احد منكم اذا جهرت بالقراءة الا بام القرآن۔ (کتاب القراءة ص۴۲)

تو میں نے کہا آپ کو سورت فاتحہ پڑھتے سنا ہے، تو آپ نے فرمایا ہاں! ایک دن ہمیں رسول اللہ نے بعض وہ نماز پڑھائی جس میں اونچی قراءت پڑھی جاتی ہے۔ پس آپ نے فرمایا: جب میں اونچی قراءت پڑھوں تو تم میں سے کوئی بھی سوائے سورت فاتحہ کے کچھ بھی نہ پڑھا کرے۔

ان کے علاوہ اسے امام ابوداؤدؒ نے بھی باسناد خود یوں روایت کیا ہے:۔

قال نافع ابطأ عبادةؓ عن صلوٰة الصبح فاقام ابونعيم المؤذن الصلوٰة فصلى ابونعيم بالناس واقبل عبادة رض وانا معه حتى صففنا خلف ابي نعيم وابونعيم يجهر بالقراءة فجعل عبادة رض يقرأ بام القرآن فلما انصرف قلت لعبادة رض سمعتك تقرء بام القرآن وابونعيم يجهر قال اجل ابونعيم يجهر قال اجل صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بعض الصلوات التي يجهر فيها القراءة قال فالتبست عليه القراءة فلما انصرف اقبل علينا بوجهه فقال هل تقرؤن اذا جهرت بالقراءة فقال بعضنا انا نصنع ذالك۔ قال فلا وانا اقول مالي ينازعني القرآن۔ فلا تقرؤا بشيئ من القرآن اذا جهرت الا بام القرآن۔

(سنن ابی داؤد مع عون المعبود جلد ۱ ص۳۰۴)

نافع نے کہا کہ ایک دن حضرت عبادہؓ کو صبح کی نماز میں دیر ہوگئی تو (آپ کی بجائے) ابونعیم مؤذن نماز پڑھانے کھڑے ہوئے (بعد ازاں) حضرت عبادہؓ بھی آگئے۔ اور میں آپ کے ساتھ تھا۔ حتیٰ کہ ابونعیم کے پیچھے صف میں شامل ہوگئے، اور ابونعیم اونچی قراءت پڑھ رہا تھا۔ پس حضرت عبادہؓ سورت فاتحہ پڑھنے لگے پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے حضرت عبادہؓ سے کہا میں نے آپکو سورت فاتحہ پڑھتے سنا ہے۔ حالانکہ ابونعیم قراءت بالجہر پڑھ رہا تھا۔ تو آپ نے کہا ہاں، ہم کو (ایک دن) آنحضرت صلعم نے بعض وہ نماز پڑھائی جس میں قراءت اونچی پڑھی جاتی ہے۔ پس آپ کو قراءت میں التباس پڑ گیا تو جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور ہماری طرف اپنا چہرہ مبارک کرکے فرمانے لگے کہ کیا تم جب میں اونچی قراءت پڑھتا ہوں کچھ پڑھتے ہو، ہم سے بعض نے عرض کیا، ہاں حضور! ہم ایسا کیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: بس نہیں۔ میں تو کہتا تھا کہ کیا بات ہے۔ کہ مجھ سے قرآن میں منازعت ہوتی ہے لیکن جس وقت میں اونچی قراءت پڑھوں۔ تو تم قرآن میں سے سوائے سورت فاتحہ کے کچھ بھی نہ پڑھا کرو۔

امام بیہقیؒ نے بھی اپنے سلسلۂ اسناد کو امام داؤد کی اس روایت کے سلسلۂ اسناد سے ملاتے ہوئے اس روایت کی تخریج کی ہے۔ اور آخر پر کہا ہے

یعنی یہ اسناد صحیح ہے۔ اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

Marfat.com

عن نافع بن محمود بن الربیع الانصاری قال کنت اعندوا الی المسجد مع عبادۃ رض بن الصامت فابطأ عبادۃ رض ذات یوم قال فجئنا ابو نعیم یصلی بالناس الصبح قال فصففنا خلفہ فسمعت عبادۃ رض یقرء بفاتحۃ الکتاب فلما انصرف ابو نعیم قلت یا ابا الولید رایتك فقرء مع الامام ولا ادری تعمدته ام سهوت قال لم انسه ولکن تعمدته صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض الصلوات التی یجهر فیها بالقراءۃ قال فالتبست علیہ القراءۃ فلما انصرف قال هل تقرؤن معی قلنا نعم قال لا تفعلوا الا بام القرآن فانہ لا صلوۃ لمن یقرء بها وهذا اسناد صحیح ورواته ثقات وقد اخرجه ابو داؤد السجستانی رحمہ اللہ فی کتاب السنن بعد حدیث محمد بن اسحاق بن یسار۔

(کتاب القراءۃ، ص ۴۲/۴۳)

نافع بن محمود انصاری رح نے کہا کہ میں صبح کو حضرت عبادہ رض ابن صامت رض کے ساتھ مسجد میں آیا کرتا تھا ایک روز حضرت عبادہ کو دیر ہو گئی، جب ہم آئے تو ابو نعیم لوگوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، پس ہم ان کے پیچھے، صف میں شامل ہو گئے پس میں نے حضرت عبادہ رض کو سورت فاتحہ پڑھتے سنا۔ جب ابو نعیم نماز سے فارغ ہوا۔ تو میں نے حضرت عبادہ رض سے کہا، یا ابا الولید! میں نے آپ کو امام کے ساتھ پڑھتے دیکھا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ نے ایسا عمداً کیا یا آپ کو سہو ہو گیا۔ آپ نے فرمایا فرمایا مجھے سہو نہیں ہوا۔ بلکہ میں نے عمداً کیا ہے (کیونکہ ایکدن) ہم کو رسول اللہ صلعم نے بعض وہ نماز پڑھائی جس میں قراءت بالجہر پڑھی جاتی ہے پس آپ کو قراءت میں التباس ہو گیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا تم میرے ساتھ پڑھتے ہو، ہم نے کہا ہاں حضور! آپ نے فرمایا۔ سوائے سورت فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو، کیونکہ جو شخص اسے نہیں پڑھتا، اس کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ اسناد صحیح ہے۔ اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور اسے امام ابو داؤد رح نے بھی اپنی کتاب السنن میں محمد بن اسحق کی حدیث کے بعد روایت کیا ہے۔"

اس ساری تفصیل سے صاف صاف معلوم ہو گیا۔ کہ اس روایت کے سب سلسلوں کے راوی معتبر ہیں۔ اور بڑے بڑے نقاد محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے۔ لہذا اس کی سند میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا باقی رہا اس کا متن سو اس میں بھی امر مشترک میں سب متفق ہیں، کسی روایت میں کوئی امر بالاختصار ہے کسی میں بالتفصیل (ذیل) اسی طرح کسی روایت میں کسی امر کو نزاللہ جان کر حذف کر دیا گیا ہے۔ اور کسی میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔ غرض مخالفت کسی میں نہیں۔ ان سب روایات کو ملا کر پورا

لہ محمد بن اسحق کی روایت ص ۔ پر آگے دیکھو ۱۷ منہ

Marfat.com

مضمون مع تشریح ضروری کے یوں ہے کہ:۔

"حضرت عبادہ بن صامت صحابیؓ والیٔ بیت المقدس تھے۔ اور حسب قاعدہ نماز کے امام بھی ہی تھے ابونعیم مسجد کے موذن تھے۔ اتفاق سے ایک روز صبح کی نماز میں حضرت عبادہ رضؓ کو دیر لگ گئی۔ تو ابونعیم موذن امام بنے۔ حضرت عبادہؓ آئے تو حسب مسئلہ پیچھے کھڑے ہو گئے۔ نافع ان کا نواسہ تھا وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ ہی آیا کرتا تھا۔ آج بھی حسب معمول ان کے ساتھ آیا۔ اور صف میں ان کے پاس ہی کھڑا ہوا۔ حضرت عبادہؓ جو پیچھے آئے تو فاتحہ ایسی طرح پڑھنی شروع کی۔ کہ ان کے نواسے نافع نے جو ان کے ساتھ ہی کھڑا تھا سمجھ لیا۔ کہ وہ سورت فاتحہ پڑھ رہے ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر نافع نے حضرت عبادہؓ سے بطور مسئلہ دریافت کیا۔ تو حضرت عبادہؓ نے آنحضرت صلعم کے وقت کا ایک واقعہ دہرا سنایا کہ یوں یوں واقعہ ہوا، تو اس پر حضور سرور عالم صلعم نے فرمایا تھا کہ جب میں اونچی قراءت پڑھوں تو سوائے سورت فاتحہ کے کچھ بھی نہ پڑھا کرو، کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی"

تنبیہہ | ذیل میں ہم حضرت عبادہؓ کی اس حدیث کے متعلق چند فوائد لکھتے ہیں،

فائدہ نمبر ۱ | حضرت عبادہؓ کی اس روایت کے جتنے سلسلے اوپر مذکور ہوئے ان میں محمد بن اسحٰق راوی نہیں ہے جن کے متعلق حضرات حنفیہ کو کچھ عذر ہے بلکہ ان کی بجائے امام مکحول شامی رحؒ سے زید بن واقد شامی رحؒ راوی ہیں۔ اور زید بن واقد شامیؒ کو حضرت امام احمدؒ امام دارقطنی، امام یحیٰی بن معین رحؒ امام عبدالرحمٰن بن ابراہیم رحمہم وغیرہم کبار محدثین نے بالاتفاق ثقہ کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب)

فائدہ نمبر ۲ | زید بن واقد کے علاوہ امام مکحول سے یزید بن یزید بن جابر دمشقیؒ اور علاء بن حارث دمشقی رحؒ اور نعمان بن منذر اور عبدالرحمٰن بن علاء دمشقیؒ بھی روایت کرتے ہیں یہ سب راوی بتصریح ائمہ محدثین ثقہ ہیں، پس جب امام مکحولؒ سے ایک جماعت ثقات کی وہی روایت کرتی ہے۔ جو محمد بن اسحٰق کرتے ہیں، تو اگر بالفرض محمد بن اسحاق تنہا حجت بھی نہ ہوں تو اتنے ثقات کی متابعت کے بعد ان کی روایت کی صحت میں کوئی خدشہ باقی نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ وہ خود تنہا بھی ثقہ ہوں، قابل احتجاج ہوں۔ اور بقول بعض ائمہ حدیث امیر المومنین فی الحدیث ہوں، چنانچہ امام بیہقی رحؒ اپنے شیخ الشیخ حافظ ابو احمد بن عدی رحؒ کا قول یوں نقل کرتے ہیں:۔

قال قد فتشت احادیث محمد بن اسحاق	میں نے محمد بن اسحاق کی بہت سی احادیث کی تفتیش کی،

Marfat.com

الکثیر فلم اجد فی احادیثه ما یتهیأ ان یقطع علیه بالضعف ولم یتخلف عن الروایة عنه الثقات والائمة وقد تابع محمد بن اسحاق بن یسار علی هذه الروایة عن مکحول غیرہ من ثقات الشامیین،

پس میں نے اس کی احادیث میں کوئی ایسی بات نہ پائی جس سے اس کے قطعاً ضعیف ہونے کے حکم پر جرات ہو سکتی ہو، دیگر یہ کہ ثقہ راوی اور ائمہ حدیث اس سے روایت لینے سے نہیں ہٹے (پس اس کی روایات کا اعتبار کیوں نہ کیا جائے) اور تحقیق اس روایت پر مکحول سے محمد بن اسحاق کے سوا دیگر ثقات اہل شام نے اسکی متابعت[1] بھی کی ہے۔"

(کتاب القراءة ص۸۱)

اس کے بعد علی الترتیب علاء[1] بن حارث عن مکحول، عبداللہ[2] بن عمرو بن حارث عن محمود الربیع رض، زید[3] بن واقد دمشقی رح، یزید[4] بن یزید بن جابر دمشقی رح، نعمان بن منذر دمشقی رح، عبداللہ[6] بن علاء دمشقی رح کی متابعات مکمل اسنادوں کے ساتھ ذکر کی ہیں، ص۴۰ سے ص۴۶ تک، یہ سب راوی شامی ہیں اور انہی کو امام بیہقی رح اوپر کی عبارت میں ثقات الشامیین کہ رہے ہیں۔"

فائدہ نمبر۳ مکحول خود ائمہ شام سے ہیں، اور ان کے سب مذکورہ بالا شاگرد شامی رح ہیں، نافع جو مکحول کے شیخ حدیث ہیں۔ ان سے مکحول کے ساتھ حرام بن حکیم بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، یہ بھی شامی ہیں اور ثقہ ہیں،

پھر مکحول جسطرح نافع سے روایت کرتے ہیں، اسی طرح اس کے باپ محمود صحابی رض سے بھی روایت کرتے ہیں۔ پھر محمود سے نافع اور مکحول کے علاوہ، رجاء بن حیوہ رح بھی روایت کرتے ہیں۔ (کتاب القراءت، ص۴۶) اور رجاء بن حیوہ بڑے پایہ کے ائمہ شام سے ہیں،

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ یہ حدیث نافع سے اور اس کے باپ محمود رض سے بڑے بڑے ثقہ راویوں اور اماموں کے واسطے سے مروی ہے، اور یہ بھی کہ علاقہ شام میں اس حدیث کی کافی شہرت اور عام قبولیت تھی۔ اور حالات صحابہ رض پر نظر رکھنے والے پر روشن ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد فتوحات خلافت راشدہ کے وقت جو صحابی جس علاقہ میں جا کر رہا اس کی روایات بیشتر اسی علاقہ میں مشہور ہوئیں، اس کے بعد محدثین رح نے دور دراز سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے

[1] محدثین کی اصطلاح میں متابعت یہ ہے کہ کسی راوی کے اکیلے ہونے کے خیال سے دیکھا جائے کہ آیا اس میں اور کوئی راوی بھی اس کے موافق روایت کرتا ہے۔ پس اگر پایا جائے تو پہلے راوی کی روایت کی تقویت ہو جاتی ہے۔ (مستفاد از شرح نخبہ) ۱۲ منہ

Marfat.com

ہر علاقے کی مرویات کو اپنے سینے میں جمع کر کے سفینہ (کاغذ) پر نقل کیا۔ فجزاھم اللہ عنا خیر الجزاء چنانچہ امام بیہقی رح اس حدیث قراءت فاتحہ خلف الامام کی نسبت جو حضرت عبادہ رض سے مروی ہے فرماتے ہیں:۔

فھذا الحدیث سمعہ مکحول الشامی وھو احد ائمۃ اھل الشام من محمود بن الربیع ونافع بن محمود کلاھما عن عبادۃ رض وسمعہ حرام بن حکیم من نافع بن محمود رض عن عبادۃ رض وسمعہ رجاء بن حیوۃ وھو احد ائمۃ اھل الشام من محمود بن الربیع عن عبادۃ رض (کتاب القراءۃ صفحہ ۶۶)

پس یہ وہ حدیث ہے جسے مکحول شامی نے محمود بن ربیع اور نافع سے سنا اور وہ (مکحول) اہل شام کے ائمہ سے ہے۔ اور یہ دونوں حضرت عبادہ رض سے روایت کرتے ہیں۔ نیز اسے نافع بن محمود سے حرام بن حکیم نے سنا اور نافع نے حضرت عبادہ رض سے روایت کی نیز رجاء بن حیوۃ نے کہ وہ بھی اہل شام کے ائمہ سے ہے محمود بن ربیع سے سنا اور انہوں نے عبادہ رض سے روایت کی۔

پھر اس کے چند سطر بعد فرماتے ہیں:۔

وفی کل ذالک دلالۃ علی انتشار ھذا الحدیث عن عبادۃ بن الصامت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسنداً ثم من فتواہ بہ موقوفاً۔ (صفحہ ۶۷)

اس سارے بیان میں اس بات کی دلیل ہے۔ کہ یہ حدیث حضرت عبادہ رض سے عام طور پر مشہور ہو چکی تھی اور وہ اس کو آنحضرت صلعم سے مسنداً بھی روایت کرتے تھے اور اس کے مطابق ان کے فتوے سے موقوفاً بھی مروی ہے۔"

فائدہ نمبر ۴ یہ حدیث یعنی ایک دفعہ آنحضرت صلعم پر فجر کی نماز میں قراءت بھاری ہو جانے اور آپ کا یہ فرمان کرنے کی کہ تم جہری قراءت کے وقت سوائے سورت فاتحہ کے اور کچھ بھی نہ پڑھا کرو، حضرت عبادہ رض کے علاوہ دیگر بعض صحابہ رض سے مروی ہے۔ مثلاً حضرت انس رض اور حضرت ابوہریرہ رض اور حضرت ابوامامہ رض سے یہ سب روایات امام بیہقی رح نے کتاب القراءت میں باسناد ذکر کی ہیں بنظر اختصار مضمون ہم ان کو نقل نہیں کر سکتے، واللہ الھادی،

امام محمد بن اسحاق کی روایت

اگرچہ اوپر کے مفصل بیان کے بعد ہمیں محمد بن اسحٰق کی روایت ذکر کرنے کی حاجت نہیں

Marfat.com

رہی تھی لیکن قراءت خلف الامام کے مسئلہ میں اہلحدیث کی طرف سے یہ روایت پیش ہوتی رہتی ہے اور حنفی بزرگ اس میں کلام کرتے ہیں، اس لئے مناسب ہے۔ کہ علمی تحقیقات کو پورا کرنے کے لئے ہم اس روایت کو بھی بیان کر کے اس کے شبہات متعلقہ کو بھی دفع کر دیں۔ واللہ الموفق۔

محمد بن اسحاق کی روایت سنن دارقطنی میں یوں ہے:-

وحدثنا اسمٰعیل هو ابن علیة عن محمد بن اسحٰق عن مکحول عن محمود بن الربیع الانصاری وکان یسکن ایلیا عن عبادة بن الصامت رضی قال صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم الصبح فثقلت علیه القراءة فلما انصرف قال انی لاراکم تقرءون من وراء امامکم قال قلنا اجل والله یا رسول الله هذا قال فلا تفعلوا الا بام القرآن فانه لا صلوٰة لمن لم یقرأ بها هٰذا اسناد حسن۔

(دارقطنی جلد ۱، ص۱۲۰)

حدیث بیان کی ہم سے اسمٰعیل بن علیہ رح نے اس نے محمد بن اسحاق سے اس نے مکحول سے اس نے محمود بن ربیع انصاری رضہ سے اور وہ ایلیا (بیت المقدس) میں سکونت رکھتا تھا اس نے حضرت عبادہ رضہ سے کہا انہوں نے کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے صبح کی نماز پڑھی، تو آپ پر قراءت بھاری ہو گئی پس جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو حضرت عبادہ نے کہا ہم نے عرض کیا کہ ہاں قسم بخدا یا رسول اللہ صلعم ہم ایسا کرتے ہیں، پس آپ نے فرمایا یوں نہ کیا کرو سوائے ام القرآن کے، کیونکہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی۔ جو اسے نہیں پڑھتا (امام دارقطنی کہتے ہیں، یہ اسناد حسن ہے)"

اس روایت کو امام دارقطنی رح کے علاوہ دیگر بہت محدثین رح نے بھی روایت کیا ہے۔

چنانچہ امام ترمذی رح نے روایت کرنے کے بعد امام دارقطنی رح کی طرح اسے حسن کہا ہے۔

نیز امام ابوداؤد رح نے اسے اپنی سنن میں روایت کیا، حافظ ابن حجر رح نے اس کی بابت تلخیص میں کہا وصححه ابوداؤد (یعنی امام ابوداؤد رح نے اسے صحیح کہا)

نیز اسے امام احمد رح نے اپنی مسند میں اور امام بخاری رح نے جزء القراءة میں روایت کیا ہے،

سوال و جواب

ان سب روایات میں محمد بن اسحاق عن مکحول ہے حضرات حنفیہ رح کہتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق مدلس[1] ہے۔ اور مدلس[2] راوی صیغہ عن سے روایت کرے تو اس کی روایت حجت نہیں ہو سکتی۔ (شرح نخبہ وغیرہ)

---

[1] تقریب میں ہے امام المغازی صدوق مدلس ۱۲ منہ [2] بعض راوی بعض وقت اپنے اصلی شیخ کو چھوڑ کر اوپر کے استاد کا نام لفظ عن سے ذکر کر دیتے ہیں۔ ایسے راوی کو مدلس کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمدؒ اور امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ کی دیگر روایات میں قال محمد بن اسحق حدثنی مکحول بھی وارد ہے۔ اور مسلّم ہے کہ جب صاحب تدلیس راوی حدثنی وغیرہ صیغے استعمال کرے جس سے سماع کی تصریح ہو جاتی ہے۔ تو مظنّہ تدلیس کا جاتا رہتا ہے۔ (شرح نخبہ وغیرہ)

چنانچہ امام بیہقیؒ کی روایت یوں ہے ۔ وآخبرنا ابوبکر بن الحارث الفقیہ آنبا علی بن عمر الحافظ ثنا ابن صاعد ثنا عبید اللہ بن سعد ثنا عمی ثنا ابی عن ابن اسحق قال حدثنی مکحول بھذا وھذا اسناد صحیح ذکر فیہ سماع محمد بن اسحق من مکحول ۱۲ از کتاب

غرض محمد بن اسحاقؒ کی یہ روایت بہمہ وجوہ قابل احتجاج ہے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے ۔

ا۔ محمد بن اسحاق بذات خود ثقہ ہیں[1] (خلاصہ وغیرہ)

(۲) وہ مکحول سے بصیغہ تحدیث روایت کرتے ہیں پس مظنّہ تدلیس کا جاتا رہا ،

(۳) اس کی متابعت زید بن واقد وغیرہ ثقات راویوں نے کی ہے۔ پس وہ منفرد نہ رہا[2]

(۴) اسی قصہ کے متعلق عبادہؓ کی شواہد دیگر صحابہؓ کی روایات بھی ہیں۔ جو امام بیہقیؒ نے بالتفصیل وباسنادہ خود کتاب القراءۃ میں ذکر کی ہیں[3]۔ مثلاً حضرت انسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابو قتادہؓ، اور حضرت ابوامامہؓ، اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی تلخیص[4] میں بعض کا ذکر کیا ہے اور محمد بن ابی عائشہ عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والی روایت کی نسبت کہا ہے۔ اسنادہ حسن یعنی اس کی اسناد حسن ہے۔

قراءتِ سورت فاتحہ اور حضراتِ حنفیہؒ

سابقاً جو کچھ بیان ہوا وہ جمہور محدثین کا مذہب تھا۔ آپ اس کو پھر دیکھیں کہ اس میں سوائے تتبع نصوص کے اور کچھ نہیں ہے اور اتباع شریعت میں صحابہؓ کا طریق یہی تھا ، لیکن

---

[1] خلاصہ میں ہے۔ عن ابن شہابؒ لایزال بالمدینۃ علم جم ماکان فیہا ابن اسحاق۔ وقال احمدؒ حسن الحدیث ، وقال البخاری روایت علی عبداللہ ابن المدینیؒ بحجتہ بہ ۱۲ نیز شیخ ابن ہمام حنفی امام شعبہؒ کے قول سے لکھتے ہیں۔ ھوامیرالمومنین فی الحدیث (فتح القدیر جلد ا صفحہ ۹) ۱۲ منہ [2] ص ۵۲ کتاب القراءۃ للبیہقیؒ ص ۵۱ سے ص ۵۴ تک ، ۱۲ منہ [3] ص ۵۲ کتاب القراءۃ للبیہقیؒ ص ۴۸ سے ص ۵۳ تک ۱۲ منہ [4] تلخیص جلد اوّل ص ۲۳۰ ۱۲ منہ ،

Marfat.com

حضرات حنفیہ رح کا طریق استدلال ان سے قدرے مختلف ہے۔ کیونکہ یہ حضرات پہلے قواعد بناتے ہیں۔ پھر ان کے مطابق نصوص پر نظر ڈالتے ہیں۔ اگر قاعدے اور نص میں مطابقت ہو گئی تو ہو المراد ورنہ قاعدے کو بحال رکھتے ہوئے نص کی تاویل کر دی (خواہ قرآنی ہو خواہ حدیثی) یا اس میں کوئی شرط یا قید بڑھا دی[1]۔ یہی صورت رکنیتِ فاتحہ کے متعلق ہے۔ کہ ایک قاعدے کی پابندی کی وجہ سے ان کو حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب کے زور کو کمزور کرنا پڑا، اور اس کی قراءت کو فرض سے اتار کر واجب کہنا پڑا، چنانچہ اصول شاشی میں بحث عام غیر مخصوص البعض میں مرقوم ہے:۔

ومثله نقول في قوله تعالى فاقرءوا ما تيسّر من القرآن عام في جميع ما تيسر من القرآن ومن ضرورته عدم توقف الجواز على قراءة الفاتحة وجاء في الخبر انه لا صلوٰة الا بفاتحة الكتاب فعملنا بهما على وجه لا يتغير به حكم الكتاب بان نحمل الخبر على نفي الكمال حتى يكون مطلق القراءة فرضا بحكم الكتاب وقراءة الفاتحة واجبة بحكم الخبر (اصول شاشی مجتبائی ص۵۴)

اور اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ فاقرءوا ما تیسّر من القرآن عام ہے۔ سب میں جو قرآن سے میسّر آ سکے۔ اور اس سے لازم آتا ہے کہ نماز کا جواز سورت فاتحہ کی قراءت پر موقوف نہیں ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے۔ کہ فاتحہ کے سوا نماز نہیں ہوتی۔ پس ہم (حنفیوں) نے ان ہر دو (آیت اور حدیث) پر ایسے طریق پر عمل کیا کہ اس سے قرآن کا حکم متغیر نہیں ہوتا جس کی صورت یہ ہے۔ کہ حدیث کو نفی کمال پہ حمل کریں، تاکہ مطلق قراءت تو قرآن کے حکم سے فرض ہو اور قراءت فاتحہ بحکم حدیث واجب ہو۔

اور اس کی شرح فصول الحواشی میں لکھا ہے:۔

فاذا تقابلا عملنا بهما على وجه لا يتغير به حكم الكتاب بان يحمل الخبر على نفي الكمال ويجعل معناه لا صلوٰة كاملة الا بفاتحة الكتاب فيجوز الصلوٰة بمطلق القراءة لكن يتمكن فيها نقصان بترك الواجب فيه تقرير فرضية القراءة كما هو موجب الكتاب وايجاب الفاتحة عملاً بالخبر (فصول ص ۳۲/۳۳)

پس جب دونوں (آیت اور حدیث) ایک دوسرے کے بالمقابل ہو گئیں، تو ہم نے ایسی وجہ پر عمل کیا کہ اس سے قرآن کا حکم متغیر نہ ہو، بایں صورت کہ حدیث نفی کمال پر حمل کی جائے اور اس کے معنی یہ کئے جائیں کہ نماز بغیر فاتحہ کے کامل نہیں ہوتی، پس نماز مطلق قراءت سے جائز تو ہو جائے گی لیکن واجب کے ترک کرنے سے نقصان ضرور ہوگا اور اس میں فرضیت قراءۃ کا مقرر کرنا بھی ہے ۔۔۔ بحکم

[1] مولینا انور شاہ صاحب مرحوم دیوبندی کے رسالہ فصل الخطاب کی بنا اور تعمیر سب کچھ اسی مسلک پر ہے۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

قرآن سے اور حدیث پر عمل کر کے فاتحہ کو واجب جاننا بھی ہے۔

اس کے قریب علامہ عینی رح شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

واستدلال اصحابنا بقوله تعالیٰ (فاقرؤا ما تیسر من القرآن) امر الله تعالیٰ بقراءة ماتیسر من القرآن مطلقاً وتقییده بالفاتحة زیادة علی مطلق النص وذا لایجوز لانه نسخ فیکون ادنی ما ینطلق علیه القرآن فرضاً لکونه ماموراً به (عینی جلد ۳ ص ۶۵)

ہمارے اصحاب حنفیہ نے قول خداوندی فاقرؤا ما تیسر من القرآن سے استدلال کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مطلقاً جو کچھ قرآن میں سے میسر آوے اس کے پڑھنے کا حکم کیا ہے اور اسے فاتحہ سے مقید کرنا مطلق نص پر زیادت ہے جو جائز نہیں کیونکہ یہ نسخ ہے پس کم از کم جس پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے فرض ہوگا کیونکہ اسی کا حکم ہے۔

اسی طرح دوسرے علمائے حنفیہ کی بھی تصریحات ہیں جن کو ہم بخوف طوالت نقل نہیں کر سکتے اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات حنفیہ کے استدلال کا اصل مدار آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن کا عموم ہے۔ اور دیگر کوئی دلیل جو اس کے عموم کو توڑ سکے موثر نہیں ہو سکتی۔

تنبیہ علمائے حنفیہ رح کو اس آیت سے مطلق قراءت کی فرضیت پر استدلال کرنے میں قراءت خلف الامام کے متعلق ایک سخت مشکل پیش آگئی ہے۔ جو آج تک علمی طور پر ان کے بڑے سے بڑے امام اصول سے بھی حل نہیں ہو سکی۔ وہ یہ کہ حضرات حنفیہ رح کے نزدیک مقتدی سے قراءت قطعاً ساقط ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض نے تو اسے حرام و ناجائز بھی لکھ دیا ہے۔ حالانکہ جب مطلق قراءت فرض ہے۔ تو وہ بحالت اقتدا بھی فرض ہے۔ کیونکہ فرائض بحالت اقتدا بھی ساقط نہیں ہوتے، اور دلیل ان کی عام طور پر آیت:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا الآیۃ (اعراف پ ۹) ہے۔ یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور چپ رہو، ان کے نزدیک اس آیت سے جہری نماز میں مقتدی کے لئے قراءت منع ہے، خواہ وہ سورۂ فاتحہ ہو یا کسی اور مقام سے ہو پس مشکل یہ آپڑی کہ تعیین فاتحہ سے انکار کے وقت تو انہوں نے اپنے مذہب کے مطابق آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کے عموم سے استناد کر لیا۔ اور حدیث لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کو وجوب فاتحہ کے لئے کہہ دیا، لیکن اس کے ساتھ ان کا مذہب مقتدی کو قراءت سے مطلقاً منع کرنا ہے۔ تو اس مقام پر عموم آیت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ جس طرح یہ آیت فصاب قراءت کے لئے عام ہے۔ اسی طرح نمازی کی حالت کے لئے بھی عام ہے اور اس امر کا علمائے حنفیہ کو

Marfat.com

اقرار ہے۔ جیسا کہ ذیل میں ان کی تصریحات سے واضح ہو جائے گا، جب مقتدی کو بھی آیت قرآنی ہی کی رو سے منع کیا تو ایک اور مشکل پیدا ہو گئی کہ ایک آیت کی رو سے تو مقتدی پر قراءت فرض ثابت ہوتی ہے۔ لیکن دوسری کے رو سے منع ہے۔ تو اب (معاذ اللہ) آیات قرآنیہ میں تعارض ہو گیا، اور ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ علمائے حنفیہ کا ان ہر دو آیات کے متعلق یہی خیال ہے کہ ان دونوں میں تعارض ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک یہ دونوں آیتیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ یعنی نہ اپنے مضمون میں یہ مفید اور نہ وہ کارگر۔ دونوں اثبات حکم سے ساکت چنانچہ حنفی اصول کی مشہور و متداول کتاب نور الانوار میں ہے۔

مثاله قوله تعالیٰ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا فان الاول بعمومه یوجب القراءة علی المقتدی والثانی بخصوصه ینفیه وقد وردا فی الصلوٰة جمیعا فتساقطا فیصار الی حدیث بعدهما الخ

(نور الانوار مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۹۴)

اس کی مثال آیت فاقرءوا ما تیسر من القرآن مع قول خداوندی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کے ہے کہ پہلی آیت اپنے عموم سے مقتدی پر بھی قراءت کو واجب کرتی ہے اور دوسری آیت اپنے خصوص سے اس کی نفی کرتی ہے حالانکہ دونوں آیتیں نماز کے متعلق ہیں۔ پس ہر دو ساقط ہو گئیں اور اس کے بعد حدیث کی طرف جانا پڑا۔

اسی طرح کشف الاسرار شرح اصول بزدوی اور تلویح شرح توضیح میں دو آیتوں میں تعارض[ل] کی صورت میں حدیث کی طرف رجوع کرنے کی مثال میں ان ہی دو آیتوں کو پیش کیا ہے۔

ؔ فاقرءوا ما تیسر من القرآن مع قوله تعالیٰ

ل تعارض یہ ہے کہ دو متساوی القوۃ دلیلیں ایک دوسری کے سامنے آڑے آجائیں اور ایک دوسری کے حکم کو نہ چلنے دے چنانچہ توضیح میں ہے۔ وهی تورد دلیلین یقتضی احدهما عدم ما یقتضیه الاخر۔ اور یہ امر نہ تو دو آیتوں میں ہو سکتا ہے نہ دو صحیح حدیثوں میں اور نہ آیت اور حدیث صحیح میں، باوجود اس کے حنفی کتب اصول میں اس کی تصریح کی گئی ہے سو اس کی وجہ ان بزرگوں نے خود ان سے رافع ہو خود بیان کر دی ہے کہ وہ تعارض حقیقتاً نہیں ہوتا کیونکہ کلام خدا اور کلام رسول میں تعارض نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ ظاہر نظر میں ہوتا ہے۔ یا تو ہماری غلط فہمی سے ہم کو نظر آتا ہے یا ناسخ و منسوخ کی تاریخ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بہر حال ہمارا مقصود یہ ہے کہ حنفی علماء ان ہر دو آیتوں کو متعارض جانتے ہیں اور کسی نے بھی اس تعارض کو صحیح طور پر دفع نہیں کیا۔ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ حدیث من کان له امام فقراءة الامام له قراءة آیت فاقرءوا ما تیسر من القرآن کی مخصص ہے لیکن یہ جواب اصول حنفیہ کی رو سے درست نہیں، کیونکہ اول تو اس حدیث کا قول رسول اللہ صلعم سے ہونا ثابت نہیں، جیسا کہ امام بخاریؒ نے جزء القراءۃ میں فرمایا ہے۔ دوم یہ کہ حنفیہ کے نزدیک آیت کی تخصیص حدیث متواتر یا مشہور سے ہو سکتی ہے۔ لیکن خبر احاد سے نہیں ہو سکتی

Marfat.com

ان حوالجات سے ہمارے دو مقصد بالکل واضح ہیں۔ اوّل جو اصل مقصد ہے کہ حضرات حنفیہؒ نے اس آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کو آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الآیۃ سے متعارض جان کر ساقط کر دیا ہے۔

دوئم بالتبع یہ کہ حضرات حنفیہؒ نے ان دونوں آیتوں کے تعارض کو اٹھایا نہیں، بلکہ یکے بعد دیگرے نقل کرتے چلے آئے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب تک وہ دائرہ تقلید سے نہ نکلیں اور حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب کے مطابق سورۃ فاتحہ کو رکن نماز معین نہ کریں۔ اور امام کے پیچھے بھی اس کے پڑھنے کے قائل نہ ہوں، یہ مشکل حل نہیں ہو سکتی، چنانچہ انشاءاللہ آئندہ معلوم ہو جائے گا۔

دوسرا جواب

اس کے بعد یہ بھی گذارش ہے۔ کہ علمائے تفسیر کے اس آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ میں دو قول ہیں۔ اوّل یہ کہ اس جگہ قراءت سے مراد صلوٰۃ (نماز) ہے کیونکہ قراءت قرآن نماز کا ایک رکن ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل اس فصل کے مقدمہ میں اور اس سے پیشتر بھی ہو چکی ہے۔ اس بنا پر اس کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ نماز تہجد کے وقت جتنی رکعات بلحاظ درازی یا کوتاہی شب، یا بحالت صحت یا مرض یا بوقت سفر یا حضر تم کو میسّر آسکیں، اتنی رکعات پڑھ

اور یہ روایت اخبار احاد سے ہے۔ ہمارے زمانہ کے فخر احناف حضرت مولینا رشید احمد صاحب گنگوہی رح جن کی قدر ہمارے دل میں بہت ہے۔ انہوں نے سبیل الرشاد اور ہدایت المعتدی میں فرمایا ہے کہ آیت فاقرءوا ما تیسر من القرآن میں فرضیت صلوٰۃ تہجد طویل منسوخ ہو کر قدر ما تیسر کی فرضیت باقی رہی تھی۔ بعد اس کے جب نماز پنجگانہ فرض ہوئی، تو اس وقت بھی قراءت امام و مقتدی سب پر فرض رہی، پھر ایک مدت کے بعد آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا سے قراءت مقتدی منسوخ ہوئی (ص۵) حضرت مولنا صاحب مرحوم نے کوشش تو بہت کی کہ اپنے اسلاف سے تعارض کے قائل ہونے کے بوجھ کو ہلکا کر دیں۔ اگرچہ ان کی قرارداد کے خلاف چل رہی ہو، لیکن اس کے ثبوت میں جتنی روایتیں لکھیں۔ یا تو وہ ضعیف ہیں۔ یا مرسل و منقطع ہیں۔ پس ایسی روایات معارک محدثین میں پیش نہیں ہو سکتیں، غالباً اسی وجہ سے اسلاف حنفیہ نے جو علم میں مولنا مرحوم سے بڑھ کر تھے ان روایات کی طرف توجہ نہیں کی، اور انکو تعارض کا قائل ہونا پڑا۔ بہر حال یہ ایک مشکل ہے جو حضرات حنفیہ سے آجتک حل نہیں ہو سکی، لیکن محدثین کے مسلک پر خدا کے فضل سے نہ آیتوں میں تعارض ہوتا ہے اور نہ آیت اور حدیث میں تخالف ہے

Marfat.com

لیا کرو۔ تم پر خاص تعداد کی تحدید نہیں ہے۔ ان معنی کے روسے حضراتِ حنفیہ کا یہ عذر کہ اس آیت میں مطلق قراءت کا حکم ہے اور وہی فرض ہے۔ اور حدیث لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰبِ اپنے اقتضائے فرضیت سے اتر کر وجوب کی مقتضی ہے، درست نہ رہا چنانچہ امام خطیب شربینی رح تفسیر سراج منیر میں اس قول کی بنا پر لکھتے ہیں:۔

واذا کان ذالک علی قیام لا فی قدر القراءۃ فلا دلیل فیہ علی ان الفاتحۃ لا تتعین فی الصلوٰۃ بل ھی متعینۃ فی کل رکعۃ لخبر الصحیحین لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب ولخبر لا تجزئ صلاۃ لا یقرء فیھا بفاتحۃ الکتاب رواہ ابنا خزیمۃ و حبان فی صحیحیھما ولفعلہ صلی اللہ علیہ وسلم کما فی صحیح مسلم مع خبر البخاری صلوا کما رأیتمونی اصلی۔ (جلد چہارم ص۴۲۱)

اور جب یہ حکم قدر قراءت کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ قیام کے متعلق ہے تو اس میں اس امر پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ فاتحہ نماز میں متعین رکن نہیں ہے، بلکہ وہ تو ہر رکعت میں متعین رکن ہے۔ بدلیل حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب نیز حدیث لا تجزئ صلوٰۃ لا یقرء فیھا بفاتحۃ الکتاب کے جسے امام ابن خزیمہ رح و ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں بالسند صحیح روایت کیا نیز بدلیل نبی صلعم کے فعل کے جس طرح کہ صحیح مسلم اور بخاری کی حدیث میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، اور آنحضرت صلعم نماز میں دائما سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے)

(۱) اس حدیث کی یہ تفسیر محض محدثین و شوافع ہی نے نہیں کی بلکہ حضراتِ حنفیہ میں سے بھی جو مفسر ہوئے انہوں نے بھی اسے بلا انکار لکھا ہے۔ چنانچہ علامہ ابو السعود رح جو حنفی مفسرین میں خصوصیت سے نکتہ رس ہوئے ہیں لکھتے ہیں:۔

(فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ) فصلوا ما تیسر لکم من صلوٰۃ اللیل عبر عن الصلوٰۃ بالقراءۃ کما عبر عنھا بسائر ارکانھا۔ (ابو السعود برحاشیہ تفسیر کبیر جلد ہشتم ص۱۸۵)

فاقرءوا ما تیسر من القرآن کے معنی یہ ہیں کہ رات کی نماز (تہجد) میں سے جو کچھ تم کو میسر آ سکے پڑھا کرو۔ اس آیت میں نماز کو قراءت سے تعبیر کیا ہے۔ جس طرح کہ اسے اس کے دوسرے ارکان (رکوع سجود) سے تعبیر کیا ہے۔

(۲) اسی طرح علامہ زمخشری جو فن بلاغت کے امام ہیں اور فروع میں حنفی المذہب ہیں اپنی مایۂ ناز تفسیر کشاف میں اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

وعبر عن الصلوٰۃ بالقراءۃ لانھا بعض

اور نماز کو قراءت سے اسلئے تعبیر کیا، کہ قراءت اس کا ایک

Marfat.com

او کانها کما عبر عنها بالقیام والرکوع والسجود یرید فصلوا ما تیسر علیکم ولم یتعذر من صلوٰۃ اللیل (کشاف جلد ثانی ص۵۱ مطبوعہ مصر)

رکن ہے جس طرح کہ (بعض جگہ) اسے قیام رکوع اور سجود سے تعبیر کیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ رات کی نمازیں سے جو کچھ تم کو میسر آوے اور تم کو اس میں عذر نہ ہو پڑھا کرو،،

(۳) اسی طرح علامہ آلوسی رح جو متاخرین حنفیہ میں بڑے پائے کے مفسر ہیں وہ بھی اسی کے مطابق لکھتے ہیں:۔

(۴) اسی طرح صاحب کنز الدقائق علامہ نسفی رح جو مشہور حنفی فقیہ ہیں، اپنی مشہور تفسیر مدارک میں اسے نقل کرتے ہیں،،

اسی طرح دیگر تفاسیر جو علمائے محدثین رح یا علمائے شافعیہ رح کی ہیں ان میں بھی یہ تفسیر بلا انکار لکھی ہے کہ علماء نے اس آیت میں قراءت سے مراد نماز بھی لی ہے۔ مثلاً تفسیر کبیر، ابن کثیر سراج منیر، فتح البیان، بیضاوی، خازن، رحمانی، اور معالم التنزیل، ان سب تفاسیر میں یہ قول لکھا ہے:

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے۔ کہ اس میں قرأت قرآن کا حکم ہے۔ عام اس سے کہ نماز میں ہو یا خارج از نماز بطور تلاوت و دراست ہو۔ چنانچہ تفسیر سراج منیر میں ہے:۔

والقول الثانی ان المراد بقولہ تعالیٰ فاقرءوا ما تیسر من القرآن دراسۃ و تحصیل حفظہ وان لا یعرض للنسیان سواء کان فی صلوٰۃ او غیرھا۔ (جلد چہارم ص۴۴۸)

اور دوسرا قول یہ ہے کہ فاقرءوا ما تیسر سے مراد اس کی تلاوت و دراست اور اس کے حفظ کو حاصل کرنا ہے۔ تاکہ اس پر نسیان کا عارضہ نہ ہو جائے برابر ہے کہ یہ تلاوت نماز میں ہو یا نماز کے سوا خارجاً بطور منزل ہو،

اسی طرح تفسیر کبیر میں لکھا ہے:۔

والغرض منہ دراسۃ للقرآن لیحصل الامن من النسیان ۱۲ -

یعنی اس سے مراد تلاوت و دراست قرآن ہے۔ تاکہ نسیان قرآن سے بخوبی امن ہو جائے،،

یہ دوسرا قول بھی محدثین رح اور شوافع رح کی تفاسیر کے علاوہ حنفی رح علماء کی تفاسیر میں بھی مرقوم ہے۔ مثلاً تفسیر مدارک اور تفسیر کشاف جنکی عبارتیں ہم بخوف طوالت نقل نہیں کر سکتے،

Marfat.com

پس اگر خارج از صلوٰۃ تلاوت ودراست مراد لی جائے، تو قطعاً اس میں نماز میں قراءت کے فرض ہونے کی دلیل نہ ہوگی، کیونکہ حنفی مذہب میں بھی قرآن شریف کی تلاوت خارج از صلوٰۃ فرض نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ نسفی حنفی رح نے اسی آیت میں اس قولِ ثانی کے رو سے فاقرءوا سے قراءت قرآن مراد لینے کی صورت میں کہا ہے:۔

(فاقرءوا) فی الصلوٰۃ والامر للوجوب او فی غیرها والامر للندب۔

(ص۳۲۵ جلد ۲)

"پس قراءت کرو" نماز میں اس کے رو سے صیغۂ امر وجوب کے لئے ہوگا یا غیر نماز میں، اس کے رو سے صیغہ امر استحباب کیلئے ہوگا۔"

اور اگر نماز کے اندر قرآن شریف پڑھنے کا حکم قرار دیا جائے، تو اس سے ماعدا فاتحہ کے مراد ہوگی، یعنی وہ قراءت جو سورت فاتحہ کی قراءت کے بعد پڑھی جاتی ہے، اور یہ صورت اسنادًا اور فقاہتہً ہر دو طرح سے درست ہے۔ روایۃً تو اس طرح کہ امام بیہقی رح نے باسناد خود امام دارقطنی کے واسطہ سے روایت کیا کہ قیس بن حازم نے کہا کہ:۔

عن قیس بن حازم رح قال صلیت خلف ابن عباس رض بالبصرۃ فقرء فی اول رکعۃ بالحمد وایۃ من البقرۃ ثم قام فی الثانیۃ فقرء الحمد للہ والایۃ الثانیۃ من البقرۃ ثم رکع فلما انصرف اقبل علینا فقال ان اللہ تعالیٰ یقول فاقرءوا ما تیسر منہ قال علی الدارقطنی رحمہ اللہ ھذا اسناد حسن وفیہ حجۃ لمن یقول ان معنی قولہ فاقرءوا ما تیسر منہ ان ذالک انما ھو بعد قراءۃ فاتحۃ الکتب واللہ اعلم۔ (ص۱۵۳/۱۵۴ کتاب القراءۃ)

"میں نے بصرہ میں حضرت ابن عباس رض کے پیچھے نماز پڑھی، تو آپ نے پہلی رکعت میں سورت الحمد پڑھی اور سورت بقرۃ کی ایک آیت پڑھی، پھر جب دوسری میں کھڑے ہوئے تو سورت الحمد پڑھی، اور سورت بقرہ کی دوسری آیت پڑھ کر رکوع کیا پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف چہرہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فاقرءوا ما تیسر من القرآن امام دارقطنی رح نے کہا کہ یہ اسناد حسن ہے اور اس میں اس شخص کی دلیل ہے جو کہتا ہے کہ فاقرءوا ما تیسر منہ کے معنی یہ ہیں کہ یہ حکم سورت فاتحہ کے بعد کی قراءت کے متعلق ہے" واللہ اعلم"

قیس بن حازم کی اس روایت کو امام بغوی رح نے تفسیر معالم میں، اور امام خطیب نے تفسیر سراج منیر میں اور حضرت سید نواب صاحب رح نے فتح البیان میں، نقل کیا ہے اور جیسا کہ امام بیہقی رح نے امام دارقطنی رح سے اس کی تحسین نقل کی ہے۔ اسی طرح حضرت سید نواب صاحب رح نے بھی امام دارقطنی رح اور امام بیہقی رح سے اس کی تحسین نقل کی ہے۔

Marfat.com

غرض جب حضرت ابن عباسؓ سے بااسناد ثابت ہے۔ کہ وہ اس آیت سے قراءت بعد فاتحہ مراد سمجھتے تھے۔ پس جب یہی مراد ہوئی تو حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب پر اس کا کچھ بھی اثر نہ پڑا۔ کیونکہ اس میں فاتحہ سے بعد کی قراءت کا حکم ہے اور یہی درست ہے۔
اگر کہا جائے کہ اس صورت میں بھی تو بعد فاتحہ والی قرٲت کا حکم مقتدی، امام اور اکیلے سب کے لئے رہے گا، پھر آپ (اہلحدیث) مقتدی کو جہر کے وقت بعد فاتحہ کی قراءت سے کیوں منع فرماتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر حدیث صحیح میں آچکا ہے۔ اور وہ حدیث متعدد صحابیوں سے متعدد طریق سے مروی ہے۔ اور شہرت کی اس حد تک پہنچ چکی ہے۔ کہ اس سے بالاتفاق آیت قرآن کی تخصیص ہو سکتی ہے، پس مقتدی کے لئے بحکم حدیث صرف فاتحہ کا حکم ہو گا، اور جہری قراءت کے وقت اسی ماعدا فاتحہ سے ممانعت ہو گی۔ اور حدیث ہی کے رو سے سری میں ماعدا فاتحہ میں اس کا اختیار ہے چاہے پڑھے چاہے نہ پڑھے، لیکن فاتحہ کسی صورت میں بھی ترک نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ رکن نماز ہے۔ یہ مذہب بالکل صاف ہے اور اس میں سب احادیث صحیحہ اور آیات متعلقہ جمع ہو جاتی ہیں۔ اور کوئی وقت دو آیتوں یا دو حدیثوں، یا آیت و حدیث صحیح میں تعارض و تخالف کی باقی نہیں رہتی، واللہ الحمد
مفسرین کے دوسرے قول کا نقاہت کے رو سے بھی درست ہونا یوں ہے کہ سورت مزمل کا یہ رکوع نماز تہجد میں تخفیف کے لئے اترا ہے۔ اور تخفیف دو طرح پر ہو سکتی ہے۔ اول تعداد رکعات میں، دوم مقدار قراءت میں، سو قول اول کے رو سے رکعات میں تخفیف ہے۔ یعنے جس صورت میں قراءت سے مراد نماز لی جائے اور قول ثانی کی بنا پر مقدار قراءت میں تخفیف ہے یعنی جس صورت میں قراءت سے حقیقتہً قراءت قرآن اور وہ بھی نماز کے اندر مراد ہو، اور ظاہر ہے کہ قراءت کی درازی اور چھوٹائی ماعدا فاتحہ میں ہو سکتی ہے، جس کی مقدار ایک آیت سے لے کر سارے قرآن تک ہے۔ سورت فاتحہ تو آگے ہی چھوٹی سی سورت ہے۔ اس کا پڑھنا کسی پر دو بھر نہیں ہے۔ کوئی سفر میں ہو یا حضر میں بیمار ہو یا تندرست، تھوڑے وقت پر اٹھے، یا زیادہ پر سب کے لئے آسان ہے۔ اور پھر یہ کہ عظمت اور ثواب میں سارے قرآن کے برابر بھی ہے۔ جیسا کہ سابقاً .... آیت وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ؕ (الحجر پ۱۴) اور حدیث صحیح بخاری سے واضح ہو چکا ہے۔ اور یہی حکمت نماز میں اس کے معین کرنے کی ہے۔ کہ یہ سب پر آسان بھی ہے۔ اور عظمت اور ثواب میں

Marfat.com

سب سورتوں سے بڑھ کر بھی ہے۔ اور اسے دیگر فعلی ارکان نماز سے کامل مناسبت بھی ہے اور اس کامل مناسبت کی وجہ سے خود خدا تعالیٰ نے اس کا نام الصّلوٰۃ بھی رکھا ہے جیسا کہ حدیث قدسی سے ہیں گذر چکا ہے۔ اور معلوم ہے کہ تخفیف کی وجہ ہات اسی آیت میں خدا تعالیٰ نے خود فرما دی ہیں، چنانچہ ارشاد ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۔ (المزّمل پ ۲۹)

(اے پیغمبر!) بیشک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم (نماز تہجد کیلئے) رات کی دو تہائی کے قریب یا اس کا نصف یا اس کا ثلث حصہ لیکر اٹھتے ہو اور تمہارے صحابیوں کی ایک جماعت بھی (اسیطرح اٹھتی ہے) اور رات اور دن کی ساعت کا اندازہ تو بس خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ تم ایک مقرر اندازے کی نگہداشت نہیں کر سکو گے پس اس نے تم پر مہربانی کر دی ہے تو اب تم (نماز یا قرآن) میں سے جسقدر آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ (کبھی) تم میں سے کوئی بیمار ہو جایا کریں گے۔ اور (بعض) دیگر خدا کے فضل (روزی) کی تلاش میں زمین میں سفر کیا کریں گے۔ اور (بعض) دیگر خدا کی راہ میں لڑائی کو نکلا کریں گے۔ پس تم اس (نماز یا قرآن) میں سے جتنا تم سے باسانی ہو سکے پڑھ لیا کرو۔

اور اسی سہولت و جامعیت اور عظمت و مناسبت کی وجہ سے حدیث مسئی الصّلوٰۃ میں بھی ما تیسر معک من القرآن سے مراد یہی سورت فاتحہ ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ آئندہ مفصل ذکر ہو گا۔

امام بیہقی رح کتاب القراءۃ میں روایات مسئی الصّلوٰۃ میں ماتیسر سے سورت فاتحہ مراد ہونا اور حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک آیت فاقرؤا ماتیسر من القرآن میں فاتحہ کے بعد کی قراءت کا حکم مراد ہونا ذکر کرکے فرماتے ہیں:-

ثم قراءۃ الفاتحۃ اولی السور والآیات بوقوع ماتیسر علیھا لسھولتھا علی الالسن وابتداء المتعلمین بتعلمھا واستفتاح المصلین صلوٰتھم

پھر یہ کہ سورت فاتحہ کی قراءت ماتیسر کا مصداق ہونے میں سب سورتوں اور آیتوں سے اولیٰ اور اقدم ہے۔ کیونکہ وہ زبانوں پر سہل ہے اور سب سیکھنے والے ابتداءً اسی کو سیکھتے

ؔ اس معنے کے رو سے ن تعیفیہ ہے کہ یعنی قرآن میں سے وہ سورت پڑھا کرو، جو ماتیسر بہت آسان ہے یعنی وہ تجھے ایسی یاد ہے کہ گویا تیرے ساتھ ہی رہتی ہے ۱۲ منہ

بقراءتها حتى لا يكاد يوجد مصلٍ يقرء في كل ركعة من صلوٰته غير الفاتحة فان اراد ان يقرء غيرها بدأ بها۔ (ص...)

ہیں۔ اور سب نمازی اپنی نمازوں کا شروع اسی سے کرتے ہیں حتی کہ کوئی نمازی ایسا نہیں ملے گا جو اپنی نماز کی ہر رکعت میں سوائے سورت فاتحہ کے اور کچھ (ضروری طور پر) پڑھتا ہو اور اگر اس کے علاوہ کچھ اور بھی پڑھنا چاہے تو پہلے اس کو یعنی فاتحہ کو ضرور پڑھ لیگا۔

الغرض آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ میں اگر قراءت سے مراد قراءت القرآن فی الصلوٰۃ مراد لی جائے تو اس سے مراد فاتحہ کے بعد کی قراءت ہے۔ کیونکہ اسی آیت میں جو جو توجیہات و عذرات پیش نظر رکھ کر یہ حکم دیا گیا ہے وہ سب سورۃ فاتحہ پر نہیں بلکہ ماعدا فاتحہ ہی پر منطبق ہو سکتے ہیں، جیسا کہ آیت کے سوق کلام سے ظاہر ہے۔ ان سب امروں کو ہم نہایت مختصر عبارت میں بھی بیان کر دیتے ہیں تاکہ اگر کوئی حفظ کرنا چاہے تو اسے آسانی ہو۔

قلت المراد من قوله تعالى ما تيسر من القرآن اما قراءة نفس الفاتحة نظراً الى روايتي ابي داود رح والبيهقي رح من حديثي ابي هريرة رض ورفاعة بن رافع رض واما ما بعد الفاتحة نظراً الى سوق الكلام وتفسير ابن عباس رض ومراعاة لحال المعذورين من المرضى والمسافرين والمجاهدين المذكورين في نفس الاية وعدم ضبط ساعات التنبه من النوم كما يشير اليه قوله تعالى والله يقدر الليل والنهار علم ان لن تحصوه فتاب عليكم فاقرءوا ما تيسر من القرآن وتطبيقاً بين الاية والاحاديث الصحيحة الثابتة المتواترة او المستفيضة الواردة في ايجاب قراءة الفاتحة في الصلوٰة وجمعاً بين الادلة واعتباراً بمداومة النبي صلى الله عليه وسلم بقراءتها طول عمره وعدم تركها۔ ۱۲

میں کہتا ہوں کہ قول خداوندی ما تیسر من القرآن سے مراد یا تو خاص سورت فاتحہ کی قراءت ہے۔ امام ابوداؤد رح اور امام بیہقی رح کی ان ہر دو روایات پر نظر رکھتے ہوئے جو حضرت ابوہریرہ رض اور حضرت رفاعہ بن رافع رض سے مروی ہیں اور یا سورت فاتحہ کے بعد کی قراءت مراد ہے۔ بسیاق کلام اور حضرت ابن عباس رض کی تفسیر پر نظر رکھتے ہوئے یا بہ رعایت حال معذوروں کے یعنی بیماروں اور مسافروں کے اور مجاہدوں کے جو اسی آیت میں مذکور ہیں۔ اور بوجہ نیند سے جاگنے کی ساعات کے اختیار انسانی میں نہ ہونے کے جیسا کہ قول الٰہی واللہ یقدر اللیل والنہار علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرءوا ما تیسر (من القرآن) اس کی طرف اشارہ کرتا ہے اور واسطے تطبیق دینے کے درمیان اس آیت اور ان صحیح و ثابت احادیث متواترہ یا مستفیضہ کے جو نماز میں سورت فاتحہ کی قراءت کے واجب ہونے میں وارد ہوئی ہیں۔ اور تمام دلائل کو جمع کرنے کیلئے اور اس امر کے اعتبار کے لئے کہ آنحضرت صلعم نے تمام عمر اس کی قراءت پر ہمیشگی کی ہے اور

Marfat.com

اسے کبھی بھی (عمداً) ترک نہیں کیا "

حضرات حنفیہ کی دوسری دلیل

قراءت فاتحہ کے رکن نماز نہ ہونے پر حنفیہ کی دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ مسیئ الصّلوٰۃ کو آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا۔ ثم اقرء ماتیسّر معک من القرآن (بخاری وغیرہ) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ویقرء بما شاء من القرآن بھی آیا ہے۔ یعنی قرآن میں سے جہاں سے چاہے پڑھے "

اب ظاہر ہے کہ ان احادیث میں عام اختیار دیا گیا ہے۔ اور کوئی خاص مقام فاتحہ وغیرہ مقرر نہیں کیا گیا،

اس کا جواب

یہ ہے کہ مسیئ الصّلوٰۃ کا قصہ دو صحابیوں سے مروی ہے۔ ابوہریرہؓ اور رفاعہ بن رافع سے [1] ان ہر دو کے جمیع طرق کو جمع کیا جائے تو قراءت کے متعلق آنحضرت صلعم کا فرمان ان الفاظ میں ملتا ہے:-

(۱) اقرء ماتیسّر معک من القرآن (خ۔م۔د۔ت من حدیث ابی ھریرۃ رضؓ)

(۲) یقرء بما شاء من القرآن (د۔ من حدیث رفاعۃ)

(۳) ثم اقرء (بیہقی عن رفاعۃ فی کتاب القراءۃ)

(۴) ثم اقرء بامّ القرآن وبما شاء اللہ ان تقرء (الشافعیؒ فی الامؒ وابوداؤد عن رفاعۃ رضؓ)

(۵) قراءت بامّ القرآن ثم قراءت بما معک من القرآن (بیہقی من حدیث ابی ہریرۃ رضؓ)

(۶) فان کان معک قرآن فاقرء بہ والّا فاحمد اللہ عزّ وجلّ وکبّرہ وھللہ (ش۔ت۔د عن رفاعۃ رضؓ)

(۷) یحمد اللہ ویمجّدہ ویکبرہ ویقرء ماتیسّر من القرآن مما علّمہ اللہ واذن لہ فیہ (نسائی وابوداؤد بمعناہ عن رفاعۃ)

ان سب روایتوں کو جمع کرنے سے واضح ہو گیا۔ کہ قراءت کے متعلق آنحضرت صلعم نے تین حکم فرمائے ہیں۔

اوّل سلطنت فاتحہ، دوم زائد از فاتحہ، سوم جسے فاتحہ یاد نہ ہو وہ کسی اور مقام سے پڑھ لے اور اگر

---

[1] امام ترمذیؒ نے فی الباب میں عبادہ یا سرہ کا بھی نام لیا ہے لیکن ہم کو ان کی روایت کے الفاظ نہیں ملے ۱۲ منہ

Marfat.com

دیگر مقام سے بھی یاد نہیں تو تحمید (الحمد للہ) اور تکبیر (اللہ اکبر) اور تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) پڑھے[1]

ان سب روایات اور دیگر احادیث متعلقہ کو ملحوظ رکھ کر امام نووی رح نے نہایت جچی تلی بات لکھی ہے:-

واما حدیث اقرء ما تیسر فمحمول علی الفاتحۃ فانہا میسرۃ او علی ما زاد علی الفاتحۃ بعدھا او علی من عجز عن الفاتحۃ (نووی علی صحیح مسلم ص۱۷ جلد۱)

لیکن حدیث اقرء ما تیسر کی سودہ محمول ہے۔ فاتحہ پر، کیونکہ وہ آسان ہے۔ یا فاتحہ کے بعد کی قراءت پر یا اس شخص کے لئے جو فاتحہ کے پڑھنے سے عاجز ہو،

اسی طرح حافظ ابن حجر رح نے کہا کہ امام بخاری رح نے حضرت عبادہ رض کی حدیث مذکورہ یعنی لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب کے بعد یہ حدیث مسیٔ الصلوٰۃ جو بیان کی تو اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ امام بخاری رح نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ سورت فاتحہ اس شخص پر لازم ہے۔ جو اسے بخوبی پڑھ سکے، لیکن جو بخوبی نہ پڑھ سکتا ہو، وہ جہاں سے چاہے قراءت کر لے، اور حضرت ابوہریرہ رض کی حدیث میں مطلق قراءت کا جو ذکر ہے سو مقید بالفاتحہ ہے جیسا کہ حدیث عبادہ رض میں وارد ہے۔ پھر حافظ صاحب رح نے اسی قول کے قریب امام خطابی رح سے بھی نقل کیا ہے[2]

---

[1] آنحضرت صلعم کی تعلیم قولی یا فعلی حسب موقع بقدر حاجت ہوتی تھی، اس لئے کسی مسئلہ کے اثبات کے لئے سب احادیث قولیہ وفعلیہ کو جو اس کے متعلق ہوں، دیکھ کر حکم لگانا پڑتا ہے۔ نماز کے متعلق سب سے جامع حدیث یہی مسیٔ الصلوٰۃ ہے باوجود اس کے کئی ضروری امور اس میں بھی مذکور نہیں ہیں۔ اسلئے اس جامع حدیث کیلئے بھی دیگر احادیث متعلقہ پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے اوّل فاتحہ، فاتحہ یاد نہ ہو تو قرآن کا کوئی دیگر مقام وہ بھی یاد نہ ہو تو تحمید وغیرہ کلمات طیبات کی ترتیب اس حدیث کو زیر نظر رکھ کر لکھی ہے۔ جو امام دارقطنی رح نے حضرت عبادہ رض سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ام القرآن عوض من غیرھا ولیس غیرھا منہا بعوض (ص۱۲۲ جلد اول) یعنی سورۃ فاتحہ اپنے غیر کا عوض ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کا غیر اس کا عوض نہیں ہو سکتا۔ یعنی فاتحہ یاد ہو تو یہی مقرر ہے اس کے عوض کوئی دیگر مقام نہ پڑھے، ہاں اس کے ساتھ پڑھ لے۔ البتہ فاتحہ یاد نہ ہو تو کوئی دیگر مقام پڑھ لے اگر وہ بھی یاد نہ ہو تو تحمید وغیرہ پڑھے ۱۲ [2] امام شافعی رح نے کتاب الام میں باب من لا یحسن القراءۃ واقل فرض الصلوٰۃ۔ (کتاب الام ص۸۸ جلد۱) کے ذیل میں حدیث رفاعہ ذکر کرکے اس کی تشریح میں متعدد بار ذکر کیا ہے کہ یہ حکم اس شخص کیلئے ہے۔ جو سورہ فاتحہ یا مطلقاً قرآن شریف میں سے بخوبی پڑھ سکتا ہے اور جو ایسا نہ کر سکے اسکے لئے تحمید وغیرہ اذکار کافی ہیں۔ اسی طرح آپ باب القراءۃ بعد التعوذ میں فرماتے ہیں۔ ودل علی انہا فرض المصلی اذا کان یحسن یقرء ھا (ج۱ ص۹۳) اور اس بات کی دلیل ہے کہ سورت فاتحہ نمازی پر فرض ہے جبکہ وہ اسے بخوبی پڑھ سکتا ہو اس کے بعد

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

حضرات حنفیہ کا ایک الزامی جواب

حضرات حنفیہ اہلحدیث کو الزاماً کہتے ہیں کہ اگر تم قراءتِ فاتحہ کو فرض جانتے ہو تو بعض احادیث میں فاتحہ سے زائد کا پڑھنا جو آیا ہے، اسے فرض کیوں نہیں جانتے، مثلاً صحیح مسلم و سنن ابی داؤد وغیرہا کتب حدیث میں الفاظ فصاعدًا اور ما زاد وغیرہما حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ اصحاب سے مروی ہیں۔ اور حدیث مسیئی جس کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ اس میں بھی آنحضرت صلعم نے یہی فرمایا ہے ثم اقرء بام القرآن و بما شاء اللہ ان تقراء۔

اس کا جواب

کئی طریق پر ہے۔ اوّل یہ کہ جب حضرت امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک مطلق قراءتِ بلا تعیین کسی خاص مقام کے فرض ہے۔ اور اس کی مقدار کم از کم ایک آیت ہے جس پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے، تو چونکہ فاتحہ جزو قرآن ہے۔ اور اس کی سات آیتیں ہیں۔ تو اگر صرف سورتِ فاتحہ ہی پڑھی جائے جاوے تو عہدۂ فرضیت تو بخوبی پورا ہو جاتا ہے۔ پھر فصاعدًا اور ما زاد کی زیادت کے کیا معنی ہوئے اگر آپ (حضرات حنفیہ) یہ کہیں کہ زیادت واجب ہے، نہ کہ فرض، تو اس صورت میں بھی حکم فاتحہ اور فصاعدا میں درجات کا تفاوت لازم آیا، اور یہ آپ کے نزدیک درست نہیں، کیونکہ آپ اہلحدیث کو یہ الزام دیتے ہیں کہ تم فاتحہ کو فرض جانتے ہو تو ما زاد کو جو اس کے ساتھ ہی ہے۔ فرض کیوں نہیں جانتے؟ پس جو الزام اہلحدیث پر ہے۔ وہ آپ پر بھی ہے۔ فافہم۔

۲۔ دیگر یہ کہ ہر چند کہ مطلق قراءتِ حضرات حنفیہ کے نزدیک فرض ہے۔ اور تعیین فاتحہ کے مقابلہ میں اسی بات کا جھگڑا ہے۔ لیکن آج ہم ایک عجیب بات ذکر کرتے ہیں، کہ ظہر اور عصر اور عشا رچار رکعت والی، نمازوں کی پچھلی دونوں رکعتوں میں اور مغرب کی تیسری رکعت میں حضرات حنفیہ کے نزدیک اس مطلق قراءت میں بھی رخصت ہے۔ یعنی پہلی دو رکعتوں میں تو قراءتِ فرض جان کر پڑھتے ہیں۔ لیکن پچھلی رکعتوں میں اختیار دیتے ہیں۔ چاہے، کوئی فاتحہ پڑھے۔ چاہے تسبیح پڑھے اور چاہے بغیر ذکر خدا کے چپ چاپ کھڑا رہے اور رکوع میں چلا جائے۔ چنانچہ وقایہ اور اس کی شرح

فرضیت فاتحہ میں حضرت عبادہ والی حدیث ذکر کی ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

میں ہے۔ ویقرء فیما بعد الاولیین الفاتحۃ فقط وھی افضل وان سبح او سکت جاز۔ (شرح وقایہ لکھنوی صہ۲ اجلد۱) یعنی پہلی دو رکعت کے بعد صرف فاتحہ پڑھے اور یہ افضل ہے۔ اور اگر صرف تسبیح ہی پڑھے یا چپ رہے تو بھی جائز ہے۔ مدعا یہ جس صورت میں حضرات حنفیہ مطلق قراءت جو فرض ہے، عمداً چھوڑ سکتے ہیں۔ تو وہ اہلحدیث پر ما زاد کے متعلق کیا اعتراض کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد

تحقیقی جواب

یہ ہے کہ اہلحدیث خدا کے فضل سے حدیث رسول اللہ صلعم کی اتباع میں سب سے آگے ہیں۔ یہی بات ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ حدیث کی اتباع یہ نہ کریں گے، تو اور کون کرے گا؟ سو معلوم ہوا کہ اہلحدیث جو کچھ کرتے اور جو کچھ کہتے ہیں سب حدیث رسول اللہ صلعم کی بنا پر کرتے اور کہتے ہیں اپنی محض رائے سے نہ کچھ کہتے ہیں نہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ چونکہ آنحضرت صلعم نے بعض رکعات میں سورت فاتحہ کے بعد ضم سورت کیا ہے۔ اور بعض میں نہیں کیا، لیکن فاتحہ کبھی ترک نہیں کی اسلئے محدثین رح فاتحہ کے سوا دوسری قراءت کی فرضیت کے قائل نہیں ہیں۔ اور یہی بات ما بعد فاتحہ کے فرض یا واجب نہ ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم فرائض و واجبات کو چھوڑ نہیں سکتے اور یہی ہر دو میں فرق کرنے والی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم[1] میں حضرت ابو قتادہ رضہ سے روایت ہے آنحضرت صلعم ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورت فاتحہ اور کوئی سورت پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی ہم کو کوئی آیت سنا تے بھی تھے[2] اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورت فاتحہ[3] پڑھتے تھے۔ الحدیث

---

[1] اس حدیث کو امام مسلم کے علاوہ امام بخاری رح امام ابوداؤد رح، امام نسائی رح، امام ابن ماجہ رح نے بھی روایت کیا ۱۲ منہ

[2] یعنی بعض اوقات کوئی آیت ہم کو سنائی دیتی تھی، فرط شوق کی حالت میں آہستہ قراءت میں بھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ کوئی آیت یا اس کا کوئی حصہ بلا عمد ایسی آواز سے منہ سے نکل جاتا ہے۔ کہ دوسرا آدمی اسے سن لیتا ہے اسے جزء القراءۃ میں امام بخاری رح نے بھی روایت کیا ہے صہ۱۶ [3] اس حدیث کو امام بخاری رح نے بھی جزء القراءۃ میں حضرت جابر بن عبداللہ سے بھی روایت کیا (صہ۱۱) نیز امام بیہقی رح نے کتاب القراءۃ (صہ۱۱) میں جابر بن عبداللہ رضہ سے ۱۲ منہ [4] ہدایہ متن ہدایہ میں ہے ویقرأ فی الرکعتین الاخریین بفاتحۃ الکتاب وحدھا ۱۲ یعنی پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ ہی پڑھے" ہدایہ میں اس کی دلیل میں یہی حضرت عبادہ رضہ والی روایت مذکورہ بالا لکھی ہے، لیکن اس کے بعد رعایت مذہب سے کہدیا ہے۔ ھذا بیان الافضل یعنی صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ اخیر کی دونوں رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھے، اس بات کے اظہار کے لئے ہے کہ اس کی

Marfat.com

قراءت افضل ہے، کوئی فرض واجب نہیں ہے، حیرانی ہے کہ صاحب ہدایہ کو حدیث بھی مل گئی۔ وہ صحیح بھی ہے۔ اس کے خلاف آنحضرت صلعم سے کچھ بھی ثابت نہیں، پھر بھی اس میں افضل کا ضمیمہ لگا کر اس کے ترک کر دینے کو سہل جاننا اس عہد تقلید کو پورا کرنا ہے جو از خود اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے اپنے امام رح کے قول کو دیکھا کہ وہ اس میں اختیار دیتے ہیں۔ لیکن آنحضرت صلعم کے حکم (لا صلوٰۃ اور مداومی عمل کو نہ دیکھا کہ آپ نے فاتحہ کسی رکعت میں بھی کبھی بھی ترک نہیں کی، اور کم ازکم اس امر کو بھی نہ دیکھا کہ مطلق قراءت تو حضرت امام رح کے نزدیک بھی فرض ہے پچھلی دو رکعتوں میں اس کی تخفیف کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور نہ اس کا خیال کیا کہ حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب، میں مقتدی کو مستثنیٰ کرتے ہوئے ہم تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ یہ حکم امام اور منفرد سے مخصوص ہے، تو اس کے خلاف اب امام اور منفرد یا صرف منفرد کو بھی چپ چاپ کھڑا رہ سکنے کی اجازت دینا حدیث لا صلوٰۃ کو بالکل بے وزن کر دینے کے برابر ہو جائے گا، اور اس بارے میں جو جو آثار موقوفہ ان کے سدّ راہ ہوئے ہیں، اوّل تو وہ مرفوع کا مقابلہ نہیں کر سکتے نیز وہ ضعیف ومنقطع الاسناد ہیں، اور نہ اس کو زیر نظر رکھا کہ تسبیح تہلیل وغیرہ سورت فاتحہ کے عوض تو اس صورت میں پڑھ سکتے ہیں۔ جب فاتحہ یاد نہ ہو لیکن جب دو پہلی رکعات میں فاتحہ پڑھ لی ہے تو اب یاد نہ ہونے کا عذر جاتا رہا لہٰذا اب تسبیح وغیرہ فاتحہ کا عوض نہ ہو سکے گی۔ جیسا کہ سابقاً ... بہ حدیث دارقطنی بیہقی گذر چکا ہے اور نہ اس بات کا لحاظ کیا کہ دو رکعتوں کے قیام میں بغیر قراءت کے چپ چاپ کھڑا رہنے سے کیا عبادت ہوگی، اور دربار خداوندی میں ایسی خشک حاضری سے کیا حاصل ہوگا؟ حالانکہ حنفیہ کے نزدیک محض سکوت یعنی چپ کوئی مسنون طریق عبادت نہیں ہے (فصل الخطاب مصنفہ انور شاہ مرحوم دیوبندی ص ۹۸)

دیگر یہ کہ حنفیہ کے نزدیک ادائے جمعہ کی شرائط میں سے خطبہ بھی ہے چنانچہ اسی ہدایہ متن ہدایہ ص ... ہے۔ و منہا الخطبۃ یعنی شرائط ادائے جمعہ میں سے ایک شرط خطبہ بھی ہے، اس کے بعد ہدایہ میں اس کی دلیل میں کہا ہے لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما صلاھا بدون الخطبۃ فی عمرہ ۱۲ یعنی کیونکہ نبی صلعم نے ساری عمر میں کبھی بھی بغیر خطبہ کے جمعہ نہیں پڑھا، کفایہ شرح ہدایہ میں اس کے ذیل میں لکھا ہے۔ ولو جاز ذالک لترکہ مرۃ تعلیما للجواز ۱۲ یعنی اگر ترک خطبہ جائز ہوتا، تو آپ صلعم (کم ازکم) ایک دفعہ تو تعلیم جواز کے لئے اسے ترک دیتے، اسی طرح مولٰنا عبدالحی صاحب مرحوم حاشیہ ہدایہ بین السطور میں عنایہ شرح ہدایہ نقل کر کے لکھتے ہیں۔ فلو لم یکن واجبا لترکہ مرۃ تعلیما للجواز ۱۲ یعنی اگر خطبہ واجب نہ ہوتا تو آپ (کم ازکم) ایک دفعہ تو تعلیم جواز کے لئے اسے ترک کرتے۔ اسی طرح مولینا صاحب مرحوم نے عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں بھی لکھا ہے ۱۲ ان حوالجات سے معلوم ہوگیا کہ کسی عمل پر آنحضرت صلعم کا دوام کرنا حنفیہ کے نزدیک اس عمل کے شرائط ادا اور فرض واجب ہونے کی دلیل ہے۔ بس اسی بنا پر ہم بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے ساری عمر میں کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے نہیں پڑھی پس یہ بھی فرائض وارکان نماز

Marfat.com

دیگر یہ کہ زیادت فصاعداً وغیرہ کی تحقیق میں دو امر ہیں۔ اوّل اس کی صحت کی بابت، دوم اس کے معنی اور حکم کی بابت سو امر اوّل کی بابت عرض ہے کہ اجلۂ محدّثین و حفاظ حدیث نے اس زیادت کو تسلیم نہیں کیا، چنانچہ حافظ ابن حجر رح تلخیص میں فرماتے ہیں :۔

حدیث عبادة بن الصامت لاصلوٰة لمن لم یقرء فیها فاتحة الکتاب متفق علیه وفی روایة مسلم وابی داؤد وابن حبان بزیادة فصاعداً قال ابن حبان تفرد بها معمر عن الزهری واعلها البخاری فی جزء القراءة۔ (تلخیص جلد ۱ ص۸۲)

حضرت عبادہؓ کی حدیث لاصلوٰۃ الخ متفق علیہ ہے اور مسلم اور ابوداؤد اور ابن حبان کی ایک روایت میں فصاعداً زائد ہے کہا ابن حبان نے متفرد ہوا ہے معمر ساتھ اس زیادت کے زہری سے روایت کرنے میں اور امام بخاریؒ نے بھی اس زیادت کو جزء القراءۃ میں معلول کہا ہے۔

وعامة الثقات لم یتابع معمرا فی قوله فصاعدا مع انه قد اثبت فاتحة الکتاب۔ (جزء القراءة ص۲)

عام ثقہ راویوں نے معمر کی اس کے قول فصاعداً میں متابعت نہیں کی، باوجود اس کے اس نے بھی فاتحہ کو ثابت ہی کیا ہے۔

اسی طرح امام بیہقیؒ نے کتاب القراءۃ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مختلف الفاظ۔ فما زاد اور ولو بفاتحۃ الکتاب اور محق الا بفاتحۃ کو با اسناد ذکر کرنے کے بعد فرمایا :۔

اجمع سفیان بن سعید الثوری ویحیی بن سعید القطان وهما اماما حافظان علی روایة باللفظ الذی هو مذکور فی خبرهما فالحکم لروایتهما (ص۱۵)

امام سفیان ثوریؒ اور یحییٰ بن سعید قطان رح نے اس روایت کے الفاظ پر اجماع کیا ہے جو ان کی روایت میں مذکور ہیں بغیر زیادت فصاعداً کے اور یہ دونوں حدیث کے امام اور حافظ ہیں پس فیصلہ انہی دونوں کی روایت پر ہے۔

امر دوم یعنی زیادت فصاعداً کے معنی اور حکم کے متعلق یہ عرض ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے کہ وہ بھی سورۂ فاتحہ کی فرضیت اور قراءت خلف الامام کے قائل ہیں، صحیح مسلم میں منقول ہے کہ کسی شخص نے حضرت ابوہریرہؓ سے کہا کہ ان لم ازد علی ام القرآن ؟ یعنی اگر میں سورۂ فاتحہ سے اور کچھ زیادہ قراءت نہ کروں تو؟ اس پر آپ نے فرمایا ان زدت علیها فهو خیر وان انتهیت الیها اجزءت عنک یعنی اگر

(حاشیہ صفحہ ۵۱۲) میں سے ہے۔ لطف یہ ہے کہ مولینا عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی نے ہدایہ کے حاشیہ بین السطور میں لکھا ہے۔ کہ اس (عدم ترک خطبہ) کو امام بیہقی رح نے ذکر کیا ہے۔ یہ عاجز کہتا ہے کہ امام بیہقی رح نے کتاب القراءۃ میں اس امر کو بھی ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے سورت فاتحہ ساری عمر میں کبھی بھی نہیں چھوڑی، پس اسے بھی فرض و رکن نماز مان جانا چاہیئے۔ خذ هذا فانه لطیف جدا ۱۲ منہ۔

Marfat.com

تو اس پر کچھ زیادہ کرے تو اچھا ہے۔ لیکن اگر اس پر قراءت کو ختم کر دے تو تجھے کافی ہے۔[۱]

حافظ ابن حجر رح نے فتح الباری میں زیر بحث زیادت فصاعداً حضرت ابوہریرہؓ کے اس قول کی تائید میں ایک مرفوع روایت ابن خزیمہؓ سے نقل کی ہے کہ:۔

ولابن خزیمة من حدیث ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام فصلی رکعتین لم یقرء فیھما الا بفاتحة الکتاب[۲] (فتح الباری مطبوعہ دہلی جز ۲ ص ۱۵۱)

حضرت ابن عباس رض نے کہا کہ نبی کریم صلعم کھڑے ہوئے پس پڑھیں آپ نے دو رکعتیں نہ قراءت کی ان میں سوائے سورۃ فاتحہ کے۔

ان روایات سے معلوم ہوگیا کہ بقدرِ فرض تو صرف سورۃ فاتحہ ہی ہے اور اس سے زائد جتنا ہو سکے بہتر ہے۔ اور یہی فصاعداً کے معنی درست ہیں۔ زائد از فاتحہ درجۂ وجوب میں نہیں ہے، ورنہ آنحضرتؐ محض فاتحہ پر اکتفا نہ کرتے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کے قول من قرء بام الکتاب فقد اجزأت عنہ ومن زاد فھو افضل کے ذیل میں امام نووی رح فرماتے ہیں:۔

فیہ دلیل لوجوب الفاتحة وانہ لا یجزی غیرھا وفیہ استحباب السورة بعدھا وھذا مجمع علیہ فی الصبح والجمعة والاولیین من کل الصلوات وھو سنة عند جمیع العلماء۔ (شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۷۱)

اس میں فاتحہ کے واجب ہونے کی دلیل ہے نیز اس کی کہ اس کے سوا دیگر کافی نہیں اور اس میں اس کے بعد کسی دیگر سورت کے مستحب ہونے کی دلیل ہے۔ اور اس بات پر صبح اور جمعہ اور ہر نماز کی پہلی دو رکعتوں میں پڑھنے پر اجماع ہے اور وہ تمام علمائے دسنت کے نزدیک سنت ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رح شرح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رض کے مذکورۃ الفوق قول کے ذیل فرماتے ہیں:۔

وفی ھذا الحدیث ان من لم یقرأ الفاتحة لم تصح صلاتہ وھو شاھد لحدیث عبادة رض المتقدم وفیہ استحباب سورة او الآیات مع الفاتحة وھو قول الجمھور فی

اور اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ جس نے سورت فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز صحیح نہ ہوئی۔ اور یہ حدیث حضرت عبادہ کی گذشتہ حدیث کی شاہد ہے۔ اور اس میں اس کی بھی دلیل ہے کہ فاتحہ کے ساتھ چند آیات یا کوئی

۱؎ حضرت ابوہریرہ رض کی یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ ان لم تزد علی ام القرآن اجزأت وان زدت فھو خیر ۱۲ منہ۔

۲؎ اس حدیث کو امام بیہقی رح نے بھی کتاب القراءۃ ص۸ میں باسناد خود روایت کیا ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

الصبح والجمعۃ والاولیین من غیرھما۔ (فتح جز ۲ صفحہ ۲۰۲) "صبح اور جمعہ اور دیگر نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں ساری سورت پڑھنی مستحب ہے۔ اور یہ قول ہے جمہور کا"

انہی آثار مرفوعہ وموقوفہ کے رُو سے اور وجوب کے سبب دلائل کو زیر نظر رکھ کر امام بخاری رحمۃ اللہ نے فرمایا۔

وقولہ فصاعدا غیر معروف ما اردتہ حرفا اواکثر من ذالک الا ان یکون کقولہ (صلعم) لا یقطع الید الا فی ربع دینار فصاعدا فقد یقطع الید فی دینار وفی اکثر من دینار۔ (جزء القرأۃ ص) "اور معمر کا قول فصاعدا غیر معروف ہے۔ اس کے صرف یہی معنی صحیح ہو سکتے ہیں کہ یہ مثل اس قول آنحضرت صلعم کے ہے کہ ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر کم از کم چوتھائی دینار میں۔ پس اس سے زیادہ، کیونکہ ہاتھ پورے دینار اور اس سے زیادہ پر کاٹا جاتا ہے"

حضرات حنفیہ کی تیسری دلیل

حضرات حنفیہ کی طرف سے مقتدی کو امام کے پیچھے بالخصوص جہری نماز میں قراءت اور فاتحہ سے منع کرنے کی دلیل الشرایت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا (اعراف پ۹) پیش ہوتی رہتی ہے۔ اگرچہ اس کا الزامی جواب سابقاً ہیں گذر چکا ہے۔ کہ حنفی علمائے اصول اس آیت کو آیت مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کے معارض ٹھہرا کر اسے ساقط اور مدعا سے ساکت قرار دے چکے ہیں۔ اس لیے ان کے پیرو اس آیت سے منع فاتحہ کی دلیل نہیں پکڑ سکتے۔ لیکن چونکہ باوجود اس کے بھی حنفی علماء اور عوام اکثر اسے پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہم نے مناسب جانا کہ مستقل عنوان سے بھی ظاہر کر دیا جائے۔ کہ اس آیت کو منع قراءت مقتدی سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے و اللہ الموفق۔

مولانا رشید احمد صاحب مرحوم گنگوہی اپنے رسالہ ہدایۃ المعتدی (ص ۵) میں فرماتے ہیں:

"بعد اس کے جب نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔ تو اس وقت بھی قراءت امام و مقتدی سب پر فرض رہی پھر ایک مدت بعد آیت اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا سے قراءت مقتدی منسوخ ہوئی۔ چنانچہ بیہقی رح وغیرہ نے لکھا ہے۔ عن محمد بن کعب القرظی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لہ مولانا انور شاہ صاحب مرحوم دیوبندی نے فصل الخطاب میں امام بخاری رح کے ان معانی کا جو جواب دیا ہے وہ پر از تکلفات ہے۔ اس میں مولانا مرحوم نے آنحضرت صلعم کے دستور العمل اور تصریحات علمائے محدثین کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

اذا قرء فی الصلوٰۃ اجابہ من وراءہ اذا قال بسم اللہ الرحمن الرحیم قالوا مثل ذالک حتی تنقضی الفاتحۃ والسورۃ فلبث ماشاء اللہ ان یلبث ثم نزلت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا (انتہی ص۵)

جواب

اس کا جواب کئی وجہ سے ہے۔ اوّل یہ کہ محمد بن کعب رح تابعی ہیں اور بغیر واسطہ کسی صحابی کے روایت کرتے ہیں۔ اس لئے یہ روایت منفصل الاسناد نہ ہونے کی وجہ سے قابل احتجاج نہیں ہے دوم یہ کہ اس روایت سے بسم اللہ کا جزو سورۂ فاتحہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک بسم اللہ جزو سورۂ فاتحہ نہیں ہے۔ اسی لئے وہ چھٹی آیت اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ پر ختم کر کے سات آیتیں پوری کرتے ہیں۔ نیز اس روایت سے بسم اللہ کا جہر پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ بھی حنفیہ کا مختارہ مذہب نہیں ہے۔ چنانچہ دونوں مسئلوں کے متعلق علامہ نسفی رح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں۔

وسمی سرا فی کل رکعۃ وھی اٰیۃ من القراٰن انزلت للفصل بین السور تین لیست من الفاتحۃ ولا من کل سورۃ۔ (کنز مجتبائی ص۲۳)

اور ہر رکعت میں بسم اللہ آہستہ پڑھے اور وہ آیت قرآن شریف کی ہے، دو سورتوں میں فاصلہ کے لئے اتری (لیکن) فاتحہ کی جزو نہیں ہے اور نہ دیگر ہر سورت کی (جزو ہے)))

پس اگر یہ روایت حضرات حنفیہ کے نزدیک قابل استناد ہے۔ تو ہر دو امر میں بسم اللہ کے متعلق حنفیوں کا مذہب اس کے خلاف کیوں ہے؟

سوم یہ کہ نسخ کے لئے ہر دو کی تاریخ معلوم ہونی ضروری ہے۔ کہ منسوخ پہلے اتری ہو اور ناسخ پیچھے، اور یہ بات ہرگز ہرگز ثابت نہیں کہ آیت اذا قرئ القراٰن الخ آیت فاقرؤا ماتیسر کے بعد نازل ہوئی، بلکہ برخلاف اس کے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ احادیث مثبتہ قراءت فاتحہ خلف الامام آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کے بعد نازل فرمائی گئی تھیں، کیونکہ سورۂ اعراف جس میں آیت واذا قرئ القراٰن وارد ہے، مکی ہے اور احادیث فاتحہ مدنی ہیں۔ کیونکہ حضرت عبادہ رض بن ثابت جو راوی حدیث ہیں۔ وہ مدنی ہیں، نیز حضرت ابوہریرہ رض جو وہ بھی قراءت خلف الامام کی حدیث کے راوی ہیں۔ سال خیبر میں ۷ھ میں مشرف باسلام ہے۔

چہارم یہ کہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ کوئی خطبہ کے متعلق بتاتا ہے

Marfat.com

کوئی نماز میں آنحضرتؐ کے پیچھے کلام کرنے کی بابت، کوئی آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ پڑھنے جانے کی بابت، اور یہ سب اقوال روایۃً و درایۃً مخدوش ہیں، لُطف یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ جن سے اسکا شان نزول نماز میں کلام کرنے کی ممانعت کے متعلق منقول ہے۔ اور امام زہریؒ اور مجاہدؒ جنسے آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ قراءت کرنے کی ممانعت کی روایت منقول ہے یہ ہر سہ بزرگ فاتحہ خلف الامام کے قائل اور اس کے عامل تھے۔ (کتاب القراءۃ بیہقیؒ) پھر کس طرح کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ آیت قراءت خلف الامام کی ممانعت میں نازل ہوئی۔

پنجم یہ کہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ کہ خطبہ جمعہ میں سب سامعین خاموشی سے خطبہ سُنیں، اور کتب فقہ میں دلیل میں یہی آیت پیش کی گئی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ان علمائے خدا ان پر رحمت کرے یہ بھی لکھ دیا ہے، کہ اگر خطیب درود شریف کی آیت یعنی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا پڑھے تو سامعین اس وقت آہستہ طور پر اپنی زبان سے درود شریف پڑھ لیں چنانچہ شرح وقایہ میں ہے۔ اِلّا اذا قرء قولہ تعالیٰ صلوا علیہ فیصلی سراً (فصل فی القراءۃ) یعنی مگر جب خطیب قول خداوندی صَلُّوْا عَلَیْهِ پڑھے تو سامع آہستہ سے درود شریف پڑھ لے، اسی طرح کفایہ شرح ہدایہ میں ہے۔ فیصلی السامع فی نفسہ ای یصلی بلسانہ خفیتاً (کفایہ جلد اوّل صفحہ ۴۲۹) یعنے صاحب ہدایہ کی عبارت فیصلی السامع فی نفسہ کے معنی یہ ہیں کہ سامع اپنی زبان سے آہستہ آواز سے درود شریف پڑھ لے، ان حوالجات سے دو امر معلوم ہوگئے۔ اوّل یہ کہ حکم شرع کی تعمیل میں آہستہ آہستہ پڑھ لینا حنفیہ کے نزدیک مخل استماع و انصات نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اس عام حکم استماع و انصات کے وقت اگر کوئی خاص حکم قراءت یا وظیفہ کا ہو تو اس خاص حکم پر عمل کر لینا جائز ہے۔ اور وہ اس عام حکم استماع و انصات کے خلاف نہیں ہوگا۔

اس بنا پر ہم بھی کہتے ہیں۔ کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس آیت کے عموم میں نماز میں قراءت کے وقت استماع و انصات کا حکم بھی شامل ہے۔ تو قراءتِ فاتحہ خلف الامام کا خاص حکم جو صحیح احادیث سے ثابت ہے (جیسا کہ سابقاً گذر چکا) اس کا امام کے سکتات کے وقت پڑھ لینا مخل استماع و انصات نہیں ہوسکتا بلکہ جیسا کہ بقول صاحب فتح القدیر خطبہ کی حالت میں آیت درود شریف کی تعمیل میں درود شریف پڑھ لینے سے دونوں فضیلتیں (استماع خطبہ اور آیت درود شریف کی تعمیل) کا حصول ہو جاتا ہے،

اسی طرح امام کے پیچھے اس کے سکتات یا اوقاف آیات کے وقت قراءت فاتحہ کے

Marfat.com

خاص حکم اور استماعِ قراءت امام کے حکم کی تعمیل ہر دو کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ میں اسی عبارت مذکورہ بالا کے حاشیہ ۲؎ میں لکھتے لکھتے یہاں تک لکھ دیا ہے:۔

والحق انہ لا مانع من جواز کل ما منعوہ حالۃ سکتات الامام اذا لم یخل بالاستماع من دون التقیید بوقت دون وقت کما اوضحناہ فی السعایۃ (جلد اوّل ص۱۷۵)

اور حق یہ ہے کہ جن امروں سے فقہاء رح نے منع کیا ہے۔ امام کے سکتات کے وقت ان کے جواز سے کوئی مانع نہیں ہے، جب کہ استماع میں خلل نہ ڈالے بغیر کسی خاص وقت کی قید کے۔ جیسا کہ ہم نے سعایہ میں بالوضاحت بیان کر دیا ہے۔

تحقیقی جواب اور آیت کی صحیح تفسیر

اس آیت کے جواب میں جو کچھ اوپر گذر چکا وہ سب حضرات علمائے حنفیہ رح کی تصریحات سے الزامی جواب میں کہا گیا ہے۔ اب اس آیت کا تحقیقی جواب اور اس کی صحیح تفسیر معلوم کیجئے، کہ اس آیت کو سورت فاتحہ کی قراءت سے نفیاً یا اثباتاً کچھ بھی تعلق نہیں ہے، اور نہ اس کا خطاب مومنوں سے ہے جس نے اس کا خطاب مومنوں سے سمجھا اس نے سلسلۂ عبارت اور

۲؎ مولانا صاحب رح نے جو فرمایا کل ما منعوہ - متن کتاب میں ان تین امروں سے منع کیا ہے۔ مقتدی کا قراءت کرنا، امام آیت ترغیب و ترہیب پڑھے تو مقتدی کا دعا کرنا خطیب جب خطبہ کرے یا درود شریف پڑھے تو سامع کا درود شریف پڑھنا، ان سب کے متعلق مولانا ممدوح فرماتے ہیں کہ سکتات امام کے وقت سورت فاتحہ اور آیت ترغیب و ترہیب کے وقت دعا کرنا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے ذکر پر درود شریف کا پڑھ لینا منع نہیں ہے بشرطیکہ استماع میں خلل نہ پڑے۔ پس مولانا مرحوم کے قول کے مطابق ہم بھی کہتے ہیں کہ کم از کم یہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور اس سے چارہ نہیں ہے کہ جب امام اونچی قراءت پڑھتا ہو تو اس کے سکتات کے وقت یا اوقاف آیات کے وقت مقتدی کا سورت فاتحہ پڑھنا منع نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی نسبت صحیح احادیث میں خاص حکم آچکا ہے۔ اور خاص حکم، عام حکم پر مقدم ہوتا ہے یہ امر تفصیل سے تنزل لکھا گیا ہے، تاہم، مولانا مرحوم کی دیگر تصریحات متعلق قراءت خلف الامام انشاء اللہ تعالیٰ الگ عنوان کے ماتحت لکھی جائیں گی ۱۲ منہ

Marfat.com

سیاق مضمون پر نظر نہیں کی۔ کیونکہ یہ آیت ان منکروں کے جواب میں اتری جو آنحضرت صلعم سے صداقت نبوت کے لئے کوئی خاص معجزہ طلب کرتے تھے، چنانچہ سلسلۂ کلام یوں ہے۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (اعراف، پ۹)

(اے پیغمبر!) جب تم ان کے پاس کوئی (سفارشی) معجزہ نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم از خود کیوں نہیں لاتا۔ (اے پیغمبر!) تم (ان سے) کہو کہ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے۔ یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے (خزانۂ) بصیرت ہے۔ اور مومنوں کے لئے (سراسر) ہدایت و رحمت ہے۔ اور جب قرآن پڑھا جایا کرے، تو اسے غور سے سنا کرو، اور چپ رہا کرو، تاکہ (مومنوں کی طرح) تم پر (بھی) رحمت ہو جاوے۔ یعنے تم بھی ایمان لے آؤ۔

دیکھئے! اس میں سورت فاتحہ وغیرہا کی قراءت کا نہ صراحۃً ذکر ہے نہ کنایۃً، اور نہ یہ اس کا کوئی موقع ہے۔ بلکہ بات صرف اتنی ہے۔ کہ کفار نے آنحضرت صلعم سے خاص اقتراحی معجزات طلب کئے یعنی خاص خاص امر از خود اصرار کر کے مقرر کئے، اور ان کی نسبت کہا۔ کہ آپ اگر رسول برحق ہیں، تو یہ امور خدا تعالیٰ سے پورے کرا دیجئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اے پیغمبر! ان سے کہو کہ میں خدا تعالیٰ پر اصرار نہیں کر سکتا۔ میں تو اس کی وحی کا پیرو ہوں اور اگر تم میری صداقت نبوت کا نشان طلب کرتے ہو۔ تو یہ قرآن شریف اس مقصد کے لئے کافی ہے، کیونکہ یہ اہل بصیرت (اہل کشف و شہود) کو تو عین الیقین کے رتبے پر پہنچاتا ہے، کیونکہ یہ بصائر ہے اور اہل استدلال کو علم الیقین کا کمال حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ یہ ھدًی ہے اور اہل سعادت کو حق الیقین کا مرتبہ دلاتا ہے۔ کیونکہ یہ رحمت ہے، لیکن ان مراتب کے لئے ایمان شرط ہے اس لئے یہ صرف ایمانداروں کو حاصل ہوتے ہیں۔ سو تم بھی ایمان لے آؤ، جس کی صورت یہ ہے۔ کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم ضد و تعصب چھوڑ کر اسے غور سے سنو اور شور و غوغا جسکے تم نے منصوبے گانٹھ رکھے ہیں۔ ترک کر کے خاموشی اختیار کرو۔ تاکہ (تم کو بھی ایمان نصیب ہو اور) تم پر خدا کی (رحمت ہو جائے۔)

دیکھئے! کیسی صاف اور سیدھی بات ہے۔ جسے نظر انداز کر کے کچھ اور مطلب بنا لیا گیا ہے اور قراءت فاتحہ کو اس میں خواہ مخواہ داخل کر لیا گیا ہے۔

Marfat.com

تنبیہہ اگرچہ مضمون بہت طویل ہوجائے گا۔ اور تفسیر کا حجم آگے ہی اندازہ مجوزہ سے اوپر جارہا ہے۔ لیکن اگر میں عاجز اس وقت اپنی طبع کی روانی کو روکوں، اور اس آیت کے متعلق جو جو لطائف و معارف خدائے قدّس نے اس عاجز پر کھولے ہیں، اور وہ میرے سینے میں اپنے ظہور کے لئے موجیں مار رہے ہیں۔ ان کو بند رکھوں تو علاوہ اپنی طبیعت کو بیقرار کرنے کے اپنے ناظرین کو علمی فوائد سے محروم رکھوں گا، اس لئے میں عاجز غلبۂ حال سے مجبور ہو کر خدا کی توفیق سے ان معارف کو بیان کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ تفسیر واضح البیان قرآن شریف کے اعجازی کمالات کے اظہار کے لئے لکھی جا رہی ہے۔ نہ کہ تجارتی کاروبار کے لئے۔

واللہ الموفق،

فائدہ نمبر ۱ قرآن مجید کے متعدد مقامات میں مذکور ہے۔ کہ کفار آنحضرتؐ سے سفارشی معجزے طلب کرتے تھے۔ اور یہ بھی بیشتر مقامات پر مصرّح ہے کہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے جس کا معارضہ جن انسان وغیرہا مخلوقات سے ناممکن ہے، اور یہی معجزہ کی حقیقت ہے۔ کہ مخلوق اس کے معارضے سے عاجز آجائے، پس اگر کفار کے سفارشی معجزے کی طلب پر خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کی تصدیق نبوت کے لئے قرآن مجید کو پیش کیا ہے تو بالکل باصول اور حقیقت واقعی کے لحاظ سے کیا ہے۔ اس کی ایک مثال تو یہی سورۂ اعراف کی آیت ہے دوسری آگے فائدہ نمبر ۲ میں پڑھیئے۔

فائدہ نمبر ۲ خدا تعالیٰ نے سورۂ عنکبوت میں فرمایا ہے:۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۔ (عنکبوت پ۲۱)

منکر کہتے ہیں کہ اس (رسولؐ) پر اس کے رب کی طرف سے (ہمارے مطلوبہ) معجزات کیوں نہیں اتارے جاتے (اے پیغمبرؐ) تم کہو معجزات تو صرف خدا کے اختیار میں ہیں۔ (اس پر میرا زور نہیں) اور میں تو ایک نذیر مبین ہوں کیا (یہ کوئی دیگر معجزہ مانگتے ہیں) ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر یہ کتاب (قرآن) اتاری جو ان کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ بیشک اس میں مومنوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے،،

اس مقام کو سورۂ اعراف کی آیت سے ملا کر دیکھئے۔ کہ دونوں جگہ ایک ہی سوال ہے۔ اور ایک ہی جواب ہے " فنعم الوفاق وحبذا الانطباق"

Marfat.com

فائدہ نمبر ۳ سورۂ عنکبوت کی آیت میں ایک مزید علمی نکتہ ہے، جو اس جواب کا اصولی مدار ہے کہ یہاں پر فرمایا اَوَ لَمْ یَکْفِہِمْ جس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر یہ لوگ آنحضرت صلعم کی تصدیقِ نبوت کے لئے معجزہ طلب کرتے ہیں، تو قرآن شریف اس امر کے لئے کافی ہے اور دلیل کافی کے ہوتے فریق مقابل کسی دوسری دلیل کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

اس کی توضیح یوں ہے۔ کہ دعویٰ پر دلیل قائم کرنا اور اس ثبوت پیش کرنا مدّعی کا کام ہے۔ پس جس دلیل کو وہ پیش کرتا ہے۔ اس پر نظر کرنی چاہیئے کہ وہ اس کے دعوے کو ثابت کرتی ہے یا نہیں، اگر کرتی ہے تو اسے قبول کر لینا چاہیئے۔ ورنہ اس پر نقض یا منع یا معارضہ پیش کیا جائے اور فن مناظرہ کی رو سے سائل یعنی فریق ثانی کے یہی تین حق ہیں۔ اس کا کوئی حق نہیں کہ مدّعی کی پیش کردہ دلیل پر باقاعدہ بحث کئے بغیر خود مقرر کردہ دوسری دلیل کا مطالبہ کرے، اسے تعنّت کہتے ہیں، جو جائز نہیں چنانچہ امام المتکلمین، فخر المناظرین امام فخر الدین رازی آیت سورۂ اعراف کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

ثم بیّن ان عدم الاتیان بتلک المعجزات التی اقترحوھا لا یقدح فی الغرض لان ظھور القرآن علی وفق دعواہ معجزۃ بالغۃ باھرۃ فاذا ظھرت ھذہ المعجزۃ الواحدۃ کانت کافیۃ فی تصحیح النبوۃ فکان طلب الزیادۃ من باب التعنّت[۱]۔ (جلد ۴ صفحہ ۳۵۰)

پھر بیان کیا کہ سفارشی معجزات کا نہ لانا اصل غرض میں خلل نہیں ڈالتا، کیونکہ آنحضرت صلعم کے دعوے کے موافق قرآن کا ظہور کامل اور ظاہر و باہر معجزہ ہے پس جب ایک ہی معجزہ ظاہر ہو گیا تو وہ صحیح نبوّت محمدیہ میں کافی ہے، پس اس پر کسی زائد معجزہ کا طلب کرنا از قسم تعنّت ہے۔

اگر ایسا کرنا، یعنی دلیل کافی کو بغیر بحث کے تسلیم نہ کرتے ہوئے کوئی دلیل طلب کرنا جائز ہو تو سائل ہر دلیل پر یہی کہتا جائے گا۔ کہ اور دلیل لاؤ، یا جو میں کہتا ہوں، وہ پورا کر دو۔ اس سے تو کوئی بھی مقصد ثابت نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے بالکل با اصول جواب دیا۔ کہ قرآن شریف اثبات مدعا کے لئے کافی ہے، اور اس پر زیادہ کا مطالبہ کرنا ہٹ دھرمی اور تسلیم حق سے سر کھسکانا ہے۔ جس سے اعراض مناسب ہے۔

---

[۱] دیکھو رشیدیہ مطبوعہ لکھنؤ از صفحہ ۲ تا ۱۲۹ ۱۲ منہ

[۲] امام رازی کی یہ عبارت امام خطیب شربینی رحمۃ نے بھی اپنی تفسیر السراج المنیر میں نقل کی ہے۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

فائدہ نمبر ۴ آیت سورۂ اعراف میں قرآن شریف کو بصائر کہا گیا ہے۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ بصائر کا لفظ قرآن شریف میں حسی اور فعلی معجزات پر بھی بولا گیا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اپنے معجزات کی نسبت فرعون کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَاۤءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ۔
(بنی اسرائیل پ۱۵)

(موسیٰ نے) کہا (اے فرعون!) بیشک تو جان چکا ہے کہ ان معجزات کو صرف زمین و آسمان کے پروردگار نے بصائر کرکے نازل کیا ہے۔"

پس جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ید بیضا اور عصا وغیرہا کو بصائر کہا گیا ہے کہ ایسے موسیٰ کی صداقت نبوت بطور مشاہدہ نظر آجاتی ہے۔ اسی طرح قرآن شریف کو بھی بصائر کہا گیا ہے۔ کہ یہ بھی صداقت نبوت محمدیہ کے دیکھنے کے لئے بصیرت و نور پیدا کرتا ہے کہ اہل بصیرت انسان رتبۂ عین الیقین پر ہوکر صداقت محمدیہ کو عیاناً دیکھ لیتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات حسی اور فعلی ہیں کہ ان سے مادی چیزوں میں انقلاب ہوگیا، جو وہیں ختم ہوگیا، اور قرآن شریف علمی معجزہ ہے۔ جو ہمیشہ قائم رہے گا۔ اور ظاہر ہے کہ دائمی اور علمی کا رتبہ حسی اور وقتی سے بہت بلند ہے۔

فائدہ نمبر ۵ آیت سورۂ اعراف میں جو زیر بحث ہے قرآن شریف کا مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہونا جملۂ اسمیہ سے ذکر کیا۔ جو تحقق و ثبوت کے لئے ہوتا ہے۔ یعنی یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ قرآن شریف مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے، لیکن اس سے آگے کفار کو لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ سے رحمت کی صرف امید دلائی ہے۔ یعنی اگر تم قرآن شریف کو توجہ سے سنو اور اس کی قراءت کے وقت شور و غوغا نہ کرو۔ جس کا منصوبہ تم نے گانٹھ رکھا ہے۔ تو تم سے امید رکھی جاسکتی ہے کہ تم خدا کی رحمت یعنی ایمان میں داخل ہوجاؤگے، اس سے بھی صاف معلوم ہوسکتا ہے کہ فَاسْتَمِعُوْا اور اَنْصِتُوْا کا خطاب کفار سے ہے نہ کہ مومنوں سے،

فائدہ نمبر ۶ زیر بحث آیت سورۂ اعراف میں فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اور اَنْصِتُوْا دو حکم فرمائے، اس کی یہ وجہ ہے، کہ آنحضرت صلعم جب تبلیغ کے لئے مجمع عام میں قرآن شریف پڑھتے تو خود قرآن شریف کی زبان کی پاکیزگی، اور اس کے اسلوب بیان کی لطافت اور صادق الحال نبی اللہ کے پاک دل کے پاک جذبات میں ڈوبا ہوا انداز قراءت، اور خود آنحضرت صلعم کی حسن صوت یعنی خوش آوازی کہ قدرت نے آپ کو یہ نعمت بھی بدرجۂ اتم عطا کی تھی، اور سب کے بعد

Marfat.com

ہر کہ آپ کی بے لوث و بے لوث و بے طمع دعوت الی الحق، یہ سب موثرات جمع ہو کر کفار کے دل میں ایک کشش پیدا کرتے لیکن جن کے سر پر شقاوتِ ازلی سوار تھی اور خباثت باطنی کی وجہ سے جن کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی، انہوں نے آپس میں منصوبہ گانٹھا کہ جب آنحضرت صلعم قرآن پڑھیں تو تم اسے ہرگز نہ سنو۔ بلکہ اس اثنا میں شور و غوغا مچا دو، تالیاں اور سیٹیاں بجانے لگ پڑو، اور بیہودہ باتیں اور آوازے شروع کر دو، تاکہ تم اپنے مقصد میں کہ آپ کی قراءت بے اثر ہے غالب و کامیاب ہو جاؤ، چنانچہ خدا تعالیٰ نے سورۂ حٰمٓ فصلت میں ان کے اس مشورہ کا ذکر کیا ہے:۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ ۔ (حٰمٓ سجدہ ۷، پ ۲۴)	اور کہا کفار نے کہ نہ سنو اس قرآن کو اور اس میں بیہودہ باتیں اور حرکتیں کرو تاکہ تم غالب آجاؤ۔

اس آیت میں کفار کی باتیں تین ذکر کی ہیں:۔

اوّل لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ یعنی اس قرآن کو (جو تمہارے دین میں بت پرستی کے خلاف ہے) نہ سنو،

دوم۔ وَالْغَوْا فِیْهِ یعنی اس کی قراءت کے وقت لغو باتیں اور بیہودہ حرکتیں کرو۔

سوم لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ یعنی تاکہ تم (اس تدبیر سے) غالب آجاؤ، کیونکہ آنحضرت صلعم شور و غوغا اور بیہودہ کلام اور حرکات سے تنگ آ کر قراءتِ قرآن چھوڑ دیں گے اور تمہارا مقصود پورا ہو جائے گا۔ کہ آپ کی قراءت بے اثر گئی ۔۔

اللہ تعالیٰ نے زیر بحث آیت سورۂ اعراف میں ان کی ایک ایک بات کا جواب دیا ہے ہم ان سب کو دو کالموں میں بالمقابل لکھ کر نقشہ آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں، آپ خود انصاف فرمالیں کہ آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ سے صاحب قرآن خدائے تعالیٰ کا کیا مقصود ہے

مقولہ کفار در سورت حٰم سجدہ	جواب از جانب خدائے جبار در سورت اعراف
۱ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ (ترجمہ) نہ سنو تم اس قرآن کو	(۱) وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ (ترجمہ) اور جب پڑھا جائے قرآن تو غور سے سنو اس کو،

۱؎ وَالْغَوْا فِیْهِ کے مفہوم میں وہ سب باتیں داخل ہیں۔ جو ہم نے اوپر کی تقریر میں بیان کی ہیں۔ اور مفسرین رح نے ان سب کو اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

مقولہ کفار در سورت حم سجدہ	جواب از جانب خدائے جبار در سورت اعراف
۲ وَالْغَوْا فِیْہِ	۲ وَاَنْصِتُوْا
(ترجمہ) اور شور کرو بیچ اس کے	(ترجمہ) اور خاموش رہو،
۳ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ	۳۔ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ
(ترجمہ) تاکہ تم غالب آجاؤ	(ترجمہ) تاکہ تم رحمت میں آجاؤ،

اس نقشہ سے بغیر کسی قسم کے تکلف اور کھینچ تان کے صاف صاف کھل جاتا ہے کہ کفار مکہ نے آنحضرت صلعم کی تبلیغ کو بے اثر کرنے کے لئے جو جو تجویزیں پاس کی تھیں، خدا تعالیٰ نے سورۂ اعراف کی آیت میں ایک ایک کر کے علی الترتیب ان سب کا جواب دیا ہے۔ پس آیت سورۂ اعراف یعنی وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ میں سورۂ فاتحہ وغیرہا کا مطلقاً ذکر نہیں، اور نہ اس کا خطاب مسلمانوں سے ہے۔ اور نہ اس میں خطبۂ جمعہ یا عیدین کے متعلق کوئی حکم ہے۔ کیونکہ جمعہ اور عیدین مدینہ طیبہ میں بعد ہجرت کے قائم ہوئیں، اور سورۂ اعراف ہجرت سے پیشتر مکہ شریف میں اتر چکی تھی، اور خطبہ جمعہ اور عیدین کے استماع اور خاموشی کا حکم احادیث میں وارد ہوا ہے۔ نہ کہ قرآن شریف میں، اور وہ بھی اس وقت جب وہ مدینہ شریف میں بعد ہجرت کے قائم کی گئیں۔ واللہ الہادی۔

تنبیہ مولانا انور شاہ صاحب مرحوم دیوبندی نے فصل الخطاب صفحہ ۴۴ میں وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا میں صیغۂ امر کے متعلق علم نحو اور علم اصول کی لمبی بحث لکھی ہے اور خوب لکھی ہے، لیکن ایک آنچ کی کسر رہ جانے کی وجہ سے مقصود پورا نہیں ہو سکا، کیونکہ سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری تھا۔ کہ اس امور (فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا) میں مخاطب کون ہے؟ پس نظم قرآنی سے یعنی سیاق عبارت سے جو بھی اس کا مخاطب قرار پاتا، اس پر قواعد نحویہ و اصولیہ کا لشکر چڑھاتے تو زور برمحل لگتا، اور کوشش ٹھکانے لگتی، لیکن یہ تو حسب تحریر گذشتہ مبرہن ہو چکا ہے۔ کہ فَاسْتَمِعُوْا کے مخاطب کفار مکہ ہیں۔ تو سب سعی لاحاصل گئی۔ وَالْعِصْمَۃُ لِلّٰہِ

پھر اگر آپ کلمہ اذا کے عموم اور قُرِئَ فعل مجہول کی بنا پر مقتدی کو بھی شامل کریں گے، تو زیادہ سے زیادہ اسے دلالۃ النص کے درجے پر لا سکیں گے، لیکن اس کے مقابلہ میں حضرت عبادہ رضہ والی حدیث خلف الامام مقتدی پر بھی فاتحہ کو بعبارۃ النص ثابت کر رہی ہے، کیونکہ عبارۃ النص سب پر مقدم ہوتی ہے۔ کما تقرر فی الاصول، پس اذا قرئ القراٰن کا عموم

Marfat.com

مخصوص البعض[1] ہوگا، اور قراءت فاتحہ بوجہ خاص دلیل سے ثابت ہونے کے اس حکم سے مستثنیٰ رہیں گی اور اس کا حکم ماعدا فاتحہ تک رہے گا، جس سے ہمیں انکار نہیں، ورنہ آنحضرت صلعم کی تصریحات معاذاللہ بے وزن ہو جائیں گی، اور عمومی استنباط کی کھینچ تان کے مقابلہ میں کوئی بھی نص محفوظ نہ رہے گی، نیز قرآن و حدیث میں تطابق مشکل ہو جائے گا، اور آپ کے علمائے اصول کی تقسیمات نصوص اور ان کے مراتب سب بیکار پڑے رہیں گے، واللہ الہادی۔

نیز یہ کہ مولانا ممدوح نے حدیث عبادہ رض تشریح میں تسلیم کیا ہے۔ کہ امام کے پیچھے الحمد کا پڑھ لینا مباح ہے تو حسب آپ کی تصریحات کے جب صیغۂ امر وجوب کے لئے ہوا، اور کلمۂ اذا عام غیر مخصوص البعض ہوا، تو یہ عام مفید قطعیت ہوا، پس جس حکم کا وجوب دلیل قطعی سے ثابت ہو اس کی خلاف ورزی مباح کیسے ہوگی؟ فافہم ولا تعجل۔

امام بخاری رح اور آیت فاستمعوا

امام بخاری رح قراءت فاتحہ خلف الامام کے سخت حامی ہیں آپ نے ایک خاص رسالہ جزء القراءۃ خاص اسی باب میں لکھا ہے جس میں احادیث مرفوعہ وموقوفہ سے اس مسئلہ کو پورے طور پر ثابت کر دیا ہے، اور جن دلائل سے حضرات حنفیہ منع قراءت خلف الامام کی دلیل پکڑتے ہیں۔ ان سب کو ذکر کرکے ان کے جوابات بھی دیئے ہیں چنانچہ اس میں آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰن کے جواب میں الزاماً فرماتے ہیں۔

واحتج بعض هؤلاء فقال لا يقرأ خلف الامام لقول الله تعالى فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا فقيل له فيثني على الله والامام يقرء فقال نعم، قيل له لم جعلت عليه الثناء والثناء عندك تطوع يتم الصلوة بغيره، والقراءة في الاصل واجب اسقطت الواجب بحال الامام بقول الله تعالى فَاسْتَمِعُوْا وامرته ان لا يستمع عند

ان احنفیہ میں سے بعض نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ خدا تعالیٰ کے قول فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا سے امام کے پیچھے قراءت نہ کی جائے، پس اسے کہا گیا امام کی قراءت کے وقت سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ بھی پڑھتے رہا ہیں؟ تو اس نے کہا ہاں پڑھے، اسے کہا گیا کہ ثنا کو تو نے اس مقتدی پر مقرر کیا، اور تیرے نزدیک ثنا نفل ہے۔ جس کے بغیر نماز پوری ہو جاتی ہے

---

[1] حضرات حنفیہ رح نے جن جن مسائل میں اس حکم فَاسْتَمِعُوْا کو نظر انداز کر دیا ہے ان میں بعض کا بیان تو سابقاً ہو چکا ہے اور بعض دیگر عنوان امام بخاری اور آیت فَاسْتَمِعُوْا کے ضمن میں ملاحظہ کیجئے ۱۲ منہ

Marfat.com

الثناء ولم تسقط عنه الثناء وجعلت الفريضة اهون حالا من التطوع وزعمت انه اذا جاء والامام في الفجر فانه يصلي ركعتين لا يستمع ولا ينصت لقراءة الامام وهذا اخلاف ما قال النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة۔ (ص۷)

اور قراءت بہرحال، اصل میں تو فرض ہے تو تو نے امام کی موجودگی میں خدا تعالیٰ کے قول فاستمعوا سے فرض کو تو ساقط کر دیا۔ لیکن ثنا کو اس مقتدی سے ساقط نہ کیا بلکہ اسے حکم کیا کہ ثنا کے وقت (قراءت) نہ سنے تو تو نے فرض کو نفل سے ہلکا کر دیا۔ نیز تیرا قول ہے کہ جب کوئی شخص آوے اور امام فجر (کی نماز) میں ہو تو وہ دو رکعت (سنت فجر) پڑھ لے۔ اور امام کی قراءت نہ سنے اور خاموش نہ رہے۔ اور یہ اجازت خلاف ہے اس کے جو فرمایا نبی کریم صلعم نے کہ جس وقت نماز قائم کر دی جائے تو سوائے فرض نماز کے کوئی نماز نہیں رہتی ہے۱

توضیح امام بخاریؒ کا بیان بالکل صاف ہے۔ کہ آپ (حضرات حنفیہ) آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کی تعمیل میں مقتدی کو مطلق قراءت اور فاتحہ پڑھنے سے تو منع کرتے ہیں حالانکہ مطلق قراءت کی فرضیت آپ کے نزدیک بھی مسلم ہے، اور قراءت فاتحہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے مقتدیوں کو خطاب کرکے فرمایا فلا تفعلوا الا بام القران لیکن آپ صاحبان امام کی قراءت کے وقت مقتدی کو سبحانک اللھم الخ پڑھنے سے منع نہیں کرتے بلکہ اس کی ترغیب وا جازت دیتے ہیں۔ حالانکہ اس کی تاکید نہ قرآن میں نہ حدیث میں، نہ عموماً اور نہ خصوصاً اور نہ آپ کے نزدیک اس کا پڑھنا فرض یا واجب، بلکہ مستحب نفل ہے تو یہ تفاوت حکم کیوں ہے؟ اگر اِذَا کے عموم میں مقتدی شامل ہے۔ اور فَاسْتَمِعُوْا کے امر سے مقتدی کو فاتحہ جو قرآن کا جزو ہے، پڑھنا منع ہے۔ تو سبحانک اللھم الخ جو غیر قرآن ہے اس کی اجازت کیوں ہے اور اگر غیر قرآن کی اجازت ہے۔ تو خاص قرآن کے پڑھنے کی کیوں ممانعت ہے؟

۱؎ منیۃ المصلی میں ہے اور جب پاوے امام کو (اس حال) کہ وہ اونچی قراءت پڑھتا ہے تو (قراءت) سنے اور چپ رہے اور کہا بعض نے کہ امام کے سکتات کے وقت ایک ایک کلمہ کرکے سبحانک اللھم پڑھ لے اور فقیہ ابوجعفرؒ سے روایت ہے کہ جس وقت امام کو فاتحہ میں پالیوے تو بالاتفاق ثنا (سبحانک اللھم) پڑھ لے۔ اسے ذخیرہ میں ذکر کیا ہے، لیکن جمعہ اور عیدین میں جس وقت امام سے دور ہو تو اس میں متاخرین نے اختلاف کیا ہے اور اگر امام کو رکوع میں پاوے تو غور کرے اگر اس کا غالب ظن یہ ہو کہ ثنا پڑھ کر امام کے ساتھ کسی قدر حصہ رکوع میں شامل ہو جاوے گا تو ثنا پڑھ لیوے، ورنہ رکوع میں چلا جاوے اور امام کی متابعت کرے، ۱۲ منہ تنبیہہ ضروری یہ مسئلہ حدیث کے خلاف

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اسی طرح ادراک فریضہ کے ضمن میں آپ حضرات حنفیہؒ کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے حال میں آوے کہ امام نماز فجر پڑھ رہا ہے اور اس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں، تو وہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو۔ اس میں بھی استماع قرآن کا حکم نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اور آپ الگ نماز پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی آنحضرتؐ کے فرمان واجب الاذعان کے سخت خلاف ہے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا کہ جب جماعت قائم ہو جائے تو سوائے فرض نماز کے جس کی اقامت کہی گئی ہے اور جس کی جماعت کھڑی ہو چکی ہے، کوئی نماز نہیں ہوتی۔"

۲۔ جزء القراۃ میں امام بخاریؒ نے بھی سمجھایا ہے کہ امام سے اگر قراءت میں کسی قسم کی غلطی ہو جائے تو بالاتفاق بموجب روایات مرفوعہ صحیحہ کے مقتدی کا امام کو لقمہ دینا درست ہے پس اگر مطلقاً بلاتخصیص استماع قراءت واجب ہے تو یہ لقمہ دینا کس طرح جائز ہوتا! یعنی جس طرح امور مذکورہ بالا اس حکم استماع سے خاص دلیل کی وجہ سے مستثنیٰ سمجھے گئے ہیں۔ اسی طرح سورۃ فاتحہ کی قراءت بھی بنا بر روایات صحیحہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ امام بخاری رح کا ارشاد یہ ہے"

قال البخاری واحتج سلیمان بن حرب بحدیث ابی فی القراءۃ ولم یر ابن عمر بالفتح علی الامام بأسًا	سلیمان بن حرب نے دلیل پکڑی ہے۔ ابی کی حدیث سے جو قراءت کے متعلق ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے امام

(حاشیہ بقایا صفحہ ۵۲۷) ہے اور محض رائے سے جوڑا ہوا ہے متبع سنت اس پر عمل نہ کرے کیونکہ حدیث کے رو سے امام کی جہری قراءت کے وقت فاتحہ کے سوا اور کچھ پڑھنا منع ہے۔

حاشیہ صفحہ ہذا ۱؎ ہدایہ متن ہدایہ میں ہے ومن انتہی الی الامام فی صلوۃ الفجر وھو لم یصل رکعتی الفجر ان خشی ان تفوتہ رکعۃ ویدرک الاخری یصلی رکعتی الفجر عند باب المسجد ثم یدخل ۱۲ یعنی جو شخص فجر کی نماز میں امام تک پہنچے درآنحالیکہ اس شخص نے فجر کی سنتیں ابھی نہیں پڑھیں، تو اگر اسے ظن ہو کہ ایک رکعت فوت ہو جائے گی اور دوسری مل جائے گی تو مسجد کے دروازے کے پاس فجر کی دو سنتیں پڑھ لے پھر داخل ہو۔ کفایہ شرح ہدایہ میں اس عبارت کی شرح میں لکھا ہے وحکی عن الفقیہ ابی جعفر انہ علی قول ابی یوسف و ابی حنیفۃ رح یصلی رکعتی الفجر ان رجا ان یدرک القعدۃ ایضاً لان ادراک التشہد عندھما کادراک کلہ ۱۲ - یعنی فقیہ ابو جعفرؒ سے روایت ہے کہ امام ابو حنیفہ رح اور امام ابو یوسف رح کے اقوال کے مطابق اگر قعدہ اخیر کے مل جانے کی بھی امید ہو تو بھی جماعت میں نہ شامل ہوتے ہوئے فجر کی سنتیں پڑھ لے کیونکہ قعدہ پا لینا ان دونوں کے نزدیک ساری نماز پا لینے کی طرح ہے۔ ۱۲ منہ تنبیہ ضروری۔ ان دونوں حاشیوں میں فقہ حنفیہ کے دونوں مسئلے حدیث صحیح کے خلاف ہیں متبع سنت کو ان پر عمل نہ کرنا چاہیئے ۱۲ منہ۔

Marfat.com

اس کے بعد امام بخاریؒ نے قراءت میں امام کو تبلانے کے متعلق کئی ایک مرفوع روایت ذکر کی ہیں۔ اور ایک محدث کی شان یہی ہے کہ ہر مسئلہ کو قرآن و حدیث سے ثابت کرے نہ کہ محض خیال اور رائے سے، یا خود ساختہ قواعد و اصول سے بنائے، واللہ الھادی ⁂

حضرات حنفیہؒ کی چوتھی دلیل

قراءت خلف الامام کے انکار میں حضرات حنفیہؒ کی چوتھی دلیل جس پر ان کے اصحاب اصول و فروع سب متفق ہیں، اور اسے پورے وثوق سے بیان کرتے ہیں یہ حدیث ہے جو صاحب ہدایہ نے بیان کی ہے:۔

لنا قولہ علیہ السلام من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ (ہدایہ لکھنوی ج ۱۔ ص ۱۰۱ فصل القراءۃ)

ہماری دلیل آنحضرت صلعم کا یہ فرمان ہے کہ جس کسی کا امام ہے تو امام کی قرأت اس کی قرات ہے

۱۔ امام زیلعی حنفیؒ نے اس کی تخریج میں کہا ہے:۔ قلت روی من حدیث جابر بن عبداللہ ومن حدیث ابن عمرؓ۔ ومن حدیث الخدریؓ۔ ومن حدیث ابی ھریرۃ رضؓ، ومن حدیث ابن عباسؓ، ۱۲، ص ۲۳، جلد ۱) اس کے بعد ہر ایک کی رفع اور وقف اور صحت و ضعف کے متعلق مفصل بحث کی ہے۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے جتنے طرق مرفوع ہیں، وہ سب ضعیف ہیں۔ اور جو سنداً صالح ہیں وہ سب موقوف ہیں حتی کہ امام بیہقیؒ سے حافظ ابو موسیٰ رازی حنفیؒ کا قول ذیل نقل کیا ہے۔ (اور اس پر کچھ بھی کلام نہیں کیا)، کہ امام بیہقیؒ نے کتاب المعرفۃ میں یہ بھی کہا ہے کہ:۔

قال (البیھقیؒ) اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ قال سمعت سلمۃ بن محمد الفقیہ یقول سألت ابا موسیٰ الرازی الحافظ عن حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ فقال لم یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہ شئی انما اعتمد مشائخنا

ہمیں حافظ ابو عبداللہ نے خبر دی کہ میں نے سلمہ بن محمدؒ فقیہ کو یہ کہتے سنا کہ میں نے حافظ ابو موسیٰ رازی کو حدیث من کان لہ امام الخ کی بابت پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس مضمون کے متعلق نبی کریم صلعم سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوا اس میں ہمارے مشائخ حنفیہؒ نے ان روایات پر

۱؎ صاحب نور الانوار اور صاحب تلویح اور شارح اصول بزدوی نے آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن اور آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ کو متعارض قرار دے کر ہر دو آیات کو مقتدی کی قراءت اور عدم قراءت کی دلالت سے ساقط کر کے اسی حدیث من کان لہ امام الخ کی طرف رجوع کیا ہے ۱۲ منہ۔

Marfat.com

فیہ علی الروایات عن علی وابن مسعود وغیرھما من الصحابۃ قال ابو عبد اللہ الحافظ اعجبنی ھذا لما سمعتہ فان ابا موسیٰ احفظ من رأینا من اصحاب الرأی علی ادیم الارض۔

(زیلعی جلد ا صفحہ ۲۳)

اعتماد کیا ہے۔ جو حضرت علی اور ابن مسعود وغیرہما صحابہ رضہ سے منقول ہیں۔ حافظ ابو عبد اللہ نے کہا کہ مجھے یہ سنکر بہت خوشی ہوئی۔ کیونکہ اہل الرائے (حنفیہ) میں سے ہم نے طبقۂ زمین پر جس جس کو دیکھا حافظ ابو موسیٰ ان سب سے بڑا حافظ ہے۔

تنبیہہ ضروری امام بیہقی رح نے کتاب القراءۃ میں اس حدیث کے جمیع طرق اور اس کے ہر پہلو پر نہایت مفصل اور سیر کن بحث کی ہے۔ اور بڑے بڑے ائمہ وحفاظ حدیث کے اتفاق سے فیصلہ یہی دیا ہے۔ کہ اس حدیث کی رفع یعنی آنحضرت صلعم کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے بلکہ یہ روایت موقوف ہے تفصیلی نقل موجب طوالت ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رح اور حدیث من کان لہ امام الخ

ہاں ایک امر کو ہم بلا نقل کئے نہیں رہ سکتے، ورنہ تمہاری ساری تحریر تشنۂ تحقیق رہ جائے گی، وہ یہ کہ اس حدیث کی روایت رفع کے راویوں سے سیدنا حضرت امام ابو حنیفہ رح بھی ہیں۔ امام دارقطنی رح نے اپنی سنن میں جو اس کا جواب دیا ہے۔ اس میں حضرت امام صاحب رح کی ذات گرامی زیر بحث آگئی ہے۔ جس سے بعض احناف مثلاً علامہ عینی رح، شیخ ابن ہمام رح اور مولنا عبد الحی لکھنوی مرحوم کو سخت طیش آگیا، اور انہوں نے امام دارقطنی رح کے حق میں بعض نا ملائم الفاظ

ؔ اس روایت کو امام بیہقی رح نے کتاب القراءۃ صفحہ ۱۰۵ میں بھی ذکر کیا ہے ۱۲ منہ

ؔ۲ اس عاجز کے اکثر ہم عصر اہلحدیث اور حنفی علما کو بخوبی معلوم ہے کہ اس عاجز کو سیدنا حضرت امام ابو حنیفہ رح سے کسقدر عقیدت ہے تاریخ اہلحدیث (مصنفہ عاجز) جو اخبار اہل حدیث امرتسر میں عرصہ تک چھپتی رہی ہے اس میں بضمن ذکر فرقہ مرجیہ حضرت امام صاحب رح سے کس زور سے مدافعت کی ہے۔ اور آپ کے مناقب کس شان سے بیان کئے ہیں۔ آپ کا ادب دونوں راس عاجز کو اشارۂ غیبی سے بتایا گیا ہے۔ اسی ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے اس روایت زیر بحث کو دلخراش طریق پر ذکر کرنا ترک کر کے امام بیہقی رح کے طریق پر ذکر کرنا پسند کیا ہے۔ اور اگر بمجبوری مجھے وہ طریق بھی بیان کرنا پڑے جس میں حضرت امام صاحب رح کی شخصیت زیر بحث آجاتی ہے۔ تو خدا کے فضل سے اسے بھی ایسی طرز سے نبہاؤنگا کہ محدثین عظام کے اقوال کو ترازوئے عدل پر رکھتے ہوئے، اور ان کے صحیح محامل بتاتے ہوئے دامن ادب ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

Marfat.com

لکھ دیئے اور بعض اعتراضات[1] بھی لکھ دیئے، جو ان کی شان علمی سے بعید ہیں (عفا اللہ عنا وعنہم) لیکن جو طریق امام بیہقی رح نے (خدا ان کو جزاء خیر دے) امام ابو حنیفہ رح والی روایات کی تحقیق میں اختیار کیا ہے۔ اس میں امام صاحب ممدوح شخصیت زیر بحث نہیں آتی، اور بات صاف ہو جاتی ہے۔ امام بیہقی رح ہر دو روایات کو مفصل ذکر کرنے کے بعد بطور فیصلہ فرماتے ہیں:۔

هذا هو الصحيح عن الليث بن سعد عن يعقوب وكذالك رواه خلف بن ايوب عن ابي يوسف عن ابي حنيفة رح والحكم بن ايوب عن زفر عن ابي حنيفة رح عن موسى بن ابي عائشة عن عبد الله بن شداد عن ابي الوليد عن جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم مختصرا في قراءة الامام له قراءة وفي رواية الليث بن سعد وهو احد الائمة عن يعقوب ابي يوسف دليل على ان قصة سبح اسم ربك الاعلى انما رواها ابو حنيفة رح عن موسى بن ابي عائشة عن عبد الله بن شداد عن جابر رض وليس فيها ان قراءته له قراءة وهي لقصة التي مرادها

امام لیث کی روایت جو امام ابو یوسف رح سے ہے، وہی صحیح ہے اور اسی طرح سے خلف بن ایوب نے امام ابو یوسف سے انہوں نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا نیز حکم بن ایوب نے امام زفر رح سے انہوں نے امام ابو حنیفہ رح سے، انہوں نے موسیٰ بن ابی عائشہ رح سے انہوں نے عبد اللہ بن شداد سے انہوں نے ابو الولید سے، اس نے حضرت جابر رض سے انہوں نے نبی کریم صلعم سے قراءۃ الامام لہ قراءۃ کے متعلق مختصراً روایت کیا، اور امام لیث جو وہ بھی اماموں میں سے ایک امام ہیں۔ ان کی جو روایت امام ابو یوسف رح سے ہے۔ اس میں اس امر کی دلیل ہے۔ کہ سورت سبح اسم ربک کا قصہ امام ابو حنیفہ رح نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے، انہوں نے عبد اللہ بن شداد سے

---

[1] مثلاً مولینا عبد الحی رح حاشیہ موطا امام محمد رح میں علامہ عینی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ ومن ایزاله تضعیف ابی حنیفة رح وهو مستحق التضعیف وقد روی فی مسنده احادیث سقیمة ومعلولة ومنكرة وموضوعة۔ ز

مولانا عبد الحی مرحوم علامہ عینی کے ترجمہ میں اپنی کتاب الدرر البہیہ میں لکھتے ہیں۔ ولو امکن فیہ رائحة التعصب المذهبی لکان اجود واجود ۱۲۔ اگر مصنف کے ضعیف ہونے کی یہ وجہ درست ہے، کہ اس کی تصنیف میں ضعیف ومعلول اور منکر وموضوع ہر قسم کی احادیث پائی جاتی ہیں۔ تو پھر بہت کم محدثین ثقہ ثابت ہو سکیں گے۔ یہ عبارت علامہ عینی رح اور مولانا عبد الحی صاحب کی شان علمی کے خلاف ہے۔ سنن ابن ماجہ میں مذکورہ بالا اقسام کی احادیث پائی جاتی ہیں۔ باوجود اس کے وہ صحاح ستہ میں شمار ہوتی ہے۔ اور اس کے مصنف کو ثقہ کبیر متفق علیہ محتج بہ لہ معرفة وحفظ (خلاصہ) اور تنقید حدیث میں امام دارقطنی کا پایہ تو ابن ماجہ سے بہت بلند ہے۔ کیونکہ امام دارقطنی تو امام بخاری، امام احمد، امام عبد الرحمن بن مہدی کی طرح ائمہ عارفین علل حدیث میں سے ہیں۔ (شرح نخبہ صہ۴۲) ۱۲ منہ

Marfat.com

عمران بن حصینؓ ونحن نذکرها ان شاء الله واما القصة التي فيها فان قراءته له قراءة فان ابا حنيفة انما رواها عن موسى بن ابي عائشة عن عبد الله بن شداد عن ابي الوليد عن جابر وهو رجل مجهول كما قال الدارقطني رحمه الله ولا تقوم به حجة ومن روى هذا الحديث عن ابي بكر الحارثي عن الدارقطني واسقط من اسناده ابا الوليد[1] اورواه عن الحاكم ابي عبد الله عن ابي علي الحافظ واسقط من اسناده ابن شداد واوهم ان ابا الوليد كنية ابن شداد فانه لم يسلك سبيل الصدق في رواية الحديث۔

(کتاب القراءۃ، ص۱۰۳)

انہوں نے حضرت جابر رض سے روایت کیا تو اس میں ان قراءۃ لہ قراءت کے الفاظ نہیں ہیں، اور وہ وہی قصہ ہے۔ جسے عمران بن حصین صحابی نے روایت کیا، اور ہم اسے انشاء اللہ ذکر کریں گے۔

لیکن وہ قصہ جس میں الفاظ فان قراءتہ لہ قراءت وارد ہیں اسے امام ابو حنیفہ رح نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے انہوں نے عبداللہ بن شداد سے انہوں نے ابوالولید سے۔ اس نے حضرت جابر رض سے روایت کیا اور وہ (ابوالولید) مجہول شخص ہے جیسا کہ امام دارقطنی نے کہا اور اس کی روایت سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ اور جس شخص نے یہ حدیث ابوبکر حارثی سے بواسطہ امام دارقطنی روایت کی، اور اس کی اسناد سے ابوالولید (مذکور) کو گرا دیا۔ یا امام حاکم سے بواسطہ حافظ ابوعلی روایت کیا اور اس کی اسناد سے ابن شداد کو ساقط کر دیا۔ اور یہ وہم ڈالنا چاہا۔ کہ ابوالولید، ابن شداد کی کنیت ہے تو وہ روایتِ حدیث میں صدق و راستی کا راستہ نہیں چلا۔

اسی طرح خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر رح نے تلخیص میں فرمایا۔

حديث من كان له امام فقراءة الامام له قراءة مشهور من حديث جابر وله طرق عن جماعة من الصحابة وكلها معلولة[2] ۔ (جلد۱ ص۸)

حدیث من کان لہ امام حضرت جابر کی روایت سے زیادہ مشہور ہے۔ اور صحابہ رض کی ایک جماعت سے اس کے کئی طرق ہیں۔ اور وہ سب معلول ہیں

---

[1] کسی راوی نے اس روایت سے ابو الولید کو جو ساقط کیا تو یا تو خطا سے کیا یا عمداً سے۔ عمداً کیا تو خیانت ہے اور اگر خطا سے کیا ہے تو اس کی یہ وجہ ہے کہ عبداللہ بن شداد کی کنیت بھی ابوالولید ہے۔ جب عبداللہ بن شداد کا ذکر آگیا۔ تو اس نے سمجھا کہ جب یہی ابوالولید ہے، تو دوسری دفعہ اس کے ذکر کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ معاملہ یوں نہیں ہے۔ بلکہ اسی طرح ہے۔ جس طرح امام بیہقی رح نے ذکر کیا کیونکہ عبد اللہ بن شداد کی بے واسطہ روایت حضرت جابر رض سے پائی نہیں جاتی۔ اسماء الرجال کی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ان ہر دو کے تراجم میں ان کی استادی شاگردی کا تعلق کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ (دیکھو تذکرۃ الحفاظ، خلاصہ، تہذیب التہذیب، اصابہ) [2] حافظ زیلعی حنفی رح نے تخریج

باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اسی طرح امام بخاریؒ نے جزء القراءۃ میں ہے :-

هذا خبر لم يثبت عند أهل العلم من أهل الحجاز وأهل العراق وغيرهم لإرساله وانقطاعه رواه ابن شداد عن النبي صلى الله عليه وسلم -

(صہ)

یہ ایک ایسی حدیث ہے۔ جو حجاز (مکہ و مدینہ) اور عراق کے علماء حدیث وغیرہم کے نزدیک بوجہ اس کے مرسل ہونے اور منقطع ہونے کے ثابت نہیں ہوئی کیونکہ اسی ابن شداد نے نبی صلعم سے روایت کیا ہے (اور وہ صحابی نہیں ہے)۔

الغرض یہ مفروغ عنہ اور ثابت شدہ حقیقت ہے۔ کہ ائمۂ حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ یہ روایت رفعاً و وصلاً آنحضرت صلعم سے ثابت نہیں ہے۔ علامہ عینیؒ اور شیخ ابن ہمامؒ اور مولانا عبدالحیؒ صاحب نے اس کے متعلق جسقدر زور مارا ہے، وہ سب لاحاصل ہے۔ ان بزرگوں نے خدا تعالیٰ ان پر رحمت کرے۔ ایک بھی حافظ حدیث کی شہادت سے اس کا وصل و رفع ثابت نہیں کیا۔ حمایت مذہبی میں بات کی کھینچ تان اور بات ہے۔ اور اثبات مسئلہ اور بات ہے۔ پس ان احادیث کے مقابلہ میں جو بالخصوص اثبات فاتحہ خلف الامام کے بارے میں صحیح سندوں سے آنحضرتؐ سے ثابت شدہ ہیں اور بعد آنحضرت صلعم کے بڑے بڑے جلیل القدر اور مجتہد صحابہؓ کا ان پر عمل رہا۔ اور وہ امام کے پیچھے الحمد شریف برابر پڑھتے رہے۔ یہ حدیث منع فاتحہ خلف الامام کے بارے میں ہرگز قائم نہیں ہو سکتی، اور اگر بالفرض اس کا کچھ اعتبار کیا بھی جائے، تو احادیث مثبتۂ قراءت فاتحہ خلف الامام کو مقدم کر کے اس کا حکم مابعد فاتحہ کی قرأت پر لگایا جائے گا، اور قراءت فاتحہ اس سے مستثنیٰ رہے گی، کیونکہ احادیث مثبتۂ قراءت فاتحہ جو بالکل صحیح اور مرفوع ہیں ان کو ساقط الاعتبار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ امام بخاریؒ جزء القراءۃ میں فرماتے ہیں :-

---

(حاشیہ صفحہ ۵۲۲) ہدایہ میں اور امام بیہقیؒ نے کتاب القراءت میں ان سب کا ذکر کر کے ان کی علتیں بیان کر دی ہیں۔ اور علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں ان علتوں کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن یہ عذر کیا ہے۔ کہ اس کے اور طریق بھی ہیں۔ جو صحیح ہیں، پھر موطا امام محمدؒ والی روایت ذکر کی ہے۔ اور اس طرف نظر نہیں کی۔ کہ عبداللہ بن شداد جو حضرت جابرؓ سے روایت کرتا ہے، اس کی روایت حضرت جابرؓ سے ثابت بھی ہے۔ یا نہیں، اگر ثابت ہے تو شہادات سے ثابت کریں۔ ورنہ اس کے مرسل ہونے میں کیا شک ہے۔ امام دارقطنیؒ امام بیہقیؒ اور امام بخاریؒ وغیرہم ائمۂ حدیث یہی بات سمجھانے ہیں ۱۲ منہ

ولو ثبت الخبران کلاهما لکان هذا استثنیٰ من الاول لقوله لا یقرأن الا بام القرآن وقوله من کان له امام فقراءة الامام له قراءة جملة وقوله الا بام القرآن مستثنی من الجملة کقول النبی صلی الله علیه وسلم جعلت لی الارض مسجدا وطهورا ثم قال فی احادیث اخر الا المقبرة والحمام وما استثناه من الارض خارج من الجملة وکذلک فاتحة الکتاب خارج من قوله من کان له امام فقراءة الامام له قراءة مع انقطاعه۔

(جزء القراءة)

(ص۳)

اگر دونوں حدیثیں ثابت بھی ہوں تو یہ حدیث یعنے اثبات قراءت فاتحہ والی حدیث پہلی یعنی الکفایت قراءت امام والی حدیث سے مستثنیٰ ہوگی۔ بدلیل قول آنحضرت کے کہ ہرگز نہ پڑھے سوائے سورۂ ام القرآن کے کیونکہ آپ کا قول (بالفرض) من کان له امام تمام حکم ہے اور آپ کا قول الا بام القرآن اس سے مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا بنائی گئی میرے لئے تمام زمین مسجد اور وضو کی چیز پھر دوسری احادیث میں آپ نے فرمایا سوائے قبرستان اور حمام کے تو جس جگہ کو آپ نے زمین سے مستثنیٰ کیا ہے وہ اس عام حکم سے خارج ہے۔ اسیطرح سورت فاتحہ کا حکم آپ کے عام حکم من کان له امام سے خارج ہے باوجود اس کے کہ وہ منقطع بھی ہے "

تنبیہ ضروری

جن جن روایتوں میں کفایت قراءت امام یا منع قراءت مقتدی کا ذکر ہے۔ ان کے متعلق ہمارے ناظرین ہماری ان باتوں کو گرہ باندھ کر یاد کرلیں کہ یا تو وہ مرفوع نہیں موقوف ہیں، یا صحیح نہیں ضعیف ہیں، یا موصول نہیں منقطع ہیں یا ان میں مابعد فاتحہ کا حکم ہے۔ جیسے واذا قرء فانصتوا ہیں اگرچہ یہ زیادت غیر محفوظ ہے۔ یا امام کو پیچھے اونچی آواز سے پڑھنے سے ممانعت ہے۔ نہ کہ اصل قراءت سے جیسے کہ مالی انازع القرآن والی حدیث ہیں ہے کیونکہ لا تفعلوا الا بام القرآن سورت فاتحہ کی قراءت کو مستثنیٰ کرتی ہے اور حسب تفصیل گذشتہ یہ حدیث صحیح اور ثابت شدہ ہے۔ پس صبح کی نماز میں جب آپ اونچی قراءت پڑھتے تھے آپ نے اسے مستثنیٰ رکھا تو دیگر نمازوں میں جو جہری ہیں یا سری ہیں، یہ کیوں منع ہونے لگی؟ اس طریق سے سب احادیث جمع ہو جاتی ہیں، اور مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔

دیگر یہ کہ کسی حدیث کی بھی دلالت منع فاتحہ پر ایسی واضح نہیں ہے جیسی کہ اثبات فاتحہ والی حدیث کی ہے۔ پس طوالت مضمون سے بچنے کے لئے ہم دلائل حضرات حنفیہ کے مضمون کو اسی ایک تنبیہ ضروری پر ختم کر دیتے ہیں۔ کیوں کہ اس میں ہر قسم کی دلیل کا بالاجمال والاختصار جواب آگیا ہے۔ والله الموفق والهادی ۔

Marfat.com

حضرات امام ابو حنیفہؒ اور بعض محققین حنفیہ

اگرچہ بیان سابق میں اصل مسئلہ بالکل صاف ہو چکا ہے۔ کہ سورت فاتحہ رکن نماز ہے اور رکن کسی صورت میں بھی عمداً بلا عذر ترک نہیں کیا جا سکتا، اور یہ بھی کہ سورت فاتحہ کی قراءت امام کے پیچھے بھی اسی طرح واجب ہے، جسطرح امام ہوتے ہوئے اور اکیلے پڑھتے ہوئے فرض ہے۔ خواہ امام سرّی نماز پڑھے خواہ جہری لیکن باوجود اس کے ہمارے حنفی بھائی بوجہ حضرت امام صاحبؒ کے مقلد ہونے کے عذر کرتے ہیں۔ کہ جب ہمارے امام صاحب اس کے قائل نہیں تو ہم کیسے پڑھیں؟ سو ان کی تسلی کے لئے ہم اس امر کو بھی خاص عنوان کے ماتحت بیان کرتے ہیں۔ واللہ الموافق ÷

اوّلاً معلوم ہو کہ تقلید غیر منصوص احکام میں ہوتی ہے۔ اور وہ بھی اس شرط سے کہ اپنے میں اہلیت استدلال کی نہ ہو۔ لیکن جب نص شرعی موجود ہو یا آدمی خود اہل نظر و اہل علم ہو[1] تو اس پر دلیل کی اتباع واجب ہے۔ چنانچہ علامہ شامی شرح درّ مختار میں فرماتے ہیں۔

اذا صح الحدیث وکان علی خلاف المذھب عمل بالحدیث ویکون ذالک مذھبہ ولا یخرج مقلدہ من کونہ حنفیا بالعمل بہ فقد صح عنہ انہ قال اذا صح الحدیث

جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے۔ اور وہ اپنے (تقلیدی) مذہب کے خلاف ہو تو حدیث ہی پر عمل کرے اور وہی اس (امام کا) مذہب ہوگا، اور اس حدیث پر عمل کرنے سے اس امام کا مقلد حنفی ہونے سے خارج

---

[1] جیساکہ حضرات دیوبند میں سے بعض فضلاءؒ کی نسبت ہمارا حسن ظن ہے کہ وہ بالغ النظر اہل علم تھے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے نصوص صریحہ واضحۃ الدلالت کے مقابلہ میں تقلید نہیں چھوڑی۔ یہی محل تنازع ہے۔ احادیث صحیحہ مستقی و منقح ہو چکی ہیں، ان کے متعلق کوئی بھی پہلو پردۂ خفا میں نہیں ہے نہ ان پر کچھ زیادت ہو سکتی ہے۔ پس اگر وہ واقعی بالغ النظر علماء ہیں۔ اور عام و خاص ناسخ و منسوخ مطلق و مقید، صحیح و سقیم وغیرہ امور کو پہچان سکتے ہیں، اور اپنے امام صاحب کی تائید میں دلائل بیان کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ تو دلیل کو سمجھ کر پیروی کرنے کا نام تقلید کیوں ہے، اور وہ مقلد کیسے ہوئے، اور اگر وہ دلائل و نصوص کے سمجھنے اور پرکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے، تو بے ادبی معاف ہم نہیں کہتے۔ حافظ ابن قیمؒ حافظ ابن البرؒ سے نقل کر کے لکھتے ہیں۔ قال ابو عمرؒ وغیرہ من العلماء اجمع الناس علی ان المقلد لیس معدودًا من اھل العلم وان العلم معرفۃ الحق بدلیلہٖ (جلد۱ صلا) یعنی علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مقلد کا زمرۂ علماء میں شمار نہیں ہے کیونکہ علم نام ہے حق کو دلیل سے پہچاننے کا الہٰی تو ہم کو علم حقیقی اور معرفت حق اور اتباع سنّت کی توفیق عنایت کر۱۲ منہ (اعلام الموقعین) ÷

Marfat.com

وقد حکی ذالک ابن عبد البر عن ابی حنیفۃ رح وغیرہ من الائمۃ ۱۲ ونقلہ ایضاً الامام الشعرانی عن الائمۃ الاربعۃ ولا یخفی ان ذالک لمن کان اھلاً للنظر فی النصوص ومعرفۃ محکمھا من منسوخھا فاذا نظر اھل المذھب فی الدلیل وعملوا بہ صح نسبتہ الی المذھب لکونہ صادرا باذن صاحب المذھب ۱۲

(جلد ۱، صـ)

نہیں ہو جائے گا، کیونکہ یہ بات بالتحقیق آپ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو میرا مذہب وہی ہے اور یہ بات حافظ ابن عبد البر مغربی رح نے بھی امام ابوحنیفہ رح وغیرہ آئمہ سے نقل کی ہے ۱۲ نیز امام شعرانی رحمۃ اللہ نے بھی ائمہ اربعہ سے نقل کیا۔ اور مخفی نہ رہے کہ یہ بات اس شخص کے لئے ہے جسے نصوص میں نظر ہو اور محکم و منسوخ کی معرفت رکھتا ہو۔ پس جب اہل مذہب دلیل میں نظر کریں۔ اور اس دلیل پر عمل کریں تو اس کی نسبت اس مذہب کی طرف صحیح ہے، کیونکہ وہ نظر یا عمل صاحب مذہب کے اذن سے ہے۔

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی عقد الجید میں تقلید کی دو قسمیں واجب اور حرام بنا کر ہر ایک کی تفصیل کرتے ہیں۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جو شخص قرآن و حدیث سے ناواقف ہو وہ کسی عالم سے پوچھ کر عمل کرے، پھر اس کے نشان کی بابت حضرت شاہ صاحب رح فرماتے ہیں:۔

واما دۃ ھذا التقلید ان یکون عملہ بقول المجتھد کالمشروط بکونہ موافقا للسنۃ فلا یزال متفحصاً عن السنۃ بقدر الامکان فمتی ظھر حدیث یخالف قولہ ھذا اخذ بالحدیث والیہ اشار الائمۃ۔

(صـ مترجم مطبوعہ لاہور)

اور اس تقلید کا نشان یہ ہے کہ اس کا عمل مجتہد کے قول پر سنت کے موافق ہونے کی شرط سے مشروط ہونے کی طرح ہو پس وہ (مقلد) ہمیشہ بقدر امکان خود سنت کی تلاش میں لگا رہے پس جب اسے ایسی حدیث جو اس قول کے خلاف ہو مل جائے تو اس حدیث کو اختیار کر لیوے، اور اسی طرف اماموں نے اشارہ کیا ہے "

اور دوسری قسم جو حرام ہے۔ اس کی نسبت فرماتے ہیں:۔

فان بلغہ حدیث واستیقن بصحتہ لم یقبلہ لکون ذمتہ مشغولۃ بالتقلید فھذا اعتقاد فاسد وقول کاسد لیس لہ شاھد من النقل والعقل وما کان احد من القرون السابقۃ یفعل

پس اگر اس (مقلد) کو حدیث مل جائے اور اسے اس کی صحت کا یقین بھی ہو جائے، اس پر بھی اسے قبول نہ کرے اس وجہ سے کہ اس کا ذمہ تقلید سے مشغول ہے تو یہ اعتقاد فاسد ہے۔ اور غیر رائج (کھوٹا) قول ہے۔ نقل

Marfat.com

ذالك۔

(عقد الجید)

(ص۸۵)

(قرآن وحدیث واجماع) اور قیاس (شرعی) میں سے اس کا کوئی بھی شاہد نہیں ہے اور قرون سابقہ (مشہود بالخیر) میں اس پر کوئی بھی عمل نہیں کرتا تھا۔"

اسی طرح مولینا عبدالحی مرحوم تعلیق ممجد ص۱۰ میں مقلدین وغیر مقلدین ہر دو فریق کی افراط تفریط کی شکایت کرکے فرماتے ہیں :۔

وانا ابرء الی اللہ من ھؤلاء وھؤلاء ضل احدھما بالتقلید الجامد وثانیھما بالظن الفاسد والوھم الکاسد یتنازعون فیما لا ینفعھم بل یضرھم۔

(تعلیق ممجد ، ص۱۰)

"اور میں خدا کی طرف بریت وبیزاری ظاہر کرتا ہوں ان (جامد مقلدوں سے) بھی اور ان بے ادب (غیر مقلدوں) سے بھی ایک ان میں سے تقلید جامد کے سبب گمراہ ہوا اور دوسرا فاسد ظن اور کھوٹے وہم سے، وہ ایسی باتوں میں تنازع کرتے ہیں جو ان کو نفع نہیں دیتیں بلکہ ضرر دیتی ہیں۔"

۲۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ حضرت امام ابو حنیفہ رح کا آخری مذہب جس پر ان کا عمل بھی شاہد ہے۔ یہ ہے کہ وہ قراءت فاتحہ خلف الامام کو مانتے ہیں۔ اسی لئے بہت سے محققین حنفیہ بھی اس کے قائل ہوئے ہیں۔ چنانچہ مولنا عبدالحی صاحب حاشیہ امام الکلام میں امام شعرانی کا قول نقل کرتے ہیں :۔

لابی حنیفۃ ومحمد قولان احدھما عدم وجوبھا علی الماموم بل ولا تسن وھذا قولھما القدیم وادخلہ محمد فی تصانیفہ القدیمۃ

امام ابو حنیفہ رح اور امام محمد رح کے دو قول ہیں، ایک مقتدی پر عدم وجوب بلکہ عدم مسنون ہونے کا، اور یہ ان دونوں کا قدیم قول ہے، اور امام محمد نے اسے اپنی قدیم تصانیف

۱؎ اور یہی مسلک اس عاجز گنہ گار کا ہے کہ باوجود اس کے کہ میں کسی خاص امام کا مقلد نہیں ہوں، بلکہ خدا کے فضل سے قرآن وحدیث کے چشمۂ معانی سے براہ راست سیراب ہوتا ہوں، پھر بھی آئمہ مجتہدین اور دیگر فقہاء ومحدثین کے اقوال کو نہایت عزت سے دیکھتا ہوں اور جہاں تک میری نظر ہے ان کے ماخذ تلاش کرتا ہوں اور ان کے محامل کو سمجھتا ہوں، کیونکہ ان کی نیتیں نیک ہیں، ان کے علم پختہ تھے، اور ان کے جذبات نفسانیت کی آلودگی سے پاک تھے۔ احب الصالحین ولست منھم۔ لعل اللہ یرزقنی صلاحًا۔ ہاں وہ معصوم بھی نہ تھے کہ ان سے خطا نہ ہو یا ان کی اصلاح کے لئے وحی اترے جو ایک پیغمبر برحق سے مخصوص ہے۔ البتہ جو شخص ان کی شان میں گستاخی کرے اس کی نسبت حق الیقین کے طور پر سمجھتا ہوں کہ اس پر فیضان الٰہی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ جب ان مقبولان بارگاہ الٰہی کے قول کا ماخذ صحیح مل جاتا ہے، اور ان کے قول کی توجیہ جو قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو، سمجھ میں آجاتی ہے تو اسے نوراً علیٰ نور اور قلب کا سرور سمجھ کر گنجینۂ دل میں رکھ لیتا ہوں۔ ورنہ ان صالحین کو معذور جان کر خالص قرآن وحدیث پر

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

وانتشرت النسخ الی الاطراف وثانیھما استحبابھا علی سبیل الاحتیاط وعدم کراھتھا عند المخافتۃ للحدیث المرفوع لاتفعلوا الا بام القرآن وفی روایۃ لاتقرؤا بشیء اذا جھرت الا بام القرآن وقال عطاء کانوا یرون علی الماموم القراءۃ فیما یجھر فیہ الامام وفیما یسر فرجعا من قولھما الاول الی الثانی احتیاطاً۔

(عمدۃ الرعایہ)

میں درج کیا اور وہی نسخے اطراف میں منتشر ہو گئے اور دوسرا مستحسن ہونا فاتحہ کا بر سبیل احتیاط اور نہ مکروہ ہونا اس وقت آہستہ نماز کے بدلیل حدیث مرفوع لا صلوٰۃ الا بام القرآن کے روایت کیا ہے کہ اور کچھ نہ پڑھا کرو۔ جب میں اونچی قراءت پڑھوں۔ مگر سورت فاتحہ اور کہا امام عطاء نے (سلف صالحین) مقتدی پر قراءت جائز جانتے تھے، امام اونچی قراءت پڑھے یا آہستہ، پس ان دونوں (امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ) نے احتیاطاً اپنے پہلے قول سے دوسرے کی طرف رجوع کیا۔

(۲) اور جوہرہ نیرہ شرح مختصر قدوری میں ہے کہ:

وعن محمد انہ قال استحسن لہ قراءۃ الفاتحۃ فی صلوٰۃ المخافتۃ۔

(ص۵۰، جلد ۱)

یعنی امام محمدؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں مقتدی کے لئے سری نمازوں میں قراءت فاتحہ مستحسن جانتا ہوں۔"

(۳) اسی طرح ہدایہ میں ہے:

ویستحسن علی سبیل الاحتیاط فیما یروی عن محمد"۔

(ھدایہ)

یعنی بموجب اس روایت کے جو امام محمدؒ سے کی جاتی ہے۔ بر سبیل احتیاط قراءت فاتحہ خلف امام مستحسن ہے"

(۴) مولانا عبدالحی صاحب مرحوم تعلیق ممجد میں فرماتے ہیں:

وقد ذکر صاحب الھدایۃ وجامع المضمرات وغیرھما ایضاً ان علی قول محمد یستحسن قراءۃ ام القرآن خلف الامام علی سبیل الاحتیاط لکن قال ابن الھمام الاصح ان قول محمد کقولھما فان عباراتہ فی کتبہ مصرحۃ فی التجافی عن خلافہ والحق انہ وان

اور تحقیق صاحب ہدایہ اور صاحب جامع مضمرات وغیرہما نے بھی ذکر کیا ہے کہ از راہِ احتیاط امام محمدؒ کے قول کے مطابق امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھ لینا مستحسن ہے، لیکن ابن ہمام نے کہا ہے کہ اصح یہ ہے کہ امام محمدؒ کا قول مثل ان دونوں (امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ) کے قول کے ہے کیونکہ امام محمدؒ کی کتابوں

(حاشیہ یقایا صفحہ ۵۳۷) عمل کرتا ہوں! یا اللہ تو گواہ رہ کہ میرا یہی اعتقاد و عمل ہے تو مجھے اسی پہ زندہ رکھ اور اسی پہ مار اور اسی پر میرا حشر کر۔ آمین!

Marfat.com

كان ضعيفا رواية لكنه قوي دراية
(تعليق ممجد)
(ص۹۶، حاشیہ ۹)

ہیں ان کے خلاف سے دور رہنے کی مصرح عبارتیں موجود ہیں اور حق یہ ہے کہ اگرچہ امام محمدؒ کی یہ روایت روایۃً ضعیف، لیکن درایۃً (فقاہۃً) قوی ہے۔"

(۵) اسی طرح مولٰنا عبدالحی مرحوم حضرت امام صاحبؒ اور امام محمدؒ ہر دو کے متعلق عمدۃ الرعایہ میں فرماتے ہیں :-

وروي عن محمد انه استحسن قراءة الفاتحة للمؤتم في السرية وروي مثله عن ابي حنيفة صرح به في الهداية والمجتبى شرح مختصر القدوري وغيرهما وهذا هو مختار كثير من مشائخنا وعلى هذا فلا يستنكر استحسانها في الجهرية ايضاً اثناء سكتات الامام بشرط ان لا يخل بالاستماع -
(جلد اول ص۱۳۷ بضمن حاشیہ ۱۴۱)

امام محمدؒ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے سری نمازوں میں مقتدی کے لئے قراءت کو مستحسن جانا ہے اور اسی طرح امام ابو حنیفہؒ سے بھی مروی ہے، اس کی تصریحات ہدایہ میں اور مجتبیٰ شرح مختصر قدوری وغیرہا کتابوں میں ہیں۔ اور ہمارے بہت سے مشائخ (حنفیہؒ) کا مختار مذہب بھی ہے اور اس بنا پر اس کے استحسان سے جہری نمازوں میں بھی انکار نہیں ہو سکتا، امام کے سکتات کے وقت بشرطیکہ استماع میں مخل نہ ہو"

ان حوالجات سے واضح ہو گیا۔ کہ کتب فقہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ سے سری نمازوں میں قراءتِ فاتحہ خلف الامام کے جواز کے اقوال موجود ہیں۔ مولٰنا عبدالحی صاحب مرحوم دلائل پر نظر کرتے ہوئے اس سے آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ جہری نمازوں میں سکتاتِ امام کے وقت الحمد پڑھ لینی درست ہے بشرطیکہ مخل استماع نہ ہو۔ اس کے بعد ہم مولٰنا عبدالحی صاحب مرحوم سے پیشتر کے صاحب ہدایت حنفی کی نقل بتلاتے ہیں کہ وہ بھی اپنے بعض علمائے حنفیہؒ کی نسبت تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ازراہِ احتیاط سب نمازوں میں سورت فاتحہ پڑھنے کو مستحسن جانتے ہیں۔ علامہ عینی حنفیؒ مذہب کے مشہور حامی شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔ کہ اگر ہم حضرت ابوہریرہؓ کے قول اقرء بها في نفسك کو حقیقی قراءت پر محمول تسلیم کر بھی لیں تو ہم اس کے وجوب کو تسلیم نہیں کر سکتے، اور مستحسن ہونا تو ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں

ولئن سلمنا ان المراد هو القراءة حقيقة فلا نسلم انه يدل على الوجوب على ان بعض اصحابنا استحسنوا ذالك على

اور اگر ہم تسلیم کر بھی لیں کہ ابوہریرہؓ کے قول میں حقیقی قراءت مراد ہے تو ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ وہ وجوب پر بھی دلالت کرتا ہے۔ علاوہ بریں یہ

Marfat.com

سبیل الاحتیاط فی جمیع الصلوات ومنھم من استحسنھا فی غیر الجھریۃ۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۶۹ زیر شرح حدیث عبادۃ)

کہ ہمارے بعض اصحاب (حنفیہ) نے سب نمازوں میں ازراہِ احتیاط اسے مستحسن جانا ہے۔ اور بعض نے غیر جہری نمازوں میں مستحسن جانا ہے۔

اسی طرح ملا جیون صاحبؒ استاد حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر احمدی میں فرماتے ہیں:۔

فان رأیت الطائفۃ الصوفیۃ والمشائخ الحنفیۃ تراھم یستحسنون قراءۃ الفاتحۃ للمؤتم کما استحسنہ محمد رحمہ احتیاطا فیما روی عنہ۔

(تفسیر احمدی)

پس اگر تو طائفہ صوفیہؒ اور مشائخ حنفیہ کی طرف نظر کرے تو تو ان کو دیکھے گا کہ وہ مقتدی کے لئے قراءت فاتحہ کو مستحسن جانتے ہیں جس طرح کہ امام محمدؒ نے اسے احتیاطاً مستحسن جانا ہے۔ بموجب اس روایت کے جو ان سے کی گئی۔

یہ حوالجات محض اس لئے ذکر کئے گئے ہیں کہ حضرت امام صاحبؒ اور امام محمدؒ اور ان کے بعد کے بہت سے حنفی بزرگ قراءت فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں۔ اس کے بعد ہم مولانا عبدالحی صاحب مرحوم کی بعض تصریحات دربارۂ موازنۂ دلائل فریقین ذکر کرتے ہیں۔ مولانا ممدوح۔ شیخ ابن ہمام کی طویل تقریر کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

وفیہ نظر وھو انہ لم یرد فی حدیث مرفوع صحیح النھی عن قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام وکل ما ذکرہ مرفوعا فیہ اما لا اصل لہ واما لا یصح کحدیث من قرء خلف الامام ملئ فوہ نارا اخرجہ ابن حبان فی کتاب الضعفاء واتھم بہ مامون بن احمد احد الکذابین ذکرہ ابن حجر فی تخریج احادیث الھدایۃ وکحدیث من قرء خلف الامام ففی فیہ جمرۃ ذکرہ صاحب النھایۃ وغیرہ مرفوعا ولا اصل لہ۔

(تعلیق ممجد، ص ۱۰۱ حاشیہ ۱)

اور شیخ ابن ہمام کی اس تقریر میں نظر ہے اور وہ یہ کہ قراءت فاتحہ خلف الامام کی ممانعت کے متعلق کوئی حدیث مرفوع صحیح ثابت نہیں ہوئی اور سب جو کچھ انہوں نے از قسم مرفوع ذکر کیا ہے یا تو وہ بالکل بے اصل ہے یا صحیح نہیں ہے۔ مثل اس حدیث کے کہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھے اس کے منہ میں آگ بھری جائے۔ اس روایت کو امام ابن حبانؒ نے کتاب الضعفاء میں نکالا۔ اور مامون بن احمد کو جو جھوٹوں میں سے ایک ہے اس سے متہم کیا ہے۔ اسے حافظ ابن حجرؒ نے تخریج ہدایہ میں ذکر کیا اور مثل اس حدیث کے کہ جو کوئی امام کے پیچھے پڑھے تو اس کے منہ میں انگارڈال دے، اسے صاحب نہایہ نے مرفوعاً ذکر کیا ہے لیکن اس کا کوئی

Marfat.com

اصل نہیں ۱۱

پھر اس کے بعد اسی طرح بعض روایات جو حنفی علماء منع قراءت فاتحہ کے متعلق بیان کیا کرتے ہیں۔ ان پر تفصیلی بحث کر کے اور ان کو ضعیف یا ساکت عن المدعا ثابت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

فظهر انه لا يوجد معارض لاحاديث تجويز القراءة خلف الامام مرفوعًا۔

پس اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ جو احادیث قراءت خلف الامام کو جائز بتاتی ہیں ان کے معارض ہیں کوئی مرفوع روایت ثابت نہیں ہوتی۔(۱)

(تعلیق ملنا، بضمن حاشیہ (۱))

ان حوالجات کے متعلق ہم اپنے حنفی بھائیوں سے گذارش کرنا چاہتے ہیں۔

اوّل یہ کہ آپ کو معلوم ہو گیا۔ کہ امام صاحب رح صحیح حدیث پر عمل کرنا اپنا مذہب ظاہر کرتے ہیں، گویا کہ وہ صاف صاف اقرار کرتے ہیں۔ کہ ہیں اہلحدیث ہوں۔ پس آپ بھی انہی کے قول پر عمل کرتے ہوئے حدیث صحیح کی پیروی کریں تو آپ ان سے منحرف نہیں کہلا سکیں گے

دوم یہ کہ حضرت امام صاحب اور دیگر علمائے حنفیہ کا قراءت فاتحہ خلف الامام کو مستحسن جاننا معلوم ہو چکا ہے، پس ان کے مقتدیوں کو بھی کم از کم اسے مستحسن جان کر پڑھ لینا چاہیئے، اور پڑھنے والوں سے جھگڑنا نہیں چاہیئے، کیونکہ اصل قراءت میں تو سب متفق ہو گئے اب آگے فرض، واجب اور مستحب کا درجہ دیگر امر ہے۔

سوم یہ کہ اگر مذہب محدثین دلیل کے رو سے قوی اور عمل کے رو سے احوط نہ ہوتا تو یہ حنفی حضرات جو صاحب علم و تقویٰ ہوئے ہیں، مذہب محدثین کی پیروی نہ کرتے، واللہ ولی السرائر۔

حضرات صوفیا قائلین قراءت خلف الامام

اکثر صوفیائے کرام کا مذہب بھی قراءت خلف الامام کا تھا۔ چنانچہ ملّا جیون صاحب رح کی عبارت سے ابھی گذر چکا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت سید عبد القادر جیلانی رح غنیۃ الطالبین میں ارکان الصلوٰۃ کی تفصیل میں فرماتے ہیں و قراءۃ الفاتحۃ (ملا) یعنی فاتحہ کا پڑھنا بھی ایک رکن نماز ہے۔

اسی طرح آپ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:۔

فان قراءتها فريضة وهي ركن تبطل الصلوٰة بتركها۔ (غنیۃ مترجم فارسی ص۵۵۳)

کیونکہ سورت فاتحہ کی قراءت فرض ہے۔ اور وہ ایک رکن ہے اس لئے ترک سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔(۱)

Marfat.com

۴۰- اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ایک عبارت توجۃ اللہ میں سے ۔۔۔ پر گذر چکی ہے۔ دوسری عبارت یہ ہے۔ کہ آپ مصفٰے شرح مؤطا میں تعیین رکن کے ضمن میں تتبع نصوص واشارت شرع کی مثال میں فرماتے ہیں :۔

مثال آں لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب" الخ (صت۲)

اسی طرح جناب مرزا مظہر جانجاناں دہلوی رح اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور امام غزالی رح اور شاہ ولی اللہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب جو اولیاء اللہ میں سے تھا یہ سب صاحب فاتحہ خلف الامام پڑھا کرتے تھے،

چنانچہ مولانا عبدالحی رح غیث الغمام میں فرماتے ہیں کہ۔ اور یہی مختار ہے صاحب حجۃ اللہ (شاہ ولی اللہ) اور ان کے والد ماجد کا۔ حضرت شاہ صاحب نے انفاس العارفین میں اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم رح کی بابت کہا کہ وہ اکثر فرعی مسائل میں مذہب حنفی کے موافق عمل کرتے تھے مگر بعض مسائل میں جبکہ آپ کو حدیث نبوی یا وجدان (ولایت) کے رو سے کسی دوسرے مذہب کی ترجیح معلوم ہو جاتی (تو اسی پر عمل کرتے)، منجملہ ان کے قراءت فاتحہ ہے۔ حالت اقتداء میں اور نماز جنازہ میں (انتہی مترجماً صد۱۵۶)۔

تمّ والحمد للہ

مسئلہ ادراکِ رکوع

بعض اشخاص کو اس بات سے ٹھوکر لگتی ہے۔ کہ جب رکوع میں ملنے سے رکعت شمار ہو جاتی ہے۔ تو سورت فاتحہ کی قراءت فرض واجب کہاں رہی!

سو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک ایک گروہ علماء کا اس کا قائل ہے۔ لیکن تحقیق کرنے پر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مسئلہ بالکل بے ثبوت ہے۔

اس کی توضیح یوں ہے کہ شرعی حکم کا ثبوت چار طرح پر ہوتا ہے۔ یا قرآن شریف کی صریح آیت سے، یا حدیث صحیح صریح سے، یا اجتماع مجتہدین سے، یا آخر کار ان اصول ثلثہ کے نصوص پر قیاس صحیح سے،

اصول الشرع ثلثۃ الکتاب والسنۃ و اجماع الامۃ والاصل الرابع القیاس	دلائل شرع تین ہیں۔ قرآن اور سنت، اور اجماع امت اور چوتھی دلیل

Marfat.com

المستنبط من هذه الاصول (حسامی ص۲) قیاس ہے۔ جو انہی تین دلائل سے مستنبط ہو،

پس ادراک رکوع سے ادراک رکعت کے قائل سے پوچھا جائے، کہ آپ کا استدلال ان چاروں میں سے کس دلیل سے ہے، کتاب اللہ سے یا سنتِ رسول اللہ صلعم سے یا اجماع سے، یا قیاس صحیح سے،

۱۔ ظاہر ہے، کہ قرآن شریف میں اس امر کے لئے کوئی آیت واضح الدلالۃ نہیں ہے اور آیت وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ۔ (پ۱) سے استدلال کرنا تکلف محض ہے[۱]، کیونکہ منطوق آیت با جماعت نماز پڑھنے میں ہے،

یعنی یہودیوں کو حکم ہوتا ہے۔ کہ (کفر نہ کرو) بلکہ تم اسلام میں داخل ہو کر) مسلمان نمازیوں کے ساتھ شامل ہو کر نماز پڑھو، اس میں رکوع میں ملنے سے رکعت کامل جانا مذکور نہیں، اور نہ اس امر کو اس سے کچھ تعلق ہے۔ خطاب یہود کو ہو رہا ہے، اور مسئلہ رکوع میں مل کر رکعت پا لینے کا نکل رہا ہے۔ ایں چہ؟

---

[۱] شیخ الاسلام امام تیمیہ رح نے منہاج السنۃ میں شیعوں کے جواب کے ضمن میں کہا ہے، ۔ وقد قیل ذکر ذالک لیبین انہم یصلون جماعۃ لان المصلی فی الجماعۃ انما یکون مدرکا للرکعۃ بادراک رکوعہا بخلاف الذی لم یدرک الا السجود فانہ قد فاتتہ الرکعۃ واما القیام فلا یشترط فیہ الادراک ۱۲ (ص۵ جلد۴) سو معلوم ہو کہ اوّل تو شیخ الاسلام رح نے اسے بصیغہ تضعیف یعنی بلفظ قیل (فعل مجہول) ذکر کیا ہے۔ دوم یہ کہ کسی رکن کا نام لے کر ساری نماز مراد ہونا۔ تو قرآن و حدیث میں متعارف ہے، لیکن ایک رکن کے پا لینے سے باوجود فوتیدگی کسی دیگر رکن کے رکعت کے معدود ہو جانا اس کی نظیر سنت میں نہیں پائی جاتی، مستدل صاحب کو کھٹکتا تھا کہ مدرک رکوع سے صرف فاتحہ ہی ترک نہیں ہوئی بلکہ اس سے قیام بھی چھوٹ گیا ہے اس لئے اس نے نہایت ہوشیاری سے پیش دستی کر کے کہہ دیا کہ قیام کا ادراک شرط نہیں، کیوں صاحب قیام کا ادراک شرط کیوں نہیں کیا، وہ رکن نماز نہیں ہے؟ پھر آپ اسے نظر انداز کیوں کرتے ہیں۔ یہ متفق علیہا مسئلہ ہے، کہ فرض کے فوت ہونے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور اعادہ واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ حنفی مذہب کے بڑے زور کے حامی علامہ عینی شرح بخاری میں بضمن شرح حدیث مسیئ الصلوٰۃ فرماتے ہیں الثامن فیہ الاعادۃ علی من یخل بشیئ من الارکان (عینی جلد۳ ص۶) یعنی اس حدیث سے آٹھواں استنباط یہ ہے کہ جس شخص سے کوئی رکن چھوٹ جائے اس پر نماز کا لوٹانا واجب ہوتا ہے (جیسا کہ آپ نے اس مسئ الصلوٰۃ کو بار بار نماز دہرانے کا حکم کیا پس چونکہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ملا جیون حنفی تفسیرات احمدیہ میں اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:- اعلم ان هذا خطاب لاهل الکتاب پھر اس کے کئی ایک سطر بعد فرماتے ہیں۔ وحاصل الخطاب امرهم باتباع المسلمین باداء صلوٰۃ المسلمین" یعنی حاصل خطاب کا یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے ان کو مسلمانوں کی نماز ادا کر کے مسلمانوں کی پیروی کا حکم کیا ہے۔

۲- اسی طرح تفسیر معالم میں کہا ہے :-

ای صلوا مع المصلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ وذکر بلفظ الرکوع لان الرکوع رکن من ارکان الصلوٰۃ ۱۲۔ (تفسیر معالم)	نماز یوں یعنی محمد صلعم اور آپ کے صحابہ رض کے ساتھ مل کر نماز پڑھو۔ اور نماز کو لفظ رکوع سے اس لئے ذکر کیا۔ کہ رکوع ارکان نماز میں سے ہے"

(۳) اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔" و نماز گذارید با نماز گذارندگان "

(۴) اور تفسیر رحمانی میں لکھا ہے۔ ای صلوا بالجماعۃ یعنی نماز با جماعت پڑھا کرو۔"

(۵) اور تفسیر اکلیل میں ہے:-

قال الرازیؒ یعنی اثبات فرض الرکوع فی الصلوٰۃ۔ (اکلیل برحاشیہ تفسیر جامع البیان)	امام رازیؒ نے کہا یہ آیت نماز میں رکوع کے فرض ہونے کا ثبوت دیتی ہے"

اسی طرح دیگر تفاسیر میں بھی ہے جن کے حوالجات کی نقل موجب طوالت ہے

غرض اس تفصیل سے یہ ہے کہ جب جملہ مفسرین اس آیت میں لفظ رکوع کا استعمال نماز کے لئے لکھتے ہیں۔ تو اس میں ادراک رکوع سے ادراک رکعت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۲- اور یہ بھی معلوم ہے۔ کہ اس مسئلہ پر اجماع بھی ہے۔ کیونکہ ایک جماعت صحابہؓ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کی اس کی قائل نہیں۔ چنانچہ امام بیہقیؒ کتاب القراءت میں فرماتے ہیں:-

ولا یدل علی قولہ اذا ادرك امامہ راکعا فان عندہ لا یصیر بادراکہ مدرکا للرکعۃ	اور آپ کے قول اذا ادرك امامہ راکعا پر یہ بات وارد نہیں ہوتی کیونکہ آپ کے نزدیک رکوع کے

حاشیہ بقایا صفحہ ۵۴۳) قیام فرض ہے اور رکوع میں ملنے والے سے فاتحہ کے علاوہ قیام بھی چھوٹ گیا، تو اب اس کی یہ رکعت شمار نہ ہوگی ۱۲ منہ۔

Marfat.com

حتی یدرک القیام ویأتی بالقراءۃ ورواہ
عن ابی ہریرۃ رض لا یجزیہ حتی یدرک الامام
قائماً وفی روایۃ اخری عن ابی ہریرۃ رض اذا
ادرکت القوم رکوعاً لم تعتد بتلک الرکعۃ
قال البخاری و قال ابو سعید و عائشۃ لا
یرکع احدکم حتی یقرء بام القرآن قال البخاری
و قال ابو قتادۃ رض و انس رض و ابو ہریرۃ رض عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتیتم الصلوۃ فما ادرکتم
فصلوا وما فاتکم فاتموا فمن فاتہ فرض
القراءۃ و القیام فعلیہ اتمامہ
کما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم
(کتاب القراءۃ
(ص ۱۵۷)

پا لینے سے رکعات کا پا لینے والا نہیں ہو سکتا
جب تک کہ قیام بھی نہ پائے اور قراءت فاتحہ
بھی نہ کرے اور روایت کیا اسے ابوہریرۃ رض نے کہ
مسبوق کی نماز کفایت نہیں کرتی حتیٰ کہ امام کو
قیام میں نہ پائے اور دوسری روایت میں ہے
کہ حضرت ابوہریرۃ رض نے کہا کہ جب تو قوم کو رکوع میں
پائے تو اس رکعت کو شمار نہ کرنا۔ کہا امام بخاری نے
کہ حضرت ابوسعید رض اور حضرت عائشہ رض نے کہا
کہ تم میں کوئی رکوع نہ کرے حتیٰ کہ سورت فاتحہ نہ پڑھ
لے کہا امام بخاری نے کہ حضرت ابو قتادہ رض اور حضرت
انس رض اور حضرت ابوہریرۃ رض نے نبی کریم صلعم سے
روایت کیا کہ جب تم نماز کو آؤ تو جو کچھ پاؤ اسے
پڑھو اور رہ جائے اسے پیچھے پورا کرلو۔ پس جس
شخص سے دو فرائض یعنی قراءت اور قیام فوت ہو
گئے اس پر نماز کا پورا کرنا لازم ہے۔ جس طرح کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا،،

حافظ ابن حجر نے حدیث ما ادرکتم فصلوا الخ کے ذیل میں کہا کہ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جس نے امام کو رکوع میں پایا اس کی وہ رکعت شمار نہ ہوگی۔ کیونکہ ما فات کے پورا کرنے کا حکم ہے اور مسبوق سے قیام اور قراءت فوت ہو گئے ہیں اور یہی قول ہے ابوہریرۃ رض کا اور ایک جماعت کا بلکہ امام بخاری نے قراءت خلف الامام میں ہر اس امام سے جو وجوب قراءت خلف الامام کا قائل ہے یہی حکایت کیا ہے پس اعتداد رکعت پر اجماع ثابت نہ ہوا۔

(۳) اب دیکھئے کہ قیاس سے کیا معلوم ہوتا ہے کہ ادراک رکوع سے رکعت ہو جاتی ہے، یا نہیں، سو اس کی توضیح اس طرح ہے کہ قیام اور قراءت بالاتفاق ارکان نماز ہیں۔ مدرک رکوع سے یہ دونوں فوت ہو گئے ہیں، دو رکن فوت ہو جانے سے رکعت کس طرح ہو جائے گی۔ علاوہ اس کے یہ کہ آنحضرت صلعم کا فرمان ہے کہ جو کچھ تم کو مل جائے امام کے ساتھ پڑھو اور جو کچھ نہ ملے اسے پیچھے پورا کرلو۔ پس قیام و قراءت دو فرض جو فوت ہو گئے ہیں ان کو امام کے

Marfat.com

سلام پھیرنے کے بعد خود تنہا پورا کرنا پڑے گا۔ یہی مطلب امام بخاریؒ کی عبارت مذکورہ بالا کا ہے،

اور اگر آپ کہیں کہ ہمارے نزدیک مقتدی پر قراءت فرض نہیں ہے۔ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ نہیں تو قیام تو فرض ہے، وہ کس طرح ساقط ہو گیا، اور حنفیہ کا مذہب ہے کہ فعل ارکان میں امام متحمل نہیں ہو سکتا۔

اور اگر آپ کہیں کہ نیت اور تکبیر تحریمہ ہی قیام کی صورت میں ہوتی ہے۔ پس وہ بھی حاصل ہو گیا۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ قیام اضطرار کا ہے۔ نہ کہ عبادت کا، کیونکہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو پیدا ہی سیدھی اقامت پر کیا ہے۔ اور مطلوب قیام عبادت ہے۔ چنانچہ فرمایا وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ۔ پارہ (۲) اور کھڑے ہو تم خدا کے سامنے باادب ہو کر، اور محض خاموشی سے کھڑے ہونا بھی عبادت نہیں، اسی لئے قیام میں سورۂ الحمد تعلیم کی گئی۔ کہ یہ خدا کی تعریف اور خلوص عبادت و خلوص دعا پر مشتمل ہے۔ پس رکوع میں شامل ہو کر ملنے کی صورت میں یہ قیام عبادت میں امام کے ساتھ نہیں ملا، پس اس کے عوض اضطراری قیام عبادت میں شمار نہیں ہوگا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ، چنانچہ امام بیہقیؒ کتاب القراءۃ میں فرماتے ہیں:۔

ولان القیام یسقط عن مدرک الرکوع والقدر الذی یاتی به من القیام للتکبیر لیس هو بالقیام الذی هو محل القراءة الخ۔ (ص ۵۸)

اور اس لئے بھی کہ رکوع سے ملنے کی حالت میں مقتدی سے قیام رہ جاتا ہے اور وہ مقدار قیام جس میں وہ تکبیر تحریمہ کہتا ہے۔ وہ وہ قیام نہیں ہے جو (بحکم شرع) محل قراءت ہے (کیونکہ وہ تو تکبیر تحریمہ کے بعد ہے)، فافہم۔

حاصل کلام یہ کہ ادراک رکوع سے ادراک رکعت قیاس پر بھی صحیح نہیں اترتا۔ بلکہ قیاس

---

(۱) حسن خاتمہ کے طور پر میں نے مناسب جانا کہ اس کتاب کا اختتام اپنے استاد و ہادی حضرت مولانا ابو عبداللہ عبیداللہ غلام حسن صاحب سیالکوٹیؒ رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ القول الفصیح سے انتخاب کر کے بیان کردوں کیونکہ مجھ عاجز پر خدا تعالیٰ کی ظاہری و باطنی اور علمی و قلبی سب طرح کی جو جو عنایتیں ہیں ان میں زیادہ حصہ انہی کے فیض و برکت کا ہے۔ رب اغفر لی ولوالدی ولاساتذتی واجعلهم فی النادی الاعلی وانزلهم المقعد المقرب عندك یوم القیامة۔ وہ انتخاب آگے آ رہا ہے ۱۲ منہ۔

Marfat.com

اُس کے خلاف ہے۔

(۴) اب باقی رہ گئی حدیث شریف، سواس کا بیان اس طرح ہے۔ کہ اس کے متعلق دو روایتیں ہیں پہلی یہ ہے۔ جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی کہی جاتی ہے۔

عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من ادرك ركعة من الصلوٰة فقد ادركها قبل ان یقیم الامام صلبه۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پائی ایک رکعت نماز کی تو اس نے پالیا اس (نماز) کو پیشتر اس سے کہ قائم کرے امام پشت اپنی "

حضرات حنفیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں رکعت سے مراد رکوع ہے اور اس میں صاف صاف مذکور ہے کہ اگر کوئی امام کے سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے پہلے رکوع میں شامل ہو جائے تو اس کی رکعت ہو جاتی ہے "

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں زیادت قبل ان یقیم الامام صلبه یحییٰ بن حمید کی روایت سے ہے اور یحییٰ بن حمید یہ حدیث قرۃ بن عبدالرحمٰن بن حیوئیل سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں استاد شاگرد ناقابل اعتبار ہیں۔ یحییٰ کی بابت تو امام بخاریؒ نے کہا مجھول لایعتمد علیه یعنی یہ شخص مجہول ہے۔ اس کی حدیث کا اعتبار نہیں (جزء القراۃ صد) اور امام دارقطنیؒ اسے ضعیف کہتے ہیں (میزان الاعتدال) اور قرۃ بھی سخت ضعیف ہے۔ امام احمدؒ اسے منکر الحدیث جدًا کہتے ہیں۔ نیز نسائی ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب)

غرض جب اس حدیث کے دو راوی اوپر تلے ضعیف ہیں، تو یہ روایت سورت فاتحہ کی فرضیت ثابت کرنے والی احادیث صحیحہ متواترہ و مشہورہ کی تخصیص نہیں کرسکتی، بڑے بڑے جلیل القدر حفاظ حدیث نے اس کے الفاظ جو روایت کئے وہ صرف اتنے ہی ہیں:۔ من ادرك ركعة من الصلوٰة فقد ادرك الصلوٰة۔ چنانچہ امام بخاریؒ اسی قدر الفاظ کی نسبت فرماتے ہیں۔ وهو خبر مستفیض عند اهل العلم بالحجاز وغیرها وقوله قبل ان یقیم الامام صلبه لا معنی له ولا وجه لزیادته (جزء القراءت، صہ) یعنی یہ حدیث صرف اتنے ہی الفاظ کے ساتھ علاقہ حجاز (مکہ شریف و مدینہ طیبہ) وغیرہ کے اہل علم کے نزدیک عام طور پر مستفیض (مشہور) ہے۔ اور یحییٰ کے قول قبل ان یقیم الامام صلبه کے کچھ بھی معنی نہیں، اور اس کی زیادت کی کوئی بھی وجہ نہیں ہے، پس اس روایت میں جو جملہ محل استدلال ہے، جب وہی ثابت

Marfat.com

نہیں تو اس سے استدلال درست نہ رہا۔ اور جتنے الفاظ صحیح ثابت ہیں، ان سے رکوع میں ملنے سے رکعت کے شمار ہو سکنے کی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ اس کے تین معنے ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ استاذنا و برکتنا حضرت مولانا ابو عبد اللہ عبید اللہ غلام حسین صاحب سیالکوٹی اپنی مایۂ ناز کتاب القول الفصیح فی وجوب الفاتحۃ علی الماموم فی المذاہب الصحیح میں فرماتے ہیں:۔

ومعناه حينئذ على ما صرح به النووي رح في المنهاج يحتمل ثلاثة وجوه احدها من سقط عنه الفرض لمانع شرعي فبعد ارتفاع المانع ان ادرك زمانا يسع لاداء ركعة فقد ادرك الصلوة ذالك الوقت يعني لزمه قضاءها وثانيها من ادرك ركعة من الصلوة مع الامام فقد ادرك فضل الصلوة مع الجماعة وثالثها من ادرك ركعة من الصلوة في وقتها فقد ادرك تلك الصلوة يعني يتمها اداء لا قضاء انتهى بحاصله۔

(ص۱)

اب اس حدیث کے ثابت شدہ الفاظ کے معنی بموجب تصریح امام نووی کے تین وجہ پر ہو سکتے ہیں اوّل یہ کہ جس سے کوئی فرض بہ سبب مانع شرعی کے ساقط ہو گیا، پس بعد دور ہو جانے اس مانع کے اگر اس نے ایک رکعت کے ادا کرنے کا بھی وقت پالیا ہے، تو اس نے اس وقت کی نماز پالی یعنی اس کو قضا کرنا اس نماز کا لازم ہے۔ دوم یہ کہ جس نے امام کے ساتھ نماز کی ایک رکعت پالی بیشک اس نے نماز با جماعت کی فضیلت پالی۔ سوم یہ کہ جسنے وقت نماز میں ایک رکعت کا وقت بھی پالیا، بیشک اس نے وہ نماز پالی، یعنی وہ شخص اپنی نماز ادا ء پوری کرے نہ قضاءً"

بموجب تصریح امام نووی رح کے اس حدیث کے معنی انہی تین وجوہ پر ہو سکتے ہیں۔ دیگر کوئی وجہ نہیں ہو سکتی، اور ظاہر ہے کہ ان تین وجوہ پر مسئلہ زیر بحث یعنی ادراک رکعت ثابت نہیں ہو سکتا۔

یہ عاجز میر سیالکوٹی کہتا ہے، کہ امام نووی رح نے تیسرے معنے جو لکھے ہیں۔ ان کی تائید حدیث مرفوع میں موجود ہے۔ جو حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلعم سے منقول ہے، اور صحیح بخاری ہی میں حدیث مرفوع میں حدیث ابوبکرہ سے بیشتر مکتوب ہے۔

عن ابي هريرةؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من ادرك الصبح ركعةً قبل

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس شخص نے صبح کی ایک رکعت سورج چڑھنے سے بیشتر پالی، تو

Marfat.com

ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح ومن ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر۔ (صحیح بخاری)

اسنے صبح کی نماز پالی اور جس نے عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پیشتر پالی، تو اس نے عصر کی نماز پالی،،

پس قاعدہ ،، تصنیف را مصنف نکو کند بیان ،، جب خود آنحضرت صلعم سے اس حدیث کے معنی ثابت ہو گئے۔ تو اب کسی بھی امتی کو حق نہیں پہنچتا۔ کہ آنحضرت صلعم کی تصریحات کے خلاف اس سے کوئی مسئلہ استنباط کر سکے۔ دیگر یہ کہ کلام شارع علیہ السلام میں رکعت کا لفظ قیام، رکوع اور سجود اور ان کے درمیانی امور کے مجموعہ پہ بولا گیا ہے۔ پس یہ اس کی حقیقت شرعی ہوئی، اور اہل اصول میں بالاتفاق مسلم ہے۔ کہ حقیقت شرعی حقیقت لغوی پہ مقدم ہوتی ہے۔ پس اس حدیث میں رکعت کے معنی رکوع لینا اور پھر صلوٰۃ کے معنی رکعت لینا اس مفہوم کے خلاف ہے۔ جو عرف شرع میں متعارف ہے،،

۲۔ ادراک رکعت کے ثبوت میں دوسری حدیث یہ پیش کی جاتی ہے۔

عن ابی بکرۃ انہ دخل المسجد والنبی صلی اللہ علیہ وسلم راکع فرکع قبل ان یصل الی الصف فذکر ذالک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال زادک اللہ حرصًا ولا تعد رواہ البخاری فی الصحیح۔

حضرت ابی بکرہ رضؓ سے روایت ہے۔ کہ وہ داخل ہوا مسجد میں و آنحالیکہ نبی کریم صلعم رکوع میں تھے پس رکوع کیا اس نے قبل صف میں پہنچنے کے پھر یہ بات آنحضرت کے پاس ذکر کی گئی تو آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ تیرا شوق زیادہ کرے پھر ایسا نہ کرنا،،

صورت استدلال یہ ہے کہ حضرت ابو بکرہ رضؓ صحابی صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کی حالت میں ہو کر اور اسی حالت میں چل کر صف میں ملے تو اس کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ اس نے رکوع میں ملنے سے رکعت کے پا لینے کے خیال سے ایسا کیا۔ اور پھر جب آنحضرت صلعم کو یہ قصہ معلوم ہوا تو آپ نے اس امر سے تو منع کیا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن رکعت دہرانے کا حکم نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم نے اس کی نماز کو کامل سمجھا۔ پس ادراکِ رکوع سے رکعت کا شمار ہونا ثابت ہو گیا۔ سو

اس کا جواب

حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کے رسالہ القول الفصیح سے استفادہ کر کے اسے اپنے الفاظ

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ہیں مع کسی قدر اضافہ و توضیح کے لکھتا ہوں۔ واللہ الموفق ؛

"حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث بے شبہ صحیح ہے لیکن امر مطلوب پر اس کی دلالت غیر مسلم ہے۔ اوّل اس لئے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ہرگز ثابت نہیں کہ انہوں نے رکوع کے پالینے سے رکعت کے پالینے کے رکعت کے پالینے کا قائل ہوتے ہوئے ایسا کیا۔ نہ اس حدیث میں اور نہ کسی دیگر روایت میں۔ پس اس کی تجویز ایک خیالی امر ہے جو سید ان دلائل میں مفید نہیں، دوم اس لئے کہ کسی قوی یا ضعیف روایت میں مذکور نہیں۔ کہ حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ نے اس رکعت کو شمار کرتے ہوئے اس کے عوض آنحضرت صلعم کی سلام کے بعد دوسری رکعت نہ پڑھی۔ سلسلہ روایات پڑھنے یا نہ پڑھنے ہر دو امر سے بالکل خاموش ہے۔ پس مستدل کا استدلال درست نہیں۔ کیونکہ عدم مثبت حکم نہیں ہو سکتا۔ جب حضرت ابوبکرہ کا پڑھنا یا نہ پڑھنا کچھ بھی مذکور نہیں، تو کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کا سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہو جاتا ہے، کیونکہ آپ کا سکوت محض مثبت حکم نہیں۔ بلکہ تقریر کے یہ معنی ہیں کہ کوئی کام آپ کے سامنے کیا جائے اور آپ اسے برقرار رکھتے ہوئے اس سے منع نہ فرمائیں۔ چنانچہ نور الانوار میں ہے:۔

السنۃ تطلق علی قول الرسول صلعم وفعلہ وسکوتہ۔ (ص۱۷۵ مطبوعہ یوسفی)	سنت کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور آپ کے سکوت پر بولا جاتا ہے،

اور لفظ سکوت پر مولینا عبد الحکیم صاحب لکھنوی والد ماجد جناب مولنا عبد الحی صاحب[۲] لکھتے ہیں۔ وسکوتہ ای عند امر یعاینہ صلعم یعنی ایسے امر پر آپ کا سکوت کرنا کہ آپ کے سامنے کیا جائے اور آپ اسے برقرار رکھتے ہوئے اس سے منع نہ فرمائیں۔ ارشاد الفحول میں بہت مفصل لکھا ہے۔

حاشیہ صفحہ ۵۴۹) سلہ یہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ صحابی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا ایک دیگر صحابی ہیں ۱۲ منہ

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ اور مولنا عبد الحی رح نے غیث الغمام ص۱۷ میں جو روایت جزء القراءۃ سے نقل کی ہے وہ عبد اللہ خزاز کی روایت ہے۔ جو منکر الحدیث ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ یونس رح سے روایت کرے (تہذیب التہذیب) اور یہاں وہ یونس رح سے روایت کرتا ہے

Marfat.com

البحث السابع التقریر وصورتہ ان یسکت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن انکار قول قیل بین یدیہ او فی عصرہ وعلم بہ او سکت عن فعل فعل بین یدیہ او فی عصرہ وعلم بہ فان ذالک یدل علی الجواز۔

ساتویں بحث تقریر میں ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے۔ کہ نبی کریم ایسے قول پر انکار کرنے سے خاموش رہیں جو آپ کے سامنے یا آپ کے عصر میں کہا جائے اور آپ کو معلوم ہو جائے، یا ایسے فعل پر خاموش رہیں جو آپ کے سامنے یا آپ کے عصر میں کیا جاوے اور آپ کو معلوم ہو جائے۔ پس اس (قول یا فعل) کے جواز کی دلیل ہے۔

(ارشاد مطبوعہ مصر ص۳۹)

پس جب کسی روایت میں یہ مذکور ہی نہیں کہ ابوبکرہ نے وہ رکعت دوبارہ پڑھی یا نہیں پڑھی تو آنحضرت صلعم کا سکوت کس امر پر سمجھا جائے، فافھم ولاتکن من القاصرین ؟

پس مستدل کا استدلال تعریفِ تقریر کی حد سے باہر ہونے کی وجہ سے درست نہ رہا۔ اگر کہا جائے کہ اگر نہ پڑھنا مذکور نہیں تو پڑھنا بھی تو مذکور نہیں۔ پھر آپ شمار نہ ہو سکنے کو کہاں سے لیتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں ہم عرض کرتے ہیں۔ کہ عدم شمار کی دلیل یہ حدیث نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حدیث دونوں پہلوؤں کے اثبات سے ساکت ہے۔ ہماری دلیل دیگر احادیث صحیحہ مستفیضہ ہیں۔ جو قیام اور قراءتِ فاتحہ کی فرضیت ثابت کرتی ہیں، ان کو سامنے رکھ کر آنحضرت صلعم کے فرمان ومَا فَاتَکُمْ فَاَتِمُّوْا (بخاری) کے رو سے کہتے ہیں کہ رکوع میں ملنے والے سے قیام اور قراءت فاتحہ یا کم از کم قیام اور مطلق قراءت یا اس سے بھی کم قیام جو آپ کے نزدیک بھی فرض ہے۔ ترک ہو گیا ہے۔ پس اس پر قیام وقراءت فاتحہ، یا قیام ومطلق قراءت یا محض قیام (جس طرح پر بھی آپ مان لیں) کو پورا کرنے کے لئے دوسری رکعت پڑھنی لازم ہو گی۔ یہ بات چالیس سیر اور سولہ آنے پوری ہے۔ اس میں کوئی پیچ یا تکلف نہیں ہے۔ واللہ الھادی۔

اس روایت کے بعد جو بھی روایت مرفوع اس بارے میں ہے وہ ضعیف ہے۔ اور جو بھی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان میں سے بھی اکثر بے اصل وغیر ثابت ہیں۔ اور اگر کوئی جرح سے خالی تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ موقوف ہونے کی وجہ سے ان مرفوع احادیث کے مقابلہ میں قائم نہیں ہو سکتا۔ جو قیام اور قراءتِ فاتحہ کی فرضیت کو ثابت کر رہی ہیں۔ امام شوکانی نے حدیث ابی بکرہ رضی اللہ عنہ کا جواب حافظ ابن حزم سے یوں نقل کیا ہے۔

Marfat.com

"اس میں ان کی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ اس میں اس رکعت کے کافی ہونے کا ذکر نہیں ہے بدلیل حدیث "ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا"، رکعت کے شمار کے لئے ادراک قیام و قراءت سے چارہ نہیں۔ کسی رکعت یا رکن یا ذکر مفروض کے فوت ہو جانے میں کوئی فرق نہیں۔ کیوں کہ ہر ایک ان میں سے فرض ہے جس کے بغیر نماز پوری نہیں ہوتی، اس مسبوق، کو حکم ہے کہ جو کچھ امام اس سے پہلے ادا کر چکا ہے۔ اسے وہ قضا کر کے پورا کرے، پس ان میں سے کسی امر کی تخصیص بغیر نص (شرعی) کے جائز نہیں، جس کے موجود ہونے کی کوئی راہ نہیں، اور بعض نے اس (اعتداد رکعت) پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور وہ اسمیں غلط گو ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ کہ وہ اس رکعت کو شمار نہیں کرتے، جب تک کہ سورۂ فاتحہ پڑھی نہ جائے اور اسی امر پر زید بن وہب[1] رح کا فیصلہ بھی مروی ہے۔ (انتہیٰ مترجما نیل الاوطار صد ۱۱۳ جلد ۲)

تمّ والحمد للّٰہ

نماز جنازہ اور سُورت فاتحہ

حضرات حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں سورت فاتحہ یا قرآن شریف کے کسی دیگر مقام سے قراءت کی نیت سے پڑھنا درست نہیں[2]۔ ہاں اگر ثنا یا دعاء کی نیت سے سورت فاتحہ پڑھ لے تو درست ہے۔ چنانچہ فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے:-

قالوا لا يقرء الفاتحة الا ان يقرأها بنية الثناء ولم تثبت القراءة عن النبي صلى الله عليه وسلم وفي مؤطا مالك رح عن نافع ان ابن عمرؓ كان لا يقرء في الصلوٰة على الجنازة، (جلد اوّل صہ ۴۶۲، مطبوعہ نولکشور)	(فقہاء نے) کہا ہے۔ نہ پڑھے فاتحہ مگر ثنا کی نیت سے پڑھے۔ تو پڑھے۔ تو نہیں ثابت ہوئی قراءت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، اور نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نماز جنازہ میں قراءت نہیں پڑھا کرتے تھے،،

بر خلاف اس کے امام شافعی رح دوسری نمازوں کی طرح نماز جنازہ میں بھی سورت فاتحہ کی

---

[1] زید بن وہب مخضرم ہیں۔ آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ میں ایمان لائے۔ زیارت کے لئے وطن سے چلے، لیکن ابھی رستے ہی میں تھے۔ کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہو گئی ۱۲ منہ

[2] یعنی نہ امام پڑھے نہ مقتدی، سبحان اللہ! یہ کیسی نماز ہے جس میں قراءت ہی نادارد ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

قراءت کو فرض جانتے ہیں، آپ نے کتاب[1] الام میں اس مسئلہ پر سیر کن بحث کی ہے۔ اور احادیث مرفوعہ و موقوفہ سے ثابت کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے کئی جنازوں پر سورت فاتحہ پڑھی ہے۔ اور آپ کے بعد صحابہ رض بھی پڑھتے رہے۔ اور شہادت دیتے رہے کہ نماز جنازہ میں سورتِ فاتحہ کا پڑھنا طریقِ مسنون ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

(۱) عن جابر بن عبد الله ان النبی صلی الله علیه وسلم کبر علی المیت اربعًا وقرء بام القرآن بعد التکبیرة الاولی۔

(۱) جابر بن عبداللہ رض سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر چار تکبیریں کہیں اور تکبیر اولیٰ کے بعد سورتِ فاتحہ پڑھی (۱)

(۲) عن طلحة بن عبد الله بن عوف قال صلیت خلف ابن عباس رض علی جنازة فقرء فیها بفاتحة الکتاب فلما سلم سألته عن ذالك فقال سنة وحق۔

(۲) طلحہ بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت ابن عباس رض کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے اس میں سورت فاتحہ پڑھی، جب سلام پھیر لیا۔ تو میں نے آپ سے اس کی بابت پوچھا، آپ نے فرمایا سنت ہے اور حق ہے (۱)

(۳) عن سعید بن ابی سعید المقبری قال سمعت ابن عباس رض یجهر بفاتحة الکتاب علی جنازة وقال انما فعلت لتعلموا انها سنة »

۳۔ سعید بن ابی مقبری کہتے ہیں۔ میں نے ابن عباس رض کو جنازہ پر سورتِ فاتحہ بالجہر پڑھتے سنا (قراءت پر) آپ نے فرمایا۔ کہ میں نے ایسا اس لئے کیا کہ تم جان لو کہ یہ (قراءت فاتحہ آنحضرت ؐ) کی سنت ہے۔

(۴) عن رجل من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ان السنة فی الصلوٰة علی الجنازة ان یکبر الامام ثم یقرء بفاتحة الکتاب بعد التکبیرة الاولی سرًّا فی نفسه ثم یصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم ویخلص الدعاء للمیت فی التکبیرات لا یقرء فی شیٔ منهن ثم

(۴) آنحضرت صلعم کے ایک صحابی رض سے روایت ہے کہ جنازہ پر سنت (طریق) یوں ہے کہ پہلے امام (تکبیر اولیٰ) کہے۔ پھر بعد تکبیر اولیٰ کے اپنے جی میں آہستہ سورت فاتحہ پڑھے۔ پھر آنحضرت صلعم پر درود پڑھے۔ اور باقی تکبیرات میں میت کے لئے اخلاص سے دعا کرے۔ ان میں کسی میں بھی قراءت نہ پڑھے، پھر اپنے جی میں آہستہ

---

[1] امام شافعی رح نے یہ احادیث مع اسنادوں کے ذکر کی ہیں۔ اور بعض جگہ ان پر کچھ تشریحی و استدلالی نوٹ دریار کے بھی کئے ہیں ہم نے بقصد اختصار ان سب کو حذف کر کے نقل کیا ہے ۱۲ منہ۔

Marfat.com

یسلم سرًّا فی نفسہٖ، — سلام پھیر دے۔،،

(۵) عن ابی امامۃ قال السنۃ ان یقرء علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتٰب، (کتاب الام جلد ۱، صفحہ ۲۴۰) — (۵) حضرت ابوامامہ خود صحابیؓ سے روایت ہے۔ کہ سنّت یہ ہے کہ نماز جنازہ پر سورت فاتحہ پڑھے

ان روایات کے نقل کرنے کے بعد امام شافعیؒ فرماتے ہیں

واصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یقولون بالسنۃ والحق الا علی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان شاء اللہ۔ (صفحہ ۲۴۰) — اور بفضل خدا نبی صلعم کے اصحاب لفظ سنت اور لفظ حق نہیں بولتے،، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت پر،،

اس کے بعد امام شافعیؒ بعض صحابہؓ کے فعل سے قراءتِ فاتحہ کا ثبوت دیتے ہیں،،

(۱) عن عبداللہ بن عمرو بن العاص انہ کان یقرء بام القرآن بعد التکبیرۃ الاولی علی الجنازۃ وبلغنا ذالک عن ابی بکر الصدیقؓ وسھل بن حنیف وغیرھما من اصحٰب النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (صفحہ ۲۴۰) — (۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضؓ سے روایت ہے کہ وہ جنازہ پر تکبیر اولیٰ کے بعد سورت فاتحہ پڑھتے تھے۔ اور یہی بات ہم کو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت سہیل بن حنیف (خود صحابی) وغیرہما رسول اللہ صلعم کے اصحاب سے پہنچی ہے،،

احادیث مذکورہ بالا کے جواب میں کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ان میں بظاہر امام کا سورت فاتحہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ مقتدی کا نہیں۔ تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں،،

والناس یقتدون اماھم بصنعون ما یصنع لہ (صفحہ ۲۴۰) یعنی لوگ اپنے امام کے مقتدی ہوتے ہیں وہ بھی وہی کچھ کریں جو کچھ ان کا امام کرتا ہے۔،،

یعنی سورت فاتحہ کا حکم جس طرح دوسری نمازوں میں امام و مقتدی ہر دو کے لئے ہے اسی طرح نماز جنازہ میں بھی امام و مقتدی ہر دو پر ہے۔ اور حضرت امام اعظم رضؓ نے جنازہ میں جو قراءت فاتحہ سے انکار کیا ہے۔ اس کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں۔ وقال بعض الناس لا یقرء فی الصلوۃ علی الجنازۃ یعنی بعض لوگوں کا قول ہے۔ کہ نماز جنازہ میں قراءت نہ کرے،، اس کے بعد فرماتے ہیں،، انا صلینا علی الجنازۃ وعلمنا کیف سنۃ الصلوۃ فیھا الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا وجدنا الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ اتبعناھا۔ ۱۲۔

یعنی ہم نے جنازہ پر نماز پڑھی اور جان لیا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق مسنون

Marfat.com

کس طرح ہے۔ پس جب ہم نے رسول اللہ صلعم کی سنت کو پالیا۔ تو ہم نے اس کی پیروی کر لی۔ یعنی یہی تو رسول اللہ صلعم کو خدا کا رسول پیغمبر جاننے کے معنی ہیں۔ پھر اس میں کلام کیا اس کے بعد حضرت امام ابو حنیفہ رح کی طرف اشارہ کر کے ان کی طرف سے عذر کرتے ہیں۔ الّاان یکون رجل لم تبلغہ السنۃ فیھا ۱۲۔ یعنی ہم ان کی طرف سے سوائے اس کے کیا کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان کو اس بارے میں طریق سنت کی کیفیت نہیں پہنچی، یعنی وہ معذور ہیں لیکن جب اوروں کو مل گئی ہے۔ تو ان کو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ سبحان اللہ کیا خوب لکھا ہے کہ دامن ادب نہیں چھوڑا اور طریق سنت سے بھی انحراف نہیں ہوا۔ خداوندا! تو ان سب بزرگان دین پر صدہا رحمتیں بھیج۔ آمین۔

تنبیہ امام شافعی رح کے حوالجات میں حضرت ابن عباس رض کی روایت جو ہم نے ۵۲۱ پر لکھی ہے۔ وہ صحیح بخاری میں بھی ہے۔ حافظ ابن حجر رح نے اس کی شرح میں امام نسائی رح کے حوالہ سے لکھا ہے:۔

فقرء بفاتحۃ الکتاب وسورۃ وجھر حتی اسمعنا فلما فرغ اخذت بیدہ فسألتہ فقال سنۃ وحق۔

پس آپ نے فاتحہ اور ایک دیگر سورت بالجہر پڑھی۔ حتیٰ کہ ہم کو سنائی۔ پس جب فارغ ہوئے تو میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ سنّت ہے اور حق ہے۔"

(صـ ۶۹ جزء ۵ مطبوعہ دہلی)

حیرانی ہے۔ کہ شیخ ابن ہمام حضرات حنفیہ میں فن حدیث میں بالغ النظر بزرگ ہیں۔ پھر قراءت فاتحہ کی احادیث کتاب الآام صحیح بخاری؟ اور سنن نسائی میں ہوتے ہوئے انہوں نے کس طرح لکھ دیا لم یثبت القراءۃ عن النبی صلعم یعنی نماز جنازہ میں آنحضرت صلعم سے قراءت ثابت نہیں ہے۔ (فسبحٰن من لاینسٰی)

اور حضرت شیخ صاحب رح نے مؤطا امام مالک کے حوالہ سے حضرت ابن عمر رض کی جو روایت لکھی ہے کہ وہ نماز جنازہ میں قراءت نہیں پڑھتے تھے۔ اس کے جواب میں شاہ ولی اللہ صاحب مسوّا سے حاشیہ مؤطا میں فرماتے ہیں:۔

تعقب بحدیث الشیخین من السنۃ قرأۃ الفاتحہ فی صلوۃ الجنازۃ ۱۲۔ یعنی ابن عمر رض کی روایت پر حدیث صحیحین سے تعاقب کیا گیا ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ نماز جنازہ میں قراءت سورت فاتحہ طریق مسنون ہے،، اور صحابی من السنّت کا لفظ کہے تو وہ حدیث

Marfat.com

مرفوع سمجھی جاتی ہے۔

گذارش اس کے بعد ہم حضرات حنفیہ کی خدمت میں باادب التماس کرتے ہیں۔ کہ آپ حضرت امام اعظم رح کے زرّیں قول اذا صحّ الحدیث فھو مذھبی کو کبھی نہ بھولا کریں۔ جہاں پر حدیث صحیح مل جائے۔ اس پر بے کھٹکا عمل کر لیا کریں۔ بہ نیت ثناء و دعا تو آپ کے سب بزرگ مانتے ہیں، ان کے علاوہ آپ کے بعض بزرگوں نے اسے تحقیق کے رو سے بھی تسلیم کیا ہے۔ کہ بہ نیتِ قراءت درست ہے۔ اس میں کوئی کراہت نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالحی صاحب رح نے اس امر میں ایک خاص رسالہ تصنیف کیا ہے۔ جو ان کے رسالہ امام الکلام فیما یتعلق بالقراءۃ خلف الامام کی آخری جزو بعنوان خاتمہ ہے۔ آپ اس میں فرماتے ہیں:۔

والمرجح فی ذالک ھو القراءۃ علی وجہ الاستحباب او السنیۃ لثبوت ذالک بالاخبار المتواردۃ۔ (ص۲۳۳)	اور اس بارے میں قراءت کو ترجیح دی ہے بروجہ استحباب یا سنیت، بوجہ ثابت اس کے ان احادیث سے جو اس بارے میں وارد ہیں"۔

اور بعض حضرات احناف نے جو اسے مکروہ لکھا ہے، اور بعض نے بہ نیّت ثنا یا دعا نہ بہ نیّت قراءت لکھا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

والقول بالکراھۃ مطلقاً او بالکراھۃ بنیۃ القراءۃ لا بنیۃ الثناء لا یدل علیہ دلیل باحد الوجوہ الدالۃ۔ (ص۲۳۳)	اور جو قول مطلقاً مکروہ ہونے، بہ نیّتِ قراءت نہ بہ نیت ثنا مکروہ ہونے کا ہے۔ اس پر دلائل (شرعیہ) کی وجوہ (اربعہ) میں سے کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی"۔

(۲) حضرت مولانا ممدوح نے اپنے تک ہی بس نہیں کی، بلکہ اپنے سے پہلے کے ایک مسلم حنفی بزرگ کا حوالہ بھی دیتے ہیں کہ:۔

وقد صنف الشرنبلالی فی ھذہ المسئلۃ رسالۃ سماھا بالنظم المستطاب لحکم القراءۃ فی صلوۃ الجنازۃ بام الکتاب وحقق فیھا ان القراءۃ اولی من ترک	امام شرنبلالی رح (حنفی) نے اس مسئلہ میں ایک (خاص) رسالہ تصنیف کیا ہے اور اس کا نام۔ النظم المستطاب لحکم القراءۃ فی الصلوۃ الجنازہ بام الکتاب رکھا ہے۔ اور اس میں تحقیق کیا ہے

Marfat.com

القراءة ولا دليل على الكراهة ۔ کہ قراءت کا پڑھنا نہ پڑھنے سے اولیٰ ہے اور مکروہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے“

(ص۲۳)

(۳) اسی طرح قاضی ثناء اللہ صاحب حنفی پانی پتی قدس سرہٗ مالابدمنہ میں فرماتے ہیں۔ نزد امام اعظم رح سورۂ فاتحہ خواندن در نماز جنازہ مشروع نیست و اکثر علماء برآنند کہ فاتحہ ہم بخوانند (صد ۸۲) خیر اس حوالہ میں تو اختلافِ ائمہ کے اشارے سے سمجھا گئے ہیں، اپنے جنازہ کی بابت جو وصیت کی ہے۔ اس میں فرماتے ہیں ،، و نماز جنازہ بجماعت کثیر و امام صالح مثل حافظ محمد علی دیا حکیم سکھوایا حافظ پیر محمد بجار آرند و بعد تکبیر اولی سورۂ فاتحہ ہم بخوانند

ولیکن ھذا اٰخر الکتاب بعون الملک الوھاب وصلی اللہ علی رسولہ محمد لناطق بالحق والصواب؟

حضرات! اس تفسیر کے مقدمہ عربی میں صد۱۹ پر اور دیباچہ اردو میں صد۱۹ پر آپ مطالعہ فرما چکے ہیں کہ بنا بر اختلاف طبائع علمائے مفسرین کے مذاق مختلف ہوئے ہیں۔ محدثین نے اپنے فن کے رو سے اس کی تفسیر بیان کی، یعنی آیات قرآنیہ کے ذیل میں ان کے مناسب و متعلق احادیث ذکر کیں، کیونکہ آنحضرت صلعم جس طرح امین وحی ہیں، اسی طرح شارح و مبین قرآن بھی ہیں چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْہِمْ پ۱۴ یعنی (اے پیغمبر!) ہم نے خاص تمہاری طرف یہ ذکر (قرآن شریف) اس لئے نازل کیا کہ تم لوگوں کے لئے وہ سب کچھ کھول کر بیان کردو جو ان کی طرف اتارا گیا (یعنی اس ذکر میں جو جو احکام ان کو کئے گئے، وہ سب ان کو کھول کر سمجھا دو۔ عام اس سے کہ وہ بیان آنحضرت صلعم اپنی زبان وحی ترجمان سے فرمائیں یا اپنے طریق عمل سے سمجھائیں۔ اور کر کے دکھادیں ۔)

اسی طرح فقہائے اس سے مسائل فقہیہ استنباط کئے، کیوں کہ قرآن شریعت محمدی کا سب سے پہلا ماخذ ہے۔

اسی طرح متکلمین رح نے معقول و منقول میں تطبیق دے کر اور ملحدین و منکرین کے جوابات دے کر قرآن کی مدافعت کی۔ اور جہاد باللسان والقلم کا عہدہ پورا کیا۔ اور حضرات صوفیاء رح نے تہذیب نفس۔ اخلاص نیت تبتل الی اللہ۔ ایثار آخرت، کثرت ذکر۔ دوام فکر و مراقبہ اور بہر حال میں اس بات کا دھیان لگائے رکھنا، کہ ہم خدا کے سامنے حاضر ہیں۔ تاکہ کوئی قول یا فعل خلاف حضور کے منافی ہو سرزد نہ ہو جائے۔ وغیرہ وغیرہ امور کے بیان میں وہ حصہ لیا۔ کہ دیگر نہ لے سکتے تھے۔ اور اہل ادب و معانی نے قرآن شریف کی زبان کے متعلق کہ وہ نہایت

Marfat.com

میٹھی اور شستہ ہے۔ اور درجۂ اعجاز پر فصیح و بلیغ ہے۔ اس کے کلمات کی عذوبت و جامعیت اور اس کے جملوں کی ترکیب کے لطائف بیان کر کے اس کا بشری طاقت سے بالاتر ہونا ظاہر کیا۔ اور یہی پانچ امر تفسیر قرآن کے اصولی طریقے ہیں۔

ہر چند کہ مجھ عاجز کو کسی فن میں بھی کمال حاصل نہیں ہے۔ لیکن علمائے سابقین کی دریوزہ گری کر کے اور کچھ خدائے تعالیٰ کے فیض سے بہرہ پا کر میں نے کوشش کی ہے کہ اس تفسیر میں ان پانچوں طریقوں کو جمع کر دوں۔ تاکہ ہر مذاق والا شائق اپنے مذاق کے مناسب فائدہ حاصل کر سکے۔ پس آپ کو اس میں جو کچھ اپنے ذوق طبع کے علاوہ ملے۔ اس سے بددل ہو کر کتاب کو پھینک نہ دیں۔ بلکہ اپنے مناسب طبع امور سے بہرہ ور ہو کر باقی کو دوسرے صاحب ذوق کے لئے چھوڑ دیں۔ وَالْعِصْمَةُ لِلّٰهِ تَقَدَّسَ وَتَعَالٰی۔

شکر و دعا بدرگاہِ خدا

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ یہ تفسیر واضح البیان اس وقت رات کے پونے تین بجے۔ شب جمعہ مبارک درمیان ۴ و ۵، ماہ رجب ۱۳۵۴ھ مطابق شب درمیان ۳ و ۴ ماہ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو بوقت سحر اختتام کو پہنچ گئی۔ اللھم احسن عاقبتنا فی الامور کلھا واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الآخرۃ۔

خداوندا! میں کس دل اور کس زبان سے تیرا شکر کروں، کہ باوجود ہجوم ہموم و غموم، اور تواتر امراض و احزان، اور کثرت اشتغال و اسفار، اور وفور تکاسل و تانی اور عموم تسویف و تعویق، جو اکثر میرے شامل حال رہتے ہیں۔ تو نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھ ناتوان کو توفیق بخشی اور ہمت دی کہ میں اس تفسیر کو انجام دے سکا۔ خصوصاً اس نعمت کا شکریہ کسی طرح بھی ادا نہیں کر سکتا۔ جو تو نے فہم قرآن اور علم اسرار شریعت کے متعلق عطا کی۔

خداوندا! تو جانتا ہے۔ اور میں اقرار کرتا ہوں۔ کہ میں نے اس تفسیر کے لکھنے سے پہلے بھی بیشمار گناہ کئے اور اس کی تصنیف کے عرصہ میں بھی میرے گناہوں کی کوئی حد نہیں رہی، سوائے میرے ستّار و غفّار خدا اجسطرح تو نے میرے گناہوں پر نظر نہ رکھتے ہوئے محض اپنی مہربانی سے مجھ پر اپنی ظاہری و باطنی، عمومی و خصوصی عنایات کی بارش رکھی[1]۔ اگر آئندہ

---

[1] کما قال الشاعر ؎ کما احسن اللہ فیما مضی، کذالک یحسن فیما بقی۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

بھی میرے ماضی و حال واستقبال کے گناہوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی عنایات کا سلسلہ جاری رکھے اور سارے قرآن مجید کی تفسیر کے اتمام کی توفیق عطا کر دے۔ اور اس کی طبع کے اسباب مہیا کر دے، تو گو میں اس احسان کے لائق نہیں ہوں۔ لیکن تیری شان قدوسیت سے تو بعید نہیں۔ پس تو اپنی شان کریمی کے لائق مجھ پر کرم کر، اور میری جملہ خطیات وتقصیرات صغیرہ وکبیرہ، ظاہری و باطنی۔ دانستہ و نادانستہ سے گذر کر اور میرے اس حقیر کام کو مقبول فرما۔ شاہا! بر کرم من منگر۔ بر کرم خویش نگر۔ تیرے بندے تو بہت ہیں۔ اور سب تیرے بندے ہی ہیں۔ لیکن تو جانتا ہے کہ تیرے سوا میرا تو کوئی دوسرا مالک نہیں ہے۔ بس مجھے اتنی ہی خوشی اور فخر کافی ہے۔ کہ تو میرا مالک ہے۔

اَللّٰهُمَّ حَيِّنِيْ بِمَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَلَا تُعَامِلْنِيْ بِمَا اَنَا اَهْلُهٗ وَصَلِّ وَسَلِّمْ

عَلٰى صَفْوَةِ بَرِيَّتِكَ الَّذِيْ اَكْرَمْتَنِيْ بِتَشَبُّثِ ذَيْلِهٖ وَعَلٰى اٰلِهٖ الْكِرَامِ

وَاَصْحَابِهٖ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ مَنْشَطِ

مَحَابِّهِمْ وَسَهْلِهٖ

تمت

Marfat.com

واضح البیان

فی

تفسیر ام القرآن

★

حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

★

ادارہ ترجمان السنہ

۷۔ایبک روڈ، لاہور

Marfat.com